تاریخ ایران

جلد دوم

از ظہور اسلام تا عصر حاضر

تالیف

پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی

دارای "نشان سپاس"

دولت شاہنشاہی ایران

مجلسِ ترقئ ادب لاہور

تاریخِ ایرانؒ

جلد دوم

از ظہورِ اسلام تا عصرِ حاضر

تالیف

پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی

دارای "نشانِ سپاس"

دولت شاہنشاہی ایران

مجلسِ ترقیٔ ادب لاہور

طبع اول : اپریل ۱۹۷۱ء

تعداد : ۱۲۰۰

ناشر : پروفیسر حمید احمد خان
ناظم مجلس ترقی ادب ، لاہور

مطبع : شفیق پریس ، ۲۵ کبیر سٹریٹ
پیسہ اخبار ، لاہور

مہتمم : ایس - ایم - شفیق

قیمت : پچیس روپے

تمہید

خوشا وہ سلامتِ ذوق اور زہے وہ استقامتِ کار جس کے سہارے انسان پوری زندگی اپنی پسند کے کسی پاکیزہ مشغلے میں بسر کر سکے ! مرزا مقبول بیگ بدخشانی اُن خوش نصیب لوگوں میں ہیں جنھوں نے اوائلِ عمر میں فارسی زبان و ادب کی شمع سے لو لگائی اور پھر ماہ و سال کا کوئی انقلاب انھیں اس صراطِ مستقیم سے منحرف نہ کر سکا -

مرزا صاحب نے فارسی کے پروفیسر کی حیثیت سے جو خدمات سر انجام دیں ، میں یہاں اُن کا ذکر نہیں کروں گا - لیکن فارسی ادب کے تیزی سے کم ہوتے ہوئے جاں نثاروں میں انھوں نے قوم کی ایک عظیم الشان روایت کو زندہ رکھنے کے لیے جس طرح ہمارے تہذیبی ماضی کا قرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے ، اس کے لیے ہم ان کا جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہے -

اس سے پہلے اکتوبر ۱۹۶۷ع میں ان کی ضخیم تاریخِ ایران کی جلد اول طبع ہوئی تھی - اب اگست ۱۹۷۱ع میں اسی کتاب کی جلد دوم شائع ہو رہی ہے جسے ہم سلطنتِ ایران کے دو ہزار و پنج صد سالہ جشن سے منسوب کرنے کی مسرت حاصل کر رہے ہیں -

مرزا صاحب نے فارسی زبان و ادب کے مطالعے کے سلسلے میں اس بنیادی کام کو نظر انداز نہیں کیا - ایران کے متعلق تاریخی مواد انگریزی اور بعض دوسری یورپی زبانوں میں کثرت سے موجود ہے - اُردو زبان و ادب کو جو تعلق فارسی سے اور ایرانی تاریخ کے پس منظر سے ہے ، اس کا لحاظ کیجیے تو ہمارے لیے بہ مقابلہ اہلِ یورپ کے کہیں زیادہ ضروری ہے کہ اُن تفصیلات سے بوجہِ احسن آگاہ ہوں جو اہلِ ایران کی ہزارہا سالہ تاریخ کا تار و پود بناتی ہیں - بدخشانی صاحب نے ایران کی مفصل تاریخ دو جلدوں میں لکھ کر ایک مفید علمی و ادبی خدمت انجام دی ہے - مجھے یقین ہے کہ اہلِ ذوق اصحاب اور تاریخ کے طالب علم یہ کتاب دلچسپی سے پڑھیں گے -

لاہور
۱۵- اگست ۱۹۷۱ع

حمید احمد خاں
ناظم مجلسِ ترقیٔ ادب ، لاہور

فہرست

قومی ملکیت میں ، سرکاری کارخانوں میں عوام کی حصے داری ، کارخانوں کے منافع میں مزدوروں کا حصہ ، اصلاح قانون انتخابات ، سپاہ دانش ، سپاہ بہداشت ، سپاہ ترویج و آبادانی ، خانہ ہائے انصاف ، معدنی ذخائر و صنائع ، مواصلات ، تجارتی مراکز ، دستور ساز ادارے ، ملکی مالیات ، صوبائی تقسیم ، ملکی دفاع ، بین الاقوامی معاہدات ، معاہدۂ بغداد ، معاہدہ استنبول اور آر ۔ سی ۔ ڈی ، پٹرولیم ، اور پٹرو کیمیکل صنعتیں ، وسائل نقل و حمل ، جہاز رانی ، شاہراہ ، ریلوے ، ہوائی رابطہ ، فنی اور ثقافتی تعاون ، زبان و ادبیات ، فرہنگستان ، نیا فارسی ادب ، شاہنشاہ کا قومی خطاب ، ''آریا مہر'' ، جشن تاج پوشی ، شاہ بانوے ایران ، ریجنٹ ، کے تقرر کے لیے آئین میں ترمیم ، غیر ملکی دورے ، ایران و پاکستان کے ملی روابط ۔

والدین مرحوم کی یاد میں

جن کے نقش قدم نے میری منزل کی نشان دھی کی

اگر لعل نایم زکان تو ام

وگر شمعم از دودمان توام

حرف آغاز

کشور ایران کی تہذیب کا باقاعدہ آغاز، جس کا تفصیلی ذکر جلد اول میں آ چکا ہے، ہخامنشیوں سے ہؤا اور آل ساسان نے اسے عروج کو پہنچایا ۔ یہ تہذیب اہل ایران کا سرمایۂ افتخار ہے اس لیے انھوں نے قدیم زمانے کی کسی خارجی تہذیب کا اثر قبول نہیں کیا ۔ سکندر اعظم یونانی تھا ۔ ایک فاتح کی حیثیت میں وارد ایران ہوا لیکن بجائے اس کے کہ وہ ایران میں یونانی اثرات اپنی یادگار چھوڑتا، خود ایرانی بن کر واپس ہوا ۔ اس کے جانشینوں نے بھی کسی نہ کسی شکل میں ایرانی تہذیب کو اپنایا لیکن ان کے برعکس ورودِ اسلام کی برکات نے ان کے دلوں اور دماغوں کو متاثر کیا ۔

ظہور اسلام کے ساتھ جب عربوں کے ہاتھوں عظیم ساسانی حکومت کا خاتمہ ہوا تو فاتحین نے اہل ایران کو خدائے واحد کا تصور دلایا اور نبی اکرم صلعم کے اسلامی عقائد پیش کیے جو انھوں نے بہ طیب خاطر قبول کیے ۔ ایران میں اسلامی حکومت قائم ہوئی تو ایرانی اس میں حصہ دار بنے ۔ معاشرے میں عربوں کی آمد سے جو فکری انقلاب رونما ہوا، اسے اہل ایران نے خوش آمدید کہا ۔ حکمرانوں کی زبان عربی تھی، عربی کی تعلیم و ترویج ان کا مطمح نظر تھا اس لیے انھوں نے مساجد تعمیر کرا کے ان کے ساتھ مدارس قائم کیے ۔ اہل ایران نے نہ صرف عربی زبان سیکھی بلکہ ذہین اور طباع ایرانیوں نے عربی کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا اور اپنی عظیم تصانیف کی بدولت عالم گیر شہرت حاصل کی ۔

بنو امیہ کے دور استبداد میں اہل ایران بہت بد دل ہوئے لیکن خلافت عباسیہ کے دوران ان کے حقوق کا پورا پورا احترام کیا گیا ۔ ہارون الرشید کے عہد میں ایران کے خاندان برامکہ کے افراد وزارت پر

فائز رہے ۔ مامون الرشید کے عہد میں ایرانیوں کا اثر و رسوخ اور بھی بڑھا ۔ مامون نے نہ صرف ایرانی معیشت کو اور بہتر بنایا بلکہ اہل ایران کو فارسی زبان کے احیا کی طرف مائل کیا ۔ عباس مروزی اسی دور کا شاعر ہے جس نے مامون کی مرو میں آمد پر فارسی میں قصیدہ کہا ، اگرچہ دور حاضر کے محققین نے اس قصیدے کے اصل ہونے میں شبہ کا اظہار کیا ہے ۔

عباسی دور میں اہل ایران کے قومی احساسات اُبھرے اور یکے بعد دیگرے صفاری اور سامانی حکومتیں قائم ہوئیں ۔ ایرانی تہذیب کا پھر سے احیا ہوا ۔ فارسی زبان جو پہلوی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی ، عربی رسم الخط میں لکھی جانے لگی ۔ فارسی کے محسن پیدا ہوئے تو علمائے ایران نے فارسی نظم و نثر کی طرف رجوع کیا اور رفتہ‌رفتہ فارسی نے ادبیات عالم میں اپنا مقام پیدا کر لیا ۔

ایران میں غزنوی حکومت کا خاتمہ ماوراء النہر کے ترک سلجوقیوں کے ہاتھوں ہوا ۔ سلجوقیوں کا دور ملکی معیشت ، سیاست اور علم و ادب کے اعتبار سے ایران کا زریں دور سمجھا جاتا ہے یہ لوگ ترک تھے لیکن بالآخر اپنے آبائی طورطریقے بھول کر ایرانی رنگ میں رنگے گئے ۔

چنگیز اور اس کے بعد ہلاکو نے سرزمین ایران میں خون کی ندیاں بہائیں اور آبادیوں کو ویرانوں میں تبدیل کیا ، لیکن دور بربریت میں ایران کے جوینی خاندان کے دو جلیل القدر افراد شمس الدین صاحب دیوان اور عطا ملک جوینی نے ویرانوں میں پھر سے آبادیاں بسائیں ۔ ہلاکو کے کے لگائے ہوئے زخموں کو عظیم فلسفی نصیر الدین طوسی نے بھی مندمل کرنے کی کوشش کی ۔ ہلاکو کے جانشینوں میں یہ تبدیلی آئی کہ وہ کشور ایران میں رہ بس کر اپنی اصلی زبان یعنی ”ایغوری“ کو بھول گئے ، یاسائے (قانون) چنگیز کو بالائے طاق رکھ دیا اور آبائی خانہ بدوشی کے طور طریقے ترک کرکے ایرانی تہذیب کے شان و شکوہ کو اپنایا ۔

چنگیز اور ہلاکو کی فتوحات کا یہ اثر ضرور ہوا کہ ان کے اصلی وطن قراقرم (چین) سے ایران کا رابطہ قائم ہوا اور ایرانی اور چینی معماروں اور فن کاروں میں میل جول پیدا ہونے سے ایرانی فن تعمیر ، بالخصوص کاشی کاری میں گراں قدر تبدیلیاں رونما ہوئیں ۔ اس دور کی اہم تعمیرات مقبرہ غازان خاں (شام غازان) اور مقبرۂ اولجائتو خدا بندہ میں ایرانی اور چینی فن

کا امتزاج بہت نمایاں ہے ۔ اسی دور میں تاریخ کی عظیم کتابیں ''تاریخ جہان کشائے جوینی'' اور ''جامع التواریخ'' لکھی گئیں ۔ ہلاکو ہی کے عہد میں اتابکان فارس کی ایک خود مختار حکومت کے ساتھ شہرہ آفاق معلم اخلاق ، شاعر اور ادیب سعدی علیہ الرحمۃ کچھ عرصے کے لیے وابستہ ہوئے جنھوں نے اپنے مخصوص فلسفۂ حیات کے ذریعے لوگوں کو تسلیم و رضا کا درس دیا ۔

چنگیز و ہلاکو کے بعد امیر تیمور کی بربریت نے انسانیت کو شرمایا لیکن اس کے جانشینوں کو بالآخر ایرانی تہذیب نے اپنے آغوش میں لے لیا اور خاک ایران کے ذرے ذرے کو انھوں نے عزیز و محترم سمجھا ۔ حافظ شیرازی تیمور کے زمانے کے عظیم شاعر ہیں جنھوں نے زخم خوردہ ایرانیوں کو اپنی شاعری کے ذریعے طمانیت قلب بخشی ۔ تیمور کے جانشینوں نے فن تعمیر میں دلچسپی لی اور گنبد دار مساجد کی تعمیر پر خصوصی توجہ دی ۔ اس دور کی مساجد کا نمونہ تبریز کی ''مسجد کبود'' ہے ۔ اسی دور کی یادگار ''مسجد گوہر شاد'' بھی ہے جسے شاہرخ کی ملکہ گوہر شاد نے تعمیر کرایا تھا اور اب بھی وہ اسی شان سے قائم ہے ۔

صفویوں نے مستحکم مرکزی حکومت قائم کی تو ایرانی تہذیب ، جس پر اب اسلامی تہذیب کی گہری چھاپ تھی ، اپنے عروج کو پہنچی ۔ یہ تہذیب عالی شان عمارات ، مقبروں ، مسجدوں ، مدرسوں ، باغوں اور گلزاروں میں منعکس ہوئی جنھیں مشرق و مغرب کے سیاح اب بھی خراج تحسین ادا کرتے ہیں ۔

زندیوں اور افشاریوں نے بھی اپنی حکومتیں قائم کرکے ملک کے تہذیبی آثار میں قابل قدر اضافہ کیا جن کے نمونے ہمیں شیراز کی عمارات میں نظر آتے ہیں ۔ قاچاریوں کا دور ، آمریت اور استبداد کو اپنے جلو میں لے کر آیا ۔ اس استبداد نے محب وطن ایرانیوں کو جھنجوڑا اور ان کے دلوں میں حصول آزادی کی تڑپ پیدا کی ۔ انھوں نے صریر خامہ اور صدائے منبر کے ذریعے خفتہ بخت ایرانیوں کو بیدار کیا اور مشروطیت کی ملک گیر اور پرجوش تحریک کا آغاز ہوا ۔ یہ تحریک خونیں مرحلوں سے گزر کر آخر کامیاب ہوئی ۔ اور محمد علی شاہ قاچار کو با حسرت و یاس تخت و تاج چھوڑنا پڑا ۔ اس دور میں جور و استبداد کے باوجود کچھ

جدید اصلاحات بھی ہوئیں جو بالواسطہ تحریک آزادی کو تیز تر کرنے کا موجب بنیں ۔

ایران کے پڑوسی ملک روس اور انگریزوں نے ایران کو اپنانے کی سرگرم جد و جہد کی اور طویل عرصہ اس میں غلطاں رہے لیکن ایران اور ایرانی تہذیب ان سے مغلوب نہ ہوئے ۔

موجودہ پہلوی دور نے مغربی اثرات تو قبول کیے لیکن اسی حد تک کہ وہ وقت کے جدید تقاضوں کے مطابق چل سکیں ۔ ورنہ اس دور کی عظمت میں بھی در اصل ایرانی تہذیب ہی کی روح کارفرما ہے ۔

تاریخ ایران کی اس جلد میں خلافت راشدہ ، خلافت بنو امیہ ، خلافت بنو عباس اور ان کے بعد ایران میں قائم ہونے والی ملکی اور غیر ملکی حکومتوں کے عروج و زوال کے اسباب اور ہر ہر دور کے نظام حکومت ، سیاسی ، معاشرتی ، اقتصادی اور تہذیبی ترقیوں اور علمی و ادبی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ایران کی عہد بہ عہد کی پرجوش مذہبی تحریکوں کا بھی ذکر آیا ہے جو مذہب کے نام سے شروع ہوئیں اور سیاسی رنگ میں اپنے انجام کو پہنچیں ۔ قاچاری دور کی تحریک مشروطیت ، جس کا اوپر ضمناً ذکر کیا گیا ہے ، ایرانیوں کی وطن پرستی اور قربانیوں کی عظیم داستان ہے ، اس لیے اس زمانے کے لٹریچر اور یادداشتوں کی روشنی میں اسے قدرے تفصیل سے پیش کیا گیا ہے ۔

کتاب کا آخری باب پہلوی دور سے متعلق ہے جس میں رضا شاہ کبیر کی حکومت ، عسکری تنظیم ، بین الاقوامی معاہدات ، تعلیمی اصلاحات ، صنعت و حرفت کی ترقی ، وسائل نقل و حمل کی وسعت ، بنک کاری کی سہولت ، زبان کی پیش رفت ، تیل کے چشموں پر ایرانی ملکیت کی تفصیلات کے بعد شاہنشاہ آریا مہر اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی کی حکومت کی اصلاحات کا مفصل ذکر آیا ہے ۔ جو ملک کے ہمہ گیر معاشرتی نظام کی صورت میں عمل پذیر ہو رہی ہیں انہیں ''انقلاب سفید'' کا نام بہمہ وجوہ زیب دیتا ہے ۔ ان میں اصلاح اراضی ، اصلاح قانون اراضی ، کاشتکاروں کے لیے مالکانہ حقوق ، جنگلات کا قومی ملکیت میں لینا ، سرکاری کارخانوں میں عوام کی شراکت ، اصلاح قانون انتخابات ، تعلیم بالغان ، حفظان صحت ،

اصلاح دیہات ، خانہ ہائے انصاف کا قیام ایسے اہم امور شامل ہیں ۔ ان کے علاوہ صنعت و حرفت ، معدنیات ، علوم و فنون اور شعر و ادب کا مختصر جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے ۔

آخر میں ایران اور پاکستان کے باہمی روابط اور ایران ، پاکستان اور ترکیہ کے مابین علاقائی تعاون برائے ترقی کے منصوبوں کا تفصیلاً ذکر آیا ہے ۔

اس کتاب کی افادیت میں اضافہ کرنے کے لیے جناب سید امتیاز علی تاج صاحب ناظم مجلس ترقی ادب نے میری ہر طرح سے مدد فرمائی جس کے لیے میں ان کا صمیم قلب سے شکر گزار ہوں ۔ پروفیسر حامد خاں حامد گورنمنٹ کالج لاہور کا شکریہ بھی مجھ پر واجب ہے جنھوں نے تالیف کتاب کے سلسلے میں ضروری مواد فراہم کرنے میں میری مدد کی ۔ ڈاکٹر محمد بشیر حسین کا ممنون ہوں کہ انھوں نے مجھے بعض ضروری معلومات بہم پہنچائیں ۔

اس تاریخ کی تدوین میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ حالات و واقعات تحقیق کی روشنی میں پیش کیے جائیں لیکن سہو کا امکان ہے ۔ اس لیے قارئین سے درخواست ہے کہ اگر کوئی فرو گذاشت نظر آئے تو براہ کرم راقم الحروف کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درستی کی جا سکے ۔

بتاریخ ۲۹ ماہ مئی ۱۹۶۹ء

مقبول بیگ بدخشانی
۳۶ - مین روڈ ، سمن آباد
لاہور



جشن اعطای 'نشان سپاس' دولت شاہنشاہی ایران بمولف تاریخ بتوسط آقای جعفر کفای سفیر کبیر
ایران در پاکستان (۱۵ مارچ ۱۹۶۳)

پہلا باب

ظہور اسلام سے بنو امیہ تک

(۱ تا ۱۳۲ھ مطابق ۶۲۲ تا ۷۴۹ع)

عرب مسلمانوں کی فتح ایران کی تفصیل جلد اول میں آ چکی ہے - اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جلد دوم کا آغاز رسول خداؐ کی حیات طیبہ سے کیا جائے تاکہ تاریخ ایران کا رابطہ سرچشمۂ اسلام سے قائم ہو سکے -

قبیلۂ قریش

قرون وسطیٰ میں حجاز کے قبیلۂ قریش نے ، جس سے رسول خداؐ کا نسبی تعلق ہے ، مختلف حیثیتوں میں شہرت پائی - ان کا مورث اعلیٰ 'فہر' نامی تھا جو قریش کے لقب سے موسوم ہوا - فہر کا سلسلۂ نسب حضرت اسماعیل سے ملتا ہے - اس نسبت کی وجہ سے قبیلۂ قریش کے لوگ اپنے حسب نسب پر بڑا فخر کرتے ہیں -

پانچویں صدی عیسوی میں فہر کی اولاد میں 'قصی' نامی شخص نے مکے کی سرداری حاصل کرلی اور رفتہ رفتہ پورا حجاز اس کے تسلط میں آ گیا - اس زمانے میں مکے کی حیثیت ایک چھوٹی سی بستی کی تھی جہاں لوگ جھونپڑیوں اور خیموں میں رہتے تھے -

قصی نے کعبے کو از سر نو تعمیر کرایا اور اپنے قیام کے لیے ایک قصر بنوایا ، جس کا ہال کمرہ دارالندوہ (دیوان عام) کے نام سے موسوم تھا - یہاں آ کر لوگ قصی کے سامنے اپنے مسائل پیش کرتے تھے - قصی کے کہنے پر لوگوں نے حرم کعبہ کے ارد گرد مستقل

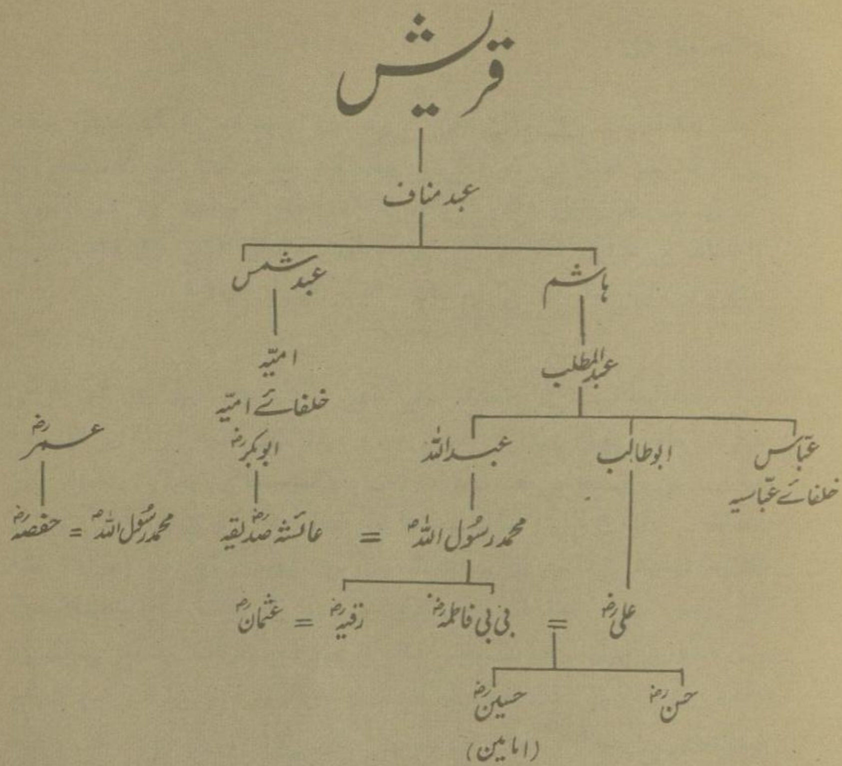
سکونت کے لیے مکان بنا لیے - قصی نے ۴۸۰ع کے قریب وفات پائی تو اس کا بیٹا عبدالدار اس کا جانشین ہوا - کچھ عرصے بعد وہ فوت ہوا تو قصی کے پوتوں اور اس کے بھائی عبدالمناف کے بیٹوں کے مابین حکومت مکہ کے سلسلے میں تنازعہ شروع ہو گیا ، جو آخر اس طرح طے ہوا کہ پانی کی فراہمی اور لگان وصول کرنے کا اختیار عبدالمناف کے بیٹے عبدالشمس کو ملا اور حرمِ کعبہ کی پاسبانی اور فوجی علم کی حفاظت کی ذمے داری عبدالدار کے بیٹوں کے سپرد ہوئی -

ہاشم اور عبدالمطلب

عبدالشمس نے اپنے اختیارات اپنے بھائی ہاشم کو ، جو مکے کے سربرآوردہ تاجر تھے اور مسافروں کی مہمان داری کی وجہ سے مشہور تھے ، تفویض کر دیے - ہاشم تقریباً ۵۱۰ع میں فوت ہوئے تو ان کی جانشیی ان کے بھائی مطّلب کو ملی - ۵۲۰ع میں ان کا بھی انتقال ہو گیا اور ان کے بھتیجے شیبہ ، جو عبدالمطّلب کے نام سے مشہور ہوئے ، ان کے جانشین بنے - یہ ہاشم کے بیٹے تھے -

اُمیّہ

عبدالدار کے پڑپوتوں کو کاروبار تجارت میں بہت ترقی ہوئی جس سے وہ امیر کبیر ہو گئے اور ہاشم کے خاندان کی مقبولیت کی وجہ سے اُن سے حسد کرنے لگے - ان کی کوشش تھی کہ پورے اختیارات خود سنبھال کر مکے کے حکمران بن جائیں - عبدالشمس کا جاہ پسند بیٹا اُمیّہ ان کا ہمنوا تھا جس کی وجہ سے انھیں بڑی تقویت حاصل تھی - ادھر عبدالمطّلب کی بلند کرداری کی وجہ سے لوگ ان کی بڑی قدر کرتے تھے - وہ حقیقت میں لوگوں کے محبوب سربراہ تھے ، اس لیے اُمیّہ اور اس کے ساتھی اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے اور مکے کی عنان اقتدار انسٹھ سال تک بدستور عبدالمطّلب کے ہاتھوں میں رہی - البتہ دس بڑے قبائل کے سردار مکے کی حکومت کے کاروبار میں ان کی اعانت کرتے تھے -



قریش
عبد مناف
عبد شمس
ہاشم
امیہ
خلفائے امیہ
عبدالمطلب
عمرؓ
ابوبکرؓ
عبداللہ
ابوطالب
عباس
خلفائے عباسیہ
محمد رسول اللہؐ = حفصہؓ
عائشہ صدیقہؓ = محمد رسول اللہؐ
عثمانؓ = رقیہؓ
بی بی فاطمہؓ = علیؓ
حسینؓ
حسنؓ
(امامین)

واقعہ سال فیل

عبدالمطّلب کے زمانے میں ۵۷۰ع میں ابرہہ نامی ایک عیسائی حبشہ سے اپنا جم غفیر لے کر مکے پر حملہ آور ہوا ۔ خدا کو یہ منظور تھا کہ یہ جم غفیر اہل مکہ کے ہاتھوں تباہ ہو ۔ چنانچہ وہ قہر الٰہی[1] کا نشانہ بنے ۔ اہل مکہ پر آنچ بھی نہ آئی ۔ لشکر کشی کے وقت ابرہہ ہاتھی پر سوار تھا اس لیے یہ سال ، 'سالِ فیل' کہلایا ۔

عبدالمطّلب کے متعدد بیٹے تھے ۔ ان میں سے چار کو تاریخی حیثیت حاصل ہوئی جن کے نام یہ ہیں : عبدالمناف الملقب بہ ابو طالب ، عباس ، جن کے نام پر بعد میں خلافت عباسیہ قائم ہوئی ، حمزہ اور عبداللہ ۔ ایک اور بیٹا ابولہب تھا جو آنحضرتؐ کے پیش کیے ہوے نظریۂ توحید کا دشمن تھا ۔ عبداللہ سب میں چھوٹے تھے جو رسولؐ خدا کے والد تھے ۔ عبداللہ کی شادی مدینے کے ایک معزز خاندان میں بی‌بی آمنہ سے ہوئی ۔ عبداللہ پچیس سال کی عمر میں وفات پا گئے ۔ ان کی وفات کے چند ہی دن بعد بی‌بی آمنہ نے خیرالانام کو جنم دیا جن کا نام عبدالمطّلب نے محمدؐ رکھا ۔ آپ چھ ہی سال کے ہوئے تھے کہ والدہ داغ مفارقت دے گئیں ۔ عبدالمطّلب نے آپ کی پرورش اپنے دامن شفقت میں کی ۔ عبدالمطّلب ۵۷۹ع میں فوت ہوئے تو اُن کے بیٹے ابو طالب نے آپ کی پرورش اپنے ذمے لی ۔ آپ نے زندگی کا ابتدائی حصہ ابو طالب کے گھر میں گزارا ۔ ابو طالب اپنے بزرگوں کی طرح زیادہ مال دار نہ تھے اس لیے خاندان کے چھوٹے بچوں کو بکریاں چرانی پڑتی تھیں ۔ یہ فریضہ آپؐ بھی بجا لاتے رہے ۔ اسی دوران میں آپؐ نے تجارت کے کاروبار کے سلسلے میں اپنے چچا کے ساتھ دو بار شام کا سفر بھی کیا ۔

---

۱ ۔ قران مجید کی آیت الم تراکیف... الخ اسی واقعے سے متعلق ہے ۔ ابرہہ کے ساتھیوں کی تباہی ابابیلوں کے ذریعے ہوئی ۔

حضرت بی بی خدیجہؓ

پچیس سال کے ہوئے تھے کہ آنحضرتؐ کی شادی حضرت بی بی خدیجہؓ سے ہوئی جو بہت صاحب کردار اور دولت مند خاتون تھیں۔ انھوں نے آپؐ کی رفاقت کا حق پوری طرح ادا کیا اور بڑی اطاعت شعار اور غم گسار بیوی ثابت ہوئیں۔ جب ضرورت پڑی، آپ نے اپنی دولت حضورؐ کے حکم کے مطابق بے دریغ صرف کی۔ آپ کے ہاں متعدد بچے پیدا ہوئے۔ بیٹے تو سب آپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ سب سے چھوٹی اولاد حضرت بی بی فاطمہؓ تھیں، جن کی شادی ابو طالب کے فرزند حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ہوئی۔

امین

شام کے سفر کے بعد آنحضرتؐ کو تجارت کا کافی تجربہ ہو گیا تو چچا کے کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹانے لگے۔ اس کاروبار میں ایسی راست بازی، دیانت داری اور محنت کا ثبوت دیا کہ آپ کے اوصاف حسنہ کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔ اکثر لوگ اپنی امانتیں آپؐ کے پاس رکھ جاتے اور جب ضرورت ہوتی واپس لے جاتے، اس لیے 'امین' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ طبیعت میں قدرت نے حلم، شرافت اور شفقت ودیعت کی تھی۔ چنانچہ آپ کے کنبے کے لوگ اور ہم جولی آپؐ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ بڑے حساس تھے۔ لوگوں کی بے راہ روی اور دکھ درد دیکھ کر آپؐ کا دل کڑھتا تھا۔

جستجوے حق

آپؐ کو شروع ہی سے بت پرستی سے سخت نفرت تھی۔ یہ حقیقت معلوم کرنے کی آپ کو دھن رہتی تھی کہ اس دنیا کا خالق کون ہے۔ انسان، حیوان، جنگل، دریا، پہاڑ، چاند، سورج، تارے، زمین اور آسمان کس نے بنائے ہیں۔ اس جستجو کے علاوہ ایک اور بات جو آپؐ کو بے چین رکھتی تھی، یہ تھی کہ انسانوں کو ذلت و پستی سے نکال کر انسانیت کی راہ کیوں کر دکھائی جائے۔

غارِ حرا اور نزولِ وحی

آپؐ سوچ بچار کے لیے مکے سے دو تین میل کے فاصلے پر غار حرا

میں جا بیٹھتے اور خالق کائنات کی عبادت میں مصروف رہتے - اسی طرح کئی سال گزرتے گئے - آخر چالیس سال کی عمر میں خداے تعالیٰ کی طرف سے آپ کو نبوت کا منصب عطا ہوا - ایک دن محویت کے عالم میں بیٹھے تھے کہ آواز سنائی دی ''اقراء'' یعنی پڑھ - آپ نے پہلے تو کہا ، مجھے پڑھنا نہیں آتا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد محسوس کیا کہ آپ پڑھ سکتے ہیں تو پوچھا ، کیا پڑھوں ؟ پھر آواز آئی ''اقراء باسم ربک الذی خلق'' یعنی پڑھ ساتھ نام اپنے پروردگار کے ، جس نے پیدا کیا - پھر یہ بتایا گیا کہ انسان زمین پر کس طرح اور کیوں آیا اور اگر وہ خدا کو پہچاننا چاہتا ہے تو اُسے نیکی اور پرہیزگاری کا راستہ اختیار کرنا چاہیے - یہ سب آپ کو وحی کے ذریعے بتایا گیا جو حضرت جبرئیلؑ کے ذریعے نازل ہوئی - وحی کا یہ سلسلہ بدستور جاری رہا - آپ نے خداوندتعالیٰ کے پیغامات اہل عالم تک پہنچائے - لوگوں کو ذلت و پستی سے نکالنے ، گمراہی سے بچانے اور انسانوں کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرنے میں زندگی بسر کر دی -

اسلام

رسولؐ خدا نے جو دین اہل عالم کو پیش کیا ، اسلام ہے - اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ خدا ایک ہے - وہ قادر مطلق ہے - اس نے مخلوقات عالم کو پیدا کیا - زندگی اور موت پر وہی قادر ہے - جزا و سزا کا ایک دن مقرر ہے - جو لوگ اللہ کے احکام کی پیروی کریں گے ، ان کو اجر ملے گا ، جو نافرمانی کریں گے وہ سزا کے مستوجب ہوں گے -

سب سے پہلے آپ پر حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں - پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ ، حضرت ابوبکرؓ ، حضرت زید بن حارثہؓ حلقۂ اسلام میں آئے - ان کے بعد دوسرے بزرگ اسلام کی سعادت سے بہرہ مند ہوے -

مخالفت

تین سال تک رسولؐ خدا نے خاموشی سے تبلیغ اسلام کی اور طالب حق حلقہ بہ‌گوشِ اسلام ہوتے گئے - پھر آنحضرتؐ نے کھلم کھلا تبلیغ شروع کی - دعوت اسلام پر قریش شروع شروع میں

ہنستے تھے لیکن جب آنحضرتؐ کو تبلیغ حق میں ثابت قدم پایا تو وہ دشمنی پر اُتر آئے اور حضورؐ کو اور پیروان اسلام کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچانے لگے - بعض کو اتنی شدید ایذائیں پہنچائیں کہ وہ جاں بہ حق ہو گئے - مخالفین اسلام میں قریش کا ایک سردار ابوجہل اور آنحضرتؐ کا چچا ابولہب پیش پیش تھے - مخالفت کی انتہا ہو گئی تو پیروان اسلام نے مکے سے ہجرت کر کے حبشہ میں پناہ لی ، جہاں کے حکمران نجاشی نے تارکان وطن کا کھلے دل سے خیر مقدم کیا -

ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ فوت ہوئیں تو قریش کی دشمنی حد سے تجاوز کر گئی - آپ مکہ سے نکل کر طائف گئے لیکن وہاں کے لوگوں کی سرد مہری نے آپ کو واپس مکہ آنے پر مجبور کر دیا - یہاں آپ کچھ دیر لوگوں سے الگ تھلگ رہے - آپ کی دعوت اسلام ان لوگوں تک محدود تھی جو باہر سے مکہ آتے تھے - یثرب سے آنے والے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور حلف اُٹھا کر عہد کیا کہ وہ بت پرستی نہیں کریں گے ، خدا کے سوائے کسی دوسرے کے آگے نہیں جھکیں گے ، چوری نہیں کریں گے ، کوئی برا کام نہیں کریں گے ، لڑکیوں کو قتل نہیں کریں گے جو اس وقت کا عام دستور تھا ، لوگوں کو دکھ نہیں پہنچائیں گے -

یثرب کے لوگ واپس پہنچے تو وہاں بھی اسلام کا چرچا ہونے لگا - حق کے متلاشی حج کے موقع پر مکے آئے - حضورؐ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور اسلام کے احکام پر عمل کرنے کا حلف اُٹھایا -

ھجرت

اہل یثرب نے وفد بھیج کر آنحضرتؐ کو یثرب آنے کی دعوت دی - مکے کے لوگ اہل مدینہ کے حریف تھے - اس دعوت کا حال معلوم ہوا تو ان کے غیظ و غضب کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا - آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو ، جو قریش کے ظلم سہتے سہتے بے بس ہو رہے تھے ، مکے سے نکل کر مدینے جانے کی اجازت دے دی - قریش کو صورت حال کا علم ہوا تو انھوں نے تہیہ کر لیا کہ آنحضرتؐ کو قتل کر دیں گے - آپ کو ان کے مذموم ارادوں کا علم ہوا تو حضرت ابوبکرؓ کی رفاقت

میں آپؐ نے ۲ جولائی ۶۲۲ء میں ایک غار میں پناہ لی ۔ تین دن بعد شام کے وقت وہاں سے نکلے ، اونٹوں پر سوار ہو کر سفر اختیار کیا اور بروز جمعہ مدینے پہنچ گئے ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ بھی یہاں آ گئے ، جنھیں آنحضرتؐ لوگوں کی امانتیں واپس کرنے کے لیے مدینے چھوڑ آئے تھے ۔ یہ واقعہ ہجرت کے نام سے موسوم ہے ۔ اسلامی سال یعنی سن ہجری[1] کا آغاز اسی مناسبت سے ہوا ۔

اہل یثرب نے آنحضرتؐ کی آمد پر آنکھیں فرش راہ کیں اور اس تقریب پر یثرب کا نام بدل کر 'مدینة النبی' رکھ دیا ۔ پھر رفتہ رفتہ بطور اختصار مدینے کہنے لگے ۔ یہاں ایک مسجد بنائی گئی جس کی تعمیر میں خود آنحضرتؐ نے بھی مدد دی اور جمعے کے روز اس میں نماز پڑھائی ۔ تاریخ اسلام میں یہ پہلی نماز جمعہ تھی جو آنحضرتؐ نے مسجد نبوی میں پڑھائی ۔

انصار

مدینے میں اوس اور خزرج دو قبیلوں میں عرصے سے دشمنی چلی آتی تھی ؛ آپ نے ان کے باہمی جھگڑے مٹا کر انھیں متحد کر دیا اور یہ دونوں قبیلے بھی اہل مدینہ کی طرح انصار کہلانے لگے ۔

یہودیوں ، عیسائیوں اور مسلمانوں کے باہمی روابط

مدینے میں مسلمانوں کے علاوہ یہودی اور عیسائی بھی تھے جنھوں نے آنحضرتؐ کا گرم جوشی سے استقبال کیا تھا ۔ آپ نے مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں اور عیسائیوں کے باہمی روابط قائم کرنے کے لیے منشور جاری کیے ، جنھیں آئین کا درجہ حاصل تھا ۔

پہلا منشور : آنحضرتؐ نے پہلے منشور کے ذریعے یہودیوں کو

---

۱ ۔ سن ہجری کا استعمال حضرت عمرؓ نے واقعۂ ہجرت کے سترہ سال بعد شروع کیا ۔ ہجری سن کا آغاز عین ہجرت کے دن سے یعنی ۴ ربیع الاول سے نہیں بلکہ یکم محرم سے ہوتا ہے ۔

پوری پوری آزادی دے کر مذہبی رواداری کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ اس منشور کی بڑی بڑی دفعات یہ تھیں:

۱ - یہودیوں کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

۲ - یہودیوں اور مسلمانوں کے حقوق مساوی ہوں گے۔

۳ - دونوں میں سے کسی پر کوئی حملہ کرے تو دوسرا اس کی مدد کرے گا۔

۴ - مدینہ پر کوئی دشمن چڑھائی کرے تو دونوں مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔

دوسرا منشور: مدینے کے آس پاس جو عیسائی آباد تھے انہیں بھی آپ نے مذہبی آزادی دے کر انسانی ہمدردی کی روشن مثال قائم کی۔ ان کے لیے جو منشور جاری ہوا اس کی دفعات یہ ہیں:

۱ - عیسائیوں کے گرجے محفوظ رہیں گے۔ کسی عیسائی پیشوا کو اس کے عہدے سے نہیں ہٹایا جائے گا۔

۲ - جو عیسائی عورتیں مسلمانوں کے نکاح میں آ جائیں گی، انہیں اپنے مذہب پر رہنے کی آزادی ہو گی۔

۳ - عیسائیوں پر کوئی ناجائز محصول عاید نہیں کیا جائے گا۔

جنگ بدر

یوں تو قریش آنحضرتؐ کی ہر دل عزیزی اور اشاعت اسلام سے کدورت کی وجہ سے مدینہ پر حملہ کرتے رہتے تھے جس میں انہیں منہ کی کھانی پڑتی تھی لیکن انہوں نے منظم جنگ مدینے سے کچھ فاصلے پر بدر کے مقام پر مسلمانوں کے خلاف لڑی جس میں قریش کو شکست ہوئی اور وہ اُلٹے پاؤں مکہ لوٹ گئے۔

جنگ اُحد

بدر کی شکست پر مکے میں کہرام مچ گیا اور انتقام لینے کے لیے اہل مکہ تیار ہونے لگے۔ ہجرت کے تیسرے سال ابوسفیان بن حرب کی

سر کردگی میں بہت بڑا لشکر مدینے پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ اُحد کے مقام پر مسلمان ان کے مقابلے کو آئے۔ اس جنگ میں اول مسلمانوں کو فتح ہوئی لیکن احد کی گھاٹیوں میں جو مسلمان سپاہی متعین تھے، انھوں نے جونہی قریش کو فرار ہوتے دیکھا، اپنی جگہ سے ہٹ آئے۔ قریش نے موقع پاکر پیچھے کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ اس صورت حال میں متعدد صحابی شہید ہوئے۔ خود رسولؐ خدا کو بھی زخم آئے۔ آخرکار مسلمانوں نے سنبھل کر پھر حملہ کیا اور لشکر قریش کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

جنگ خندق

ہجرت کے پانچویں سال اہل مکہ نے مدینے پر پھر چڑھائی کی۔ اس موقع پر رسولؐ خدا نے ایک جنگی تدبیر سے کام لے کر مدینے کے ارد گرد خندق کھدوا دی۔ قریش نے شہر کا محاصرہ کر لیا لیکن بالآخر انھیں محاصرہ اٹھا کر لوٹنا پڑا۔ یہ لڑائی خندق کی وجہ سے 'جنگ خندق' کے نام سے مشہور ہوئی۔

یہودیوں کی غداری اور سزا

یہودیوں نے جنگ خندق کے موقع پر منشور اول کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کی مخالفت میں حملہ آوروں کا ساتھ دیا۔ اس بدعہدی کی انھیں یہ سزا ملی کہ ان کے مرکز یعنی درۂ خیبر پر مسلمانوں نے چڑھائی کرکے اسے فتح کر لیا اور ان کے دوسرے قلعے بھی ایک ایک کرکے مسخر کر لیے۔

صلح حُدیبیہ

فتح خیبر سے ایک سال پہلے مکے کے قریش اور مدینے کے مسلمانوں کے مابین عارضی صلح حدیبیہ کے مقام پر، جو مکے سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے، ہو گئی تھی۔ اس صلح کے رو سے دس سال کے لیے لڑائی ملتوی کر دی گئی اور دونوں فریقوں کے لوگ ایک دوسرے کے ہاں آنے جانے لگے۔ اس سے مسلمانوں کو اشاعت اسلام کرنے کا موقع مل گیا۔

آنحضرتؐ مکے میں

صلح حُدیبیہ کی ایک شرط یہ تھی کہ مسلمان اگلے سال حج کعبہ کے لیے مکے آئیں گے ۔ چنانچہ اس موقع پر آنحضرتؐ مسلمانوں کو ساتھ لے کر مکے آئے ۔ اس مرتبہ قریش کے دلوں پر آنحضرتؐ کے وقار ، کریم النفسی اور مسلمانوں کی سادہ زندگی و پاکیزگی کا بڑا اثر پڑا ۔

بادشاہوں کے نام خط

ہجرت کے ساتویں سال جب اشاعت اسلام بلا رکاوٹ ہونے لگی آنحضرتؐ نے ہرقل ، قیصر روم اور خسرو پرویز ؛ شہنشاہ ایران کے نام مراسلے لکھ کر دعوت اسلام دی ۔ ہرقل نے آنحضرتؐ کے مراسلے کے جواب میں بڑی شائستگی سے جواب دیا لیکن خسرو نے آداب سفارت بالائے طاق رکھتے ہوئے مراسلے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور سفیر کو دربار سے نکلوا دیا ۔ آنحضرتؐ کو اس واقعے کا علم ہوا تو فرمایا ، خسرو پرویز کی سلطنت بھی یوں ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گی ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور تھوڑے ہی عرصے میں اس عظیم سلطنت کا مسلمانوں کے ہاتھوں خاتمہ ہو گیا ، جیسا کہ مفصل ذکر پہلے آ چکا ہے ۔

فتح مکہ

صلح حُدیبیہ کو ابھی دو سال نہ ہوئے تھے کہ قریش نے مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلے کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا اور اس طرح معاہدۂ صلح کو توڑنے کا موجب بنے ۔ آپ نے ان کی سرزنش کے لیے مسلمانوں کے دس ہزار لشکر کے ساتھ مکے کا رخ کیا ۔ لیکن اہل مکہ نے مقابلے کی تاب نہ پا کر شہر آپؐ کے حوالے کر دیا ۔ اب اہل مکہ آپؐ کے رحم و کرم پر تھے ۔ آپؐ نے عفو عام سے کام لیا اور سب لوگوں کے قصور سے درگزر کیا لیکن کعبے کو بتوں سے پاک کر دیا ۔

سال وفود

مکے سے آپ واپس مدینے تشریف لے آئے ۔ اب تک جو قبیلے اسلام قبول کرنے سے ہچکچا رہے تھے ، وفد بھیج کر حلقہ بگوش اسلام

ہونے لگے - ہجرت کے نویں سال تو آنحضرتؐ کی خدمت میں ایسے بہت سے وفد آئے اس لیے یہ سال اسلامی تاریخ میں 'سال وفود' کے نام سے موسوم ہوا - وفد جب واپس جاتے تو اسلام کی سعادت سے بہرہ مند ہو کر جاتے -

حجۃ الوداع کا خطبہ

آنحضرتؐ کا فریضۂ تبلیغ اب پورا ہو چکا تھا ، ساتھ ہی سفر آخرت بھی قریب نظر آ رہا تھا - ۱۰ھ مطابق ۶۳۲ع میں آپ نے اپنی زندگی کا آخری حج کیا ، جو حجۃ الوداع کہلاتا ہے - اس مبارک موقع پر آپ نے اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کہ : ''لوگو ! میرے الفاظ کو غور سے سنو - مجھے معلوم نہیں کہ آیندہ سال میں آپ کے درمیان ہوں گا یا نہیں - جس طرح تم اس دن اور مہینے کا احترام کرتے ہو ، اسی طرح ایک دوسرے کے جان و مال کی حفاظت کرو - یاد رکھو تمھیں ایک دن اپنے خدا کے حضور پیش ہونا ہے جو تمھارے اعمال کا محاسبہ کرے گا - جس طرح تمھارا حق تمھاری بیویوں پر ہے ، اسی طرح تمھاری بیویوں کا حق تم پر بھی ہے - بیویوں سے مہربانی کا سلوک کرو - غلاموں کو وہی کھانا دو جو تم خود کھاتے ہو اور انھیں ویسے ہی کپڑے پہناؤ جیسے خود پہنتے ہو - میرے الفاظ کو غور سے سنو ! جان لو کہ سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں - تم سب ایک امت ہو - تم میں کسی کو یہ حق نہیں کہ دوسرے کی کسی چیز پر ناجائز قبضہ کرے ، جب تک وہ رضا مندی سے وہ چیز تمھارے حوالے نہ کردے - کسی کے ساتھ ناانصافی نہ کرو - جو لوگ یہاں موجود ہیں ، وہ ان لوگوں تک میری باتیں پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں - ہو سکتا ہے جن تک یہ باتیں پہنچائی جائیں ، وہ ان کی نسبت ، جو یہاں موجود ہیں ، انھیں زیادہ بہتر طور پر یاد رکھ سکیں -''

مکے سے مدینے واپس آ کر آپؐ نے مختلف قبیلوں اور صوبوں کی تنظیم کا کام شروع کیا - اپنے صحابہؓ کو بھیجا کہ لوگوں کو اسلامی فرائض و حقوق سے آگاہ کریں ، قدیمی عداوتوں کو مٹانے کی کوشش کریں ، مشرکانہ رسموں کو دور کرنے اور عدل و انصاف کو اپنا شعار بنانے

کی تلقین کریں - اپنے کردار کے نمونے پیش کرکے لوگوں میں صحیح اسلامی روح پیدا کرنے کی امنگ پیدا کریں - جو لوگ صاحب استطاعت ہوں ان سے زکٰوۃ لے کر بیت المال میں جمع کریں -

وفات

سالہا سال کی محنت شاقہ کی وجہ سے آپؐ کی صحت بہت متاثر ہوئی- ۱۱ھ محرم کے مہینے کے آخر میں آپؐ بیمار ہوئے- لیکن مسجد نبوی میں نماز پڑھاتے رہے - دو ماہ کی علالت کے بعد حجرے سے نکلے تو حضرت علیؓ آپ کو سہارا دیے ہوئے تھے - نقاہت طاری تھی - اسی حالت میں حاضرین کو خطاب کرکے فرمایا ، مسلمانو ! اگر میں نے کسی کو دکھ پہنچایا ہو تو اس کا جواب دینے کے لیے میں حاضر ہوں - اگر میرے ذمے کسی کا کچھ نکلتا ہو تو میرے پاس جو کچھ ہے وہ تمہارا ہے - اس کے بعد آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو مذہبی احکام پر عمل کرنے اور صلح و آشتی سے رہنے کی تلقین کی - اس خطبے سے تین دن بعد یعنی ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۸ جون ۶۳۲ع کو آپ واصل بحق ہوگئے -

خلفاے راشدین

مملکت ایران میں عربوں کو جو فتوحات حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوئیں ان کا ذکر جلد اول میں آ چکا ہے - بہرحال اس باب میں خلافت ، تنظیم جدید ، ملکی اور معاشرتی اصلاحات ، علوم و ادبیات ، اسلامی ثقافت کا مختصر حال ، جس سے ایران بھی براہ راست متاثر ہوا ، ضبط تحریر میں لایا جائے گا -

حضرت ابوبکر صدیقؓ

حضرت ابوبکرؓ رسولؐ خدا کے پرانے رفیق تھے - آپ ان بزرگوں میں سے ہیں ، جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا - پھر بہت سے لوگ آپ کی تبلیغ سے ایمان لائے - انھوں نے ہر نازک موقع پر آنحضرتؐ کا ساتھ دیا - ہمیشہ اسلام کی حمایت اور نبی کریمؐ کی حفاظت کے لیے سینہ سپر رہے - امیر کبیر شخص تھے لیکن دولت کا زیادہ حصہ اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے صرف کیا -

خلافت (۱۱ تا ۱۳ھ مطابق ۶۳۲ تا ۶۳۴ع)

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو خلیفۃ المومنین منتخب کیا گیا کیوں کہ آپ کی بزرگی اور اوصاف حمیدہ کی وجہ سے مہاجرین اور انصار سب آپ کا احترام کرتے تھے - آپ کی زندگی سچے اور دین دار مسلمان کی زندگی کا کامل نمونہ تھی - عدل و انصاف میں کبھی کسی کی رو رعایت نہیں کرتے تھے - بوڑھے تو تھے لیکن ہمت جوانوں کی سی تھی - طبیعت میں انکسار حد درجے کا پایا جاتا تھا -

مسند خلافت سنبھالتے ہی آپ کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا - بعض قبیلے، جنھوں نے محض مصلحۃً اسلام قبول کیا تھا، رسولؐ خدا کی وفات کے بعد اسلام سے پھر گئے - بعض قبائل اسلام پر تو قائم رہے لیکن زکٰوۃ دینے میں انہیں تامل تھا - بعض لوگوں، یعنی مسیلمہ کذاب، اسود، سجاح اور طلیحہ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا - مدینے کے ارد گرد فساد پھیل رہا تھا - لیکن آپ نے اپنی بلند ہمتی سے ہر مشکل پر قابو پایا - منکرین زکٰوۃ پھر زکٰوۃ دینے پر آمادہ ہوئے - اسلام ترک کرنے والے پھر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے - مسیلمہ کذاب لڑائی میں شکست کھا کر مارا گیا - سجاح اور طلیحہ نے آپ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا - آپ کے زمانے میں روم و ایران سے جنگ چھڑی جس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی -

حضرت عمرؓ

حضرت عمرؓ فن سپہ‌گری کے ماہر اور فصیح البیان خطیب تھے - آپ کے قبول اسلام سے مسلمانوں کو بڑی تقویت ہوئی - آپ کی رائے بڑی صائب ہوتی تھی جس کی وجہ سے رسول خداؐ کی نظروں میں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی - آپ نے تمام غزوات میں حصہ لیا - بڑے بلند اخلاق اور ارادے کے پکے تھے - ان کی ہمت نے ہار ماننا سیکھا ہی نہ تھا - عدل و انصاف کے راستے سے کبھی نہیں ہٹے - سخت‌گیر ضرور تھے لیکن دور اندیش بھی تھے - طبیعت میں حد درجہ کی سادگی تھی -

خلافت (۱۳ تا ۲۳ھ مطابق ۶۳۴ تا ۶۴۴ع)

حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں ایران و روم سے بدستور جنگ چھڑی ہوئی تھی جس میں مسلمانوں کو ابتدائی فتوحات حاصل ہوئیں -

حضرت عمرؓ نے مسند خلافت سنبھالتے ہی پہلے انھیں کی طرف توجہ دی۔ آپ کے زمانے میں شام کا دارالسلطنت دمشق فتح ہوا، جہاں رومیوں کی حکومت تھی۔ رومیوں کی پے بہ پے شکستوں نے روم کے بادشاہ ہرقل کو چونکا دیا۔ اس نے بہت بڑی فوج جمع کرکے مسلمانوں کو شام سے نکال دینے کا عزم کیا۔ یرموک کے مقام پر اسی سلسلے میں معرکے کی جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ پھر کئی اور شہر بھی مسلمانوں نے زیر نگیں کیے جن میں بیت المقدس بھی تھا۔ شام کی فتح نے دنیا بھر میں مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی۔ اب مسلمانوں نے شمالی عراق، آرمینیا، آذربائیجان اور گرجستان پر فتح پائی، جو ایرانی سلطنت کا حصہ تھے۔ ان فتوحات کے بعد پورے ایشیائے کوچک پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا۔

ایرانیوں سے معرکے

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے ایرانیوں کے خلاف پل، بویب، قادسیہ، جنگ سلاسل اور مدائن کی جنگیں لڑی جا چکی تھیں جن میں مسلمان فتح یاب ہوتے رہے۔ آخری بڑی لڑائی نہاوند کے مقام پر ۶۴۲ع میں لڑی گئی جس میں شہنشاہ ایران آخری بازی ہار گیا اور کچھ عرصہ ادھر آدھر پھرتا ہوا مارا گیا۔ اس کی موت پر ایران کی عظیم ساسانی حکومت کا چراغ گل ہو گیا۔ ان فتوحات سے خوزستان، فارس، خراسان، کردستان، آذربائیجان اور گرجستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی، اس کے بعد مسلمانوں نے مصر کا رخ کیا اور اسے بھی مسخر کر لیا۔

حضرت عمرؓ کی شہادت

حضرت عمرؓ عین اس وقت جب کہ آپ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تھے، ابو لولو فیروز پارسی نے جو مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا حملہ کر کے انھیں کاری زخم لگایا جس سے وہ جان بر نہ ہو سکے۔ آپ کی شہادت ۲۳ھ مطابق ۶۴۴ع میں ہوئی۔

نظم و نسق

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو صوبے فتح ہوئے، وہاں انھیں قبیلوں کو بسا دیا گیا، جنھوں نے وہ صوبے فتح کیے تھے۔ یہ مفتوحہ علاقے مرکز خلافت سے بہت دور تھے لیکن ان کے انتظام و انصرام کے لیے

ایسے آئین نافذ کیے گئے کہ لوگ بڑے آرام و آسائش سے زندگی بسر کرنے لگے - اس وسیع مملکت میں مختلف نسلوں کے لوگ آباد تھے جو رفتہ رفتہ برکات اسلام کی وجہ سے اسلام قبول کرتے رہے - مالی انتظام کے لیے حضرت عمرؓ نے ایک الگ محکمہ قائم کیا ، جو دیوان کہلاتا تھا - زرعی زمین کے لیے لگان مقرر کیا - مسلمانوں ، غیر مسلموں ، تاجروں اور صناعوں پر واجبی محصول لگائے - زکٰوۃ کا سلسلہ منظم کیا - اس طرح مستقل آمدنی کی مدات قائم ہو گئیں - سپہ سالاروں کو حکم دیا گیا کہ صورت حال سے باقاعدہ مرکز کو آگاہ کرتے رہیں تاکہ سیاسی حالات پر نظر رہے اور لوگ خود مختاری کا دم نہ بھرنے لگیں -

حضرت عثمانؓ

حضرت عثمانؓ کا تعلق بنو امیّہ کے خاندان سے تھا ،جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے - یہ قبیلہ بنو ہاشم کا سب سے بڑا حریف تھا - حضرت عثمانؓ بڑے دولت مند تھے اور دولت مندی اور شجاعت کی وجہ سے 'غنی' کہلاتے تھے - آپ نے اسلامی خدمات کے لیے بے دریغ دولت صرف کی - قریب قریب تمام غزوات میں شرکت کی - البتہ معرکۂ بدر میں شامل نہ ہو سکے - رسولؐ خدا کے نزدیک آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی - آنحضرتؐ کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرح آپ پر بھی بڑا اعتماد تھا - مسند خلافت سنبھالی تو آپ کی عمر ستر برس کے قریب تھی -

خلافت (۲۳ھ تا ۳۵ھ مطابق ۶۴۴ تا ۶۵۶ء)

حضرت عثمانؓ بڑے نرم طبیعت اور بردبار تھے - آپ کے زمانے میں عربوں کے مختلف گروہوں میں جو پرانی عداوتیں دبی ہوئی تھیں پھر ابھر آئیں - شروع کے چھ سال تو انتظام سلطنت خوش اسلوبی سے چلتا رہا - کئی نئے علاقے فتح ہوئے ، ماوراء النہر کا علاقہ اسلامی مملکت کا جزو بنا - حضرت عمرؓ کے زمانے میں مسلمان سیستان کی طرف نہیں بڑھے تھے اب وہ بھی مسلمانوں کے تسلط میں آگیا - بلخ ، ہرات ، غزنی اور کابل بھی مسلمانوں نے فتح کیے - افریقہ کا بیشتر علاقہ زیر نگیں آیا -

امیر معاویہ نے جو شام کے والی تھے ، بحری بیڑا بنوا کر رومیوں سے بحری لڑائی کرکے انھیں شکست دی اور روڈس اور قبرص پر اسلامی پرچم لہرایا ۔

شہادت

حضرت عثمانؓ کی خلافت کا آخری دور بڑا اضطراب انگیز تھا ۔ جگہ جگہ فتنے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ مفتوحہ علاقوں میں ہلچل کے آثار نظر آنے لگے ۔ عرب قبیلوں کی پرانی رنجشوں نے پھر سر اٹھایا جن کی وجہ سے عربوں کے باہمی اتحاد پر کاری ضرب پڑی ۔ یمن کے ایک یہودی عبداللہ بن سبا نے فساد کی آگ اور بھڑکائی اور مسلمانوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف مشتعل کیا ۔ مدینے کے لوگ آپ سے اس وجہ سے ناخوش تھے کہ آپ نے اپنے رشتے داروں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا تھا ۔ چنانچہ ان کے خلاف ہمہ گیر بے اطمینانی پھیلی ۔ آخر ۳۵ھ مطابق ٦٥٦ع میں خلافت عثمان کے بعض مخالفین نے انھیں گھیر کر شہید کر ڈالا ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ

حضرت علی کرم اللہ وجہ رسولؐ خدا کے چچا ابوطالب کے بیٹے تھے۔ ان کی تربیت آنحضرتؐ نے کی تھی اس لیے آپ رسول اکرمؐ کی اکثر خوبیوں سے متصف تھے ۔ تبلیغ اسلام میں ہمیشہ پیش پیش رہے ۔ بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے ، جو کچھ ملتا سب خیرات کر دیتے ۔ بہادری میں آپ کا نام ضرب المثل کی حیثیت رکھتا تھا ۔ اکثر غزوات میں آپ نے حصہ لیا ۔ خیبر کے قلعۂ حموص کی فتح کا سہرا آپ ہی کے سر رہا ۔ اکثر وقت عبادت میں گزرتا تھا ۔ علم و ادب سے آپ کو خاص شغف تھا ۔ فارغ وقت مطالعے میں گزارتے تھے ۔ آپ کا شمار وقت کے بڑے عالموں میں ہوتا تھا ۔ آپ فصیح و بلیغ خطیب تھے ۔ جہاں اہل سیف تھے وہاں اہل قلم بھی تھے ۔ آپ کی تحریر میں اعجاز کی کیفیت تھی ۔

خلافت (۳۵ تا ۴۰ھ مطابق ٦٥٦ تا ٦٦۱ع)

حضرت علیؓ کو مسند خلافت اس وقت ملی جب ہر طرف افراتفری کا عالم تھا ۔ حضرت عثمانؓ کے حامیوں نے الگ ایک جماعت قائم کر لی

تھی جن کی پشت پناہی حضرت امیر معاویہ کر رہے تھے ۔ اس جماعت کا مطالبہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیا جائے ۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ خلافت کے دعوے دار تھے ۔ کچھ مسلمان ان کی حمایت میں بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے ۔ زیادہ خطرہ آپ کو امیر معاویہ اور ان کے پیرووں سے تھا ۔ ان کا مطالبہ روز بروز شدت پکڑتا جا رہا تھا کہ حضرت عثمانؓ کا قصاص لیا جائے ۔ آپ خود بھی قصاص لینے کے حق میں تھے لیکن اس بات کے منتظر تھے کہ کچھ امن و امان ہو جائے تو قصاص لیا جائے ۔ ادھر حضرت عثمانؓ کے مخالفین یہ مطالبہ کرنے لگے کہ انھوں نے اپنے جن رشتے داروں کو بڑے بڑے عہدے دے رکھے تھے ، انھیں الگ کیا جائے ۔ آخر حضرت علی کرم اللہ وجہ نے حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ والیوں کو برطرف کر دیا ، لیکن حضرت معاویہ نے آپ کے حکم سے سرتابی کی اور شام میں اپنی امارت کو بحال رکھا ۔

جنگ جمل

اسی زمانے میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بصرہ میں حضرت علیؓ کے خلاف محاذ قائم کیا اور یہ بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے والوں میں شامل ہو گئے ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی ان کا ساتھ دیا ۔ حضرت علیؓ نے جب اس خیال کا اظہار کیا کہ وہ خود بھی قصاص لینے کے حق میں ہیں ، تو یہ سن کر حضرت عائشہ ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر صلح پر آمادہ ہو گئے لیکن دراندازوں نے صلح نہ ہونے دی ۔ آخر حضرت علیؓ نے ان کے خلاف جنگ کی جس میں حضرت علیؓ کو فتح ہوئی ۔ اس جنگ میں حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار تھیں اسی لیے یہ لڑائی 'جنگ جمل' کے نام سے موسوم ہوئی ۔

خارجیوں کے خلاف جنگ

امیر معاویہ نے آپ کی مخالفت میں سرگرمی دکھائی تو آپ نے ان کے خلاف لشکر کشی کی ۔ دریائے فرات کے کنارے صفین کے مقام پر اطراف کی فوجیں صف آرا ہوئیں لیکن یہ طے ہوا کہ

جھگڑا ثالثوں کے سپرد کر دیا جائے لیکن کوئی ایسا فیصلہ نہ ہو سکا جس سے تنازعہ ختم ہو جائے - حضرت علیؓ کے حامیوں میں جو لوگ جنگ کے حق میں اور ثالثی کے خلاف تھے انھوں نے حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ 'خارجی' کہلائے - حضرت علیؓ کو ان کے خلاف بھی فوج کشی کرنی پڑی جس میں خارجیوں کو شکست ہوئی - ادھر شام میں امیر معاویہ نے موقع پا کر اپنی پوزیشن مضبوط کر لی -

شہادت

انھیں دنوں حضرت علیؓ کوفہ کی مسجد میں صبح کی نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک خارجی نے آپ پر خنجر سے حملہ کر دیا جس سے وہ ۴۰ھ مطابق ۶۶۱ع میں جاں بہ حق ہوئے - آپ کی وفات پر خلافت راشدہ کا خاتمہ ہو گیا -

تبلیغ اسلام

اسلام عرب سے نکل کر دنیا میں بڑی تیزی سے پھیلا اس لیے کہ یہ بہت سادہ مذہب ہے اور انسانی فطرت سے قریب تر ہے - اسلام کے مبلغین خدا ترس اور نوع انسان کے بہی خواہ تھے - انھوں نے مساوات کی شان دار روایات قائم کرکے لوگوں کو مائل بہ اسلام کیا - جو علاقے فتح کیے وہاں کے باشندوں سے فیاضانہ سلوک کیا جس کی وجہ سے مفتوح اقوام جوق در جوق حلقہ بہ گوش اسلام ہوتی گئیں -

خلافت راشدہ اور اشاعت اسلام

خلافت راشدہ (۱۱ تا ۴۰ھ مطابق ۶۳۳ تا ۶۶۱ع)

خلافت راشدہ کے دور میں یوں تو ہر مسلمان اپنا فرض سمجھتا تھا کہ اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اشاعت اسلام کرے لیکن خلفاے راشدین نے اشاعت اسلام کے طریق کار کو منظم کیا - بعض اہل یورپ کسی مصلحت کی بنا پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ مسلمان جب کسی ملک کو فتح کر لیتے ہیں تو وہاں کے باشندوں کے لیے دو ہی راستے کھلے رہ جاتے ہیں کہ دین اسلام قبول کر لیں یا جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں - پروفیسر براؤن

اپنے ہم وطنوں کے اس خیال کو بہ الفاظ ذیل جھٹلاتے ہیں[1] : ''مسلمان فاتح قوم کے متعلق ایسا خیال کرنا غلطی ہے - مفتوح خواہ آتش پرست ہوں ، عیسائی ہوں یا یہودی ، انھیں عام اجازت تھی کہ وہ چاہیں تو اپنے مذہب پر قائم رہیں لیکن اس صورت میں وہ جزیہ ادا کریں - جزیہ عاید کرنا بھی نا مناسب نہ تھا کیونکہ جو لوگ دین اسلام قبول نہیں کرتے تھے ان سے خیرات و صدقات نہیں لیے جاتے تھے نہ ان سے فوجی خدمات ہی لی جاتی تھیں - ان دونوں کے بدلے انھیں جزیہ کی رقم ادا کرنی پڑتی تھی - جزیہ وصول کرنے کے بعد حکمران قوم غیر مسلموں کی جان و مال کی محافظ ہو جاتی تھی - ہاں یہ ضرور ہے کہ جو لوگ ایک مرتبہ اطاعت اختیار کر لینے کے بعد ترک دین کرتے ان پر رحم نہیں کیا جاتا تھا -''

مسلمانوں کو عوام اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے جس کا اعتراف علمائے یورپ کو بھی ہے - پروفیسر آرنلڈ[2] ایران کے آتش پرستوں کے متعلق لکھتے ہیں ، ''وہ نہ صرف غیر ملکی مذاہب کے پیرووں پر ستم روا رکھتے تھے بلکہ وہ غیر آتش پرست ایرانیوں مثلاً مانویوں ، مزدکیوں اور وحدت پرستوں کا وجود بھی برداشت نہیں کرتے تھے - لوگوں کے دلوں میں ان کے متعلق نفرت پیدا ہو چکی تھی - یہی وجہ ہے کہ انھوں نے عربوں کی فتح میں اپنی نجات سمجھی - اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ حلقہ بہ‌گوش اسلام ہوتے ، بہ‌رضا و رغبت ہوتے - اس میں جبر و اکراہ کو کوئی دخل نہ تھا -''

پروفیسر آرنلڈ[3] یہ بھی لکھتے ہیں : ''یہ کہنا بہت زیادتی ہے کہ دین آتش پرستی اس لیے مٹ گیا کہ اس کے پیرووں کو زبردستی مسلمان بنا لیا جاتا تھا - عربوں کے حملوں کے فوراً بعد آتش پرست کثیر تعداد میں مسلمان تو ہوتے گئے لیکن دین آتش پرستی کا صدیوں تک قائم رہنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ اسلام رفتہ رفتہ پر امن طریقے سے پھیلتا رہا -

---

۱ - اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۰۳ -

۲ - پریچنگ آف اسلام ، صفحہ ۱۴۷ -

۳ - ایضاً -

آٹھویں صدی عیسوی کے آخر میں بلخ کے ایک رئیس سامان نے خراسان کے گورنر اسد بن عبداللہ کی تلقین پر اسلام قبول کیا اور اپنے بیٹے کا نام اسی گورنر کے نام پر اسد رکھا ۔ سامان وہی نو مسلم ہے جس کے نام پرسامانی حکومت (۲۶۱ تا ۳۸۹ھ مطابق ۸۷۴ تا ۹۹۹ع) کا قیام عمل میں آیا ۔ ایک ایرانی مورخ [1] لکھتے ہیں : ''اہل ایران نے کسی جبر و تعدی کی وجہ سے اپنا قدیمی مذہب ترک نہیں کیا بلکہ جونہی انہوں نے محسوس کیا کہ آئین اسلام ان کی زندگی کے قریب تر ہے ، وہ بہ رضا و رغبت مسلمان ہوتے گئے ۔ چنانچہ فتح قادسیہ کے بعد تقریباً چار ہزار دیلمیوں نے اسلام قبول کیا ۔ نہ صرف یہ بلکہ جلولہ کے مقام پر انہوں نے عربوں کو مدد بھی دی ۔''

پروفیسر براؤن [2] لکھتے ہیں : ''مسلمانوں کی فتح کے بعد دین آتش پرستی کو سرکاری مذہب کا درجہ تو حاصل نہ رہا لیکن ایران سے یہ مذہب نابود بھی نہ ہوا ۔ اس کے علاوہ جہاں فاتح قوم کی زبان عربی کی ترویج ہوئی ، وہاں نو مسلم علماء نے پہلوی زبان میں بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا ۔ دین آتش پرستی کے موبدوں کو بدستور اہمیت حاصل تھی ۔ سرکاری حکام کے ساتھ ان کا رابطہ قائم رہا ۔ آتش کدے حسب سابق روشن تھے بلکہ ان مسلمانوں کو سزائیں دی جاتی تھیں جو آتش کدوں کو نقصان پہنچاتے تھے ، یہاں تک کہ عربوں کی فتح کے بعد تین سو سال تک بھی آتش کدے قائم رہے ۔''

اهل ایران کا عربوں سے تعاون

اہل ایران مسلمان ہوئے تو انہوں نے عربوں سے پورا پورا تعاون کیا ، یہاں تک کہ عالم اسلام کی سیاست میں بھرپور حصہ لیا ۔ عرب بھی ملکی معاملات میں ایرانیوں کی شمولیت کو بہ نظر استحسان دیکھتے تھے ۔ مدینہ میں جب حضرت عمرؓ اس مسئلے پر غور کر رہے تھے کہ حکومت ایران کے مالیات کا حساب کتاب رکھنے کی کیا صورت ہو تو اہل ایران

---

۱ - آقای عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۱۳۵ -

۲ - اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۰۵ -

میں سے ایک شخص مرزبان[1] نامی نے اپنی خدمات پیش کیں اور مالیات کا دیوان قائم کرکے فارسی زبان کو حساب کتاب کا ذریعہ بنایا جو اموی خلیفہ عبدالملک (۶۶ تا ۸۶ھ مطابق ۶۸۵ تا ۷۰۵ع) کے زمانے تک قائم رہا۔

خلیفہ کا انتخاب

رسولؐ خدا پر نبوت کا جلیل القدر سلسلہ ختم ہو گیا۔ آپ کے بعد ضروری ہوا کہ آپ کا جانشین مقرر کیا جائے جو تبلیغ اسلام کا فریضہ سنبھالنے کے ساتھ ساتھ وسیع اسلامی مملکت کا انتظام بھی کرے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ پہلے خلیفہ منتخب ہوئے۔ آپ کے بعد حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ علی الترتیب خلیفہ چنے گئے۔ ان کا زمانہ خلفائے راشدین کی خلافت کا دور تھا۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں خلافت کسی خاندان کی وراثت نہ تھی۔ کوئی خلیفہ کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کر سکتا تھا۔ خلیفہ کا انتخاب مسلمانوں کے نمائندوں کے ہاتھ ہوتا تھا۔ انتخاب ہو جاتا تو سب مسلمان ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تھے اور ہر مسلمان کا فرض ہو جاتا کہ خلیفہ کے احکام کی پیروی کرے۔

حقوق و فرائض

انتخاب کے بعد خلیفہ رسولؐ خدا کا جانشین بنتا تو اسے حق مل جاتا کہ آنحضرتؐ کی ردائے مبارک اوڑھے اور آپ کی انگوٹھی پہنے اور مہر استعمال کرے۔ خلیفہ جمعہ کی نماز پڑھاتا اور خطبہ دیتا تھا۔ اسے یہ حق تھا کہ اپنے لیے مجلس شوریٰ قائم کرے، اس کے لیے ارکان نامزد کرے اور انہیں ان کی صلاحیتوں کے مطابق کام سپرد کرے۔ پھر یہ مجلس شوریٰ بڑے چھوٹے حاکم مقرر کرتی تھی۔ یہ حکام براہ راست خلیفہ کو جواب دہ ہوتے تھے۔

خلیفہ کے اہم فرائض میں تبلیغ اسلام، مفتوحہ علاقوں کا انتظام و انصرام، سرحدوں کی حفاظت، محصولات کی فراہمی اور امن و امان کا

۱۔ اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا، جلد ۱، صفحہ ۲۰۵۔

قیام شامل تھا - خلیفہ کو خود قانون بنانے کا اختیار نہ تھا ، بلکہ یہ اختیار مجلس شوریٰ کو تھا ، جو کتاب و سنت کی روشنی میں قانون بناتی تھی اور خلیفہ انھیں نافذ کراتا تھا - خلیفہ مسلمانوں کا سردار تو تھا لیکن اسے کوئی امتیازی حق حاصل نہ تھا - حقوق کے اعتبار سے عام مسلمانوں اور خلیفہ میں کوئی فرق نہ تھا - وہ سادہ زندگی بسر کرتا تھا اور کسی حالت میں قانون کی خلاف ورزی نہ کرتا تھا -

عدالتی نظام

مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے جو قاضی مقرر کیے جاتے ، قرآن و حدیث پر عبور رکھنے والے صاحب کردار مسلمان ہوتے تھے - انھیں معقول تنخواہیں ملتی تھیں - عدالت کے لیے حضرت عمرؓ نے قوانین وضع کیے تھے - انھیں قوانین کی بدولت عدالتوں کو وقار حاصل ہوا - قاضیوں کو پورے عدالتی حقوق میسر آئے - مقدمات کا فیصلہ کرنے میں صوبائی یا ضلعی حکام ان کے اختیارات میں دخل انداز نہیں ہو سکتے تھے - گویا عدالتی نظام ملکی نظام سے الگ تھا -

پولیس

حضرت عمرؓ نے سپاہی مقرر کر رکھے تھے ، جو راتوں کو گشت کرکے حالات کا جائزہ لیا کرتے تھے- پولیس کا باقاعدہ محکمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں قائم ہوا - پولیس کے عہدے دار اس بات کا خاص طور سے خیال رکھتے تھے کہ ناپ تول میں کمی نہ ہو - مجرموں کا سراغ لگانا اور انھیں سزا دلانا پولیس کے فرائض میں داخل تھا - حضرت علیؓ نے شہر کی نگرانی کے لیے محکمہ قائم کیا تھا جو 'شرطہ' کہلاتا تھا - محتسب لوگوں کو برائیوں سے روکنے اور نیکی کے کام کرنے کی تلقین کرتے تھے - شہروں میں صفائی رکھنے کے بھی وہ ذمہ دار تھے -

مال کا محکمہ

حضرت عمرؓ نے محکمہ مال قائم کیا جو 'دیوان' کہلاتا تھا - آمدنی کی بڑی مدیں یہ تھیں :

خراج

زمین کے لگان کو خراج کہا جاتا تھا۔

عشر

زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ 'عشر' کہلاتا تھا جو زمینداروں سے وصول کیا جاتا تھا۔

عشور

تجارت کے کاروبار میں جو محصول عاید ہوتا تھا، اسے 'عشور' کہتے تھے۔ یہ منافع کے دسویں حصے پر مشتمل ہوتا تھا۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ صرف مسلمانوں سے لی جاتی تھی۔ ہر مسلمان کو منقولہ و غیر منقولہ جائداد پر ڈھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ دینی پڑتی تھی۔

صدقات

صدقات صرف مسلمانوں سے لیے جاتے تھے۔ ان کے لیے کوئی خاص حد مقرر نہیں تھی۔ مسلمان اپنی خوشی سے جو چاہتے، دیتے تھے۔ ان سے جو رقم وصول ہوتی، وہ غریبوں اور محتاجوں کی مدد پر صرف کی جاتی تھی۔

مال غنیمت

فتوحات میں دشمنوں کا جو مال مسلمانوں کے ہاتھ آتا، مال غنیمت کہلاتا تھا۔ مال غنیمت کے پانچ حصوں میں ایک حصہ بیت المال میں جمع ہوتا اور چار حصے فوج میں تقسیم کر دیے جاتے۔ بیت المال میں جانے والے مال کو 'خمس' کہتے تھے۔

جزیہ

یہ وہ محصول تھا جو غیر مسلموں سے فوجی خدمات کے عوض وصول کیا جاتا تھا۔ جزیہ وصول کرنے کے بعد حکومت کا یہ فرض ہو جاتا تھا کہ غیر مسلموں کی جان و مال کی حفاظت کرے۔ یہ بہت

معمولی محصول تھا اور جو غیر مسلم جزیہ ادا کرنے کے قابل نہ ہوتا اسے جزیہ معاف بھی کر دیا جاتا تھا۔

فوجی نظام

ہر بالغ مسلمان کا فرض تھا کہ وہ فوجی خدمات بجا لائے۔ گویا ہر مسلمان مجاہد ہوتا تھا۔ حکومت کو جب ضرورت پڑتی، مسلمان نوجوانوں کو فوجی خدمات انجام دینے کے لیے بلا لیا جاتا تھا۔ فوجی خدمات کے لیے باقاعدہ فوج بھی تھی۔ اس کے علاوہ مسلمان رضاکارانہ طور پر بھی فوجی خدمات بجا لاتے تھے جنھیں 'مطوعہ' کہتے ہیں۔ سپاہی کو کم از کم تین سو درہم سالانہ اور افسروں کو سات ہزار درہم سالانہ تنخواہ ملتی تھی۔ سپاہیوں کے لواحقین کو حکومت کی طرف سے وظیفہ بھی ملتا تھا۔

صوبائی حکومتیں

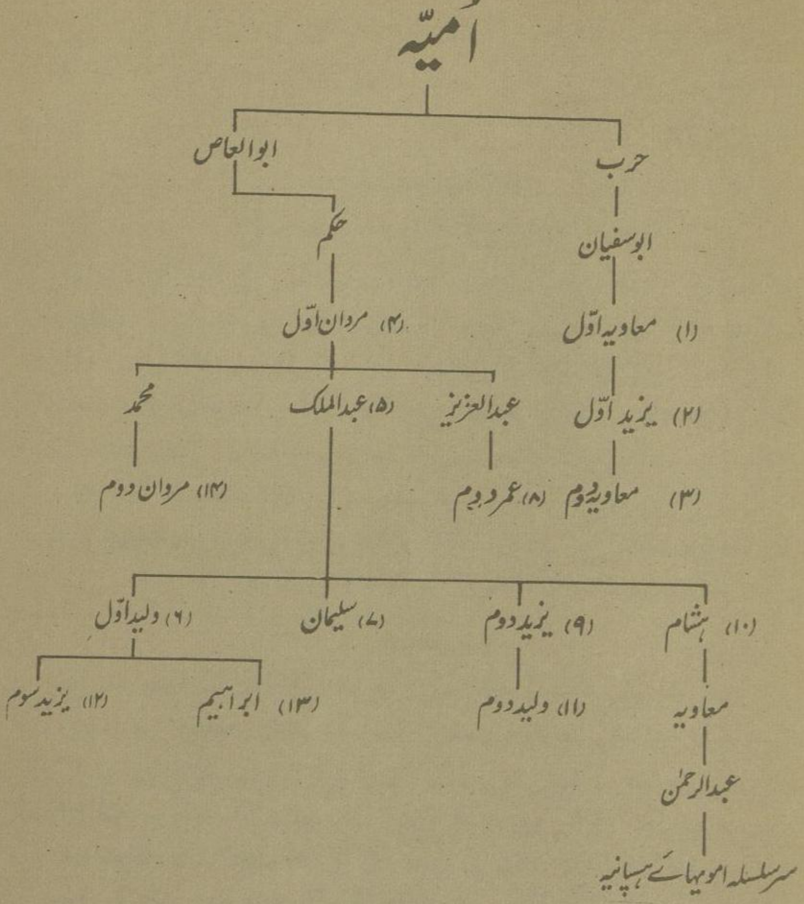
مفتوحہ علاقوں کو اسلامی حکومت کے صوبوں کی حیثیت حاصل تھی۔ انتظام و انصرام کے لیے ہر صوبے میں ایک حاکم اعلیٰ ہوتا تھا، جو امیر یا والی کہلاتا تھا۔ والی، خلیفہ کا نائب ہوتا تھا اور براہ راست خلیفہ کو جواب دہ ہوتا تھا۔

اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کی حیثیت

غیر مسلم 'ذمی' کہلاتے تھے۔ اسلامی حکومت ذمیوں کا ہر طرح خیال رکھتی تھی۔ انھیں برابر کے حقوق حاصل تھے۔ مسلمانوں نے جو علاقے فتح کیے، وہاں غیر مسلموں کی زمینیں انھیں کے قبضے میں رہیں۔ انھیں ہر طرح سے مذہبی آزادی حاصل تھی۔ ان کے مقدمات کا فیصلہ ان کے اپنے مذہبی پیشوا کرتے تھے۔ مذہب کے معاملے میں کسی پر جبر نہیں ہوتا تھا۔ اقتصادی ترقی میں بھی انھیں یکساں مواقع میسر تھے۔ ان سے معمولی سی رقم بطور جزیہ لی جاتی تھی۔

تعلیم

حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن شریف کی نقلیں کرا کر مختلف علاقوں میں بھجوائیں۔ مسلمانوں کو تعلیم دینے کے لیے حافظ، قاری اور فقیہ


امیّہ
ابوالعاص
حرب
حکم
ابوسفیان
(۴) مروان اوّل
(۱) معاویہ اوّل
محمد
(۵) عبدالملک
عبدالعزیز
(۲) یزید اوّل
(۱۴) مروان دوم
(۸) عمر دوم
(۳) معاویہ دوم
(۶) ولید اوّل
(۷) سلیمان
(۹) یزید دوم
(۱۰) ہشام
(۱۲) یزید سوم
(۱۳) ابراہیم
(۱۱) ولید دوم
معاویہ
عبدالرحمٰن
سرسلسلہ امویہائے ہسپانیہ

بھجوانے کا انتظام کیا جاتا تھا - مسجدوں میں مکتب قائم کیے گئے ، جہاں مسلمانوں کو مذہبی تعلیم دی جاتی تھی - غیر مسلم اپنے نصاب کے مطابق تعلیم دیتے تھے -

خلافت بنو امیّہ

(۴۱ تا ۱۳۲ھ مطابق ۶۶۱ تا ۷۴۹ع)

خلافت راشدہ کے بعد ایران خلافت بنو امیّہ کے تحت آیا - ہر چند کہ تاریخ ایران ہمارا موضوع ہے - بہرحال ایران میں اسلامی حکومت قائم تھی جو مرکزی حکومت کے تحت تھی - ایران میں نافذ ہونے والے قوانین دارالخلافہ سے جاری ہوتے تھے - ملکی سیاست عربوں کی سیاست کے تابع تھی - اسلام رفتہ رفتہ پھیل رہا تھا اور ایران کی زبان پہلوی کی جگہ عربی لے رہی تھی - تعلیمی نصاب میں عربی کا تسلط ہو گیا تھا - ایرانی معاشرہ اسلامی رنگ میں ڈھل رہا تھا ، اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خلافت بنو امیہ کا مختصر ذکر کر دیا جائے -

امیر معاویہ

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے ، بنو ہاشم کا حریف قبیلہ بنو امیّہ تھا - رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ممتاز صحابی امیر معاویہ اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے - ان کے والد کا نام ابوسفیان اور دادا کا نام حرب تھا - آپ نے اس وقت اسلام قبول کیا جب مکہ فتح ہو چکا تھا - آپ نے رسولؐ خدا کے ہاتھ پر بیعت کی تو آنحضرتؐ نے کتابت وحی کی خدمت آپ کے سپرد کی - حضرت ابوبکر کے عہد میں شام کی مہم کا آغاز ہوا تو امیر معاویہ نے قابل قدر خدمات انجام دیں - آخر جب دمشق فتح ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو والیٔ دمشق مقرر کیا - پھر جب حضرت عثمانؓ کے زمانے میں پورے شام میں اسلامی حکومت قائم ہوئی تو آپ والیٔ شام ہو گئے -

حضرت علی کرم اللہ وجہ کی شہادت کے بعد عراق میں آپ کے بڑے بیٹے امام حسنؓ کی خلافت کا اعلان کیا گیا لیکن امیر معاویہ خود خلافت کے دعوے دار بنے اور فوج لے کر عراق کی طرف پیش قدمی

کی - حضرت امام حسنؓ کو یہ گوارا نہ تھا کہ مسلمانوں کا خون بہے اس لیے خلافت سے دست بردار ہو گئے اور ۴۱ھ میں حضرت امیر معاویہ کی خلافت کا اعلان ہو گیا - امیر معاویہ نے اپنے صدر مقام دمشق کو دارالخلافہ بنایا جسے اسلامی تہذیب کے مرکز کی حیثیت حاصل ہوگئی -

خلافت (۴۱ تا ۵۹ھ مطابق ۶۶۱ تا ۶۷۹ع)

امیر معاویہ کے زمانے میں بعض مقامات پر شورشیں بپا ہوئیں جنھیں آپ نے اپنے تدبر سے فرو کیا اور اموی خلافت کی بنیادیں استوار کیں - آپ اپنے وقت کے بہت بڑے سیاست دان تھے لیکن اپنے مفاد کے لیے انھوں نے ہر حربہ استعمال کیا - اسلامی جمہوری نظام کے برعکس انھوں نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین نامزد کیا - یہ طریقہ اسلامی روح کے منافی تھا ، اس لیے مسلمانوں کو ناگوار گزرا - اس کے خلاف احتجاج بھی ہوا تو امیر معاویہ اسے خاطر میں نہ لائے اور جانشینی کو پروان چڑھانے کے لیے پہلے انھوں نے دمشق کی مجلس شوریٰ سے یزید کی ولی عہدی تسلیم کرائی - پھر شہر بہ شہر جا کر لوگوں کو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر آمادہ کیا جس میں انھیں کامیابی ہوئی - الغرض اسلامی جمہوریت کا یہ اہم اصول ، کہ خلیفہ کو صرف مسلمانوں کے نمایندے ہی منتخب کر سکتے ہیں ، پس پشت ڈال دیا گیا اور خلافت بادشاہت میں تبدیل ہو گئی -

یزید اول

(۶۰ تا ۶۴ھ مطابق ۶۸۰ تا ۶۸۳ع)

یزید اول نے شہزادوں کی طرح عیش و عشرت کے گہوارے میں پرورش پائی تھی - شہزادگی کی زندگی میں جو برائیاں پیدا ہو سکتی ہیں وہ سب یزید میں موجود تھیں - وہ عیش و عشرت کا دلدادہ ، مصاحبوں اور خوشامدیوں کا دست نگر اور بد اخلاق شخص تھا - امیر معاویہ کی وفات پر اس نے خلافت سنبھال لی -

حادثۂ کربلا

ایک فاسق و فاجر کی خلافت ایسی نہ تھی کہ بزرگان دین اسے تسلیم کر لیتے - چنانچہ حجاز میں بے اطمینانی کی لہر دوڑی - چار سربرآوردہ اشخاص

یعنی عبداللہ بن عمرؓ ، عبدالرحمان بن ابوبکرؓ ، حضرت امام حسینؓ
اور عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔
کوفہ کے مسلمانوں کو بھی یزید کی خلافت گوارا نہ تھی۔ انھوں نے
حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں بار بار خط لکھے کہ یہاں آ کر
مسلمانوں کو یزید کی حکومت سے بچانے کا اہتمام کیجیے۔ لوگوں کے
دلوں میں آپ کی جگہ ہے اور وہ آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے
ہیں۔ حضرت امام حسینؓ کوفہ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ صورت حال
کا جائزہ لینے کے لیے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیلؓ کو کوفہ
بھیجا۔ کوفہ پہنچنے پر مسلمانوں نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔
چنانچہ مسلمؓ نے اہل کوفہ کی عقیدت کا حال لکھ کر امام حسینؓ کی
خدمت میں بھیج دیا۔ اتنے میں کوفہ کے والی عبیداللہ بن زیاد کو
صورت حال سے آگاہی ہوئی تو اس نے لوگوں کو سخت ہراساں کیا۔
تعزیر و تعدی کے خوف سے انھوں نے حضرت مسلم کا ساتھ چھوڑ دیا
آخر حضرت مسلم شہید کر دیے گئے۔

حضرت امام حسینؓ کو مسلم کا خط ملا تو آپ مدینہ سے مکہ
آئے اور پھر چند جان نثاروں کو ساتھ لے کر کوفہ کی جانب روانہ
ہوئے۔ عراق کی سرحد پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت مسلم شہید
کر دیے گئے ہیں۔ بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ یہاں سے لوٹ جانا
مناسب ہوگا لیکن آپ نے لوٹنا مناسب نہ سمجھا اور راہ راست پر جو
قدم بڑھایا تھا ، وہ پیچھے نہ ہٹا۔

یہ مختصر سا قافلہ ، جس کے قافلہ سالار حضرت امام تھے ، صحرا کو
طے کرتا ہوا کوفہ کے قریب پہنچا تو ابن زیاد کی فوج نے انھیں آگے
بڑھنے سے روک دیا۔ حضرت امام کچھ پیچھے ہٹ آئے اور دریائے فرات
کے کنارے ڈیرے ڈال لیے۔ دشمنوں نے امام حسینؓ سے یزید کی بیعت
لینی چاہی لیکن انھوں نے انکار کیا۔ اس پر دشمنوں نے فرات پر پہرے
بٹھا دیے کہ امام حسینؓ کا کوئی ساتھی پانی نہ لینے پائے۔ آخر جب
کوئی چارہ کار نہ رہا تو آپ راہ حق میں مردانہ وار لڑے۔ آپ کے بھائی ،
بھتیجے ، بھانجے اور رفقا ایک ایک کر کے شہید ہوئے۔ پھر آپ نے بھی

۱۰ محرم ۶۱ھ مطابق ۶۸۲ع میں جام شہادت نوش کیا اور یزید کی پیشانی پر شقاوت قلبی اور سیاہ بختی کا ایسا داغ لگا جو قیامت تک قائم رہے گا -

یزید نے تین سال تک حکومت کی - اس مختصر سی مدت میں اس نے بڑے ظلم و ستم کیے - عیش و عشرت ، راگ رنگ اور سیر و شکار میں وقت گزارا - لیکن کہا جاتا ہے کہ اس نے مالی معاملات میں کچھ اصلاحات بھی کیں -

عبداللہ بن زبیر

(۶۴ھ تا ۷۳ھ مطابق ۶۸۴ تا ۶۹۳ع)

عبداللہ بن زبیر کے والد رسول خدا کے صحابیوں میں سے تھے - انھیں خود بھی آنحضرت کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا تھا - جن بزرگوں نے یزید کی بیعت کرنے سے انکار کیا ، ان میں آپ بھی تھے -

خلافت

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد اہل حجاز نے انھیں خلیفۃالمومنین تسلیم کر لیا تھا - یزید نے مخالفین کو کچلنے کے لیے پہلے مدینہ پر لشکر کشی کی اور اسے فتح کر لیا ، پھر مکہ معظمہ کا رخ کیا جہاں عبداللہ بن زبیر تھے - اہل مکہ یزید کے خلاف صف آرا ہوئے - ابھی لڑائی ہو ہی رہی تھی کہ یزید کے مرنے کی خبر آئی - اس لیے اس کی فوج نے مکہ سے نکل جانا ہی مناسب سمجھا -

معاویہ دوم

یزید کا جانشین اس کا بیٹا معاویہ دوم ہوا - لیکن تین ہی ماہ بعد وہ حکومت سے دست بردار ہو گیا - اس زمانے میں عبداللہ بن زبیر کا تسلط عراق ، مصر اور شام پر بھی ہو گیا -

مروان بن حکم

(۶۴ تا ۶۵ھ مطابق ۶۸۴ تا ۶۸۵ع)

یزید نے اپنے خاندان کے ایک شخص مروان بن حکم کو مدینہ کا والی مقرر کیا تھا - عبداللہ بن زبیر نے اسے مدینہ سے نکال باہر کیا تو اس نے شام کا رخ کیا ، جہاں اس نے اپنے خاندان کے حامیوں کو ایک

مرکز پر جمع کر کے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ اس نے عبداللہ بن زبیر کے مقرر کیے ہوئے والی کے خلاف لشکر آرائی کر کے اسے شکست دی اور دمشق میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ گویا اس وقت دو خلافتیں ہو گئیں۔ حجاز میں عبداللہ بن زبیر کی اور شام میں مروان بن حکم کی۔ مروان چند ماہ کی حکومت کے بعد فوت ہوا تو عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا۔

عبدالملک بن مروان

(۶۵ تا ۸۶ھ مطابق ۶۸۵ تا ۷۰۵ع)

عبدالملک مستعد اور مدبر حکمران تھا۔ اس نے بنو امیہؓ کے داخلی جھگڑے مٹا کر اپنے خاندان کی بنیادیں استوار کیں۔ یہ زمانہ بڑا اضطراب انگیز تھا۔ حجاز میں عبداللہ بن زبیر برسر اقتدار تھے۔ عراق میں خارجیوں نے مروان کے خلاف محاذ قائم کر رکھا تھا۔ بعض اور مقامات پر شورشیں بپا ہو رہی تھیں۔ رومی تو شام کے لیے مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے۔ عبدالملک نے سب سے پہلے رومیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے ان سے مصالحت کی۔ پھر خارجیوں اور دوسرے شورش پسندوں کو بہ نوک شمشیر زیر کیا۔ آخر میں مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا۔ عبداللہ بن زبیر نے بنو امیہ کی فوج کا مقابلہ کیا اور مردانہ وار لڑتے لڑتے جان دی۔ اب پورے عالم اسلام میں عبدالملک کی خلافت قائم ہو گئی۔

عبدالملک نے ملکی نظم و نسق کو بہتر بنانے کی طرف توجہ دی۔ شامی فوج کو، جو بنو امیہؓ کی حامی تھی، منظم کیا اور اسلامی مملکت کے مختلف صوبوں میں اصلاحات نافذ کیں۔

ان حالات کے ساتھ ساتھ اس دور کے بعض تاریک پہلو بھی سامنے آتے ہیں۔ عربوں کا نسلی تعصب اسی دور کا خاصہ تھا۔ ملکی معاملات میں حتی الوسع ایرانیوں کو بے تعلق رکھا جاتا تھا۔ سرکاری حساب کتاب حضرت عمرؓ کے زمانے سے فارسی میں ہونے لگا تھا لیکن عبدالملک کے حکم سے تمام دفتری کاروبار کو عربی میں منتقل کرنے کا

حکم ہوا - نو مسلموں کو موالی کہہ کر پکارا جاتا تھا - نہ صرف یہ کہ ان سے برابری کا سلوک نہیں ہوتا تھا بلکہ حجاج[1] بن یوسف، والیٔ عراق نے ان سے جزیہ تک بھی وصول کیا جو صرف غیر مسلموں سے لیا جاتا تھا - اس سفاک شخص نے حکومت کے استحکام کے نام پر بے شمار مسلمانوں کا خون بہایا -

امویوں کے طریق کار سے مندرجہ ذیل مقتدر جماعتیں غیر مطمئن اور شاکی تھیں :

۱ - اسلامی اصولوں کو ہر حالت میں مقدم رکھنے والے لوگ جو اموی حکمرانوں کی نخوت اور شوکت شاہانہ کو شعائر اسلامی کے منافی سمجھتے تھے -

۲ - شیعان علیؓ ، جنھوں نے بنو امیّہ کے ہاتھوں طرح طرح کے ستم اٹھائے تھے - شہادت امام حسینؓ کا داغ جو بنو امیّہ کے دامن پر لگا تھا وہ قیامت تک نہ مٹ سکے گا -

۳ - غیر عرب نو مسلم ، جنھیں کم تر سمجھ کر حقارت آمیز سلوک روا رکھا جاتا تھا -

ان کے علاوہ خوارج بھی تھے جو امویوں کے طریق کار کے خلاف بطور احتجاج شورشیں بپا کرتے رہے -

ولید بن عبدالملک

(۸۶ھ تا ۹۶ھ مطابق ۷۰۵ تا ۷۱۵ع)

عبدالملک نے ۷۰۵ع میں وفات پائی تو ولید بن عبدالملک نے خلافت سنبھالی اور دس سال تک حکومت کی - اس کی حکومت کا زمانہ بنو امیّہ کے عروج کا زمانہ تھا -

فتوحات

اس دور میں سندھ اور ملتان محمد بن قاسم نے فتح کیا - قتیبہ بن مسلم باہلی نے چین اور ترکستان کو زیر نگیں کیا - طارق بن زیاد نے ہسپانیہ

۱ - ای-جی-براؤن : اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا: جلد ۱، صفحہ ۲۴۳ -

اور موسیٰ بن نصیر نے افریقہ پر اسلامی پرچم لہرایا ۔ بنو امیہؓ کی حکومت کا سکہ منوانے میں حجاج بن یوسف والیِ عراق نے عبدالملک کی طرح ولید بن عبدالملک کے زمانے میں بھی مسلمانوں کے خون سے دامن خلافت کو داغ دار کیا لیکن اس سے یہ ضرور ہوا کہ بنو امیہؓ کی حکومت کے خلاف ہر اٹھنے والی آواز دب کر رہ گئی ۔

رفاہ عامہ کے کام اور تعمیرات

ولید نے دینی تعلیم کی ترویج کے لیے بڑی جد و جہد کی ۔ رفاہ عامہ کے کاموں میں دلچسپی لی ۔ کنوئیں کھدوائے ، ملک بھر میں نہریں اور زیر زمینی نالے کھدوائے ، وسائل آمدورفت بہتر کرنے کے لیے سڑکیں تعمیر کرائیں ، شفاخانے قائم کیے ، معذور لوگوں کے لیے وظائف مقرر کیے عالی شان عمارتیں بنوائیں—اس زمانے میں جو مسجدیں تعمیر ہوئیں ، اسلامی فن کا نہایت عمدہ نمونہ ہیں ۔ دمشق کی عظیم‌الشان مسجد 'جامع امویہ' اسی زمانے کی یادگار ہے ۔ ولید نے مدینہ میں مسجد نبوی بھی از سر نو تعمیر کرائی ۔ اس دور میں علم و فن اور صنعت و حرفت نے بھی فروغ پایا ۔

سلیمان

(۹۶ تا ۹۹ھ مطابق ۷۱۵ تا ۷۱۷ء)

عبدالملک نے اپنے آخری وقت میں وصیت کی تھی کہ ولید کے بعد اس کے چھوٹے بیٹے سلیمان کو تخت نشین کیا جائے ۔ ولید نے اس وصیت کو درخور اعتنا نہ سمجھتے ہوئے اپنا جانشین اپنے بیٹے کو بنانا چاہا لیکن موت نے اسے مہلت نہ دی ۔ آخر جمہور نے عبدالملک کی وصیت پر عمل کر کے سلیمان ہی کو خلافت سپرد کی ۔

سلیمان بڑا کینہ پرور شخص تھا ۔ جن لوگوں نے اسے خلافت سے محروم کرنے کے لیے ولید کو مشورہ دیا تھا انھیں سخت سزائیں دیں ۔ محمد بن قاسم ، موسیٰ بن نصیر اوز طارق بن زیاد ایسے عالم گیر شہرت رکھنے والے جرنیلوں کو ملازمت سے محض اس لیے برطرف کر دیا کہ انھیں ولید نے یہ منصب سونپے تھے ۔ قتیبہ بن مسلم باہلی کو بھی

خطرہ محسوس ہوا تو اس نے علم بغاوت بلند کر دیا لیکن فوج کے سردار ، جو اس کے ماتحت تھے ، سلیمان کے حامی تھے - البتہ جاں نثار سپاہ قتیبہ کے حق میں تھی - بہر حال فوج میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ خود اس انتشار کا شکار ہو گیا -

سلیمان کی مردم آزاری کی وجہ سے خراسان میں بغاوت ہوئی اور ہسپانیہ میں بھی شورش کے آثار نمودار ہوئے لیکن سلیمان تشدد سے شورشوں کو فرو کرنے میں کامیاب ہو گیا -

سلیمان کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا لیکن انہیں ناکامی ہوئی - آخر سلیمان نے خود فوج لے کر قسطنطنیہ کا رخ کیا لیکن زندگی نے مہلت نہ دی اور یہ مہم کسی آنے والے وقت کے لیے ملتوی رہی -

سلیمان نے سخت گیری کے باوجود ایک نہایت دانش مندانہ قدم اٹھایا اور اپنے بیٹے کو جانشین بنانے کی بجائے اپنے چچا زاد بھائی عمر بن عبدالعزیز کو ، جن کے زہد و تقویٰ اور تدبیر کی بڑی شہرت تھی ، اپنا جانشین بنایا -

عمر بن عبدالعزیز

(۹۹ تا ۱۰۱ھ مطابق ۷۱۷ تا ۷۱۹ع)

عمر بن عبدالعزیز نیک ، پارسا اور راست باز بزرگ تھے - بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے - عدل و انصاف کو ہر حالت میں مقدم سمجھتے تھے - صوبوں کے والیوں سے کوتاہیوں کی سخت باز پرس کی جاتی تھی - چنانچہ صوبوں میں جو غیر منصفانہ احکام جاری تھے ، وہ یک قلم موقوف کر دیے گئے - اخلاق کی درستی کو وہ بڑی اہمیت دیتے تھے - آپ کو توسیع مملکت کا خیال نہ تھا - مگر داخلی خوش حالی پر بہت توجہ تھی - اس سلسلے میں بعض انقلابی اقدامات بھی کیے - مثال قائم کرنے کے لیے وہ جاگیر ، جو ولید کے زمانے میں انہیں ملی تھی ، حکومت کو واپس کر دی - بیوی کا زیور تک بیت المال میں جمع کرا دیا - گزر اوقات کے لیے وہ بیت المال سے دو درہم روزانہ لیا کرتے تھے -

اسی طرح آپ نے بعض رؤسا کی جاگیریں بھی واپس کرائیں جو انہیں محض انعام میں ملی تھیں ۔ عمر بن عبدالعزیز کو اپنے نیک خصائل کی بدولت جو بلند مقام حاصل ہوا ، وہ بنوامیہ میں کسی اور کو حاصل نہ ہو سکا ۔

یزید بن عبدالملک

(۱۰۱ تا ۱۰۵ھ مطابق ۷۱۹ تا ۷۲۳ع)

عمر بن عبدالعزیز کے بعد عبدالملک کے بیٹے یزید دوم نے حکومت سنبھالی ۔ وہ بڑا آرام پسند شخص تھا جس کی وجہ سے جابجا شورشوں نے سر اٹھایا ۔ چار سال کی عافیت پسندی کے بعد اس نے وفات پائی ۔

ھشام بن عبدالملک

(۱۰۵ تا ۱۲۵ھ مطابق ۷۲۳ تا ۷۴۳ع)

یزید دوم کے بعد اس کے بھائی ہشام نے حکومت سنبھالی ۔ یزید کے زمانے میں جو انتشار ہوا اس سے ملک کو بچانا بہت مشکل کام تھا ۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ خراسان کے لوگوں نے عربوں کی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ، خارجیوں نے شورش بپا کی ، ترکمانوں اور بحیرہ خزر کے قبائل نے سرکشی اختیار کی ، افریقہ کے بربروں نے فتنہ بپا کیا لیکن ہشام نے اپنے تدبر سے نہ صرف ان شورشوں کو فرو کیا بلکہ یورپ میں بعض نئے علاقے بھی فتح کیے ۔

خلافت عباسیہ کی دعوت

بنو عباس کی خلافت کی تحریک عمر بن عبدالعزیزؓ کے زمانے میں شروع ہوئی تھی لیکن ہشام کے زمانے میں اس کا حلقہ وسیع ہو گیا ۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک کا مختصر سا پس منظر بیان کر دیا جائے ۔

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد شیعان علیؓ نے آپ کے صاحب زادے امام زین العابدین کو منصب امامت پیش کیا لیکن آپ کچھ اس طرح دل برداشتہ تھے کہ سیاست میں قدم رکھنا پسند نہ کیا ۔ پھر انھوں نے حضرت حسینؓ کے چھوٹے بھائی محمد بن حنفیہ کی طرف رجوع کیا جو غیر فاطمی تھے ۔ انھوں نے منصب امامت قبول کر لیا ۔ اس طرح

امامت فاطمی شاخ سے نکل کر علوی شاخ میں منتقل ہو گئی - محمد بن حنفیہ فوت ہوئے تو ان کے صاحب زادے ابو ہاشم ان کے جانشین بنے اور عراق و عجم میں پوشیدہ طور پر ان کی دعوت ہوتی رہی - ابو ہاشم فوت ہوئے (کہا جاتا ہے خلیفہ سلیمان نے انہیں زہر دے دیا تھا) تو انہوں نے آخری وقت میں محمد بن علی بن عباس بن عبدالمطلب کو منصب امامت سونپا اور لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی - اس طرح امامت کا منصب علویوں کے خاندان سے نکل کر بنو عباس میں منتقل ہو گیا -

محمد بن علی نے اپنی دعوت کا باقاعدہ نظام قائم کیا اور داعیوں کی جماعت عراق اور خراسان روانہ کی جو مختلف بھیسوں میں شہر بہ شہر پھیل گئے - وہ بڑی خاموشی اور احتیاط کے ساتھ محمد بن علی کی امامت کی دعوت دیتے رہے اور بنو امیہ کے مظالم و ناانصافی کی تشہیر کرتے رہے- دعوت کا حال کبھی ظاہر ہو جاتا تو داعی کو قتل کر دیا جاتا لیکن اس کی جگہ لینے کے لیے کوئی دوسرا آ جاتا - عمر بن عبدالعزیز سے ہشام کے زمانے تک تبلیغ امامت کا سلسلہ پوشیدہ طور پر جاری رہا - عراق اور خراسان کے ہزاروں مسلمان دعوت میں شریک ہوتے گئے - خراسان کا مشہور شخص ابو مسلم بھی اسی زمانے میں تحریک کے داعیوں میں شریک ہوا - اسی دوران (۱۲۵ھ مطابق ۷۴۳ع) میں ہشام نے وفات پائی -

تحریک عباسیہ ہشام کے جانشینوں کے عہد میں بہ دستور زور پکڑتی رہی ، بالآخر مروان دوم کے زمانے میں اپنے عروج کو پہنچ گئی -

مروان دوم
(۱۲۷ تا ۱۳۲ھ مطابق ۷۴۵ تا ۷۴۹ع)

ہشام کے بعد تین خلفا ولید دوم ، یزید سوم اور ابراہیم بن ولید یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے لیکن ان میں کوئی باہمت اور صاحب تدبیر نہ تھا ، جو سلطنت کا نظام برقرار رکھ سکتا - اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بعض علاقوں میں خود مختار حکومتیں قائم ہونے لگیں اور جگہ جگہ ، یہاں تک کہ ملک شام میں بھی ، جو بنو امیہ کی طاقت کا اصل سرچشمہ تھا ، بغاوتیں ہوئیں - ۱۲۷ھ/۷۴۵ع میں عبدالملک کے پوتے مروان دوم نے خلافت سنبھالی - وہ اگرچہ دلیر اور صاحب تدبیر شخص تھا لیکن

حکومت کا نظام اتنا بگڑ چکا تھا کہ اسے سنبھالنا مروان کے بس کی بات نہ تھی - شام میں عربوں کے مختلف گروہ برسر پیکار تھے، جس سے حکومت کمزور پڑ گئی - عراق کے شہر کوفہ میں بغاوت ہوئی لیکن وہ فرو کر دی گئی - خوارج نے سر اٹھایا جو مروان کے لیے مستقل خطرہ بنے رہے - اسی صورت حال میں عباسی تحریک کو طاقت پکڑنے کا موقع مل گیا -

ابو مسلم خراسانی — بنو امیہ کا خاتمہ

۱۲۶ھ مطابق ۷۴۳ع میں محمد بن علی عباس فوت ہوئے، جن کے نام پر بیعت لی جا رہی تھی تو انھوں نے ابو العباس اور ابو جعفر عباسی کو علی الترتیب اپنا جانشین بنایا - اول الذکر کو مروان نے ۱۳۰ھ مطابق ۷۴۷-۷۴۸ع میں قتل کرا دیا - اسی زمانے میں ابو مسلم خراسانی تحریک عباسیہ کے علم بردار کی حیثیت سے میدان سیاست میں آیا - اہل خراسان کے جذبات امویوں کے خلاف یوں بھی مشتعل تھے کیونکہ عرب ایرانیوں سے اچھا سلوک نہیں کرتے تھے اور حکومت سے انھیں بے تعلق کر دیا گیا تھا - ابو مسلم کو حالات سازگار نظر آئے تو اس نے ۱۳۰ھ مطابق ۷۴۷ع میں علم آزادی بلند کیا جس کا رنگ سیاہ تھا اور اس پر یہ آیت درج تھی -

اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِاَنَّهُم ظُلِمُوا (الحج آیت ۴۰)

ابو مسلم کے پیرو ہزاروں کی تعداد میں تھے جو اس کے حکم پر جانیں دینے کو تیار تھے - اس نے بڑی احتیاط سے قدم اٹھایا - اپنے پیرووں کے لشکر کے ساتھ وہ سات ماہ تک مرو میں مقیم رہا اور کوئی انقلابی قدم اس وقت تک نہیں اٹھایا جب تک یمن کے عربوں کی طرف سے اسے کامل حمایت کا یقین نہ ہو گیا - آخر اس نے خراسان کے صدر مقام نیشاپور پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا - ابو مسلم اور تحریک کے دوسرے رہ نماؤں کو پے در پے فتوحات ہوتی گئیں - کوفہ پر قحطبہ نے ۱۳۲ھ/۷۴۹ع میں قبضہ کر لیا - اسی مہینے مروان کے بیٹے عبداللہ کو ابو عون نے شکست دی - باغیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مروان

لشکر لیے ہوئے آگے بڑھا اور دریائے زاب پر صف آرائی کی لیکن ۱۳۳ھ مطابق ۷۵۰ع میں اس نے شکست فاش کھائی ۔ دریائے زاب کے کنارے پر ہی گویا بنو امیہ کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو گیا ۔ اس فتح کے بعد تحریک کے علم برداروں نے بنو امیہ کا دارالخلافہ دمشق بھی مسخر کر لیا ۔ مروان نے چاروں طرف سے مایوس ہو کر راہ فرار اختیار کی اور مصر پہنچ گیا جہاں وہ اسیر ہو کر ۱۳۳ھ/اگست ۷۵۰ع میں موت کی گھاٹ اتار دیا گیا ۔

۱۳۲ھ مطابق ۷۴۹ع میں ابوالعباس السفاح نے اپنی خلافت کا اعلان کیا ۔ اس عرصے میں فلسطین ، بصرہ یہاں تک کہ مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں میں بنو امیہ کا بے دریغ خون بہایا گیا ۔ ہشام کا پوتا بچ بچا کر ہسپانیہ پہنچا جہاں وہ بنو امیہ کی خلافت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا جو تقریباً تین سو سال (۱۳۹ تا ۴۲۲ھ مطابق ۷۵٦ تا ۱۰۳۱ع قائم رہی ۔

حکومت بنو امیہ کا نظم و نسق

اہل مشرق بالخصوص مسلمان نظم و نسق کے معاملے میں اپنی خود مختار حیثیت ہی کو پسند کرتے تھے ۔ چنانچہ ان کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے خلفائے بنو امیہ نے مفتوحہ علاقوں کے نظم و نسق کے لیے بڑی حد تک صوبائی حکومتوں کو خود مختاری دے دی ۔ صوبائی اخراجات صوبائی مالیات سے ادا کیے جاتے تھے ۔ رفاہی کاموں مثلاً سڑکوں ، نہروں ، زیر زمینی نالوں ، مسجدوں ، مدرسوں کے اخراجات کی ادائیگی صوبائی خزانوں سے ہوتی تھی ۔ صوبائی آمدنی کا دسواں حصہ البتہ بصرہ کے بیت المال میں بھیجا جاتا تھا ۔ عمر بن عبدالعزیز نے تو حکم بھی دیا تھا کہ ''عمان[1] اور خراسان سے دسواں حصہ ، یعنی خراج ، بصرہ کے بیت المال میں نہ بھیجا جائے بلکہ یہ رقم وہیں کے غربا کی امداد کے لیے مخصوص کر دی جائے ۔''

---

۱ ۔ البلاذری ، صفحہ ۷۷ ۔

اموی سلطنت متعدد صوبوں اور ضلعوں پر مشتمل تھی - صوبوں کے حاکم اعلیٰ خلیفہ کے نائب السلطنت ہوتے جو والی یا امیر کہلاتے تھے - عاملوں یا ناظموں کا تقرر والی کرتے تھے - اس تقرر کی اطلاع البتہ خلیفہ کو دے دی جاتی تھی - عموماً ہر بڑے شہر میں عامل مقرر کیا جاتا تھا - جب زیاد بن ابیہی عراق کا والی مقرر ہوا تو اس نے خراسان کو چار اضلاع میں منقسم کرکے ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کر دیا - اسی طرح حجاج بن یوسف کے زمانے میں کرمان ، سیستان ، سندھ اور دوسرے اضلاع کے عامل جدا جدا تھے - بعد میں جب خراسان کے والیوں نے خود مختار حیثیت اختیار کر لی تو خراسان کے اضلاع میں وہ خود عامل مقرر کیا کرتے تھے -

صوبے اور ضلعے

بنو امیہ کے عہد آخر میں اسلامی سلطنت صوبوں میں منقسم تھی جو رقبے کے اعتبار سے چھوٹے بڑے تھے - ہر صوبہ اضلاع میں منقسم تھا -

صوبوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں :

۱ - عرب : اس میں یمن ، عمان اور حجر شامل تھے -

۲ - عراق : اس میں کوفہ ، بصرہ ، مدائن ، حلوان اور سامرہ شامل تھے -

۳ - الجزیرہ -

۴ - شام : حلب ، حمص ، دمشق ، اردن اور فلسطین پرمشتمل تھا -

۵ - مصر -

۶ - مغربی صوبے میں شمالی افریقہ ، مصر کا مغربی علاقہ ، ہسپانیہ اور سارڈینیا شامل تھے -

۷ - مشرقی صوبہ : یہ ماوراءالنہر اور خراسان پر مشتمل تھا - ماوراءالنہر میں فرغانہ ، شاش ، سغد اور بخارا وغیرہ تھے -

۸ - خراسان میں بلخ ، کابلستان ، سجستان ، ہرات ، مرو ، نیشاپور ، قہستان کے علاقے تھے -

۹ - الرباب : اس میں اران ، آرمینیا اور آذر بائیجان شامل تھے -

۱۰ - صوبۂ الجبال : یہ ری ، ہمدان اور اصفہان پر مشتمل تھا ۔

۱۱ - خوزستان (اہواز) میں شوش ، جندی شاپور ، تستر ، عسکر مکرم ، اہواز اور رام ہرمز وغیرہ تھے ۔

۱۲ - کرمان ۔

۱۳ - سندھ ۔

صوبائی دیوان

ہر صوبے میں تین دیوان تھے جن کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے :

۱ - دیون الجند : اس کے ذمے فوجی امور تھے ۔

۲ - دیوان الرسائل : اس دیوان کو آج کل کا سیکریٹریٹ سمجھنا چاہیے - یہاں سے تمام سرکاری فرامین جاری ہوتے تھے اور اس کے ذریعے تمام محکموں کے مابین رابطہ قائم رکھا جاتا تھا ۔

۳ - دیوان مستغلات : یہ مالیات کا محکمہ تھا جہاں صوبائی آمد و خرچ کا حساب رکھا جاتا تھا ۔

والیوں کی طرف سے جاری ہونے والے تمام فرامین ان دیوانوں میں محفوظ رکھے جاتے تھے ۔

صوبائی حکام

بنو امیہ کے زمانے میں صوبائی حکام وہی تھے جو خلفائے راشدین کے زمانے میں تھے- بہرحال ذیل میں ان کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے :

۱ - امیر یا والی : اس کا منصب کم و بیش وہی تھا جو آج کل گورنر کا ہوتا ہے- البتہ وہ صوبے میں امن و امان قائم رکھنے اور اصلاحات نافذ کرنے کے علاوہ مساجد و مقابر کی تنظیم کا ذمے دار بھی تھا ۔

۲ - عامل : یہ صوبے کے مالیات کا ذمے دار ہوتا تھا ۔

۳ - صاحب الخراج : اس کے ذمے لگان وغیرہ جمع کرنے کا کام تھا ۔

۴ - کاتب : دیوان الرسائل کا رئیس 'کاتب' کہلاتا تھا ، جسے آج کل چیف سیکرٹری کہتے ہیں - کاتب براہ راست امیر کا نمایندہ ہوتا تھا ۔

۵ - صاحب الاحداث : پولیس کا سب سے بڑا صوبائی افسر ہوتا تھا ، جو شورشوں کو فرو کرنے اور جرائم کا سدباب کرنے کا ذمے دار ہوتا تھا -

۶ - قاضی : قاضی کے ذمے وہی فرائض ہوتے تھے جو آج کل مجسٹریٹ کے ذمے ہوتے ہیں - بعض حالات میں اوقاف کے امور بھی قاضیوں ہی کے سپرد کر دیے جاتے تھے -

مالیات کے وسائل

مالیات کے وسائل حسب ذیل تھے :

۱ - خمس : مال غنیمت اور محصولات کا پانچواں حصہ -

۲ - زکوٰۃ -

۳ - عشر : زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ -

۴ - جزیہ : غیر مسلموں کا ٹیکس جو فوجی خدمات سے مستثنیٰ ہوتے تھے -

۵ - خراج : غیر مسلم زمینداروں کی زمین کا لگان - غیر مسلم جب مسلمان ہو جاتے تو خراج کی بجائے ان سے پیداوار کا دسواں حصہ یعنی عشر لیا جاتا تھا -

زراعت

حضرت معاویہ کے زمانے میں زیادہ سے زیادہ زمین کو آباد کرنے کی کوشش کی گئی اور کھیتی باڑی کے لیے کاشتکاروں کو سہولتیں بہم پہنچائی گئیں - معقل نہر جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں کھودی گئی تھی ، اسے اور زیادہ گہرا کیا گیا[1] - اس کے علاوہ حضرت معاویہ نے مدینہ منورہ کے نواح میں نہریں کھدوائیں جن سے پیداوار کئی گنا بڑھ گئی - حجاج[2] بن یوسف والیٔ عراق نے انیل اور الذابی دو نہریں کھدوائیں- انیل کے ذریعے دریائے دجلہ اور فرات کو ملا دیا گیا ، جس سے نہ صرف موسم برسات کی طغیانیوں پر قابو پایا گیا بلکہ بے آب و گیاہ زمینیں

---

۱ - وفاالوفا - جلد ۲ ، صفحہ ۳۲۱ -

۲ - البلاذری ، صفحہ ۲۹ -

لہلہاتے کھیتوں میں تبدیل ہو گئیں - اس طرح ساسانی بادشاہوں کی یہ مشکل حجاج کے زمانے میں حل ہو گئی -

کھیتی باڑی کے لیے مویشیوں کی ضرورت تھی - چنانچہ خلیفہ ولید نے حکم دیا کہ بیلوں[1] کو ذبح نہ کیا جائے تاکہ وہ کھیتی باڑی کے کام آسکیں - اس نے ہندوستان سے کثیر تعداد میں بھینسیں منگوا کر مختلف علاقوں میں بھجوائیں اور ان کی نسل کی افزائش کے لیے مناسب انتظامات کیے -

عمارات اور رفاہ عامہ کے کام

حضرت عمرؓ کے زمانے سے مساجد کی تعمیر شروع ہو گئی تھی جو بدستور جاری رہی - امیر معاویہ نے اپنے لیے دمشق میں ایک مشہور و معروف محل تعمیر کرایا - فن تعمیر میں جس اموی خلیفہ نے سب سے زیادہ دلچسپی لی وہ ولید بن عبدالملک تھا - ولید نے مسجدوں کی تعمیر پر بہت زیادہ توجہ دی - متعدد مدارس اور ہسپتال بھی بنوائے - پہلا[2] خلیفہ ولید ہی تھا جسے پوری مملکت میں ہسپتال بنوانے کا خیال آیا - خلافت کے تیسرے سال یعنی ۸۸ھ/۷۰۶ع میں ولید نے تمام صوبوں[3] میں سڑکیں مرمت کرائیں اور ان کے کنارے سنگ میل نصب کرائے اور ساتھ ساتھ کنوئیں بھی کھدوائے -

رفاہ عامہ کے کام، جو ولید نے شروع کرائے تھے، انھیں خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اور بھی وسعت دی - خراسان اور سمرقند کے والیوں کو حکم دیا تھا کہ تمام اہم سڑکوں کے ساتھ ساتھ مسافر خانے بنوائیں - مسافروں کو کھانا مہیا کریں، ان میں سے جو بیمار ہوں ان کی دیکھ بھال کریں اور جو مسافر سفر کے اخراجات برداشت کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں انھیں مالی امداد دیں -

---

۱ - البلاذری، صفحہ ۲۹۳ -

۲ - الیعقوبی، جلد ۲، صفحہ ۳۴۸ -

۳ - طبری، جلد ۱، صفحہ ۱۱۹۱ -

تعلیم

خلفائے راشدین کے زمانے میں تعلیم و تدریس ، قرآن حدیث ، تفسیر اور ایام جاہلیت کی شاعری پر مشتمل تھی لیکن بنو امیہ کے زمانے میں تعلیم و تدریس کی حدود پھیلیں ۔ طلبہ کو آنحضرت کی زندگی کے واقعات اور غزوات کا صحیح حال جاننے کے لیے تاریخ اور جغرافیے کے مطالعے کی ضرورت محسوس ہوئی اس لیے یہ مضامین بھی نصاب تعلیم میں شامل ہوئے اور ان موضوعات پر کتابیں لکھی جانے لگیں ۔ ان کے علاوہ علم الادویہ اور علم کیمیا کی تعلیم عام ہوئی ۔ قرآن مجید سمجھنے کے لیے عربی زبان و ادبیات کی تعلیم ضروری سمجھی گئی ۔ تعلیمی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے مدارس کھولے گئے ۔ ان میں سے بیشتر مساجد سے ملحق ہوتے تھے ۔

عسکری نظام

خلیفہ کے بعد دوسرا اہم منصب سپہ سالار کا ہوتا تھا ۔ سپہ سالار بہادری اور انتظامی قابلیت کی بنا پر مقرر کیا جاتا تھا ۔ اس کے ماتحت قبائلی سردار ہوتے تھے جو اپنے فوجی دستوں کی کمان کرتے تھے ۔ سپاہیوں اور عہدے داروں کی تنخواہیں مقرر تھیں ۔ خاص خاص مہموں پر کام کرنے والوں کو الگ الاؤنس بھی دیے جاتے تھے ۔ قبائلی سرداروں کو اس شرط پر وظائف دیے جاتے کہ وہ حسب ضرورت سپاہی مہیا کریں ۔

چھاؤنیاں

عرب جو علاقہ فتح کرتے وہاں فوج کے مستقل قیام کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کیا جاتا جو جنگی اعتبار سے موزوں ہوتا ۔ ایسے مقامات پر لشکر کو مع ان کے اہل و عیال کے ٹھہرایا جاتا ۔ یہ مقامات رفتہ رفتہ تجارت اور صنعت و حرفت کا مرکز بن جاتے ۔ فوج کے قیام کے لیے بعض نئے شہر بھی بسائے گئے ۔ خوزستان کا شہر عسکر مکرم پہلے ایک فوجی کیمپ ہی تھا جس نے پر رونق شہر کی حیثیت اختیار کر لی ۔ شیراز بھی بہت بڑی چھاؤنی بنی ۔ صوبہ آذربائیجان میں مراغہ اور اردبیل کو جنگی مرکزوں کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا ۔

فوجی افسر

اسلامی لشکر دس ، سو اور ہزار سپاہیوں کے دستوں پر مشتمل ہوتا تھا ۔ دس سپاہیوں کا افسر 'امیرالعشرہ' کہلاتا تھا ، سو سپاہیوں کا افسر 'نائب' ہوتا اور ہزار سپاہیوں کے افسر کو 'قائد' کہتے تھے ۔ فوج کا وہ افسر اعلیٰ جس کے ماتحت دس قائد ہوتے 'امیر' کہلاتا تھا ۔

نئی تہذیب

بنو امیہ کے زمانے میں اسلامی سلطنت دور دور تک پھیلی جس میں مختلف نسلوں کے لوگ آباد تھے ۔ زبانیں بھی ان کی مختلف تھیں ۔ مذہب بھی جدا جدا تھے ۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا آپس میں میل جول بڑھتا گیا ۔ ایک کے تمدن نے دوسرے پر اثر ڈالا ۔ ایرانی ، رومی اور اسلامی تمدن مل کر ہم آہنگ ہو گئے ۔ اس طرح ایک نئی تہذیب وجود میں آئی ، جو اسلامی تہذیب کے نام سے موسوم ہوئی ۔ عربوں کا اثر دوسری اقوام پر ہوا لیکن خود انھوں نے بھی دوسروں کا اثر قبول کیا ۔ اس طرح عربوں کے آداب حیات میں کچھ تبدیلی رونما ہوئی ۔

مختلف لوگوں میں فکری یک جہتی پیدا کرنے میں عربی زبان کا بڑا حصہ ہے جس کا بہت تھوڑے عرصے میں اسلامی مملکت میں نفوذ ہو گیا ، یہاں تک کہ ایران کے مسلمان اور زرتشتی ، سندھی ، شمالی افریقہ کے بربر اور ہسپانیہ کے عیسائی بے تکلفی سے عربی زبان میں بول چال کرتے تھے ۔ رفتہ رفتہ عربی کو علمی زبان کا درجہ بھی حاصل ہوا ۔

بنو امیہ کی خلافت میں ایرانیوں کی بد دلی

جوں جوں وقت گزرتا گیا اموی حکمران مساوات کے بنیادی اصول کو ترک کرکے نسلی تعصب کا شکار ہو گئے ۔ انھوں نے چاہا کہ ایرانیوں کو رفتہ رفتہ امور سلطنت سے الگ کر دیں ۔ اموی خلافت عبدالملک بن مروان کے سپرد ہوئی تو اس نے انتظامی معاملات سے اہل ایران کو بے تعلق رکھنے کی کوشش کی ۔ لیکن وہ قومی زندگی کا جزو بن چکے تھے اور مستحکم حکومت کے لیے ان کا تعاون ضروری تھا ۔ حقیقت یہ ہے کہ عرب ایرانیوں کے دست نگر تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ اموی خلیفہ سلیمان (۹۶ تا ۹۹ھ مطابق ۷۱۵ تا ۷۱۷ع) نے کہا تھا :

''عجیب بات ہے کہ ایرانیوں نے ہزاروں سال حکومت کی اور لمحہ بھر کے لیے انھیں عربوں کی ضرورت محسوس نہ ہوئی - ہم نے صرف ایک سو سال ہی حکومت کی ہے اور گھڑی بھر بھی ایرانیوں کے تعاون کے بغیر زندگی بسر نہیں کر سکتے -''

بنو امیہ کا استبداد

جیسا کہ اوپر ذکر آیا ہے ، بنو امیہؓ نے مساوات کے زریں اصول کو بالائے طاق رکھ دیا - وہ یہاں تک اس اصول سے ہٹے کہ نو مسلموں سے بھی جزیہ وصول کرنے لگے - اپنے خزانوں کو پر کرنے کے لیے انھوں نے اسلامی تعلیمات کو یکسر نظر انداز کر دیا - ظلم و ستم کرنے میں انھیں کوئی باک نہ تھا - اس صورت حال سے اہل ایران سخت پریشان تھے - آخر ان نا انصافیوں سے چھٹکارا پانے کے لیے موقع کا انتظار کرنے لگے -

تحریک شعوبیہ

انھی نا انصافیوں کی وجہ سے ایک وطنی تحریک شروع ہوئی ، جو 'تحریک شعوبیہ' کے نام سے موسوم ہے - اس تحریک کے علم بردار لوگوں کو ایران اور اہل ایران کی عظمت کا احساس دلاتے تھے - عرب اگر نسلی برتری کے دعوے کرتے ، تو یہ ایرانیوں کے حسب نسب کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے تھے - عربوں کو اگر اپنے علم و فضل پر فخر تھا تو شعوبی جواب میں یہ بتاتے تھے کہ اس میدان میں بھی عربوں نے اہل ایران ہی سے استفادہ کیا ہے - غرض یہ رد عمل تھا امویوں کی نا انصافیوں کا -

دوسرا باب

خلافت بنو عباس

(۱۳۲ تا ۶۵۶ھ مطابق ۷۴۹ تا ۱۲۵۸ع)

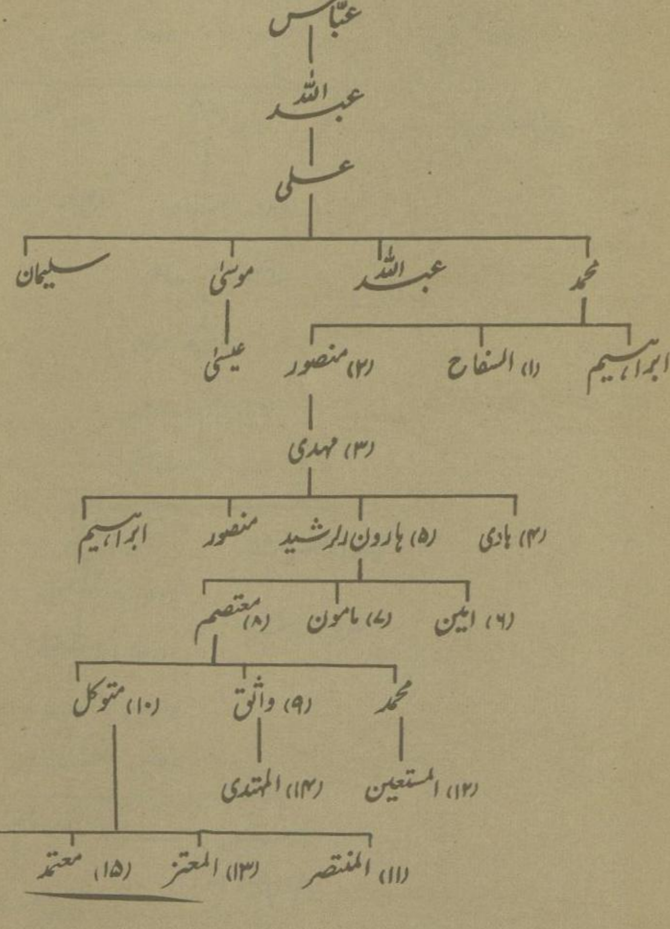
خلافت عباسیہ کے قائم ہونے کا یہ اثر ہوا کہ خلفا کی توجہ شام کی بجائے عراق کی طرف ہو گئی - حکمرانوں کی توجہ زیادہ تر لوگوں کی معاشی حالت بہتر بنانے کی طرف مرکوز رہی - پہلے چند عباسی خلفا خاص طور سے بڑے مدبر ، سیاست دان اور علم و ادب کے مربی تھے ، جنھوں نے ملک کو خوش حال بنانے اور تہذیبی ترقی دینے میں جد و جہد کی -

ابوالعباس السفاح

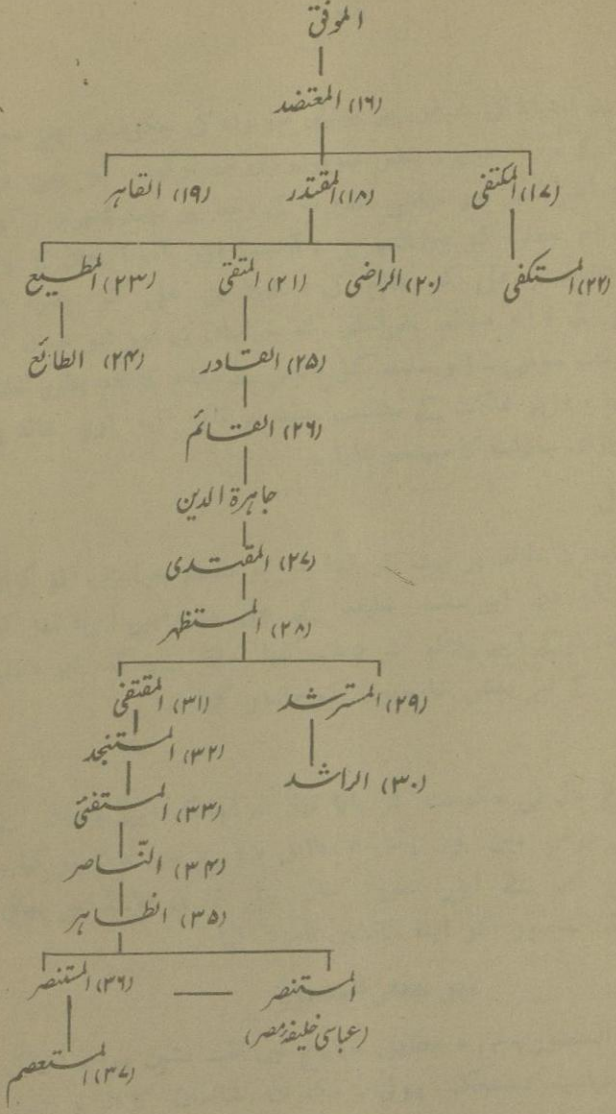
ابوالعباس السفاح نے ۱۳۲ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۷۴۹ع کو خلافت کا منصب سنبھالا اور کوفہ کی مسجد میں خلافت کا اعلان ہوا - خلافت سنبھالتے ہی اس نے امویوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا منصوبہ بنایا اور انھیں چن چن کر قتل کرایا - ان بے گناہوں کے خون سے اس کے ہاتھ کچھ اس طرح آلودہ ہوئے کہ تاریخ عالم میں وہ 'سفاح' کے لقب سے مشہور ہوا -

امویوں کے قتل کی وجہ سے لوگوں میں سخت اضطراب پھیلا - شام اور بین النہرین میں لوگوں نے اس نئی خلافت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا لیکن ابوالعباس کے بھائی ابو جعفر نے بہت جلد ان بغاوتوں کو فرو کر دیا -

خلفائے عبّاسیہ



(ملاحظہ ہو دوسرے صفحہ پر)


الموفق
(۱۶) المعتضد
(۱۷) المکتفی
(۱۸) المقتدر
(۱۹) القاہر
(۲۲) المستکفی
(۲۰) الراضی
(۲۱) المتقی
(۲۳) المطیع
(۲۴) الطائع
(۲۵) القادر
(۲۶) القائم
جاہرۃ الدین
(۲۷) المقتدی
(۲۸) المستظہر
(۲۹) المسترشد
(۳۰) الراشد
(۳۱) المقتفی
(۳۲) المستنجد
(۳۳) المستضئ
(۳۴) الناصر
(۳۵) الظاہر
(۳۶) المستنصر
المستنصر
(عباسی خلیفہ مصر)
(۳۷) المستعصم

نظم و نسق

سفاح نے احتیاط کی غرض سے بیشتر صوبوں کی حکومتیں اپنے معتمد رشتے داروں کے سپرد کیں ۔ بعض صوبوں میں ان لوگوں کو بھی والی مقرر کیا جو اپنے تدبر اور سیاسی بصیرت کی وجہ سے بہت شہرت رکھتے تھے ۔ چنانچہ ابو جعفر کو بین النہرین ، آرمینیا اور آذربائیجان کا والی مقرر کیا ۔ عبداللہ بن علی کو شام کی ، سلیمان بن علی کو بصرہ اور ملحقہ علاقے کی ، ابو مسلم خراسانی کو خراسان کی اور ابو عیون کو مصر کی حکومت سونپی ۔ ابو سلمہ کو ، جس نے سفاح کا نام بطور خلیفہ تجویز کیا تھا ، وزیر مملکت کے منصب جلیلہ پر فائز کیا اور خالد بن برمک کو دیوان مالیات کا مہتمم بنایا ۔

ابو سلمہ کا قتل

ابو[1] سلمہ کا خلیفہ پر بہت اثر تھا جو ابو مسلم خراسانی کو گراں گزرتا تھا ۔ ایک دن ابو سلمہ خلیفہ کے محل سے واپس آ رہا تھا کہ کسی نے حملہ کرکے اسے ہلاک کر دیا ۔ کہا جاتا ہے کہ ابو مسلم نے اس کے قتل کے لیے بعض خارجیوں کو مامور کیا تھا ۔

سفاح کی وفات

سفاح پانچ سال ہی حکومت کر پایا تھا کہ اچانک اسے چیچک نے آ لیا اور اسی مرض میں وہ ۱۳۶ھ مطابق ۷۵۴ء میں فوت ہو گیا ۔ وفات سے پہلے اس نے اپنے خورد سال بیٹے محمد کی بجائے اپنے بھائی ابو جعفر عبداللہ المنصور کو اپنا جانشین نامزد کیا ۔

ابو جعفر المنصور

ابو جعفر المنصور ۱۳۶ھ مطابق ۷۵۴ء میں تخت نشین ہوا ۔ اس کی بدولت خلافت عباسیہ مستحکم ہوئی ۔ حکمران خاندان کا اثر و اقتدار بڑھا ۔ اس نے حکومت مذہبی بنیاد پر قائم کی جس سے مسند خلافت کے وقار میں اور بھی اضافہ ہوا ۔

---

۱ ۔ سید امیر علی A History of the Saracens, P : 211

عبداللہ بن علی کی بغاوت

منصور تخت نشین ہوا ہی تھا کہ اس کے چچا عبداللہ بن علی نے جو شام کا گورنر تھا ، بغاوت کر دی - منصور نے بغاوت کو فرو کرنے کے لیے ابو مسلم خراسانی کو بھیجا - عبداللہ بن علی نے نصیبین کے مقام پر ابو مسلم کے ہاتھوں شکست کھائی اور فرار اختیار کرکے اپنے بھائی سلیمان بن علی کے ہاں ، جو حاکم بصرہ تھا ، پناہ لی - منصور کو پتا چلا تو اس نے ایک باغی کو پناہ دینے کی پاداش میں سلیمان کو بصرہ کی حکومت سے الگ کر دیا - عبداللہ بن علی اور اس کے دو بیٹے گرفتار کرکے زندان میں ڈال دیے گئے -

ابو مسلم خراسانی کا قتل

عبداللہ بن علی کو کیفر کردار تک پہنچا کر ابو مسلم خراسان جانے کی تیاری میں مصروف ہو گیا - یہاں یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خراسان کی حکومت اگرچہ براہ راست خلیفہ منصور کے ماتحت تھی لیکن وہاں ابو مسلم کو مطلق العنان بادشاہ کا سا جاہ و جلال حاصل تھا - اس کے پیرو لاتعداد تھے - ان میں ایسے عقیدت مند بھی تھے جو اسے پیغمبری کا درجہ دیتے تھے - اسے یقین تھا کہ وہ اپنے استحکام اور مقبولیت کی وجہ سے ابرو کے ایک اشارے سے عباسی گھرانے کو ، جس کی تعمیر خود اس نے اپنے ہاتھوں سے کی تھی ، تباہ کر سکتا تھا - یہ حقیقت بھی تھی کہ کسی وقت بھی وہ خلافت کے لیے خطرہ بن سکتا تھا - رفتہ رفتہ اس کی روش میں سرکشی اور گردن فرازی آتی گئی - ''چنانچہ[1] نصیبین کی فتح پر خلیفہ نے اسے مال غنیمت کی فہرست مرتب کرنے کا حکم دیا تو اس نے بڑے تند و تیز لہجے میں کہا کہ خلیفہ کو یہ کیسے خیال آیا کہ وہ مال غنیمت کی فہرست مجھ سے طلب کرے -''

خلیفہ منصور کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ خراسان کے اس قوی اور خطرناک حاکم کو الگ کرنے کا تھا - اب مصلحت یہی تھی کہ اسے نصیبین سے خراسان واپس نہ جانے دیا جاتا - چنانچہ خلیفہ نے

---

۱ - سید امیر علی : A History of the Saracens, P : 214

ابومسلم کو خراسان سے دور رکھنے کے لیے اسے شام اور ملحقہ علاقوں کی حکومت سونپنی چاہی لیکن اس نے پیشکش کو ٹھکراتے ہوئے خراسان کی جانب کوچ جاری رکھا۔ پھر خلیفہ نے اسے دربار میں بلانا چاہا اور لوگوں کو اس کے پاس بھیجا، جنھوں نے خلیفہ کی طرف سے طرح طرح کے وعدے وعید کیے۔ ابو مسلم وعدہ فریبیوں کے دام میں آ گیا اور کوچ ملتوی کرکے عباسی دربار کا رخ کیا۔ خلیفہ نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا اور اس کے لشکر کی بھی عزت افزائی کی لیکن چند ہی دن بعد خلیفہ نے ابو مسلم کے فوجی دستوں کو غیر مسلح کرنے کا حکم دے دیا۔ ابو مسلم کو خلیفہ کے ارادے کا علم ہوا تو اس نے اپنے آپ کو بے بس پا کر اپنے خنجر سے خودکشی[1] کر لی۔ بعض مؤرخ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ابو مسلم کو ۱۳۷ھ مطابق ۷۵۴ع میں قتل کر دیا گیا تھا۔

ابو مسلم کا کردار

ابومسلم اپنے زمانے کا ایک عظیم مدبر، سیاست دان اور بہادر جرنیل تھا۔ اس نے تقریباً ۳۵ سال کی عمر میں اپنے تدبر، سیاسی شعور اور دلیری سے عالم اسلام کی سیاست کا رخ موڑ دیا اور بنو امیہ کے خرابوں پر عباسی خلافت کی بنیاد قائم کی۔ اپنی شجاعت کی وجہ سے وہ عوام میں بہت مقبول تھا۔ خراسان کے لوگوں کی اکثریت اس کا دم بھرتی تھی۔

سن باذ

ابو مسلم کے کچھ عقیدت مند اسے ذات خداوندی کا مظہر سمجھنے لگے تھے۔ اس کے بعد یہی دعویٰ سن باذ نے کیا اور ابو مسلم کے انتقام کا نام لے لے کر لوگوں کے دلوں میں شورش کی آگ بھڑکائی۔ چنانچہ خراسان میں بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی۔ ادھر بین النہرین میں بھی شورش بپا ہوئی لیکن بالآخر یہ دونوں بغاوتیں فرو ہو گئیں۔

فرقہ راوندیہ

ایران کے فرقہ راوندیہ نے خلیفہ کی جان خطرے میں ڈال دی لیکن وہ بچ گیا۔ اس کی سرگزشت یہ ہے کہ ۱۴۱ھ مطابق ۷۵۸ع میں

---

[1] - سید امیر علی : A History of the Saracens, P : 215

فریضہ حج ادا کرنے کے بعد خلیفہ منصور نے بیت المقدس کی زیارت کی اور شام اور بین النہرین سے ہوتا ہوا واپس آیا ۔ راستے میں ہاشمیہ شہر پڑتا تھا جہاں کے باشندوں کا ایک گروہ خلیفہ کو مظہر خداوندی سمجھتا تھا اور شہر راوند کی نسبت سے 'راوندیہ' کہلاتا تھا ۔ خلیفہ نے شہر کے محل میں قیام کیا تو اس گروہ کے لوگ محل کے ارد گرد آ جمع ہوئے اور بلند بانگ نعرے لگانے لگے کہ ''یہ ہمارے آقا کا گھر ہے جو ہمیں کھانے کو روٹی اور پینے کو پانی دیتا ہے'' ان بدعت آمیز نعروں کو سن کر صحیح العقیدہ مسلمان مشتعل ہو گئے ۔ آخر خلیفہ کو حکم دینا پڑا کہ راوندیہ رہنماؤں کو گرفتار کر لیا جائے ۔ چنانچہ دو سو سر کردہ اشخاص گرفتار کر لیے گئے ۔ اس پر یہ سخت غضب ناک ہوئے اور جیل توڑ دی ، جس میں یہ قیدی رکھے گئے تھے اور اردگرد کے علاقوں میں لوٹ مار بھی شروع کر دی ۔ بالآخر بعض انتہا پسند لوگ شہر بدر کر دیے گئے ۔

بغداد کی تعمیر

جب تک ابو مسلم زندہ تھا ، منصور کو اس کی طرف سے کھٹکا لگا رہا ۔ اس کی وفات پر اب اسے اسلامی مملکت کا حقیقی حکمران بننے کا احساس ہوا ۔ چنانچہ اس نے امور سلطنت کی طرف توجہ دی ۔ خلیفہ کے سامنے پہلا اہم مسئلہ دارالخلافہ قائم کرنے کا تھا ۔ عباسیوں کے لیے دمشق میں کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ کوفہ اور بصرہ کے رہنے والے مستقل مزاج نہ تھے ۔ بڑی دیکھ بھال کے بعد آخر دارالخلافہ کے لیے وہ جگہ تلاش کی گئی جہاں آج کل بغداد ہے ۔

بغداد کے متعلق روایات

بغداد کے متعلق متعدد روایات تذکروں کی زینت بنی ہوئی ہیں ۔ سب سے قدیمی روایت یہ ہے کہ سمندروں کی دیوی نے جادو کی چھڑی سے حسین و جمیل شہر بغداد کو دجلہ سے نکال کر اس کے بائیں کنارے کھڑا کر دیا ۔ دوسری روایت ، جس پر بعض تذکرہ نویس متفق ہیں ، یہ ہے کہ بغداد نوشیرواں کا گرمائی صدر مقام تھا اور بادشاہ کے روایتی عدل و انصاف کی وجہ سے اسے 'باغ داد' کہا جاتا تھا ۔ ساسانی حکومت کے اواخر میں کچھ ایسے انقلابات آئے کہ باغ داد اجڑ کر رہ

گیا - اور جہاں ایشیا کا یہ حکمران دربار عام لگا کر انصاف کیا کرتا تھا ، اس شہر کا نام محض روایت کے طور پر باقی رہ گیا -

خلیفہ منصور کو دارالخلافہ بنانے کے لیے یہ مقام بہت مناسب معلوم ہوا - چنانچہ فنِ تعمیر کے ماہرین نے اس الف لیلائی شہر کی تعمیر کا منصوبہ بنایا - ۱۴۵ھ مطابق ۷۶۲ع میں خلیفہ منصور نے اپنے ہاتھ سے بغداد کا سنگِ بنیاد رکھا اور تعمیر شروع ہو گئی - یہ شہر دریاے دجلہ کے بائیں کنارے پر ہے - دائیں کنارے پر بھی ایک شہر بسایا گیا ، جو شہزادہ ولی عہد مہدی کے نام کی مناسبت سے ''مہدیہ'' کہلایا -

بغداد حسن اور آرٹ کا نہایت دل‌فریب نمونہ تھا - یوں بھی یہ شہر قلب مملکت پر واقع تھا - شہر کا نقشہ گولائی میں تھا - اردِ گرد فصیل تھی - خلیفہ کا محل وسط شہر میں تھا - قریب ہی ایک شان دار مسجد تعمیر کی گئی - شہر کے گلی کوچے سیدھے اور فراخ تھے - فوج کے لیے بارکیں دجلہ کے دائیں کنارے بنائی گئیں - شہر کے متعدد دروازے تھے - ہر دروازے کے اوپر اونچے اونچے برج بنائے گئے جن میں شہر کے پاسبان پہرہ دیتے تھے -

رومیوں کا حملہ

۱۴۰ھ مطابق ۷۵۷ع میں رومیوں نے اسلامی حدود پر حملہ کیا جسے پسپا کر دیا گیا - آخر بہت سا جانی اور مالی نقصان اٹھانے کے بعد مجبوراً رومیوں نے خلیفہ منصور سے سات سالہ صلح کا معاہدہ کر لیا -

طبرستان اور دیلم کا الحاق

بحیرۂ کیسپیئن (خزر) کے جنوب مغربی صوبہ طبرستان کے لوگ ابھی تک اپنے قدیمی مذہب پر قائم تھے - وہاں کے سردار یوں تو خلیفہ وقت کے ماتحت تھے لیکن یہ ماتحتی برائے نام تھی - انھوں نے موقع پا کر بغاوت کر دی اور متعدد عربوں کو تہ تیغ کیا - اس پر خلیفہؑ نے خود لشکر کشی کر کے ان کی سر کوبی کی - مقامی سردار کچھ ہلاک ہوئے ، کچھ ملک بدر کر دیے گئے - بعض اہل دیلم نے زردشتی مذہب ابھی تک

ترک نہیں کیا تھا - انھوں نے عربوں پر چھاپے مارے ، لیکن بالآخر ان کی بھی سر کوبی کی گئی - ان بغاوتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ ۱۴۲ھ مطابق ۷۵۹ع میں طبرستان اور گیلان کے علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہو گئے اور ۱۴۳ھ مطابق ۷۶۰ع میں دیلم کی خود مختاری ختم ہو گئی اور وہاں عرب فوج متعین کر دی گئی -

علویوں کا دعوی خلافت

ایک اہم واقعہ ایسا بھی رونما ہوا جس کے نتیجے میں خلیفہ منصور نے اولاد علی رض کی کڑی نگرانی کرنا مناسب خیال کیا - اس کی مختصر سی روئداد یہ ہے کہ خلیفہ منصور کو یہ خدشہ تھا کہ حضرت حسن رض کی اولاد میں سے دو بھائی محمد اور ابراہیم خلافت کے امیدوار ہیں جو مدینہ میں رہتے تھے - اہل مدینہ میں انھیں بڑی مقبولیت حاصل تھی - خلیفہ نے حضرت علی رض کی اولاد پر کڑی نظر رکھی - ان کے حالات معلوم کرنے کے لیے جاسوس مقرر کیے - خلافت عباسیہ کے لیے جو لوگ بھی خطرہ ثابت ہو سکتے تھے ، ان کی تلاش ہوئی - بدوؤں کی خدمات حاصل کی گئیں کہ وہ ہر چشمہ پر اور ہر گھر میں ایسے لوگوں کا پتا چلائیں - جس شخص پر بھی شبہ ہوتا ، اسے زندان میں ڈال دیا جاتا - اس سخت گیری کا رد عمل یہ ہوا کہ منصور کو مسند خلافت سے اتارنے کے لیے تیاریاں ہونے لگیں - اگر اس منصوبے پر پوری تیاری سے عمل کیا جاتا تو ممکن تھا کہ عباسیوں کے ہاتھ سے خلافت نکل جاتی - لیکن جو کچھ ہوا بڑی عجلت میں ہوا - ابراہیم اپنی تیاریاں مکمل نہ کر پایا تھا کہ حضرت امام حسن رض کا پڑپوتا محمد اپنی خلافت کا اعلان کرنے پر مجبور ہو گیا - خلیفہ کا نائب جو مدینہ میں تھا، گرفتار کر لیا گیا - چند ہی دن گزرے تھے کہ تمام حجاز اور یمن میں محمد کو بطور خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا گیا - ''امام[۱] ابو حنیفہ اور امام مالک نے جو دو سنی مسلکوں کے بانی تھے ، ان کے دعوے کے درست ہونے کا اعلان کر دیا'' - ادھر منصور نے اپنے بھتیجے عیسیٰ کو کثیر تعداد میں فوج دے کر بھیجا جس کے خوف سے محمد کے اکثر پیروکار ان کا ساتھ چھوڑ گئے - وہ خود صرف

---

۱ - سید امیر علی : History of the Saracens ، صفحہ ۲۲۱ -

تین سو جان بازوں کے ساتھ مقابلے میں آئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے - بھائی کی قبل از وقت وفات سے ابراہیم کے ہاتھ کمزور ہو گئے لیکن اس کے باوجود اس نے کافی فوج تیار کر لی اور کئی مقامات پر عباسیوں کو پسپا بھی کیا - پھر فرات کے کنارے دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا - اس میدان میں بھی عباسیوں کو پسپائی ہوئی اور بہت سے افراد تہ تیغ ہوئے - علویوں نے بھاگتے ہوئے عباسیوں کا تعاقب کرنا مناسب نہ سمجھا - عباسیوں نے یہ دیکھ کر کہ کوئی بھی ان کا تعاقب نہیں کر رہا، لوٹ آئے اور پھر لڑائی شروع ہو گئی - اب کی دفعہ ابراہیم کو ایک کاری تیر لگا جس سے وہ ۱۴۵ھ مطابق ۷۶۲ع میں جاں بحق ہو گیا اور علویوں کی فوج نے راہ فرار اختیار کی -

''اس[1] فتح کے بعد منصور نے مدینہ اور بصرہ کو اپنے غیض و غضب کا ہدف بنایا - متعدد مشاہیر، جنھوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا، موت کے گھاٹ اتار دیے گئے - اسی پر بس نہیں، ان کے گھروں کو گرا کر سطح زمین کے برابر کر دیا گیا - مدینے میں بنو حسن اور بنو حسین کی جائدادیں ضبط کر لی گئیں اور جو رعایات اہل مدینہ کو حاصل تھیں، سب واپس لے لی گئیں - مصر سے آنے والی رسد روک دی گئی - حضرت امام جعفر الصادق رض نے جائداد واپس مانگی تو انھیں قتل کی دھمکی دی گئی - امام ابو حنیفہ کو زندان میں ڈال دیا گیا اور امام مالک کے کوڑے لگائے گئے -'' خلیفہ منصور کی خلافت مغربی ایشیا اور افریقہ میں بھی تسلیم کر لی گئی -

نظم و نسق

خلیفہ منصور نے ملکی نظم و نسق کو بہتر بنایا - مختلف محکموں کو وسعت دی - انتظامی خرابیوں کو دور کیا - وزیر کا عہدہ سب سے پہلے خلیفہ منصور نے قائم کیا - عہدے داروں کے کام کی نگرانی کے لیے جاسوس مقرر کیے -

آرٹ اور فن کی قدردانی

منصور نے آرٹ اور فن کی سرپرستی کی - علما کو بڑے بڑے وظیفے

---

۱ - سید امیر علی : History of the Saracens ، صفحہ ۲۲۳ -

دیے۔ اس کے زمانے میں متعدد کتابیں عربی میں لکھی گئیں ۔ یونانی ، سنسکرت اور قدیم فارسی کی کتابوں کے تراجم بھی عربی میں ہوئے۔ مترجموں میں مسلمانوں کے علاوہ یہودی اور عیسائی بھی ہوتے تھے ، جن کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا جاتا تھا ۔

فرقہ اسماعیلیہ

حضرت امام جعفر الصادقؓ ۱۴۸ھ مطابق ۷۶۵ع میں مدینہ میں فوت ہوئے ۔ ان کا کام ان کے بیٹے امام موسیٰ کاظمؓ کی رہنمائی میں جاری رہا۔ ان کے زمانے میں اہل تشیع کی صفوں میں بہت انتشار پیدا ہوا جس کی مختصر سی سرگزشت یہ ہے ۔ حضرت امام جعفر الصادقؓ نے پہلے اپنے بیٹے اسماعیل کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا لیکن کسی وجہ سے اس کی امامت منسوخ کر دی اور اس کی بجائے موسی کاظمؓ کو امام نامزد کیا لیکن اسماعیل کے جن پیروؤں کا یہ عقیدہ تھا کہ امامت خدا کی طرف سے ہوتی ہے اور کسی صورت میں منسوخ نہیں ہو سکتی ، وہ اسماعیل کو بدستور اپنا امام مانتے رہے اور اس نسبت سے اسماعیلی کہلائے ۔ یہی وہ اسماعیلی تھے جنھوں نے مصر میں فاطمی خلافت کی بنیاد رکھی ۔

فرقہ اثنا عشری

حضرت امام جعفر الصادقؓ کے وہ پیرو جنھوں نے اسماعیل کی امامت کو منسوخ سمجھ کر حضرت موسیٰ کاظم کو امام تسلیم کر لیا اور ان کے بعد آنے والے اماموں کو بھی مانا وہ بارہ اماموں پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اثنا عشری کہلائے ۔

خراسان اور افریقہ کی شورش

خلیفہ منصور کے عہد کے آخر میں خراسان کے والی نے بغاوت کی ۔ منصور نے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے ابن خذیمہ اور اپنے بیٹے مہدی کو بھیجا ۔ عباسی لشکر کا خراسان پہنچنا ہی تھا کہ خود اہل خراسان نے والی کو اسیر کرکے عباسیوں کے حوالے کر دیا اور اس طرح یہ بغاوت ختم ہوئی ۔ افریقہ میں بھی شورش بپا ہوئی اور وہ بھی فرو کر دی گئی ۔

محمد المہدی کی نامزدگی

خلیفہ منصور کے آخری ایام قریب آئے تو اس نے اپنے بیٹے

محمد المہدی کو اپنا جانشین نامزد کیا اور مکہ میں آخری ایام گزارنے کے لیے روانہ ہوا لیکن وہاں پہنچنا نصیب نہ ہوا - مکہ سے ابھی تین میل دور تھا کہ بیمار رہ کر ۱۵۸ھ مطابق ۷۷۵ع میں اس کا انتقال ہو گیا -

محمد المہدی

(۱۵۸ تا ۱۶۹ھ مطابق ۷۷۵ تا ۷۸۵ع)

محمد المہدی ۱۵۸ھ میں تخت نشین ہوا - وہ طبعاً اپنے والد سے مختلف تھا - بہت نرم مزاج اور نوع انسان کا ہمدرد تھا - تخت نشین ہوتے ہی اس نے تمام سیاسی قیدی رہا کر دیے - نہ[1] صرف ابراہیم کے بیٹے حسن کو قید سے آزاد کیا بلکہ اس کی گزر اوقات کے لیے وظیفہ بھی مقرر کر دیا - اہل مدینہ کی جو رعایات سلب کی گئی تھیں وہ پھر سے بحال کیں - مصر سے آنے والی رسد ، جو روک دی گئی تھی ، پھر سے جاری ہوئی - علویوں کی جو جائدادیں ضبط کر لی گئی تھیں ، واگزار کر دیں - تعذیر کے طور پر جو جرمانے کیے گئے تھے ، وہ بھی معاف ہوئے - مہدی جب حج کرنے کے لیے مکہ گیا تو حجاز کے لوگوں میں تین کروڑ درہم اور ایک لاکھ پوشاکیں بطور مدد تقسیم کیں - مسجد نبوی پھر سے بنوائی اور اسے آراستہ کیا - مکہ سے قادسیہ تک پختہ سڑک تعمیر کرائی - مقدس شہروں کو ملانے والی سڑکوں کے کناروں پر کنوئیں کھدوائے - حاجیوں اور تجارتی کاروانوں کی حفاظت کے لیے پاسبان مقرر کیے -

جانشینی

خلیفہ مہدی اپنے دونوں بیٹوں موسیٰ اور ہارون کو یکساں طور پر خلافت کے لیے موزوں سمجھتا تھا اس لیے اس نے دونوں کو اپنا جانشین نامزد کیا اور لوگوں سے ان کے لیے وفاداری کے حلف بھی لیے -

المقنّع

مہدی کے زمانے میں ایک شخص المقنّع نے بغاوت کی - مشہور مؤرخ البیرونی نے اس کا نام ہاشم بن حکیم لکھا ہے لیکن ابن خلقان

---

۱ - سید امیر علی : History of the Saracens ، صفحہ ۲۲۹ -

دیے۔ اس کے زمانے میں متعدد کتابیں عربی میں لکھی گئیں۔ یونانی، سنسکرت اور قدیم فارسی کی کتابوں کے تراجم بھی عربی میں ہوئے۔ مترجموں میں مسلمانوں کے علاوہ یہودی اور عیسائی بھی ہوتے تھے، جن کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا جاتا تھا۔

فرقہ اسماعیلیہ

حضرت امام جعفر الصادقؓ ۱۴۸ھ مطابق ۷۶۵ع میں مدینہ میں فوت ہوئے۔ ان کا کام ان کے بیٹے امام موسیٰ کاظمؓ کی رہنمائی میں جاری رہا۔ ان کے زمانے میں اہل تشیع کی صفوں میں بہت انتشار پیدا ہوا جس کی مختصر سی سرگزشت یہ ہے۔ حضرت امام جعفر الصادقؓ نے پہلے اپنے بیٹے اسماعیل کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا لیکن کسی وجہ سے اس کی امامت منسوخ کر دی اور اس کی بجائے موسی کاظمؓ کو امام نامزد کیا لیکن اسماعیل کے جن پیروؤں کا یہ عقیدہ تھا کہ امامت خدا کی طرف سے ہوتی ہے اور کسی صورت میں منسوخ نہیں ہو سکتی، وہ اسماعیل کو بدستور اپنا امام مانتے رہے اور اس نسبت سے اسماعیلی کہلائے۔ یہی وہ اسماعیلی تھے جنھوں نے مصر میں فاطمی خلافت کی بنیاد رکھی۔

فرقہ اثنا عشری

حضرت امام جعفر الصادقؓ کے وہ پیرو جنھوں نے اسماعیل کی امامت کو منسوخ سمجھ کر حضرت موسیٰ کاظم کو امام تسلیم کر لیا اور ان کے بعد آنے والے اماموں کو بھی مانا وہ بارہ اماموں پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اثنا عشری کہلائے۔

خراسان اور افریقہ کی شورش

خلیفہ منصور کے عہد کے آخر میں خراسان کے والی نے بغاوت کی۔ منصور نے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے ابن خذیمہ اور اپنے بیٹے مہدی کو بھیجا۔ عباسی لشکر کا خراسان پہنچنا ہی تھا کہ خود اہل خراسان نے والی کو اسیر کر کے عباسیوں کے حوالے کر دیا اور اس طرح یہ بغاوت ختم ہوئی۔ افریقہ میں بھی شورش بپا ہوئی اور وہ بھی فرو کر دی گئی۔

محمد المہدی کی نامزدگی

خلیفہ منصور کے آخری ایام قریب آئے تو اس نے اپنے بیٹے

محمد المہدی کو اپنا جانشین نامزد کیا اور مکہ میں آخری ایام گزارنے کے لیے روانہ ہوا لیکن وہاں پہنچنا نصیب نہ ہوا ۔ مکہ سے ابھی تین میل دور تھا کہ بیمار رہ کر ۱۵۸ھ مطابق ۷۷۵ع میں اس کا انتقال ہو گیا ۔

محمد المہدی

(۱۵۸ تا ۱۶۹ھ مطابق ۷۷۵ تا ۷۸۵ع)

محمد المہدی ۱۵۸ھ میں تخت نشین ہوا ۔ وہ طبعاً اپنے والد سے مختلف تھا ۔ بہت نرم مزاج اور نوع انسان کا ہمدرد تھا ۔ تخت نشین ہوتے ہی اس نے تمام سیاسی قیدی رہا کر دیے ۔ نہ[1] صرف ابراہیم کے بیٹے حسن کو قید سے آزاد کیا بلکہ اس کی گزر اوقات کے لیے وظیفہ بھی مقرر کر دیا ۔ اہل مدینہ کی جو رعایات سلب کی گئی تھیں وہ پھر سے بحال کیں ۔ مصر سے آنے والی رسد ، جو روک دی گئی تھی ، پھر سے جاری ہوئی ۔ علویوں کی جو جائدادیں ضبط کر لی گئی تھیں ، واگزار کر دیں ۔ تعذیر کے طور پر جو جرمانے کیے گئے تھے ، وہ بھی معاف ہوئے ۔ مہدی جب حج کرنے کے لیے مکہ گیا تو حجاز کے لوگوں میں تین کروڑ درہم اور ایک لاکھ پوشاکیں بطور مدد تقسیم کیں ۔ مسجد نبوی پھر سے بنوائی اور اسے آراستہ کیا ۔ مکہ سے قادسیہ تک پختہ سڑک تعمیر کرائی ۔ مقدس شہروں کو ملانے والی سڑکوں کے کناروں پر کنوئیں کھدوائے ۔ حاجیوں اور تجارتی کاروانوں کی حفاظت کے لیے پاسبان مقرر کیے ۔

جانشینی

خلیفہ مہدی اپنے دونوں بیٹوں موسیٰ اور ہارون کو یکساں طور پر خلافت کے لیے موزوں سمجھتا تھا اس لیے اس نے دونوں کو اپنا جانشین نامزد کیا اور لوگوں سے ان کے لیے وفاداری کے حلف بھی لیے ۔

المقنّع

مہدی کے زمانے میں ایک شخص المقنّع نے بغاوت کی ۔ مشہور مؤرخ البیرونی نے اس کا نام ہاشم بن حکیم لکھا ہے لیکن ابن خلقان

---

۱ ۔ سید امیر علی : History of the Saracens ، صفحہ ۲۲۹ ۔

اس کا نام ہاشم بن عطا لکھتا ہے - المقنّع کو سحر و طلسم میں بڑی دسترس تھی - ریاضی اور کیمیا میں بھی اسے مہارت حاصل تھی - اس نے خدا کا مظہر ہونے کا دعویٰ کیا - وہ اپنے پیروؤں سے کہتا تھا کہ خدا سب سے پہلے حضرت آدم[ع] کے پیکر میں ظاہر ہوا - اس کے بعد حضرت نوح[ع] کے جسم میں آیا ، پھر تمام پیغمبروں کے جسموں میں ظاہر ہوتا ہوا ابو مسلم خراسانی کے قالب میں ظاہر ہوا او. بالآخر خود اس کے جسم میں نمودار ہوا -

المقنّع پست قامت اور بد صورت شخص تھا - ایک آنکھ سے محروم بھی تھا - وہ اپنی بد صورتی کو چھپانے کے لیے چہرے کو سونے کے پترے سے ڈھانپے رکھتا تھا - اسی لیے اسے المقنّع یعنی ''نقاب پوش'' کہنے لگے - اس کے پیرو اس کی پرستش کرتے تھے - وہ ان کے اعتقادات کو پختہ تر کرنے کے لیے طرح طرح کے طلسماتی کرشمے دکھایا کرتا تھا -

المقنّع نے دریائے جیحوں کو عبور کرکے نخشب میں اقامت اختیار کر لی تھی - اس نے سیماب اور بعض دوسرے کیمیاوی مرکبات سے ایک مصنوعی چاند تیار کیا - یہ چاند نخشب کے ایک کنوئیں سے نکلتا اور ہرات کے قریب پہاڑوں کے پیچھے غروب ہوتا نظر آتا تھا - ماہ نخشب متواتر دو ماہ تک دکھائی دیتا - اس کی چاندنی بارہ میل تک دکھائی دیتی تھی - یہاں اس نے اپنی حکومت بھی قائم کر لی تھی جو چودہ سال تک برقرار رہی -

المقنّع[1] نے اپنے پیروؤں کی ایک فوج منظم کرکے خلیفہ مہدی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور کافی عرصہ اس کے لیے وجہ پریشانی بنا رہا - آخر خلیفہ مہدی نے مسیب بن زہیر کو اس فتنے کے استیصال کے لیے نامزد کیا - مسیب نے المقنّع کو اس کے صدر مقام پر جا گھیرا - اس نے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھی تو اپنی بیویوں اور دوسرے

---

۱ - ماللھند ، بحوالہ براؤن ، اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا ، جلد اول ، صفحہ ۳۱۹ -

پیروؤں سے دریافت کیا کہ تم میں سے کون کون میرے ساتھ جنت جانا چاہتے ہیں ؟ جنت میں جانے کو بھلا کون تیار نہ ہوتا ۔ چنانچہ سب نے اس کا ساتھ دینے کی خواہش کی ۔ آخر اس نے سب کو زہر پلا دیا اور خود تیزاب کے خم میں بیٹھ گیا ، جس سے اس کے جسم کے اجزا تیزاب[۱] میں تحلیل ہو گئے ۔

موسیٰ الہادی

(۱۶۹ تا ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۵ تا ۷۸۶ع)

مہدی نے وفات پائی تو اس وقت موسیٰ جرجان میں تھا لیکن ہارون الرشید دارالخلافہ میں موجود تھا ۔ اس نے والد کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے فوراً اپنے بڑے بھائی موسیٰ کی خلافت کا اعلان کر دیا اور شاہی مہر اور عصائے نبوی اس کے پاس بھیج دیا ۔ موسیٰ نے والد کے انتقال کی خبر سنی تو دارالخلافہ آیا اور ہادی کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا ۔

ہارون نے اگرچہ بھائی کی خلافت کا اعلان کر کے اپنا فرض ادا کیا تھا لیکن ہادی کو اس کی وفاداری کا یقین نہیں آتا تھا اور ہر وقت اس کی طرف سے کھٹکا لگا رہتا تھا ۔ آخر ہارون کی طاقت کو کمزور کرنے کے لیے اس نے یحییٰ بن خالد برمکی کو ، جو ہارون کا مشیر اعلیٰ تھا ، زندان میں ڈال دیا اور ہارون کے کچھ ساتھی اسیر کر لیے ۔ اس کے بعد ہادی نے مہدی کی وصیت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہارون کے بجائے اپنے بیٹے جعفر کو جانشین مقرر کیا ۔ ہارون کے متعلق تو ہادی کو ایک خیالی سا خطرہ لاحق تھا ہی ، اب حقیقی خطرہ یہ پیدا ہوا کہ مادر ملکہ خیزران چاہتی تھی کہ جس طرح وہ شوہر کے زمانے میں امور سلطنت میں دخیل تھی ، اپنے بیٹے کے عہد میں بھی حکومت پر اپنا قابو رکھے ۔ لیکن ہادی کو یہ گوارا نہ تھا ۔ دوگونہ مشکلات نے اب یہ صورت اختیار کی کہ دربار میں دو گروہ ہو گئے ۔ ایک ہادی اور اس کے بیٹے جعفر کا حامی تھا اور دوسرا

---

۱ - پرسی سائیکس ، اے ہسٹری آف پرشیا ، جلد اول ، صفحہ ۵۶۳ ۔

مادر ملکہ خیزران اور ہارون کا - آخر میں اختلاف کچھ زیادہ ہوا تو ہارون نے ہادی کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کر دی -

علویوں کے ساتھ عباسیوں کا ناروا سلوک

مدینہ کے گورنر نے حضرت حسنؓ کے خاندان کے افراد کے ساتھ کسی الزام میں ناروا سلوک کیا - اس کی وجہ سے حضرت حسنؓ کے پڑپوتے نے حسین کی سر کردگی میں شورش برپا کی ، لیکن وہ ناکام رہی اور اس خاندان کے متعدد افراد موت کے گھاٹ اتار دیے گئے - حسین کا چچازاد بھائی ادریس وہاں سے نکل کر ماریتانیہ چلا گیا ، جہاں کے بربروں نے اسے پناہ دی اور بالآخر ان کی مدد سے اس نے ادریسیہ خلافت کی بنیاد رکھی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مغرب اقصیٰ عباسی خلافت سے کٹ گیا -

اسی اثنا میں ہادی کسی لاعلاج مرض میں مبتلا رہ کر ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۶ع میں راہی ملک بقا ہوا -

ھارون الرشید

(۱۷۰ تا ۱۹۸ھ مطابق ۷۸۶ تا ۸۱۳ع)

ہادی کی وفات کے بعد جعفر ، جسے ہادی نے اپنا جانشین نامزد کیا تھا ، تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا اور ہارون الرشید تخت نشین ہوا اور اس طرح اس کے باپ کی وصیت پوری ہوئی -

اسلام کا زرین عہد

ہارون الرشید کا عہد درخشاں روایات کا حامل ہے - الف لیلیٰ کی کہانیوں نے اس نامور خلیفہ کے نام کے ساتھ زندہ جاوید داستانیں وابستہ کر دی ہیں - ہارون الرشید راتوں کو یہ دیکھنے کے لیے بغداد کے گلی کوچوں میں گھومتا پھرتا تھا کہ اس کی رعایا کے کسی فرد کے ساتھ کوئی ناانصافی تو نہیں ہوئی ، رات کوئی بھوکا تو نہیں سویا ، کوئی محتاج یا مریض تو ایسا نہیں جسے دنیاوی سہولتیں میسر نہیں - ہارون دنیا کے عظیم بادشاہوں میں سے ایک تھا - شعائر اسلامی کا

پابند ، پرہیزگار ، متقی اور سخی تھا لیکن شوکت پسند ضرور تھا ۔ اس کی فطرت سپاہیانہ تھی ۔ فن سپہ گری میں اس نے تربیت بھی پائی تھی ۔ وہ اپنی ہر جنگ میں بہ نفس نفیس شریک ہوتا ۔ اکثر اپنی وسیع سلطنت میں دورے کرتا اور سرحدوں اور دروّں کا معائنہ کرتا ۔ اس نے تاجروں اور حاجیوں کی گزرگاہوں کو ہر قسم کے خطرے سے محفوظ و مصئون کیا تاکہ وسیع مملکت میں وہ آزادی سے سفر کر سکیں ۔ جگہ جگہ ہسپتال ، سکول اور کاروان سرائیں بنائی گئیں ۔ نشیبی جگہوں پر پل تعمیر ہوئے ۔ نہریں اور زیر زمینی نالے کھدوائے گئے ۔ ان حالات سے پتا چلتا ہے کہ اس زمانے کا نظم و نسق کس قسم کا تھا اور خلیفہ کو رعایا کی بہبود میں کتنی دلچسپی تھی ۔

ہارون ادب اور آرٹ کا بھی بڑا قدردان تھا ۔ اس کا بیٹا مامون الرشید اگرچہ اس لحاظ سے اپنے باپ سے بھی دو قدم آگے تھا لیکن ذہانت اور کردار کی مضبوطی میں ہارون الرشید کا ہم پلہ نہ تھا ۔

خاندان برامکہ

ہارون الرشید کے عہد میں خاندان برامکہ نے اپنے سیاسی تدبر کی وجہ سے حکومت کے استحکام کے لیے کارہائے نمایاں کیے ، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کی مختصر سی سرگزشت بیان کر دی جائے ۔

برامکہ ، برمک کی جمع ہے ، جو برمغ کی بدلی ہوئی صورت ہے ۔ اہل فارس ''برمغ'' اس بزرگ اور محترم شخص کو کہتے تھے جو بلخ کے آتش کدۂ نو بہار کا متولی ہوتا تھا ۔ برمغ کو عرب انشا پرداز معرب کرکے برمک کہنے لگے ۔

جعفر بن جاماس

مورخین نے برامکہ کی تاریخ کی ابتدا جعفر بن جاماس سے کی ہے ، جو نسباً آتش پرست تھا اور بلخ کے ''آتش کدۂ نوبہار'' کا متولی تھا ۔ جعفر علم و ادب ، انشا پردازی اور شاعری میں شہرت رکھتا تھا ۔ یہی کمال آسے بنو امیہ کے دارالخلافہ دمشق لے گیا کیونکہ اس وقت خلیفہ کے دربار کے سوا اظہار فضیلت کا کوئی اور ذریعہ نہ تھا ۔ جعفر کو

بنو اُمیہ کے چھٹے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دربار میں کاتب کا منصب تفویض ہوا - کچھ عرصے بعد آتش کدۂ نوبہار کا یہ متولی ولید کے فیضِ صحبت سے مشرف بہ اسلام ہوا -

خالد برمکی

جعفر جاماس کے بیٹے خالد نے سفاح اور منصور کے زمانے میں گراں مایہ خدمات انجام دی تھیں - انھی خدمات کی بدولت وہ بلند منصب پر فائز رہا اور اس کا بیٹا یحییٰ ، ہارون الرشید کا اتالیق بنا -

یحییٰ برمکی

ہارون الرشید جانشیں نامزد ہوا تو اس نے یحییٰ کو اپنا مشیر اور وزیر بنایا - آخر جب وہ خلافت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس نے یحییٰ کو وزیر سلطنت کے منصب پر فائز کیا - یحییٰ نے نہایت دانش مندی سے حکومت کا کاروبار چلایا - رعایا کی بہبود کو اس نے ہمیشہ پیش نظر رکھا -

یحییٰ کا عہد وزارت مختلف علوم کی اشاعت کے لیے مشہور ہے - اس عہد میں فلسفہ کی بعض اہم کتابیں یونانی سے عربی میں ترجمہ ہوئیں - ''بیت الحکمت'' اور مجالس مناظرہ کا قیام عمل میں آیا -

یحییٰ کے بیٹے فضل ، جعفر ، موسیٰ اور محمد تھے - یہ بھی نظم و نسق کا بڑا تجربہ رکھتے تھے - چنانچہ فضل کو خراسان کا اور پھر مصر کا والی بنایا گیا - جعفر بھی بعض صوبوں کا والی مقرر ہوا - ان دونوں نے فرائض منصبی نہایت دیانت داری اور دانش مندی سے انجام دیے -

خلافت کا علوی دعوے دار

مملکت کا نظم و نسق اگرچہ بہت مضبوط ہاتھوں میں تھا لیکن ہارون الرشید کو حکومت کے پہلے سال یہ مشکل پیش آئی کہ دیلم میں ، جو بحیرہ خزر کے جنوبی ساحل پر واقع ہے ، حضرت علیؓ کے خاندان کا ایک فرد یحییٰ بن عبداللہ پناہ گزین تھا - اس نے دیلمیوں کی مدد سے خلافت کا دعویٰ کیا - اس کی تادیب کے لیے ہارون نے فضل کو

پچاس ہزار کا لشکر دے کر بھیجا ۔ فضل نے جنگ کرنے کے بجائے تدبر سے کام لیا اور یحییٰ بن عبداللہ کو یہ پیش کش کی کہ اگر وہ اطاعت اختیار کر لے تو اُسے امان مل جائے گی اور دربار میں معزز عہدے پر سرفراز کر دیا جائے گا ۔ اس نے یہ پیش کش قبول کر لی اور بغداد آ گیا جہاں اُس کا پرتپاک خیرمقدم کیا گیا لیکن چند ماہ بعد اس نے بغداد میں خلیفہ کے خلاف سازش کی جس کی پاداش میں اسے زندان میں ڈال دیا گیا اور اسیری ہی میں اس نے وفات پائی ۔

آرمینیا پر خزر قبائل کا حملہ

اسی سال خزر قبائل آرمینیا میں آ گھسے اور لوٹ مار کر کے تباہی مچائی ۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے میں انہیں مار بھگایا گیا ۔

خلافت کے لیے نامزدگیاں

۱۷۵ھ مطابق ۷۹۱ء میں ہارون الرشید نے حج کو جانے کی تیاری کی تو ملکہ زبیدہ کا اصرار تھا کہ حج کو جانے سے پہلے اس کے بیٹے محمد کو جانشین نامزد کر دیا جائے۔ ہارون الرشید اپنے تینوں بیٹوں کو خلافت میں برابر کا حق دار سمجھتا تھا ۔ چنانچہ اس نے محمد کو ، جو زبیدہ کے بطن سے تھا ، ''امین'' کے لقب سے جانشین مقرر کیا ، عبداللہ کو ''المامون'' کے لقب سے خلافت میں شریک کیا اور قاسم کو ''الموتمن'' کے لقب سے مامون کے بعد جانشین نامزد کیا ۔ تینوں بیٹوں کو علاقے بانٹ دیے گئے ۔ مغربی علاقے امین کو ملے ، مشرقی علاقے مامون کو اور بین النہرین وغیرہ الموتمن کو ۔ ۱۸۶ھ مطابق ۸۰۲ء میں ہارون نے امین اور مامون کو ساتھ لے کر حج کعبہ کیا اور ان دونوں کے دستخطوں کے ساتھ وصیت نامہ بطور امانت کعبہ میں رکھ دیا۔ ملکہ زبیدہ جب حجاز گئی تو اس نے اہل مکہ کے لیے اپنے خرچ سے ایک نہر[1] کھدوا دی جو اب بھی اسی کے نام سے منسوب ہے ۔ یہ نہر پانی کی قلت دور کرنے کے لیے تعمیر کرائی گئی تھی ۔

---

۱ ۔ سید امیر علی : History of the Saracens ، صفحہ ۲۳۲ ۔

امام موسی کاظمؒ کا انتقال

ہارون کے ابتدائی عہد ہی میں امام موسی کاظمؒ کا انتقال ہوا اور حضرت امام رضاؒ ان کے جانشین ہوئے جو اس زمانے کے بہت بڑے عالم اور مفکر تھے -

برامکہ کا زوال

ہارون الرشید عدل و انصاف میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتا تھا - اس کا عہد علم و فضل کے لیے بھی مشہور ہوا - رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی لیکن ہارون کے دامن پر ایک بدنما دھبا بھی ہے کہ اس کے ہاتھوں برمکی خاندان تباہ ہوا جس نے سترہ سال تک نہایت خلوص ، وفاداری اور دانشمندی کے ساتھ خدمات انجام دیں - انھی کی بدولت رعایا خوش حال اور فارغ البال ہوئی - ملک کی ثروت میں اضافہ ہوا - حکومت مستحکم ہوئی ، قوم مہذب اور شائستہ بنی لیکن ان کی شان و شوکت ، سخاوت اور خیرات نے حاسد اور دشمن بھی پیدا کر دیے جو ان کے زوال اور تباہی کا باعث بنے - ان کی تباہی کے متعدد اسباب بیان کیے گئے ہیں - بعض مؤرخین ہارون کی بہن عباسیہ کے ساتھ ہارون کے وزیر جعفر برمکی کی شادی کو برمکی خاندان کی تباہی کا سبب بتاتے ہیں لیکن مشہور عرب مؤرخ ابن خلدون کے نزدیک یہ روایت بے حقیقت ہے - وہ اس تباہی کی اصل وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ''برامکہ نے حکومت کے مکمل اختیارات سنبھالے ہوئے تھے - حقیقت میں وہی سفید و سیاہ کے مالک تھے - ملک کا پورا مالیہ ان کے سپرد تھا یہاں تک کہ خلیفہ کو کچھ رقم لینی ہوتی تو انھیں سے طلب کرتا - ان کا اثر و رسوخ حد سے بڑھ گیا تھا - اطراف ملک میں ان کی شہرت کے ڈنکے بجتے تھے - اعلیٰ عہدوں پر برامکہ یا ان کے دوستوں کو فائز کیا جاتا تھا - ضرورت کے وقت سب انھی کی طرف متوجہ ہوتے تھے - انھی کے ہاتھوں سے دیہات اور شہروں میں انعام و اکرام کی بارشیں ہوتی تھیں - سب انھی کے گن گاتے تھے - گویا انھیں اپنے آقاؤں کی نسبت زیادہ مقبولیت حاصل تھی - ان کی بے پناہ مقبولیت کی وجہ سے امرا اور درباریوں کے دل حسد کی آگ سے جلنے

لگے''۔ برامکہ کا سب سے بڑا دشمن فضل بن ربیع تھا ، جسے ہارون نے یحیٰی کے بجائے وزیر مملکت بنا لیا تھا ۔ اس نے برامکہ کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا اور متواتر ان کے خلاف ہارون الرشید کے کانوں کو مسموم کرتا رہا ۔ اسے یہ یقین دلانے کی بھی کوشش کی کہ برامکہ بنو عباس کی خلافت کو ختم کرنے کے در پے ہیں ۔ فضل بن ربیع اور اس کے رفقا اپنے فاسد ارادوں میں کامیاب ہو گئے اور برامکہ کی وفاداریوں اور گراں مایہ خدمات کو یکسر فراموش کر دیا گیا اور دفعۃً ایک رات جعفر برمکی کو خلیفہ کے حکم سے قتل کر دیا گیا ۔ یحیٰی اور اس کے بیٹوں یعنی فضل ، موسیٰ اور محمد کو زندان میں ڈال دیا گیا ۔ نیز ان کی تمام جائداد ضبط کر لی گئی ۔ یحیٰی قید خانے میں ہی ۱۹۱ھ مطابق ۸۰۶ع میں راہی ملک بقا ہوا ۔ تین سال بعد اس کا لائق ترین فرزند فضل بھی دنیا سے رخصت ہوا ۔ موسیٰ اور محمد البتہ بد نصیب باپ کی وفات کے بعد بھی زندہ رہے اور بالآخر انھیں رہائی حاصل ہو گئی ۔ مامون الرشید تخت نشین ہوا تو اس نے اتنا کرم ضرور کیا کہ برمکیوں کی جائدادیں واگزار کر دیں ۔

ہارون الرشید کی وفات

۱۹۳ھ مطابق ۸۰۹ع میں سمرقند میں بغاوت ہوئی ۔ خلیفہ خود لشکر لے کر بغاوت کو فرو کرنے کے ارادے سے روانہ ہوا لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا اور راستے میں مشہد کے قریب اس نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور وہیں ایک باغ میں اسے دفن کر دیا گیا ۔

ہارون الرشید کی سیرت

ہارون الرشید ، عباسی خاندان کا مشہور ترین اور صالح خلیفہ تھا ۔ اس کا شمار دنیا کے عظیم بادشاہوں میں ہوتا ہے ۔ خدا بخش لکھتے ہیں : ''مشرق اور مغرب کے خلفا کی تاریخ میں اسے بھی بہت بڑا مقام حاصل ہوا''۔ سید امیر علی[1] کا بیان ہے کہ ''وہ مذہبی فرائض

---

۱ - سید امیر علی : History of the Saracens ، صفحہ ۲۵۱ -

نہایت خلوص سے ادا کرتا تھا۔ بہت زاہد اور فیاض شخص تھا ۔ ان صفات کے باوجود وہ شوکت پسند ضرور تھا ۔ اس کی شخصیت و کردار کا معاشرے پر بہت اثر تھا'' ۔ اس کی بہادری اور دانشمندی کی وجہ سے پوری مملکت میں ۲۳ سال تک اس کا دبدبہ قائم رہا اور امن و عافیت سے لوگ زندگی بسر کرتے رہے ۔ اسی زمانے میں تاجر ، علما اور حجاج بلا کھٹکے سیاحت و سفر کرتے تھے ۔ اس میں عیب یہ تھا کہ وہ بہت شکی مزاج تھا ۔ اس کے عہد حکومت میں ملک خوش حال اور رعایا فارغ البال تھی ۔ رعایا کے حالات معلوم کرنے کے لیے وہ طول و عرضِ ملک کے دورے کیا کرتا تھا اور جہاں تک ممکن ہوتا لوگوں کے دکھ درد دور کرتا ۔ اکثر اوقات اس نے دولت کے انبار غربا اور محتاجوں میں تقسیم کیے ۔ لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے اس نے جگہ جگہ مدارس کھولے ، ہسپتال قائم کیے ، مسجدیں تعمیر کرائیں ، اہم مقامات کو ملانے کے لیے سڑکیں بنوائیں ، نہریں اور زیر زمینی نالے کھدوائے ۔ دینی معاملات میں وہ بہت شغف رکھتا تھا ۔ حج اس نے دس مرتبہ کیا تھا ۔ ہر شب و روز میں وہ سو نفل ادا کرتا تھا اور ہر روز سو درہم خیرات دیتا تھا ۔

ہارون الرشید کی علم پروری

علم پروری کی وجہ سے اس کی شہرت کو اور بھی چار چاند لگے ۔ اس کے دربار کے ساتھ متعدد علما ، شعرا اور موسیقار وابستہ تھے ۔ بغداد اس زمانے میں علم اور تہذیب کا بہت بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا ۔ ہارون الرشید کے دادا منصور نے علم و حکمت کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرانے کے لیے دارالترجمہ قائم کیا تھا ۔ اس کو ہارون نے اور وسعت دی اور مترجمین کی تعداد میں اضافہ بھی کیا ۔ ایک بیت الحکمت بنایا جس کے ساتھ بڑے بڑے علما وابستہ تھے ۔ اصمعی ، شافعی ، عبداللہ بن ادریس ، عیسیٰ بن یوسف ، ابراہیم موصلی مشہور موسیقار ، سفیان بن سوری ، جبریل بن بخت یشوع ماہر طبیعیات اس عہد کے مشہور علما تھے ۔ اس دور کی ایک یہ خصوصیت بھی ہے کہ حنفی[1] فقہ ،

---

۱ ۔ سید امیر علی : History of the Saracens ، صفحہ ۲۵۲ ۔

جو حضرت ابو حنیفہ کے نام سے منسوب ہے ، قاضی القضاۃ ابو یوسف کی سرکردگی میں مرتب ہوئی ۔

محمد الامین

(۱۹۳ تا ۱۹۸ھ مطابق ۸۰۹ تا ۸۱۳ع)

ہارون الرشید کی وفات پر اس کی وصیت کے مطابق محمد ، الامین کے لقب سے تخت نشین ہوا ۔ بھائیوں نے حلف وفاداری اٹھایا اور رعایا نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ اس نے مملکت کی وزارت فضل بن ربیع کے سپرد کی ۔

امین بہت کمزور شخص تھا ۔ ساتھ ہی شان و شوکت اور عیش و عشرت کا دل دادہ بھی تھا ۔ حکومت کا کامل اختیار اس نے اپنے وزیر فضل بن ربیع کے سپرد کر دیا اور خود امور سلطنت سے غافل ہو گیا ۔

مامون الرشید اس وقت خراسان کا حاکم تھا ۔ فضل بن سہل اس کا وزیر تھا جس کی بدولت مامون کو شہرت حاصل ہوئی اور اس کی حکومت کو استحکام میسر آیا ، مامون کو خود بھی بہت مقبولیت حاصل تھی ۔ اہل خراسان مامون‌الرشید کو ایک ایرانی ماں کے بطن سے ہونے کی وجہ سے ''خواہر زادہ'' کہہ کر پکارتے تھے ۔ اس نے اہل خراسان کی فلاح و بہبود کی طرف خاص توجہ دی ۔ فوج کی دل داری کی ۔ ٹیکسوں کا بوجھ کم کیا جس سے عوام اور بھی زیادہ گرویدہ ہو گئے ۔ اس مقبولیت کے باوجود وہ اپنے بھائی امین کی خلافت کو دل سے تسلیم کرتا تھا ۔

امین اور مامون کی مناقشت

امین حرم سرا میں عیش و نشاط کی زندگی بسر کر رہا تھا ۔ عوام کے مسائل سے وہ بے تعلق تھا ۔ دوسری طرف یہ کہ اس نے اپنے طاقتور بھائی مامون کی نامزدگی ، جو ہارون نے اپنی زندگی میں کی تھی ، منسوخ کر دی اور اپنے بیٹے موسیٰ کو جانشین نامزد کرکے لوگوں سے حلف وفاداری لینے لگا ۔ مامون نے سنا تو اس نے مغربی سرحدوں پر بھی اپنی حکومت قائم کر لی ۔ امین نے علی بن عیسیٰ کی کمان میں چالیس ہزار

کا لشکر بھیجا ۔ مامون نے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے طاہر بن حسین کو چار ہزار خراسانی نوجوانوں کے ساتھ روانہ کیا ۔ دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ۱۹۶ھ مطابق ۸۱۱ع میں 'ری' کے میدان میں ہوا ۔ نہایت خون ریز جنگ کے بعد خلیفہ کے لشکر کو شکست ہوئی ۔ علی بن عیسیٰ مارا گیا اور مامون الرشید نے اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا ۔

اهواز ، واسط اور مدائن کی فتح

شکست کی خبر بغداد پہنچی تو امین نے عبدالرحمان بن جبلہ کو بیس ہزار فوج دے کر ہمدان بھیجا ۔ مامون نے اسے شکست دے کر ہمدان کے آس پاس کے پہاڑی علاقوں پر قبضہ کر لیا ۔ اس فتح کے بعد مامون نے اہواز ، واسط اور مدائن بھی فتح کر لیے ۔ یکے بعد دیگرے دوسرے صوبے بھی مامون کے قبضے میں آ گئے اور خلیفہ امین کے پاس صرف بغداد رہ گیا ۔ طاہر نے اب لشکر کشی کر کے بغداد کا مشرق حصہ بھی لے لیا ۔ لوگ امین کا ساتھ چھوڑ گئے ۔ امین جان بچانے کے لیے بغداد سے نکل بھاگا لیکن راستے میں پکڑا گیا اور ۱۹۹ھ مطابق ۸۱۳ع میں طاہر کے آدمیوں نے اسے ہلاک کر دیا ۔

امین کی ناکام حکومت چار سال آٹھ ماہ تک جاری رہی ۔ وہ ایک نااہل حکم ران تھا ۔ نہ اس نے امور سلطنت کی طرف توجہ دی نہ عوام کے مسائل کو درخور اعتنا سمجھا ۔ اس کا اکثر وقت حرم کی مصروفیتوں میں گزرتا تھا ۔

مامون کو بھائی کے افسوس ناک انجام کی خبر ملی تو اسے سخت دکھ ہوا ۔ اسے یہ ہرگز خیال نہ تھا کہ بھائیوں کے اختلاف کا آخر یہ انجام بھی ہو سکتا ہے ۔ اس نے امین کے بیٹوں کو پاس بلایا اور انھیں زبیدہ کی نگرانی میں دے دیا اور جب وہ بڑے ہوئے تو اپنی بیٹیوں کے ساتھ ان کی شادیاں کر دیں ۔

مامون الرشید

(۱۹۸ تا ۲۱۸ھ مطابق ۸۱۳ تا ۸۳۳ع)

امین کی وفات پر اس کا بھائی مامون تخت خلافت پر بیٹھا ۔ لیکن

ن نے یہ مناسب سمجھا کہ بغداد جانے کی بجائے ایران ہی رہے اور مرو کو اپنا دارالخلافہ بنائے - خلیفہ کی بغداد سے عدم موجودگی کا یہ نتیجہ ہوا کہ مملکت میں اضطراب اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی - کوفہ کے لوگوں نے علویوں کے حق میں آوازیں بلند کیں - عرب ، شام اور ایشائے کوچک میں بھی بغاوتیں رونما ہوئیں -

عراق و شام کی فتوحات

مامون کے بہادر جرنیل ہرثامہ نے بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے لشکر کشی کی اور عراق میں علویوں کے لشکر کو جگہ جگہ پسپا کیا - اہل کوفہ نے ہرثامہ کے لیے شہر کے دروازے کھول دیے - بصرہ میں کچھ مقابلہ ہوا لیکن اسے بھی ہرثامہ نے فتح کر لیا -

ہرثامہ کی ہلاکت

باغیوں کی سرکوبی میں کامیاب ہونے کے بعد ہرثامہ کو وزیر مملکت فضل بن سہل کی طرف سے عراق جانے کا حکم ملا لیکن اس نے معذوری کا اظہار کرکے سیدھا مرو کا رخ کیا - ہرثامہ خلیفہ کو ان خاص حالات سے آگاہ کرنا چاہتا تھا ، جو فضل بن سہل نے خلیفہ سے چھپائے ہوئے تھے - فضل کو کچھ اندیشہ لاحق ہوا تو اس نے ہرثامہ کے خلاف خلیفہ کے کان بھرے جس کا یہ اثر ہوا کہ جونہی ہرثامہ مرو پہنچا ، اسے زندان میں ڈال دینے کا حکم ہوا ، جہاں کچھ عرصے بعد یہ لائق جرنیل راہیِ ملک بقا ہوا -

امام علی رضاؓ کی ولی عہدی

اگرچہ عراق اور شام کی بغاوتیں ہرثامہ نے فوجی قوت کے بل بوتے پر فرو تو کر دی تھیں لیکن بغاوت کا مواد بدستور پکتا رہا - کوفہ میں علویوں کی شورش مٹانے کے لیے مامون نے ایک غیر معمولی قدم اٹھا کر حضرت امام علی الرضا کو ، جو مامون سے عمر میں ۲۲ سال بڑے تھے ، ۲۰۲ھ مطابق ۸۱۷ع میں ولی عہد سلطنت نامزد کر دیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے فرمان جاری کیے - ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ عباسی[۱] اب سیاہ رنگ کی پوشاک نہ پہنیں ، جو عباسیوں کا خاص

---

۱ - سید امیر علی : History of the Saracens ، صفحہ ۲۶۶ -

رنگ تھا ، بلکہ سبز رنگ کی پوشاک پہنیں جو اہل تشیع کا رنگ تھا ۔ اس اقدام سے اہل تشیع تو مطمئن ہو گئے لیکن عباسی اس سے سخت برہم ہوئے اور حضرت علی الرضاؓ سے وفاداری کا حلف اٹھانے سے انکار کر دیا ۔ حضرت امام علی الرضاؓ نے صورت حال بگڑتی دیکھی تو مامون کو حقیقت حال سے آگاہ کرنے کے لیے مرو آئے اور اسے بغداد آنے کو کہا ۔

خلیفہ کی بغداد کو روانگی

مامون کو بغداد جانے سے باز رکھنے والا فضل بن سہل تھا اور بغداد میں صورت حال کے بگڑنے کی ذمے داری بھی بڑی حد تک اسی پر تھی کیونکہ عوام کا خیال تھا کہ خلیفہ اپنے وزیر کے زیر اثر ہے ۔ مامون نے صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے بغداد کا رخ کیا ۔ مامون لشکر کے ساتھ سرخس ہی پہنچا تھا کہ وہاں کے حمام میں کسی نے فضل بن سہل کو قتل کر دیا ۔ اس کی وفات کے بعد خلیفہ نے اس کے بھائی حسن بن سہل کو وزارت کے عہدے پر سرفراز کیا اور کچھ عرصے بعد اس کی بیٹی بوران کو اپنے عقد میں لے لیا ۔ مامون ۲۰۴ھ مطابق ۸۱۹ع میں بغداد پہنچا اور اس کے آتے ہی ہر قسم کی شورش ختم ہو گئی ۔

طاہر اور اس کے بیٹوں کی خدمات کا صلہ

طاہر نے جو گراں قدر خدمات سر انجام دی تھیں ، ان کے صلے میں اسے خراسان کی حکومت دی گئی (۲۰۴ھ تا ۲۰۷ھ) ۔ یہ وہی طاہر ذوالیمینین ہے ، جس کے نام پر طاہریہ خاندان کی ایک خود مختار حکومت قائم ہوئی ۔ طاہر کے فوت ہونے پر اس کا بیٹا طلحہ خراسان کا حاکم بنا ۔ طاہر کے دوسرے بیٹے کو مصر اور شام کی حکومت سونپی گئی ۔ عبداللہ خاص طور پر مامون کا منظور نظر تھا کیونکہ وہ باپ ہی کی طرح دلیر اور مدبر تھا ۔ بین النہرین میں جو شورش ہوئی ، وہ اسی نے فرو کی ۔

بابک کی بغاوت

ان شورشوں کے ساتھ ہی ایران کے ایک صوبے ماژندران میں بابک نامی ایک شخص نے فتنہ کھڑا کیا ۔ اس نے دعویٰ کیا کہ خدا کا

اس کے جسم میں حلول ہوا ہے - اصل[1] میں وہ آتش پرستوں کے فرقہ خورمیہ سے تعلق رکھتا تھا - وہ یہودیت ، عیسائیت اور اسلام کے کسی اصول کو قابل عمل نہیں سمجھتا تھا - اس نے ماژندران کے ایک دشوار گزار راستے میں ایک قلعے پر قبضہ کر لیا تھا - وہ اپنے قلعے سے قریبی علاقوں پر حملے کرکے قتل و غارت کرتا - جو شخص ہاتھ لگتا ، اسے قلعے کے تاریک تہ خانوں میں ڈال دیتا - اس پر کئی بار حملے کیے گئے - لیکن راستہ دشوار گزار ہونے کی وجہ سے قلعہ مسخر نہ ہوسکا -

یونانیوں کا ناکام حملہ

آخر جب قلعے کی ناکہ بندی کرکے بابک کو نکل بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا تو وہ یونانیوں کے حکمران سے جا ملا اور اسے اسلامی مملکت پر حملہ کرنے کی ترغیب دی - اس نے حملہ کیا بھی ، لیکن عبداللہ نے اسے بری طرح شکست دی -

مامون کی وفات

کہا جاتا ہے کہ ایشیائے کوچک کی اسی مہم میں مامون بھی ساتھ تھا - یہاں اس نے سرد پانی کے چشمے میں نہا لیا جس سے اسے بخار ہو گیا - آخر بخار ہی میں اس نے ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۳ع میں وفات پائی اور طرطوس میں دفن ہوا -

فرقہ معتزلہ

مامون الرشید کے زمانے میں ایک اہم مذہبی تحریک میں سرگرمی آگئی جو "معتزلہ" کے نام سے موسوم تھی - اس سے خلیفہ مامون اور اس کے درباری بھی متاثر ہوئے - ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ انسان اپنے افعال میں مختار ہے - مقدر کو وہ نہیں مانتے - ان کے نزدیک کلام مجید مخلوق ہے -

خلیفہ مامون ، جو فلسفی مزاج تھا اور مذہبی معاملات میں تحقیق کرنے کا شغف رکھتا تھا ، اس عقیدے سے متاثر ہو گیا - اس کے بعد خلیفہ معتصم اور خلیفہ واثق نے اس عقیدے کی پیروی کی - اسی پر

---

۱ - سید امیر علی : A History of the Saracens ، صفحہ ۲۷۱ -

بس نہیں بلکہ جو لوگ معتزلہ عقائد کو نہیں اپناتے تھے ان پر سختیاں کی گئیں ۔ البتہ دسویں خلیفہ المتوکل کی تخت نشینی پر معتزلہ عقائد کی اشاعت روک دی گئی ۔

مذہب الاعتزال

بنو امیہ کی خلافت کے آخری زمانے میں، جیسا کہ پہلے ذکر آیا ہے ، مسلمانوں میں ایک فرقہ معتزلہ پیدا ہوا تھا جو مذہبی عقائد کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتا تھا ۔ بنو امیہ کے عہد میں واصل اور اس کے گروہ کے عقل پسندانہ عقائد کی ترویج تو نہ ہو سکی لیکن جب عباسی خلافت قائم ہوئی اور ایرانی اور یونانی فلسفہ کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں تو مسلمان فلسفہ اور حکمت سے دلچسپی لینے لگے اور عقل پسندی کے رجحان کی وجہ سے وہ فرقہ معتزلہ سے قریب ہو گئے ۔ مامون کا مزاج عقل پسندی کی طرف مائل تھا اس لیے اس نے نہ صرف معتزلہ عقائد کو اپنایا بلکہ ان کی ترویج و اشاعت کے لیے بھی راستہ ہموار کر دیا ۔ فرقہ معتزلہ کے عقائد درج ذیل ہیں :

۱ ۔ انسان کے افعال اللہ تعالیٰ کے منشا اور ارادے سے صادر نہیں ہوتے بلکہ وہ خود اپنے افعال کا خالق ہے ۔

۲ ۔ قرآن مجید مخلوق ہے ۔

۳ ۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی جسمانی وجود نہیں اس لیے کوئی خداوندتعالیٰ کو ، نہ اس دنیا میں دیکھ سکتا ہے ، نہ آخرت میں ۔

۴ ۔ جنت اور دوزخ کا کوئی وجود نہیں ، اس لیے موت کے بعد انسان کو کوئی عذاب یا راحت نہیں ہوگی ۔

معتزلہ کے نظریات نے اسلامی عقائد میں خلل ڈالا عقائد کی بنیادیں ہلا دیں ۔ انھوں نے ایسے ایسے ذہنی مسائل چھیڑے اور ان میں ایسی ایسی موشگافیاں کیں کہ مامون اور اس کے دو جانشینوں کے زمانے میں مسلمان ذہنی اضطراب میں مبتلا رہے ۔

فرقہ معتزلہ کے لوگ روشن خیال ، روادار اور ترقی پسند ہونے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن عملی طور پر دیکھا جائے تو وہ سخت تنگ نظر،

متعصب اور رجعت پسند تھے ۔ مامون نے جب معتزلہ عقائد اپنا لیے تو اس نے ان عقائد کی نشر و اشاعت کرتے ہوئے جبر و تشدد سے بھی گریز نہ کیا ۔ مختلف صوبوں کے والیوں کے نام فرمان جاری کیے کہ جو لوگ معتزلہ عقائد کو قبول کرنے سے انکار کریں ، انھیں سرکاری عہدوں سے برطرف کر دیا جائے ۔ والیوں کے نام یہ فرمان بھی بھیجا گیا کہ محدثین اور علما کا قرآن مجید کے متعلق اعتقاد معلوم کیا جائے ۔ جو اسے مخلوق قرار نہ دیں ، انھیں قید و بند کی سزا دی جائے ۔ اس تہدید آمیز فرمان پر بہت سے علما گرفتار ہوئے ۔ بعض نے ڈر کر قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کیا ۔ مگر امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح ایسے راسخ العقیدہ مسلمان یہ عقیدہ تسلیم کرنے میں کسی صورت آمادہ نہ ہوئے اور زندان کی مصیبت جھیلتے رہے ۔ مامون نے تو آخر عمر میں ایسے علما کو قتل کرنے کا بھی حکم دیا تھا لیکن اس پر عمل درآمد ہونے سے پہلے وہ خود فوت ہو گیا ۔

تحریک اعتزال کو حکومت کی سرپرستی سے کامیاب بنانے کی کوشش تو ہوئی لیکن عوام کے ذہنوں نے اسے قبول نہ کیا ۔ جوں جوں حکمرانوں نے اس تحریک کی اشاعت میں سختی برتی ، علمائے حق کی مخالفت تیز تر ہوتی گئی ۔ آخر وہ اس تحریک کو ، جو اسلامی روح کے سراسر منافی تھی ، روکنے میں کامیاب ہو گئے ۔

علم و فن کی ترقی

مامون کا عہد علمی لحاظ سے بہت اہم سمجھا جاتا ہے ۔ اس کے دربار میں علما ، فضلا ، اہل کیمیا ، فلاسفہ اور شعرا کا جمگھٹا لگا رہتا تھا ۔ ان میں ہر مذہب و ملت کے علما شامل تھے جن کی حوصلہ افزائی بڑی فیاضی سے کی جاتی تھی ۔ علمی جد و جہد اصل میں خلیفہ منصور نے شروع کی تھی ۔ اس نے پہلے پہل ایک دارالترجمہ قائم کرکے علما کو خدمتِ علوم کی طرف توجہ دلائی تھی ۔ اس کے بیٹے مہدی اور ہادی نے بھی علمی ترقی کے لیے اپنی اپنی کوشش کی ۔ ہارون نے ”بیت الحکمت“ کی بنیاد رکھی اور علوم کی ہمہ‌گیر ترقی کے لیے راہیں کھولیں ۔ اس عظیم کام کی تکمیل مامون الرشید کے ہاتھوں ہوئی ۔

مامون کے عہد میں علم و حکمت

مامون کو علم و حکمت سے فطری لگاؤ تھا - اس نے قدیمی تمدنوں کے مراکز سکندریہ ، صقلیہ ، قبرص اور اطالیہ میں کتابیں فراہم کرنے کے لیے آدمی بھیجے اور قسطنطنیہ کے حکمرانوں کے توسط سے یونانی فلاسفہ کی کتابیں ایتھن سے منگوائیں - علمی شاہکاروں کے مہیا کرنے کے بعد ان کے تراجم کے لیے قابل ترین علما مقرر کیے گئے جن کی کوششوں کا ذکر اس باب کے آخر میں آئے گا -

مامونی عہد کے مشہور سائنس دان محمد ابن موسیٰ خوارزمی نے الجبرا کی پہلی کتاب ''الجبروالمقابلہ'' تالیف کی - ابو طیب سند ابن علی نے ہیئت اور ریاضی کی جدولیں مرتب کیں - یحییٰ بن ابی المنصور نے علم ہیئت پر کتابیں تالیف کیں - خالد بن عبدالملک نے ہیئت میں اور ابوالعباس الفرغانی نے علم نجوم پر اپنی گراں قدر تالیفات کا اضافہ کیا - فلسفہ ، میکانکی اور علم الادویہ پر متعدد کتابیں لکھی گئیں - مامون نے شماسیہ میں تدمر کے میدان میں ایک رصد خانہ تعمیر کرایا اور علم ہیئت میں متعدد نئے تجربات ہوئے -

فارسی ادب

عربوں کی حکومت میں عربی زبان نے پہلوی کی جگہ لے لی تھی - لوگوں نے بھی عربی زبان سیکھنے کے شوق میں اپنی مادری زبان کو فراموش کر دیا تھا لیکن مامون نے لوگوں کو پھر فارسی کی طرف توجہ دلائی - عباس مروزی ، جسے فارسی زبان کا پہلا شاعر[۱] سمجھا جاتا ہے ، اسی عہد میں ہوا -

(۸) ابو اسحاق محمد المعتصم باللہ

(۲۱۸ تا ۲۲۷ھ مطابق ۸۳۳ تا ۸۴۲ع)

مامون الرشید نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ اس کے بھائی ابو اسحاق المعتصم کو تخت خلافت پر بٹھایا جائے - تذکرہ نویس یہ

---

۱ - تفصیل کے لیے دیکھیے 'ادب نامہ ایران' طبع دوم ، صفحہ ۷۱ ، ۷۳ -

سمجھنے سے قاصر ہیں کہ مامون نے اپنے بیٹے عباس کے حق کو نظر انداز کرکے اپنا جانشین بھائی کو کیوں نامزد کیا حالانکہ عباس کو فوج میں بڑی مقبولیت حاصل تھی - اس کے جواب میں قیاساً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے مامون کا یہ خیال ہو کہ معتزلہ عقائد کو فروغ دینے کے لیے جو لائحہ عمل اس نے مرتب کیا تھا اس پر عباس عمل پیرا نہ ہو سکتا تھا - بہرحال مامون کی وصیت کے مطابق معتصم ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۳ع میں تخت نشین ہوا - وہ اپنے بھائی کے نقش قدم پر چلا اور معتزلہ عقائد کی پر جوش طریقے سے اشاعت کی -

ترکوں کی در آمد

عربوں اور ایرانیوں کے مابین اختلاف کی جو خلیج حائل ہو گئی تھی ، اس کا پہلے ذکر آ چکا ہے اور ضمناً یہ بھی بتایا گیا ہے کہ امین اور مامون کے مقابلے میں جو مامون کو فتح ہوئی وہ گویا ایرانیوں کی عربوں پر فتح تھی - اس سے عربوں کے ہاتھوں سے اقتدار چھن گیا اور وہ عباسیوں کے خلاف بغاوت کے منصوبے بناتے رہے - مامون نے ہر چند کوشش کی کہ وہ اپنی حکومت کے لیے ایسی پالیسی مرتب کرے جس سے عرب اور ایران دونوں مطمئن ہو جائیں لیکن اس میں اسے کامیابی نہ ہو سکی - یہی وجہ ہے کہ اس کی توجہ عرب و ایران کی کشمکش میں لگی رہی اور وہ مملکت کے دو خطرناک مسائل سے عہدہ برآ نہ ہو سکا - اس کے علاوہ ایک فتنہ جاٹوں کا تھا اور دوسرا بابک کا - ان حالات سے معتصم خوب آگاہ تھا - اسے یہ بھی معلوم تھا کہ عباسیوں میں اب وہ پہلا سا دم خم نہیں ، اس کے لیے نئی طاقت اور نئے ساز و سامان کی ضرورت ہوگی - چنانچہ اس کی نظریں ان ترکوں کی طرف اٹھیں جو ایک ترکی جرنیل کی وجہ سے ہارون الرشید کے زمانے سے آنے شروع ہوئے تھے - ان سے خلیفہ معتصم نے حفاظتی دستہ اور لشکر تیار کیا - عربوں نے اب اپنے لیے کوئی جگہ نہ پا کر رفتہ رفتہ صحراؤں کا رخ کیا - عرب جوں جوں ترکی لشکر پر اعتراض کرتے ، معتصم ترکوں کی طرف زیادہ مائل ہوتا جاتا تھا - آخرکار ترکوں نے کامل اقتدار حاصل کر لیا - مملوک انھی ترکوں کے بھائی بند تھے ، جنھوں نے مصر میں مملوکی عہد کی بنیاد

رکھی - ترکوں نے خلیفہ کو نئی طاقت تو ضرور دی اور بغاوتوں کو فرو بھی کیا ، لیکن یہی ترک آخر پوری مملکت پر چھا گئے -

جاٹوں کی بغاوت

آٹھویں صدی کے شروع میں اموی خلیفہ ولید اول نے جاٹوں کو ہندوستان سے بلوا کر دجلہ کے کناروں پر آباد کیا تھا - انہیں عرب "زاط" کہتے تھے - یہ لوگ پاؤں جماتے ہی لوٹ مار کرنے لگے - مامون کے جرنیل ان پر قابو نہ پا سکے - معتصم نے خلافت سنبھالتے ہی ان کی طرف توجہ کی اور اپنے ایک معتمد عرب جرنیل عجیف کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا - عجیف نے ۲۲۰ھ مطابق ۸۳۴ع میں جاٹوں کے رسل و رسائل کے وسائل کاٹ دیے - آخر وہ اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہو گئے - خلیفہ نے انہیں دجلہ کے کناروں سے اٹھوا کر ترکی اور شام کی سرحد پر آباد کرا دیا -

بابک کی گرفتاری

جاٹوں کی مہم سے فارغ ہو کر معتصم نے بابک کی طرف توجہ کی ، جس پر مامون کے عہد میں قابو نہ پایا جا سکا تھا - معتصم نے اپنے ایک بہادر جرنیل افشیں کو اس کام پر مامور کیا - اس نے پوری پہاڑی کو گھیرے میں لے لیا ، جس پر بابک کا قلعہ واقع تھا - محصور ہو کر بھی وہ دو سال تک لڑتا رہا - آخر افشیں اس کی فوجی طاقت کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو گیا ، جو کافی عرصے سے مامون الرشید کے لیے پریشانی کا موجب بنا رہا تھا - اس عرصے میں اس نے چھ بار مامون کی فوج کو شکست دی تھی اور ۲۵ ہزار انسانوں کا خون بہایا تھا - اب جو افشیں سے شکست کھا کر اس نے راہ فرار اختیار کی تو ایک ارمنی شہزادے نے اسے پکڑ کر معتصم کے حوالے کر دیا - آخر اسے قتل کرا دیا گیا -

رومیوں سے جنگ

رومیوں کا مسلمانوں کے ساتھ تنازعہ چلا آ رہا تھا - وہ اسلامی مملکت پر حملہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے -

بابک خرمی نے جب مامون کے زمانے میں دہشت گردی شروع کی تو رومیوں نے اُس کے ساتھ ساز باز کر لی تھی ۔ معتصم کے عہد میں قیصر روم تھیوفیلس نے بابک کے ساتھ مل کر اسلامی مملکت پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا ۔ اس منصوبے پر تو عمل نہ ہو سکا کیونکہ بابک اپنے کیفر کردار کو پہنچ چکا تھا لیکن اُس نے ۲۲۳ھ مطابق ۸۳۸ع میں شام کی سرحدوں پر حملے شروع کیے اور کثیر تعداد میں مسلمانوں کو شہید کر کے شہر زبطرہ کو نذر آتش کر دیا ۔ معتصم نے اس وحشت و بربریت کا انتقام لینے کے لیے قسم کھائی اور تین لاکھ کا لشکر جرار فراہم کر کے تھیوفیلس کو عبرت ناک شکست دی ۔ اس کے بعد اس نے روما کے مضبوط ترین قلعہ ایموریم کا رخ کیا اور اُسے بھی فتح کیا ۔ یہاں سے اسے لا تعداد مال غنیمت ہاتھ لگا ۔

طبرستان کی بغاوت

خلیفہ اس فتح یابی کے بعد واپس سمرہ آیا ہی تھا کہ اسے طبرستان میں مازیار کی بغاوت کی خبر ملی ۔ اس بغاوت کو کچلنے کے لیے خلیفہ معتصم کو خاص دقت کا سامنا کرنا پڑا ۔ بہرحال مازیار اسیر ہوا اور موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ۔ انھی دنوں افشیں نے ، جس کی خلیفہ کی نگاہوں میں بڑی عزت تھی ، ایران میں اپنی حکومت قائم کرنے کے لیے علم بغاوت بلند کیا ، لیکن اس کا خواب پورا نہ ہوا ۔ اسے اسیر کرکے زندان میں ڈال دیا گیا ، جہاں اس نے زندگی کے بقیہ دن پورے کیے ۔ ان باغیوں کی سرکوبی کے ایک سال بعد معتصم ۲۲۷ھ مطابق ۸۴۲ع میں راہیِ ملک بقا ہوا ۔

تحریک اعتزال

معتصم بھی اپنے بھائی مامون کی طرح معتزلہ عقائد رکھتا تھا ۔ اُس تحریک کی اس نے سرپرستی کی اور علما پر سختی جاری رکھی ، یہاں تک کہ حضرت امام احمد بن حنبل کو اسی کے حکم سے کوڑے لگائے گئے تھے ۔

(۹) واثق باللہ

(۲۲۷ تا ۲۳۲ھ مطابق ۸۴۲ تا ۸۴۷ع)

معتصم کی وفات پر اس کا بیٹا ابو جعفر ہارون واثق باللہ ۲۲۷ھ میں تخت نشین ہوا ۔ واثق کا عہد حکومت بہت مختصر تھا ۔ اس عرصے میں کردوں نے بغاوت کی ۔ اس کے بعد شام و فلسطین میں علم بغاوت بلند ہوئے لیکن واثق کی ترک فوج نے کامیابی سے یہ بغاوتیں فرو کر دیں ۔

واثق بہت سخی اور صابر و شاکر حکمران تھا ۔ اس کا نظم و نسق بہت مستحکم تھا ۔ وہ اگرچہ خوش مزاج اور خوش باش شخص تھا لیکن، اس کی ذاتی زندگی عیبوں سے پاک تھی ۔ اس نے آبا و اجداد کی طرح ترویج علوم کی کوشش کی اور تجارت و صنعت کو ترقی دینے کی جد و جہد کی ۔ واثق شعر و ادب کا بھی ذوق رکھتا تھا ۔ موسیقی میں اسے بڑی مہارت تھی ۔ متعدد دھنیں بھی اس نے ایجاد کیں ۔ اس کی سخاوت کے چرچے دور دور تک تھے ۔ خیرات اس کی بے حد و حساب تھی ۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی مملکت میں ایک بھی بھک منگا نہ رہا تھا ۔ ترکوں کی حوصلہ افزائی کر کے اس نے بھی غلطی کا ارتکاب کیا اور ایک ترک جرنیل کو فوجوں کی کمان سونپ دی ۔ ترکوں نے بہرحال ان بغاوتوں کو ضرور فرو کیا جو شام اور فلسطین میں ہوئیں ۔

تحریک اعتزال

واثق بھی معتزلہ عقائد رکھتا تھا ۔ ان کی اشاعت کی اس نے کوشش بھی کی لیکن علما کی جماعتیں تحریک اعتزال کے خلاف خفیہ طور پر بروے کار تھیں اس لیے اسے نمایاں کامیابی نہ ہوئی ۔

وفات

واثق نیک دل حکمران تھا لیکن زندگی نے اسے مہلت نہ دی اور وہ پانچ سال حکومت کرنے کے بعد ۲۳۲ھ مطابق ۸۴۷ع میں جہان فانی کو خیر باد کہہ گیا ۔

(۱۰) المتوکل

(۲۳۲ تا ۲۴۶ھ مطابق ۸۴۷ تا ۸۶۰ع)

واثق باللہ نے اپنا کوئی جانشین نامزد نہیں کیا تھا ۔ اس کا بیٹا خورد سال تھا اس لیے امرا نے اس کے بھائی جعفر کو المتوکل کے لقب سے تخت نشین کیا ۔

بغاوتیں اور رومیوں کی یلغار

متوکل کے عہد میں آذربائیجان ، حمص اور سوڈان میں بغاوتیں ہوئیں جو یکے بعد دیگرے فرو کر دی گئیں ۔ ۲۳۸ھ مطابق ۸۵۲ع میں رومیوں نے پھر یلغاریں شروع کیں اور مصر کے ساحل پر حملہ کر کے متعدد مسلمانوں کو شہید کر ڈالا ۔ متوکل نے جوابی کارروائی کر کے انتقام لیا اور رومیوں کے کئی ایک شہروں کو تباہ و برباد کر ڈالا ۔

مسلک اعتزال سے نفرت

دینی مسلک میں متوکل اپنے بھائی اور والد سے بہت مختلف تھا ۔ وہ معتزلہ تھے ، یہ اعتزال سے سخت بیزار تھا ۔ انھوں نے حنفی علما کو معتزلی عقائد اختیار نہ کرنے کے جرم میں سزائیں دیں ، اس نے معتزلہ علما اور امرا کو اپنے عتاب کا نشانہ بنایا ۔ سب سے پہلے اس نے معتصم کے وزیر کو انھی عقائد کی وجہ سے عہدے سے معزول کرکے زندان میں ڈال دیا اور معتزلہ قاضی احمد ابن ابی داؤد کی جائداد ضبط کر کے خاندان سمیت اسے سمرہ سے جلا وطن کر دیا ۔

احیاے سنت

متوکل راسخ العقیدہ مسلمان تھا اور دین کے معاملے میں عقلی دلائل اور فلسفیانہ توجیہوں کو گوارا نہ کرتا تھا ۔ چنانچہ اس نے سنت رسول اللہ ؐ کے احیا اور اعتزال کے سدباب کے لیے بعض عملی صورتیں اختیار کیں ۔ دینی مسائل میں بحث و تمحیص کو سختی سے روک دیا اور علما کو احادیث کا درس دینے کی تلقین کی ۔ مساجد میں محدثین مقرر کیے اور یہ ہدایت کی کہ اسلامی عقائد کی صرف وہی تشریح کافی

سمجھی جائے جو احادیث میں ہے - قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے اور رویت حق تعالیٰ کے متعلق احادیث بیان کی جائیں -

ترک نوازی سے پرہیز

معتصم نے عربوں اور ایرانیوں میں توازن قائم کرنے کے لیے ، نیز اپنی فوجی طاقت بڑھانے کی غرض سے ترکوں کو فوج میں بھرتی کیا تھا ، یہاں تک کہ فوجی کمان بھی ترک جرنیلوں کے سپرد کر دی تھی - اس کے عہد میں ترکوں نے اہم جنگی خدمات تو انجام دیں لیکن ساتھ ہی وہ نظام حکومت پر بھی چھا گئے اور خلافت کو انہوں نے اپنی گرفت میں لے لیا - متوکل نے ترکوں کے خطرات کو محسوس کیا اور اُن کے اختیارات کو محدود کر دیا -

متوکل کا قتل

متوکل نے ایک طرف مذہبی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور دوسری طرف ترکوں سے بیزاری کا اظہار کیا - اس سے ایرانی اور ترک دونوں برہم ہو گئے اور متوکل کو خلافت سے الگ کرنے کی کوشش کرنے لگے - اس کے لیے انھیں بہت جلد موقع بھی ہاتھ آ گیا - متوکل نے شروع میں اپنے تین بیٹوں منتصر ، معتز اور موید کو یکے بعد دیگرے اپنا جانشین نامزد کیا تھا لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ منتصر معتزلہ کی طرف مائل ہے اور ترکوں کے ساتھ بھی اس کے گہرے روابط ہیں تو اس کی جانشینی کو مؤخر کرکے معتز کو اپنا جانشین بنایا - ترک امرا نے صورت حال سے فائدہ اٹھا کر منتصر کی حمایت شروع کی اور آخر اسی کے ایما پر ایک رات انہوں نے خلیفہ کے خلوت کدے میں گھس کر اسے قتل کر دیا -

جعفریہ کی تعمیر

متوکل کو تعمیرات میں بڑی دلچسپی تھی - چنانچہ اس نے عباسی دارالسلطنت سمرہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک نیا شہر "جعفریہ" کے نام سے آباد کیا اور ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا جو "قصر لولو" کے نام سے موسوم ہوا - اس محل کی تعمیر میں دو لاکھ دینار صرف ہوئے تھے -

(۱۱) المنتصر باللہ

(۲۴۷ تا ۲۴۸ھ مطابق ۸۶۱ تا ۸۶۲ع)

متوکل کے قتل کی رات کو اس کے بیٹے المنتصر باللہ کی خلافت کا اعلان کیا گیا - یہ بہت پرہیزگار ، نیک دل اور وسیع ظرف خلیفہ تھا - اس نے رعایا کی بہبود کی طرف توجہ دی - حضرت علیؓ کے گھرانے کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور ان کی جو جائدادیں متوکل نے غصب کر لی تھیں ، واپس کر دیں اور غیر مسلموں پر جو پابندیاں لگائی گئی تھیں وہ بھی ختم کر دیں لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور چھ ہی ماہ کی مدت میں راہیِ ملک بقا ہو گیا۔

(۱۲) مستعین باللہ

(۲۴۸ تا ۲۵۲ھ مطابق ۸۶۲ تا ۸۶۶ع)

المنتصر باللہ کی وفات پر ترک سرداروں نے ، جو اب خلافت قائم کرنے اور ختم کر دینے پر قادر تھے ، معتصم کے ایک پوتے مستعین باللہ کو تخت خلافت پر بٹھایا لیکن اقتدار اور اختیار ترکوں ہی کا تھا - مستعین کی بے بسی کو دیکھ کر صوبائی حکمران خود مختار بن بیٹھے اور خلافت محض برائے نام رہ گئی -

مستعین بغداد میں

مستعین ترک سرداروں کے اقتدار کو برداشت نہ کر سکا اور سمرہ سے نکل کر بغداد آ گیا - اسے امید تھی کہ یہاں رہ کر اسے عربوں اور ایرانیوں کی حمایت حاصل ہو جائے گی - ترکوں نے کوشش کی کہ مستعین واپس سمرہ آ جائے لیکن انھیں کامیابی نہ ہوئی - اب انھوں نے مستعین کو راستے سے ہٹانے کے لیے متوکل کے دوسرے بیٹے معتز باللہ کی خلافت کا اعلان کر دیا اور بغداد کی طرف پیش قدمی کی - مستعین صورت حال کا احساس کرکے خلافت سے دست بردار ہو گیا اور حجاز کا رخ کیا لیکن راستے ہی میں معتز کے حامیوں نے اسے ہلاک کر دیا -

خلافت عباسیہ کا انحطاط

متوکل کے قتل کے ساتھ مملکت کا اقتدار پورے طور سے ترکوں کے ہاتھ آ گیا ۔ وہ جسے چاہتے تخت خلافت پر بٹھا دیتے اور جب چاہتے اسے تخت سے اتار کر قتل کر دیتے ۔ خلافت کی وسیع سر زمین مختلف خاندانوں میں بٹ کر رہ گئی اور خلافت کے باوجود آزاد ریاستیں قائم ہو گئیں ۔ جو ریاستیں خلافت کا احترام کرتی تھیں ، انھوں نے خلافت سے اپنا تعلق برقرار رکھا اور جو خلافت سے متفق نہ تھیں وہ برسر پیکار رہیں ۔ اس صورت حال کے باوصف خلافت مزید چار سو برس تک قائم رہی ۔ رفتہ رفتہ خلافت کی حیثیت محض مذہبی تنظیم کے لیے باقی رہ گئی ۔ متوکل کے بعد چوں کہ ایرانی مقامی ریاستوں کو عروج حاصل ہوا اس لیے اب ہم خلفائے عباسیہ کا ضمناً ذکر کریں گے اور اس باب میں صرف ان کے نام اور عرصہ حکومت پیش کرنے پر اکتفا کریں گے ۔

۱۳ - معتز بن متوکل (۲۵۲ تا ۲۵۵ھ مطابق ۸۶۶ تا ۸۶۸ع)
۱۴ - مہتدی بن واثق (۲۵۵ تا ۲۵۶ھ مطابق ۸۶۸ تا ۸۶۹ع)
۱۵ - معتمد بن متوکل (۲۵۶ تا ۲۷۹ھ مطابق ۸۶۹ تا ۸۹۲ع)
۱۶ - معتضد بن موفق بن متوکل (۲۷۹ تا ۲۸۹ھ مطابق ۸۹۲ تا ۹۰۱ع)
۱۷ - مکتفی بن معتضد (۲۸۹ تا ۲۹۵ھ مطابق ۹۰۱ تا ۹۰۷ع)
۱۸ - مقتدر بن معتضد (۲۹۵ تا ۳۲۰ھ مطابق ۹۰۷ تا ۹۳۲ع)
۱۹ - قاہر بن معتضد (۳۲۰ تا ۳۲۲ھ مطابق ۹۳۲ تا ۹۳۳ع)
۲۰ - راضی بن مقتدر (۳۲۲ تا ۳۲۹ھ مطابق ۹۳۳ تا ۹۴۰ع)
۲۱ - متقی بن مقتدر (۳۲۹ تا ۳۳۳ھ مطابق ۹۴۰ تا ۹۴۴ع)
۲۲ - مستکفی بن مکتفی (۳۳۳ تا ۳۳۴ھ مطابق ۹۴۴ تا ۹۴۵ع)
۲۳ - مطیع بن مقتدر (۳۳۴ تا ۳۶۳ھ مطابق ۹۴۵ تا ۹۷۳ع)
۲۴ - طائع بن مطیع (۳۶۳ تا ۳۸۱ھ مطابق ۹۷۳ تا ۹۹۱ع)
۲۵ - قادر بن اسحاق بن مقتدر (۳۸۱ تا ۴۲۲ھ مطابق ۹۹۱ تا ۱۰۳۱ع)
۲۶ - قائم ابن قادر (۴۲۲ تا ۴۶۷ھ مطابق ۱۰۳۱ تا ۱۰۷۴ع)
۲۷ - مقتدی بن محمد ابن قائم (۴۶۷ تا ۴۸۷ھ مطابق ۱۰۷۴ تا ۱۰۹۴ع)
۲۸ - مستظهر بن مقتدی (۴۸۷ تا ۵۱۲ھ مطابق ۱۰۹۴ تا ۱۱۱۸ع)

۲۹ - مسترشد بن مستظہر (۵۱۲ تا ۵۲۹ھ مطابق ۱۱۱۸ تا ۱۱۳۴ع)
۳۰ - راشد بن مسترشد (۵۲۹ تا ۵۳۰ھ مطابق ۱۱۳۴ تا ۱۱۳۵ع)
۳۱ - مقتفی بن مستظہر (۵۳۰ تا ۵۵۵ھ مطابق ۱۱۳۵ تا ۱۱۶۰ع)
۳۲ - مستنجد بن مقتفی (۵۵۵ تا ۵۶۶ھ مطابق ۱۱۶۰ تا ۱۱۷۰ع)
۳۳ - مستضئی بن مستنجد (۵۶۶ تا ۵۷۵ھ مطابق ۱۱۷۰ تا ۱۱۷۹ع)
۳۴ - ناصر بن مستضئی (۵۷۵ تا ۶۲۲ھ مطابق ۱۱۷۹ تا ۱۲۲۵ع)
۳۵ - ظاہر بن ناصر (۶۲۲ تا ۶۲۳ھ مطابق ۱۲۲۵ تا ۱۲۲۵ع)
۳۶ - مستنصر بن ظاہر (۶۲۳ تا ۶۴۰ھ مطابق ۱۲۲۶ تا ۱۲۴۲ع)
۳۷ - مستعصم بن مستنصر (۶۴۰ تا ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۴۲ تا ۱۲۵۸ع)

اسلام کے اولین عباسی دور میں ایران کے مختلف مذاہب

اہل ایران نے مذہب اسلام کسی مجبوری کے تحت نہیں ، بلکہ اپنی رضامندی سے قبول کیا تھا اور بتدریج خواص و عوام اس کے حلقہ بگوش ہوتے گئے تھے لیکن اس عبوری دور میں چند ایسے لوگ بھی منظر عام پر آئے جنھوں نے آئین اسلام اور زردشتی مذہب کے عقائد کو ملا جلا کر بعض نئے مسلک پیش کیے - ان میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے -

بہ آفرید

ابو مسلم کے زمانے میں بہ آفرید نامی ایک شخص تھا ، جو ماہ فروذین کا بیٹا تھا - یہ شخص خواف کا رہنے والا تھا - اس نے ایک نیا مذہب پیش کیا اور اپنے پیروؤں کے لیے سات نمازیں فرض قرار دیں - یوں تو بہ آفریدی مذہب کی اساس توحید اور قیامت کے عقیدے پر تھی لیکن ساتھ ساتھ سورج کی عبادت بھی ضروری قرار دی گئی - بہ آفرید نے حلال اور حرام کا تصور شریعت اسلام سے لیا - اس نے اپنے پیروؤں کے لیے یہ بھی ضروری قرار دیا کہ اپنے مال و متاع کا ساتواں حصہ پلوں اور سڑکوں کی تعمیر کے لیے وقف کریں - گویا یہ نیا مذہب آئین اسلام اور مسلک زردشتی کے عقاد کا مجموعہ تھا - اس کے پیروؤں کو ''بہ آفریدئہ'' کہتے تھے - زردشتی موبدوں نے اس مذہب کی سختی سے

مخالفت اور مذمت کی ۔ انھوں نے ابو مسلم کے پاس جا کر شکایت کی کہ یہ شخص نہ مسلم ہے، نہ زردشتی ۔ دونوں مذہبوں میں اس نے خلل ڈال دیا ہے ۔ چنانچہ ابو مسلم نے اس کی سرکوبی کا عبداللہ شعبہ کو حکم دیا ۔ وہ اسے بادغیس کے پہاڑوں سے اسیر کرکے ابو مسلم کے پاس لے آیا ۔ بالآخر اسے قتل کر دیا گیا ۔ اس کے ساتھ اس کا مذہب بھی ختم ہو گیا ۔

سن باد مجوسی

ابو مسلم حقیقت میں خلافت عباسیہ کی تاسیس کا موجب ہوا تھا اس لیے اسے بہت مقبولیت حاصل تھی ۔ اس کے بعض پیروؤں نے اس کے حق میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ اسے امام وقت کہنے لگے اور جب عباسی خلیفہ منصور نے سیاسی اختلافات کی بنا پر ابو مسلم کو قتل کرا دیا تو اس کے پیروؤں کو یہ یقین تھا کہ ابو مسلم مرا نہیں بلکہ روپوش ہے ۔ عنقریب وہ ظاہر ہوگا اور دنیا اس کے عدل و انصاف سے معمور ہو جائے گی ۔ ابو مسلم کے قتل کے بعد سن باد مجوسی نے، جو اس کا پیرو تھا، خلافت عباسیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ۔ سن باد نے اگرچہ کوئی جدید مذہبی مسلک تو پیش نہیں کیا لیکن مختلف مذاہب کے بعض لوگ بالخصوص زردشتی اور مزدکی اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے لیکن یہ بغاوت جلد ہی فرو ہو گئی اور سن باد ۱۳۷ھ مطابق ۷۵۴ع میں قتل کر دیا گیا ۔

استاذسیس

خلافت منصور کے زمانے میں ایک شخص استاذسیس نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور بہت سے لوگ اس کے پیرو ہو گئے ۔ ہرات، بادغیس اور سیستان میں اس کے پیروؤں نے حکومت کے خلاف علم مخالفت بلند کیے لیکن ان کے پیشوا نے جلدی ہی مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھائی اور اسیر کرکے اسے دارالخلافہ بغداد بھیج دیا گیا، جہاں وہ خلیفہ کے حکم سے قتل کر دیا گیا ۔

المقنّع

خلافت مہدی کے زمانے میں جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، ایک شخص ہاشم یا عطا بن حکیم نے حق تعالیٰ کا مظہر ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے پیروؤں کی مسلح فوج بھی تیار کر لی لیکن بالآخر اس کی بھی سرکوبی ہوئی۔

بابک خرّمی

بابک خرّمی نے مامون الرشید کے زمانے میں شورش بپا کی اور خدا کا مظہر ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔ بہت سے لوگوں نے اس کا دعویٰ قبول کر لیا اور شورش میں اس کا ساتھ دیا۔ آخر خلیفہ معتصم کے زمانے میں ایک ایرانی سردار افشین نے اسیر کر کے اسے قتل کر دیا۔

نظم و نسق

بنو اُمیہ کے عہد آخر میں مساوات کے زریں اُصول کو بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا۔ مملکت کے بڑے بڑے عہدے عربوں نے سنبھال رکھے تھے۔ ایرانیوں کو حلقۂ اقتدار سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اس امتیازی سلوک نے ایرانیوں کو سخت بد دل کر دیا تھا۔ مملکت کے طول و عرض میں بنو اُمیہ کے رویے کے خلاف سخت بےاطمینانی پائی جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ غیر عربوں نے متحدہ محاذ قائم کر کے بنو اُمیہ کی مسند اقتدار اُلٹ دی اور حکومت بنو عباس کے ہاتھوں میں آئی۔ اس سے ایران میں قومی بیداری کی لہر دوڑ گئی۔

ایک بار پھر عباسی دور کے خلفا نے مساوات کو اپنا شعار بنایا۔ ایرانیوں اور غیر ایرانیوں کو مساویانہ حقوق دیے۔ خاص طور سے اہتمام کیا جاتا کہ بڑے بڑے عہدوں میں ایرانیوں کے حقوق نظر انداز نہ ہونے پائیں۔ مساوات ہی کا یہ زریں اُصول تھا جس کی بنا پر اولین عباسی خلفا نے ایسی حکومت کی بنیاد ڈالی جو پانچ سو سال تک بدستور قائم رہی۔

مرکزی حکومت

خلفائے عباسیہ مختار کل تھے ۔ دنیاوی اعتبار سے وہ بادشاہ تھے اور دینی اعتبار سے روحانی پیشوا ۔ افواج کے سپہ سالار کل بھی وہی ہوتے تھے ۔ ہر خلیفہ اپنا جانشین خود نامزد کرتا تھا ۔

وزارت

خلافت سے دوسرے درجے پر وزارت تھی ۔ وزیر ایرانیوں میں سے منتخب کیے جاتے تھے ۔ تمام امور سلطنت وزیر اعظم کے ذمے ہوتے تھے ۔ البتہ فیصلوں کی منظوری خلیفہ سے لینی ہوتی تھی ۔ وہ جس طرح چاہتا ملکی انتظام کرتا ۔ اس کے لیے خلیفہ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی ۔ اسے خلیفہ کی طرف سے حاکموں کو نامزد کرنے کا بھی اختیار تھا ۔ البتہ خلیفہ کے مقرر کیے ہوئے حکام کو وہ الگ نہیں کر سکتا تھا ۔ پہلے خلفا کے زمانے میں وزیر اعظم کے اختیارات کسی حد تک محدود ہوتے تھے لیکن بعد کے خلفا کے عہد میں اقتدار اعلیٰ انھیں کے ہاتھ میں ہوتا تھا ۔

خلافت عباسیہ کے محکمے

خلیفہ کی حکومت ''دیوان العزیز'' کے نام سے موسوم تھی جس کا صدر وزیر اعظم ہوتا تھا ۔

دیوان الخراج : یہ مالیات کا محکمہ تھا ۔
دیوان الدیا : خلیفہ کی ذاتی ملکیت کا محکمہ ۔
دیوان الذمان : خزانہ داری کا محکمہ ۔
دیوان الجند : فوج کا محکمہ ۔
دیوان الموالی والغلمان : موالیوں اور غلاموں کے تحفظ کا محکمہ ۔
دیوان الرسائل : چیف سیکرٹری کا محکمہ ۔
دیوان النظر فی مظالم : شکایات کی سماعت کرنے کا محکمہ ۔
دیوان الاحداث والشرط : پولیس اور ملیشیا کا محکمہ ۔

عدل و انصاف کا محکمہ

تنازعوں کا تصفیہ کرانے اور ملک میں انصاف قائم کرنے کے لیے

عدالتیں تھیں جن کے حاکم اعلیٰ قاضی کہلاتے تھے - ایک بڑی عدالت بھی تھی جس کا حاکم اعلیٰ قاضی القضاۃ ہوتا تھا -

صوبائی حکومت

انتظامی معاملات کے لیے تمام مملکت صوبوں میں منقسم تھی - ہر صوبے کا حاکم اعلیٰ ''امیر'' کہلاتا تھا جسے خلیفہ مقرر کرتا تھا اور وہ براہ راست خلیفہ ہی کو جواب دہ ہوتا تھا - خلیفہ کو جب تک کسی امیر کے خلاف کوئی وجہ شکایت پیدا نہ ہوتی ، امیر صوبے کے داخلی امور میں پوری طرح آزاد ہوتا تھا - یہ منصب موروثی نہیں تھا - مرکزی محکموں کی طرح صوبائی محکمے بھی تھے -

محصولات

محصولات زیادہ تر زمین داروں سے لیے جاتے تھے - خراج غیر مسلم زمین داروں سے وصول کیا جاتا تھا ، جو ملکی آمدنی کا معتدبہ حصہ ہوتا تھا - اس کے علاوہ متعدد اور قسم کے ٹیکس بھی تھے ، مثلاً انکم ٹیکس ، کانوں اور چراگاہوں کا عشر ، جزیہ جو غیر مسلم فوجی خدمات سے مستثنیٰ ہونے پر ادا کرتے تھے ، چنگی ، نمک اور ماہی گیری کا ٹیکس ، عوامی جگہوں کے استعمال کے لیے دکان داروں پر ٹیکس ، کارخانہ ٹیکس ، درآمدی محصول جو خلیفہ واثق کے حکم سے منسوخ کر دیا گیا -

عسکری تنظیم

پہلے دو عباسی خلفا کے زمانے میں عسکری تنظیم بہت مستحکم تھی اور اسے تمام ملکی امور میں اولیت حاصل تھی لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا عسکری تنظیم کی اہمیت کم ہوتی گئی - بہرحال فوج میں اعلیٰ ملازمتیں مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لیے یکساں طور پر کھلی تھیں - کسی کے ساتھ امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جاتا تھا - اس مساوات کی وجہ سے بھی غیر مسلموں کو حلقہ بہ گوش اسلام ہونے کی ترغیب ہوتی تھی - اکثر ایرانی اور غیر ایرانی فوجی ملازمت کے خواہش مند ہوتے تھے -

بحری مواصلات

عباسیہ خلافت کے زمانے میں لوگ بحرالکاہل میں سفر کیا کرتے

تھے - ہند سے بھی ان کا رابطہ قائم تھا - بحیرہ روم کی بحری تجارت میں مسلمانوں کو فوقیت حاصل تھی - دجلہ ، فرات اور خلیج فارس کے ذریعے بحری تجارت میں بڑی آسانی ہوتی تھی - بحری مواصلات کی وجہ سے عربوں کا مشرقی ممالک کے ساتھ رابطہ استوار تھا -

بحری تجارت کے مراکز

عباسی عہد میں بحری تجارت کی ترقی کے لیے ہر ممکن کوشش کی جاتی تھی - عدن مشہور بندرگاہ تھی جس کے ذریعے افریقہ ، ہند اور چین سے تجارت ہوتی تھی - خلیج فارس کی بندرگاہ سیراف کو بین الاقوامی حیثیت حاصل تھی - ایران کی تمام درآمد و برآمد اسی بندرگاہ کے ذریعے ہوتی تھی - عربوں کی دوسری بندرگاہیں بصرہ ، ہرمز اور دیبل تھیں - تجارتی مراکز مشرق بعید کے تمام اہم شہروں میں قائم کیے گئے تھے -

نسوانی تمدن

عباسی خلافت میں عورتوں کو معاشرے میں وہی مقام حاصل تھا جو بنو امیہ کی خلافت میں تھا - دسویں صدی ہجری کے آخر میں البتہ عورتوں کی حیثیت فعال ہوگئی - اس دور میں متعدد بیگمات مثلاً خیزران ، علیہ ، زبیدہ اور بوران سیاست میں عملی حصہ لیتی تھیں اور امور مملکت میں انھیں بڑی بصیرت حاصل تھی - اکثر بیگمات ادبی مشاغل میں بھی دلچسپی رکھتی تھیں - ملکہ زبیدہ نہایت ذہین عورت تھی اور شعر گوئی اور شعر فہمی میں بھی اسے بہت ملکہ حاصل تھا - اسے ادبی حیثیت میں خلیفہ معتصم کے عہد میں ملک گیر شہرت حاصل ہوئی - کتاب الاغانی[1] کے مؤلف لکھتے ہیں کہ وہ انتہائی حسین ، ذہین اور فطین خاتون تھی - موسیقی میں بھی اسے کمال حاصل تھا -

خلیفہ متوکل کے عہد میں جس شاعرہ کو شہرت حاصل ہوئی وہ فضل تھی - شیخاشہدا اس دور کی ایک مشہور فاضلہ تھی[2] جو بغداد میں تاریخ و ادب کا درس دیتی تھی - زینب ام المویدہ مشہور قانون دان

---

۱ - جلد چہارم : صفحہ ، ۱۳۴

۲ - سید امیر علی : History of the Saracens صفحہ : ۴۵۶ -

تھی ۔ تقیہ بنت ابوالفرج شاعری کی بدولت مشہور ہوئی ۔ ان مثالوں کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ مستورات میں علم و ادب کا چرچا تھا اور عباسی خاندان کی بیگمات خاص طور سے بہت مہذب اور متمدن تھیں ۔

غلام

خلافت عباسیہ میں غلام رکھنے کا رواج تھا ۔ ہر آسودہ حال شخص گھر میں کام کاج کے لیے غلام رکھتا تھا ۔ غلام عموماً غیر مسلم ہوتے تھے جو جنگوں میں قیدی بنا لیے جاتے تھے ۔ کچھ ایسے غلام بھی تھے جن کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی ۔ غلاموں میں عموماً حبشی، ترک ، ارمنی ، یونانی ، بربری وغیرہ ہوتے تھے ۔ غلاموں میں بعض خواجہ سرا بھی تھے جو شاہی حرم میں کام کاج پر مامور ہوتے تھے ۔ غلاموں کے علاوہ کنیزیں بھی ہوتی تھیں جو گانے اور ناچنے کے فرائض انجام دیتی تھیں ۔ بعض کو خلفا حرم میں ڈال لیتے تھے ۔ ان میں سے بعض اپنا حلقہ اثر اتنا بڑھا لیتی تھیں کہ خلیفہ کی زندگی میں ان کا بہت عمل دخل ہو جاتا تھا ۔

معاشرتی حالات

لوگوں نے گزر اوقات کے لیے مختلف پیشے اختیار کیے ہوئے تھے ۔ ان میں تجارت ، صنعت اور سرکاری ملازمت کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔ کھیتی باڑی اور گلہ بانی عام لوگوں کا ذریعہ معاش تھا ۔

تجارت کو عباسی عہد میں کافی فروغ حاصل ہوا ۔ بغداد ، بصرہ ، سکندریہ اس زمانے کے بہت بڑے تجارتی مرکز تھے ۔ انھی مراکز کی بدولت اسلامی دنیا کا رابطہ اقوام عالم سے ہوا ۔

تعلیم

عباسی عہد میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ اپنے عروج پر تھا ۔ خلیفہ کی طرف سے تعلیم حاصل کرنے والوں اور تعلیم دینے والوں کی بڑی حوصلہ افزائی ہوتی تھی ۔ بنو امیہ کے آخری ایام میں اسلامی دنیا میں تعلیم کا رواج عام ہو رہا تھا ۔ اکثر مسلمان مرد اور عورتیں قرآن شریف پڑھ سکتی تھیں اور سمجھ بھی سکتی تھیں ۔ ابتدائی مکتب مسجد ہی کا

حصہ ہوتا تھا - چھوٹی بچیاں بھی مکتب میں داخل ہوتی تھیں - بعض لوگوں نے اپنے گھروں میں بھی مکتب قائم کیے ہوئے تھے - بعض مکتب دکانوں میں کھولے جاتے تھے - یعقوبی نے بغداد میں مساجد کی تعداد تیس ہزار بتائی ہے جن میں مکتب بھی تھے - عباسیہ عہد میں تعلیم صرف ابتدائی سکولوں تک محدود نہ تھی - ہارون الرشید نے ''بیت الحکمت'' کے نام سے ایک بڑا مدرسہ قائم کیا تھا ، جہاں مختلف علوم کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی - مامون الرشید نے اسے اور وسعت دی -

بنو امیہ اور بنو عباس کے ادوار حکومت میں تعلیم دو مرحلوں سے گزری تھی - پہلا مرحلہ ساتویں صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک کا ہے - اس مرحلے میں درس گاہوں کی حیثیت مکتبوں سے آگے نہیں بڑھی - دوسرا مرحلہ گیارھویں صدی ہجری میں شروع ہوا جب کہ مکتبوں کا انتظام حکومت نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور مکتبوں نے بڑے بڑے مدارس کی حیثیت اختیار کر لی -

تعلیمی نصاب

ابتدائی مدارس کی تعلیم میں لکھنا ، پڑھنا ، صرف و نحو ، ریاضی کے ابتدائی اصول ، قرآن پاک ، احادیث اور دینی نظمیں شامل تھیں - بڑی جماعتوں میں تفسیر ، تنقید ، حدیث ، فقہ ، دینیات ، علم اللغہ، ادب اور فصاحت و بلاغت کی تدریس ہوتی تھی - اعلیٰ تعلیم میں علم ہیئت ، طبیعی جغرافیہ ، فلسفہ ، علم ہندسہ ، علم الادویہ اور موسیقی شامل تھی -

عباسی دور میں علمی اور ادبی سرگرمیاں

علمی اور ادبی لحاظ سے عباسی دور اسلام کا زرّیں دور کہلاتا ہے - علمی اور ادبی سرگرمیوں کا عہد بہ عہد ذکر آتا رہا ہے لیکن نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ اس پر مجموعی نظر ڈال لی جائے - علم و ادب کی طرف سب سے پہلے خلیفہ منصور نے توجہ کی - اس نے ایک دارالترجمہ قائم کیا اور متعدد کتابیں یونانی ، سنسکرت اور پہلوی زبان سے عربی میں ترجمہ کرائیں - مسلمانوں کے علاوہ یہودی اور عیسائی علما بھی اس کام پر مامور کیے - ترجمے کے کام کو ہارون الرشید نے اور وسعت دی اور مختلف ممالک سے اہم علمی کتابیں

منگوا کر ترجمہ کرائیں ۔ اس نے ''بیت الحکمت'' بھی قائم کیا اور علوم کی ہمہ گیر ترقی کے لیے راہیں کھول دیں ۔

مامون الرشید نے ترجمے کے کام کو اور وسعت دی ۔ اسی دور میں علما نے علم الادویہ ، فلسفہ ، کیمیا ، ہیئت ، ریاضی ، جغرافیہ ، قانون ، دینیات اور علم السنہ میں تحقیق کر کے بلند پایہ کتابیں تالیف کیں ۔ اس کے علاوہ بعض علما نے ارسطو ، جالینوس اور بطلیموس کے فلسفیانہ شاہ کاروں کا عربی میں ترجمہ کیا ۔ ان فلسفیوں کی کاوشیں اگر ترجموں کے ذریعے محفوظ نہ کر لی جاتیں تو شاید ضائع ہو جاتیں ۔ بعض علما کی کوششوں کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے ۔

علم طب : علم طب میں جن علما نے قابل قدر خدمات انجام دیں ان میں علی الطبری ، الرازی ، علی ابن عباس اور المجوسی نے عالمگیر شہرت حاصل کی ۔ علی الطبری جو نویں صدی ہجری کے وسط میں ہوا ہے خلیفۃ المتوکل کا طبیب خاص تھا ۔

علم ہیئت : اس دور میں علم ہیئت میں بھی مسلمانوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے ۔ نویں صدی ہجری کے پہلے نصف میں المامون کے حکم سے محمد ابن ابراہیم الفزاری نے ہندوستان کی مشہور کتاب ثریا سدھانتا کا ترجمہ فارسی میں کیا ۔ اسی عہد میں ایران کے جنوب مغرب میں جندی شاپور کے مقام پر ستاروں کی حرکات دیکھنے کے لیے آلات بہم پہنچائے گئے ۔ مامون الرشید نے پہلی رصدگاہ بغداد میں قائم کی جس کے اہتمام میں متعدد علما نے حصہ لیا ۔ ابراہیم الفزاری نے ایک اصطرلاب بھی تیار کیا تھا ۔ ہیئت و ریاضی کے ماہر الخوارزمی نے ''صورت الارض'' کتاب تالیف کی ۔ اس میں نقشوں کے ذریعے توضیح بھی کی گئی ہے ۔ ایک عالم ابوالحسن نے دوربین ایجاد کی اور ستاروں کے متعلق بہت سی باتیں معلوم کیں ۔ یحیٰی (بن ابی المنصور) نے علم ہیئت پر کتابیں لکھیں ۔ خالد بن عبدالملک نے ہیئت پر اور ابو العباس الفرغانی نے علم نجوم پر اپنی گراں قدر تالیفات کا اضافہ کیا ۔

عربوں نے علم کیمیا کو ترقی دینے میں نمایاں حصہ لیا ۔ ابو موسیٰ جدید کیمیا کا آدم سمجھا جاتا تھا ۔

جغرافیہ : سیر و سفر اور حج کی بدولت مسلمانوں کو جغرافیائی مطالعہ کا شوق پیدا ہوا اور ابن خرادبہ ، جیہانی ، المسعودی ، استخری ، ابن حوقل ، یا قوت ، البکری ، المقدسی اور ادریسی ایسے علما نے علم جغرافیہ پر ضخیم کتابیں تصنیف کیں ۔

تاریخ : علم تاریخ میں بھی مسلمانوں کی خدمات واضح ہیں ۔ بلاذری ، مسعودی ، طبری اور ابن اثیر عباسی دور کے بے نظیر مؤرخ ہوئے ہیں ۔ بلاذری نے تاریخ ''فتوح البلدان'' نہایت شگفتہ انداز میں لکھی جو تاریخ کا اہم مأخذ ہے ۔ المسعودی کو تاریخ و جغرافیہ دونوں علوم میں شہرت حاصل ہوئی ۔ اس نے اسلامی ممالک کی سیاحت کی ۔ مروج الذہب و مدان الجواہر اس کی سیر و سیاحت کے تجربات کی گراں قدر علمی یادگاریں ہیں ۔

ریاضی : مامونی عہد کے مشہور ریاضی دان محمد ابن موسیٰ خوارزمی نے الجبرا کی پہلی کتاب ''الجبر والمقابلہ'' تالیف کی ۔ ابو طیب سند ابن علی نے ہیئت اور ریاضی کی جدولیں مرتب کیں ۔

اہل ایران کی علمی و ادبی خدمات عربی میں

ساسانی حکومت کے اختتام پر جب ایران کی سر زمین پر اسلامی علم لہرایا تو ایران میں عربی رسم الخط رائج ہوا اور عربی کی تدریس کے لیے مدارس قائم ہوئے ۔ مسلمانوں نے کلام پاک اور احادیث کے مطالعے کے لیے عربی زبان سیکھی ۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ایران میں عربی زبان نے علمی و ادبی زبان کی حیثیت اختیار کر لی اور تمام علوم منقول و معقول کا وسیلۂ اظہار عربی بنی ۔ شعرا عربی میں شعر کہنے لگے ۔ علما و ادبا عربی ہی میں اظہار خیالات کرتے تھے ۔ ان کے علم و فضل کی یہاں تک شہرت ہوئی کہ تمام عالم اسلام میں ان کی تصانیف پڑھی جانے لگیں ۔ ایرانی نژاد شعرا و علما کا مختصر سا حال ذیل میں درج کیا جاتا ہے جنھوں نے بنو آمیہ اور بنو عباس کے زمانے میں اپنے آثار و افکار سے عربی کے سرمایے میں نہایت قابل قدر اضافہ کیا ۔

بشار بن برد

بشار ایک نامور شاعر تھا ، بصرہ میں پیدا ہوا ۔ یہ مادر زاد نابینا تھا ۔ اس کی کچھ عمر بصرہ میں اور کچھ بغداد میں بسر ہوئی ۔ کہا جاتا ہے یہ شاعر در اصل زردشتی مسلک رکھتا تھا ۔ اس کے اشعار سے اس کے مذہبی مسلک پر روشنی پڑتی ہے کیوں کہ وہ اکثر اشعار میں آگ کی تقدیس کا ذکر کرتا ہے ۔ اس بنا پر مسلمان اسے زندیق کہتے تھے ۔ خلیفہ مہدی کے وزیر یعقوب بن داؤد کی اس نے ہجو کہی ، جس پر اسے سترہ کوڑے لگائے گئے ۔ اس نے نوے برس کی عمر پا کر ۱۶۶ھ مطابق ۷۸۲ع میں وفات پائی ۔

ابو نواس

ابو نواس اپنے زمانے کا بہت معروف شاعر تھا ۔ ۱۳۹ھ مطابق ۷۵۶ع میں اہواز میں پیدا ہوا ۔ ابتدائی تعلیم بصرہ میں ہوئی ، پھر ہارون الرشید اور امین کے دربار میں قرب حاصل ہوا ۔ عاشقانہ اور رندانہ شعرگوئی میں اسے خاص ملکہ تھا ۔ شراب و شعر کا دلدادہ تھا ۔ ہجوگوئی میں یکتا تھا لیکن آخر عمر میں مے نوشی اور ہجو گوئی کو یکسر ترک کر دیا اور زہد و تقویٰ میں زندگی بسر کی ۔

ابراهیم و اسحاق

ابراہیم اور اس کا بیٹا اسحاق دونوں فن موسیقی کے ماہر تھے ۔ دھنیں ایجاد کرنے میں انھیں خاص مہارت حاصل تھی ۔ شعر گوئی کا بھی ذوق تھا ۔ ابراہیم کا والد ماہان تھا جس نے اپنے وطن فارس سے ہجرت کرکے عراق عرب میں مستقل سکونت اختیار کی ۔ ابراہیم کوفہ میں پیدا ہوا اور موصل میں موسیقی سیکھی اور کمال حاصل کیا ۔ یہ اپنے عہد کا علم موسیقی کا استاد سمجھا جاتا تھا ۔ اپنی شہرت کی بنا پر مہدی اور ہارون الرشید کے دربار سے وابستہ ہوا ۔ بعض لوگ فارس کی نسبت سے اسے فارسی لکھتے ہیں اور بعض موصلی ۔

ابراہیم کا بیٹا اسحاق ۱۵۰ھ مطابق ۷۶۷ع میں تولد ہوا ۔ یہ آہنگ و موسیقی میں باپ کا صحیح معنوں میں جانشین بنا ۔ اس کے بارے

میں خلیفہ معتصم کا یہ قول تھا کہ جب[1] اسحاق گاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے میری مملکت وسیع تر ہو رہی ہے - اسحاق حدیث و فقہ میں بھی بڑی دسترس رکھتا تھا - مامون الرشید[2] اس کے بارے میں کہتا تھا کہ اگر اسحاق فن موسیقی سے متعلق نہ ہوتا تو میں اسے قاضیِ شہر بنا دیتا -

ابوالفتح علی بستی

ابوالفتح بست میں پیدا ہوا - سبکتگین نے جب بست کو فتح کیا تو وہ ابوالفتح کو اپنے ساتھ لے گیا - نظم و نثر میں اسے بڑی مہارت حاصل تھی - اس کا مشہور ترین ''قصیدہ البستی'' ہے جس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں - سال وفات ۳۹۹ھ مطابق ۹۵۰ء اور مدفن بخارا میں ہے -

ابوالحسن باخرزی

ابوالحسن باخرز میں پیدا ہوا - شعر و شاعری کی بدولت شہرت پائی - اس کے علاوہ اس کا شمار مذہب شافعی کے علما میں ہوتا ہے - اسے فن کتابت میں بڑا ملکہ حاصل تھا - کتاب ''دمیۃ القصر'' جو ثعالبی کی تصنیف ''یتیمۃ الدہر'' کا ضمیمہ ہے، اس کی یادگار ہے - ۴۶۷ھ مطابق ۱۰۷۴ء میں کسی شقی القلب کے ہاتھوں قتل ہوا -

محمد ابیوردی

محمد، ابیورد (خراسان) میں پیدا ہوا - شاعری کی بدولت شہرت پائی - ابیورد اور نسا کی ایک تاریخ بھی لکھی جو اب ناپید ہے - ۵۰۷ھ مطابق ۱۱۱۳ء میں کسی نے اسے زہر دے دیا جس سے اس کی ہلاکت واقع ہوئی -

اسد بن نصر ابرزی

یہ ابرز (فارس) میں پیدا ہوا - اتابک مظفر الدین سعد بن زنگی کے زمانے میں اسے وزارت کا منصب سونپا گیا - لیکن خیانت کے جرم میں

۱- آقائی عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران، صفحہ ۲۱۹ -

۲ - ایضاً -

اتابک مظفرالدین نے اسے زندان میں ڈال دیا جہاں ۶۲۴ھ مطابق ۱۲۲۶ع میں اس نے وفات پائی - زندان میں جو نظمیں لکھیں انھیں اسد بن نصر کی زندگی کا حاصل سمجھنا چاہیے -

طغرائی

ابو اسماعیل حسن طغرائی ایرانی الاصل تھا - اصفہان میں پیدا ہوا - اس کا شمار مشہور شعرا میں ہوتا تھا - سیاست اور تدبیر مملکت میں خاص ملکہ رکھتا تھا - اسے سلطان مسعود سلجوقی کے زمانے میں وزارت کا منصب سونپا گیا - بعد میں اس پر الحاد اور بے دینی کا الزام لگا جس کی پاداش میں ۵۱۳ھ مطابق ۱۱۱۹ع میں مارا گیا - مشہور قصیدہ ''لامیۃ العجم'' اس کی یادگار ہے -

ادبی اور فنی نثر

ابوبکر خوارزمی

اس کا والد خوارزم کا رہنے والا تھا اور ماں طبرستان کی تھی جو مشہور مؤرخ طبری کی ہمشیرہ تھی - کچھ عرصہ بعد ابو علی بلعمی وزیر کی خدمت سے وابستہ رہا - آخر ملازمت ترک کی تو کچھ وقت نیشاپور، سیستان اور اصفہان میں پھر پھرا کر شیراز میں اقامت اختیار کی - ہجو کہنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا - اسی سبب سے سلطان محمود غزنوی کے وزیر عتبی نے اسے جیل میں ڈالا - رہائی ہوئی تو گرگان گیا اور صاحب اسماعیل بن عباد کی توجہ کا مورد بنا - ۳۸۳ یا ۳۹۲ھ مطابق ۹۹۳ع یا ۱۰۰۱ع میں وفات پائی - نثر میں کچھ رسالے اس کی یادگار رہ گئے ہیں -

بدیع الزماں ہمدانی

بدیع الزماں ہمدان میں پیدا ہوا - کچھ عرصہ سیر و سیاحت میں گزرا - نظم و نثر میں اسے بڑی قدرت تھی - فارسی شعروں کو عربی اشعار میں ڈھالنے کا اسے خاص ملکہ حاصل تھا - ''مقامات بدیعی'' اس کی مشہور تصنیف ہے جو چھوٹی چھوٹی حکایات کا مجموعہ ہے - اس کی عبارت فنی ہے اور مشکلات سے پر ہے - اس کے تتبع میں فارسی کتاب

''مقامات حمیدی'' لکھی گئی تھی - اس کا انتقال ۳۹۸ھ مطابق ۱۰۰۷ع میں ہوا -

صرف و نحو و علم اللغہ

سیبویہ

یہ فارس کا رہنے والا تھا لیکن ۳۲ سال کی عمر میں بصرہ چلا گیا اور وہاں اعلیٰ تعلیم مکمل کی - ''الکتاب'' اس کی مشہور تصنیف ہے جو علم نحو پر ہے - شیراز میں ۱۷۷ یا ۱۸۰ھ مطابق ۷۹۳ع یا ۷۹۶ع میں وفات پائی -

کسائی

علی بن حمزہ نام اور خلیل بن احمد کا شاگرد تھا - عربی زبان سیکھنے کے لیے صحرا نشیں عربوں میں کچھ وقت گزارا - فن قرأت کا ماہر تھا - ہارون الرشید نے امین اور مامون کی تربیت اس کے سپرد کی تھی - ۱۸۲ھ مطابق ۷۹۸ع میں ری کے قریب اس نے وفات پائی - کتاب ''رسالہ فی لحن العامہ'' اس کی تصنیف ہے -

فراء

ابو زکریا بن زیاد فراء شاگرد کسائی دیلم کا رہنے والا تھا - کچھ مدت بغداد میں تعلیم پائی - ۶۳ سال کی عمر میں ۲۰۷ھ مطابق ۸۲۲ع میں فوت ہوا -

معمر بن مثنی

ابو عبیدہ معمر یہودی النسل ایرانی تھا - بصرہ میں پیدا ہوا اور وہیں وفات پائی - دو رسالے نحو اور لغت عربی کے متعلق لکھے - اس کا تعلق شعوبی فرقے سے تھا - چنانچہ اپنی ایک تالیف میں عربوں پر سخت حملے کیے - ابو نواس شاعر اس کا شاگرد تھا -

اخفش

سعید بن مسعدہ اخفش بلخ میں پیدا ہوا - اصلاً ایرانی تھا ، علم نحو کا ماہر تھا - سیبویہ کا شاگرد تھا ، اس پر اسے ناز بھی تھا - اس کی وفات ۲۱۵ھ مطابق ۸۳۰ع میں ہوئی -

قاسم بن سلام

یہ ہرات میں پیدا ہوا - باپ یونانی تھا - بصرہ اور کوفہ میں اصمعی اور کسائی ایسے بزرگوں سے تعلیم پائی - اٹھارہ سال تک کیلیکیا کا قاضی رہا - عبداللہ بن طاہر کے زمانے میں خراسان گیا اور مورد عنایات ہوا - اس کی تالیفات میں سے ایک ''غریب المصنف'' ہے جس کی تکمیل میں چالیس سال صرف ہوئے - ۲۲۲ھ مطابق ۸۳۶ع میں اس نے مکہ یا مدینہ میں وفات پائی -

سہل بن محمد

ابو حاتم سہل سیستانی تھا - کچھ مدت بغداد میں گزاری - ''کتاب النخل'' اس کی تالیف ہے - ابن درید اور مبرد اس کے شاگردوں میں تھے - اس کی وفات ۲۵۰ھ مطابق ۸۶۴ع میں ہوئی -

ابن قتیبہ

ابو محمد بن عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ ایرانی الاصل تھا - اس کا باپ مرو کا رہنے والا تھا - ابن قتیبہ بغداد یا کوفہ میں تولد ہوا - وہ نہ صرف علم نحو اور لغت کا ماہر تھا بلکہ اس کا شمار تاریخ اور حدیث کے علما میں ہوتا تھا - عیون الاخبار، کتاب المعارف، ادب الکاتب، طبقات الشعرا اس کی مشہور تالیفات ہیں - وفات ۲۷۶ھ مطابق ۸۸۹ع میں بغداد میں ہوئی -

ابو حنیفہ دینوری

احمد بن داؤد ابو حنیفہ ایرانی الاصل تھا - ادبیات، جغرافیہ، تاریخ اور نجوم میں ید طولیٰ رکھتا تھا - ''کتاب النبات'' اس کی مشہور تالیف ہے - ''اخبار الطوال'' ایران دوستی کے جذبے سے تحریر کی - ۲۸۲ھ مطابق ۸۹۵ع میں وفات پائی -

عبدالرحمان بن اسحاق ہمدانی

عبدالرحمان ''کتاب الالفاظ'' کا مؤلف ہے جو مرادفات کی لغت ہے - نحو و لغت میں ماہر ہونے کے علاوہ مشہور خوش نویس بھی تھا - ۳۲۰ھ مطابق ۹۳۲ع میں فوت ہوا -

ابوالفضل ہروی

ابوالفضل ہرات میں پیدا ہوا۔ ''مفاخرالمقالہ'' اس کی یادگار ہے۔ وفات ۳۲۸ھ مطابق ۹۳۹ع میں ہوئی۔

ابن درستویہ

عبدالرحمان بن جعفر فارس کا رہنے والا تھا۔ یہ مشہور عالم نحو و لغت میں مبرد کا شاگرد تھا۔ ۳۴۷ھ مطابق ۹۵۸ع میں وفات پائی۔

حسن بن عبداللہ

یہ سیراف (ساحل خلیج فارس) کا رہنے والا تھا۔ باپ کا نام عبداللہ بہزاد تھا، جو زردشتی المذہب تھا۔ حسن نے عمان، شوش اور بغداد میں تعلیم پائی۔ علم اللغت ابن درید سے سیکھا۔ کچھ وقت سیر و سیاحت میں گزارا۔ چالیس سال قاضی شہر کے منصب پر فائز رہا۔ اس عرصے میں علم نحو کی تعلیم و تدریس سے بھی شغف رہا۔ گوشہ نشینی کو زیادہ پسند کرتا تھا۔ معتزلہ عقائد پر عمل پیرا تھا۔ ۳۶۹ھ مطابق ۹۷۹ع میں وفات پائی۔

حسن بن احمد فارسی

ابو علی حسن بن احمد فسا میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بغداد آیا۔ کچھ مدت حلب میں سیف الدولہ کے دربار میں اور کچھ مدت شیراز میں عضدالدولہ کے دربار میں گزاری۔ دو کتابیں ''ایضاح'' اور ''تکملہ'' عضدالدولہ کے نام منسوب کیں۔ ۳۷۷ھ مطابق ۹۸۷ع میں وفات پائی۔

ابن خالویہ

ابو عبداللہ الحسین نام، لقب ابن خالویہ تھا۔ نحو و لغت کا متبحر عالم تھا۔ خوزستان کا رہنے والا تھا۔ علم حدیث کی بھی تعلیم پائی۔ مسجد مدینہ میں علم الحدیث کا درس دیا، پھر حلب کا رخ کیا۔ کتاب ''لیس'' اس کی تالیف ہے۔ یہ کتاب مستثنیات لغات عرب سے متعلق ہے۔ ۳۷۱ھ مطابق ۹۸۱ع میں وفات پائی۔

ازہری

ابو منصور محمد بن احمد ہرات میں تولد ہوا ۔ حج کعبہ کے دوران قرمطیوں کے ہاتھوں اسیر ہو گیا ۔ کچھ مدت بعد رہائی ہوئی تو وطن کو واپسی ہوئی ۔ ''تہذیب اللغہ'' اس کی مشہور تالیف ہے ۔ ۳۷۰ھ مطابق ۹۸۰ع میں ہرات میں وفات پائی ۔

صاحب بن عباد

ابو القاسم اسماعیل صاحب بن عباد طالقان میں تولد ہوا ۔ مویدالدولہ اور فخرالدولہ دیلمی کا وزیر رہا ۔ خود اہل علم تھا اور دانش وروں کی بڑی قدر کرتا تھا ۔ علم و فضل کی ترویج میں اس نے عمر بھر کوشش کی ۔ علم و ادب میں خود اس کا بڑا اونچا مقام تھا ۔ شعر بھی کہتا تھا ۔ ''کافی الکفات'' (لغات عرب کے متعلق سات جلدوں میں) اور ''محیط'' اس کی علمی یادگاریں ہیں ۔ ۳۸۵ھ مطابق ۹۹۵ع میں وفات پائی ۔

ابن فارس رازی

ابوالحسین احمد ابن فارس نے کچھ عرصہ ہمدان میں درس و تدریس میں گزارا ۔ مشہور ادیب بدیع الزمان نے انہیں سے تعلیم پائی تھی ۔ فخرالدولہ دیلمی نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کے لیے انہیں ری بلایا ۔ ''مجمل فی اللغہ و فقہ اللغہ'' ان کی تالیف ہے ۔ ۳۹۵ھ مطابق ۱۰۰۴ع میں انتقال کیا ۔

احمد بن محمد ھروی

ہرات کا رہنے والا تھا ''غریبین'' اس کی علمی یادگار ہے ۔ اس میں قرآن و حدیث کی اصطلاحات جمع کی ہیں ۔ ۴۰۰ھ مطابق ۱۰۰۹ع میں رحلت پائی ۔

حسن بن محمد نیشاپوری

اس نے قرآن مجید اور حدیث کی مشکل اصطلاحات سمجھانے میں بڑی کاوش کی ۔ بطلیموس کی مشہور کتاب ''المجستی'' کی تفسیر بھی لکھی ۔ ۴۰۶ھ مطابق ۱۰۱۵ع میں فوت ہوا ۔

ابو منصور عبدالملک الثعالبی

ابو منصور نیشاپور میں پیدا ہوا - علم و فضل میں شہرت پائی - "یتیمۃالدھر فی محاسن اہل العصر" (اپنے زمانے کے شعرا کا تذکرہ) لطائف المعارف ، فقہ اللغہ ، لطائف الصحابہ و التابعین اس کی علمی یادگاریں ہیں - بعض رسالے اور متعدد کتابیں علم نحو پر لکھیں - ایک کتاب "الغرر" (تاریخ قدیم ایران سے متعلق) بھی اس سے منسوب ہے - ۴۲۹ھ مطابق ۱۰۳۷ع میں وفات پائی -

ابوالحسن طاہر بن بابا شاد

یہ ایرانی الاصل تھا لیکن عمر کا بیشتر حصہ مصر میں گزارا - دیوان قاہرہ سے وابستہ رہا - کچھ مدت بعد ملازمت ترک کر دی - علم نحو پر ایک کتاب "المقدمہ" اس کی علمی یادگار ہے - ۴۷۰ھ مطابق ۱۰۷۷ع میں فوت ہوا -

ابو بکر عبدالقاہر جرجانی

اس نے علم نحو پر ایک رسالہ لکھا ، جو طلبہ کے لیے بہت مفید ہے - یہ متعدد بار طبع ہوا - اس کی وفات ۴۷۱ھ مطابق ۱۰۷۸ع میں ہوئی -

ابوالقاسم الحسین

یہ "محاضرات الادبا و مفردات الالفاظ قرآن" کا مؤلف ہے - ۵۰۲ھ مطابق ۱۱۰۸ع میں وفات پائی -

یحیی بن علی الخطیب

تبریز میں پیدا ہوا - صور میں علم و حدیث میں مہارت حاصل کی - ابوالعلا معری سے علم اللغت سیکھا - چند سال مصر میں تعلیم و تدریس میں مصروف رہا ، پھر بغداد آیا اور مدرسہ نظامیہ سے متعلق ہوگیا - ۵۰۲ھ مطابق ۱۱۰۸ع میں وفات پائی -

ابوالقاسم محمود زمخشری

ابوالقاسم جاراللہ کے لقب سے مشہور ہوا - زمخشر (خوارزم) میں پیدا ہوا - تعلیم حاصل کرنے کے بعد سیر و سیاحت شروع کی - معتزلہ

فرقے کے مشہور علما میں سے تھا ۔ ''کشاف'' (علم تفسیر میں) ، ''المفصل'' (علم نحو میں) ، ''مقدمۃ الادب'' (لغت عربی و فارسی) ، ''کتاب الامکنہ'' (علم جغرافیہ) ، ''نوابغ الکلم'' (ضرب الامثال مروجہ) ، ''اطواق الذہب'' (اخلاق) آپ کی مشہور تصنیفات ہیں ۔ ۵۳۸ھ مطابق ۱۱۴۳ع میں وفات پائی ۔

ابو الفتح ناصر المطرزی

علم و ادب کے علاوہ علم فقہ میں بھی مہارت رکھتا تھا ۔ مصباح (لغات فقہی) ، المغرب فی ترتیب المعرب (الفاظ مرادف) اور الاقناع (شرح مقامات حریری) آپ کی تصنیفات ہیں ۔ ۶۱۰ھ مطابق ۱۲۱۳ع میں وفات ہوئی ۔

سراج الدین یوسف السکاکی

سراج الدین خوارزم میں پیدا ہوا ۔ ''مفتاح العلوم'' اس کی مشہور تصنیف ہے ۔ ۶۲۶ھ مطابق ۱۲۲۹ع میں وفات ہوئی ۔

ابن اثیر

ضیاء الدین فخر الاسلام نصراللہ ابن اثیر کردستان میں پیدا ہوا ۔ المثل السائر ، برہان ، الازہار وغیرہ اس کی مشہور تصنیفات ہیں ۔ وفات ۶۳۷ھ مطابق ۱۲۳۹ع میں ہوئی ۔ یہ مجدالدین ابن اثیر سے مختلف ہے ، جو مشہور مؤرخ ہو گزرے ہیں ۔

المفضل

اس کی تالیف ''کتاب المثال و المفضیات'' ہے ۔ سال وفات ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۶ع ہے ۔

محمد بن احمد المستنیر

بصرہ میں تولد ہوا ۔ قطرب کے لقب سے شہرت پائی ۔ مشہور عالم سیبویہ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا ۔ ''کتاب المثلث'' اس کی علمی یادگار ہے ۔ سال وفات ۲۰۶ھ مطابق ۸۲۱ع ہے ۔

الاصمعی

عبد الملک الاصمعی عربی الاصل تھا ۔ بصرہ میں پیدا ہوا ۔ ''کتاب النحل'' اس کی تالیف ہے ۔ سال وفات ۲۱۶ھ مطابق ۸۳۱ع ہے ۔

ابو منصور عبدالملک الثعالبی

ابو منصور نیشاپور میں پیدا ہوا - علم و فضل میں شہرت پائی - ''یتیمۃالدھر فی محاسن اہل العصر'' (اپنے زمانے کے شعرا کا تذکرہ) لطائف المعارف ، فقہ اللغہ ، لطائف الصحابہ والتابعین اس کی علمی یادگاریں ہیں - بعض رسالے اور متعدد کتابیں علم نحو پر لکھیں - ایک کتاب ''الغرر'' (تاریخ قدیم ایران سے متعلق) بھی اس سے منسوب ہے - ۴۲۹ھ مطابق ۱۰۳۷ع میں وفات پائی -

ابوالحسن طاہر بن بابا شاد

یہ ایرانی الاصل تھا لیکن عمر کا بیشتر حصہ مصر میں گزارا - دیوان قاہرہ سے وابستہ رہا - کچھ مدت بعد ملازمت ترک کر دی - علم نحو پر ایک کتاب ''المقدمہ'' اس کی علمی یادگار ہے - ۴۷۰ھ مطابق ۱۰۷۷ع میں فوت ہوا -

ابو بکر عبدالقاہر جرجانی

اس نے علم نحو پر ایک رسالہ لکھا ، جو طلبہ کے لیے بہت مفید ہے - یہ متعدد بار طبع ہوا - اس کی وفات ۴۷۱ھ مطابق ۱۰۷۸ع میں ہوئی -

ابوالقاسم الحسین

یہ ''محاضرات الادبا و مفردات الالفاظ قرآن'' کا مؤلف ہے - ۵۰۲ھ مطابق ۱۱۰۸ع میں وفات پائی -

یحیی بن علی الخطیب

تبریز میں پیدا ہوا - صور میں علم و حدیث میں مہارت حاصل کی - ابوالعلا معری سے علم اللغت سیکھا - چند سال مصر میں تعلیم و تدریس میں مصروف رہا ، پھر بغداد آیا اور مدرسہ نظامیہ سے متعلق ہوگیا - ۵۰۲ھ مطابق ۱۱۰۸ع میں وفات پائی -

ابوالقاسم محمود زمخشری

ابوالقاسم جاراللہ کے لقب سے مشہور ہوا - زمخشر (خوارزم) میں پیدا ہوا - تعلیم حاصل کرنے کے بعد سیر و سیاحت شروع کی - معتزلہ

فرقے کے مشہور علما میں سے تھا - ''کشاف'' (علم تفسیر میں) ، ''المفصل'' (علم نحو میں) ، ''مقدمۃ الادب'' (لغت عربی و فارسی) ، ''کتاب الامکنہ'' (علم جغرافیہ) ، ''نوابغ الکلم'' (ضرب الامثال مروجہ) ، ''اطواق الذہب'' (اخلاق) آپ کی مشہور تصنیفات ہیں - ۵۳۸ھ مطابق ۱۱۴۳ع میں وفات پائی -

ابو الفتح ناصر المطرزی

علم و ادب کے علاوہ علم فقہ میں بھی مہارت رکھتا تھا - مصباح (لغات فقہی) ، المغرب فی ترتیب المعرب (الفاظ مرادف) اور الاقناع (شرح مقامات حریری) آپ کی تصنیفات ہیں - ۶۱۰ھ مطابق ۱۲۱۳ع میں وفات ہوئی -

سراج الدین یوسف السکاکی

سراج الدین خوارزم میں پیدا ہوا - ''مفتاح العلوم'' اس کی مشہور تصنیف ہے - ۶۲۶ھ مطابق ۱۲۲۹ع میں وفات ہوئی -

ابن اثیر

ضیاء الدین فخر الاسلام نصراللہ ابن اثیر کردستان میں پیدا ہوا - المثل السائر ، برہان ، الازہار وغیرہ اس کی مشہور تصنیفات ہیں - وفات ۶۳۷ھ مطابق ۱۲۳۹ع میں ہوئی - یہ مجدالدین ابن اثیر سے مختلف ہے ، جو مشہور مؤرخ ہو گزرے ہیں -

المفضل

اس کی تالیف ''کتاب المثال و المفضیات'' ہے - سال وفات ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۶ع ہے -

محمد بن احمد المستنیر

بصرہ میں تولد ہوا - قطرب کے لقب سے شہرت پائی - مشہور عالم سیبویہ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا - ''کتاب المثلث'' اس کی علمی یادگار ہے - سال وفات ۲۰۶ھ مطابق ۸۲۱ع ہے -

الاصمعی

عبد الملک الاصمعی عربی الاصل تھا - بصرہ میں پیدا ہوا - ''کتاب النحل'' اس کی تالیف ہے - سال وفات ۲۱۶ھ مطابق ۸۳۱ع ہے -

ابن درید

ابوبکر محمد بن الحسن بصرہ میں پیدا ہوا - عمان وطن تھا - ''جمہرہ'' اور ''کتاب الاشتقاق'' اس کی علمی یادگاریں ہیں - سال وفات ۲۲۲ھ مطابق ۸۳۶ع ہے -

ابن الاعرابی

محمد بن زیاد نام ہے اور ۲۳۱ھ مطابق ۸۴۵ع میں وفات پائی -

المبرد

محمد بن یزید المبرد بصرہ میں پیدا ہوا - علم نحو میں مشہور کتاب ''کامل'' یادگار چھوڑی - سال وفات ۲۸۵ھ مطابق ۸۹۸ع ہے -

ابوالعباس ثعلب

احمد بن یحییٰ ابن الاعرابی ''کتاب الفصیح و قواعد الشعر'' کا مؤلف ہے - ۲۹۱ھ مطابق ۹۰۳ع میں وفات ہوئی -

المطرز

نام ابو عمر محمد بن عبدالواحد الزاهد تھا - سال وفات ۳۴۵ھ مطابق ۹۵۶ع ہے -

علم تاریخ

خلافت اسلامی کے اولین دور کے مؤرخین نے زیادہ تر اپنی توجہ نبی کریمؐ کے غزوات ضبط تحریر میں لانے پر مبذول کی - پھر علمائے اسلام نے علم حدیث کی طرف رجوع کیا - رفتہ رفتہ قبل از تاریخ اسلام کے حالات و واقعات جاننے کی ضرورت محسوس ہوئی اس لیے مؤرخین اسلام نے تاریخ یہود اور ایران کی ملی روایات سے بھی معلومات حاصل کیں اور ''خدای نامک'' اور بعض دوسری کتابوں کا قدیم فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا اور ان کے پیش نظر علمی تحقیقات بھی کی - اس دور کے مؤرخین کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے -

حماد بن شاپور

حمادالراویہ کے لقب سے مشہور ہوا - یہ اصلاً ایرانی تھا - حضرت مالک بن انس نے اسی سے تعلیم پائی تھی - الراویہ اپنے زمانے کا بہت بڑا

عالم سمجھا جاتا تھا۔ اسے ہر قسم کی معلومات حاصل تھیں۔ اسے اگر متحرک انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ نہ صرف یہ کہ تفسیر اور حدیث کے علم کا ماہر تھا، بلکہ علم الانساب، عربی کے مختلف لہجوں، عربی کی انشائے قدیم و جدید کی تحقیق کا بھی متبحرعالم تھا۔ دور جاہلیت اور عہد اسلامی کے شعرا کے بیشتر اشعار اسے زبانی یاد تھے۔ تاریخ عرب پر اسے عبور حاصل تھا۔

موسیٰ بن عقبہ

موسیٰ امام المغازی کے لقب سے مشہور ہوا۔ وفات ۱۴۱ھ مطابق ۷۵۸ع میں ہوئی۔

ابن اسحاق

ابو عبداللہ محمد مدینہ سے سکندریہ اور پھر کوفہ آیا۔ بعد میں ری میں مقیم ہوا۔ وفات ۱۵۱ھ مطابق ۷۶۸ع میں ہوئی۔

الواقدی

مدینہ میں پیدا ہوئے۔ یحییٰ برمکی کا قرب حاصل ہوا۔ ''کتاب المغازی'' آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ سال وفات ۲۰۷ھ مطابق ۸۲۲ع ہے۔

جاحظ

عمر بن یحییٰ نام ہے۔ ان کا شمار عہد اسلامی کے مشاہیر میں سے تھا جاحظیہ کے نام سے ایک مکتب جاری کیا۔ ''کتاب البیان و التبیین'' اور ''کتاب الحیوان'' ان کی علمی یادگاریں ہیں۔ وفات ۲۵۵ھ مطابق ۸۶۸ع میں ہوئی۔

البلاذری

احمد بن یحییٰ البلاذری خلیفہ متوکل، مستعین اور معتز کے عہد خلافت کے مشہور عالم تھے۔ خلیفہ معتز نے انھیں اپنے بیٹے عبداللہ کا اتالیق مقرر کیا۔ ''فتوح البلدان''، ''انساب الاشراف'' آپ کی مشہور تالیفات ہیں۔ آخری عمر میں دماغی مرض میں مبتلا رہ کر ۲۷۹ھ مطابق ۸۹۲ع میں وفات پائی۔

طبری

محمد بن جریر طبری آمل (طبرستان) میں تولد ہوئے۔ مصر، شام اور عراق کی سیاحت کی ۔ مختلف علوم مثلاً حدیث ، فقہ ، تفسیر اور تاریخ میں ان کا مقام بہت بلند ہے ۔ تہذیب الاخبار ، تفسیر کبیر ، اخبار الرسل و الملوک (تاریخ طبری) آپ کی مشہور تصنیفات ہیں ۔ سال وفات ۳۱۰ھ مطابق ۹۲۲ع ہے ۔

الصولی

ابو بکر محمد بن یحییٰ الصولی کا باپ سولتکین تھا ، جو زردشتی مذہب کا پیرو تھا لیکن بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہوا ۔ سال وفات ۳۳۵ھ مطابق ۹۴۶ع ہے ۔

مسعودی

ابوالحسن علی مسعودی اصلاً عرب تھا ۔ بغداد میں پیدا ہوا ۔ سیر و سیاحت میں کافی وقت گزارا ۔ ایک معروف کتاب ''اخبار الزمان'' تیس جلدوں میں لکھی جس کی صرف ایک جلد ہم تک پہنچی ہے ۔ اس کے علاوہ کتاب الاوسط ، مروج الذہب ، تنبیہ الاشراف آپ کی علمی یادگاریں ہیں ۔ سال وفات ۳۴۵ھ مطابق ۹۵۶ع ہے ۔

ابوالفرج معروف بہ اصفہانی

ابوالفرج بنی آمیہ سے تھا ۔ اصفہان میں پیدا ہوا ۔ بغداد میں تعلیم پائی ۔ ''کتاب الاغانی'' آپ کی مشہور تصنیف ہے جس میں اہم ادبی اور تاریخی مطالب درج ہیں۔ سال وفات ۳۵۶ھ مطابق ۹۶۶ع ہے ۔

ابن الاثیر

ابوالحسن علی عزالدین کردستان میں پیدا ہوئے۔ ' الکامل فی التاریخ'' ، ''اسد الغابہ'' (حالات صحابہ رسول اکرمؐ) اور ''لباب'' آپ کی مشہور تالیفات ہیں ۔

ابن الندیم

ابوالفرج محمد بن ابی یعقوب ''الوراق'' کے لقب سے مشہور ہوا ۔ ''الفہرست'' اس کی مشہور تالیف ہے۔ سال وفات ۳۸۶ھ مطابق ۹۹۶ع ہے۔

عتبی

ابو نصر محمد عتبی عربی‌الاصل تھا لیکن ایران میں پیدا ہوا ۔ سبکتگین اور محمود غزنوی کے دربار سے وابستہ رہا ۔ اس کا شاہکار ''کتاب‌الیمینی'' ہے جو یمین‌الدولہ محمود غزنوی کے عہد کی تاریخ ہے ۔ سال وفات ۴۲۷ھ مطابق ۱۰۳۵ع ہے ۔

سمعانی

ابو سعید عبدالکریم سمعانی نام اور تاج‌الاسلام لقب تھا ۔ ''تاریخ بغداد'' اور ''کتاب‌الانساب'' آپ کی مشہور تالیفات ہیں ۔ سال وفات ۵۶۲ھ مطابق ۱۱۶۶ع ہے ۔

عمادالدین کاتب‌الاصفہانی

اسے الوہ یعنی عقاب بھی لکھا گیا ہے ۔ یہ اصفہان میں پیدا ہوا ۔ مدرسہ نظامیہ میں تعلیم مکمل کی ۔ صلاح‌الدین ایوبی کی اکثر جنگوں میں شامل رہا ۔ آخر میں گوشہ نشینی اختیار کی اور تحریر و مطالعہ میں مشغول رہا ۔ صلاح‌الدین کی تاریخ اور فتح شام پر معروف کتاب تصنیف کی ۔ ''البرق شامی'' اس زمانے کی تاریخ ہے جو سات جلدوں میں لکھی گئی تھی ۔ ''نصرۃالفترہ'' (سلجوق حکمرانوں اور ان کے وزیروں کے حالات پر ہے) ، خریدۃالقصر (چھٹی صدی ہجری کے شعرا کا تذکرہ) بھی اس کی علمی یادگاریں ہیں ۔

حمزہ اصفہانی

فرقہ شعوبیہ کا اہم رکن تھا ۔ ایران کے تاریخی اسما کو صحیح طور پر لکھنے میں اس نے بڑی محنت کی ۔ اس لحاظ سے اس کی تاریخ قابل توجہ ہے ۔

ابن خلکان

شمس‌الدین ابوالعباس احمد ابن خلکان اربل میں پیدا ہوا ۔ شام ، حلب ، دمشق ، اسکندریہ کی سیاحت کی ۔ مشہور کتاب ''وفیات الاعیان'' تالیف کی ۔ اس میں عہد اسلامی کے مشاہیر کا ذکر ہے ۔ بعض مشاہیر ، جو اس کتاب میں لکھنے سے رہ گئے تھے انھیں ابن شاکرالکتبی نے اپنی

کتاب ''فوات الوفیات'' میں شامل کر لیا - ابن خلکان کا سال وفات ۶۸۱ھ مطابق ۱۲۸۲ع ہے -

محمد بن احمد نساوی

یہ نسا میں پیدا ہوا - علم و فضل میں شہرت ہوئی تو سلطان جلال الدین نے اسے اپنا سیکرٹری بنایا - جلال الدین خوارزمی کی وفات کے دس سال بعد اس کے سوانح حیات عربی زبان میں لکھے -

موفق الدین

موفق الدین ابو العباس دمشق میں پیدا ہوا - اس نے ''عیون الانبیا'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی - سال وفات ۶۶۹ھ مطابق ۱۲۷۰ع ہے -

ابن عبری

(یوحنا ابو الفرج) باپ اس کا یہودی تھا - پھر عیسائی مذہب اختیار کیا - ''مختصر تاریخ دول'' اس کی تالیف ہے - مراغہ میں فوت ہوا - اس کا سال وفات ۶۸۸ھ مطابق ۱۲۸۹ع ہے -

علم حدیث و علم الرجال

مسلمانوں کے لیے حدیثوں کی بڑی اہمیت تھی - احادیث کو جمع کرنے کے لیے ان کی صحت اور سقم کا مسئلہ درپیش تھا - علم حدیث اس لیے وجود میں آیا کہ حقیقی اور وضعی احادیث کی تحقیق کی جا سکے - علمائے حدیث جنھوں نے حدیثوں کی تحقیق میں کاوش کی اور قابل قدر علمی یادگاریں باقی چھوڑیں ، سب ایرانی تھے - ان کا مختصر سا تعارف حسب ذیل ہے -

دارمی

عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی سمرقند میں پیدا ہوا - ''مسند'' کتاب اس کی علمی یادگار ہے - سال وفات ۲۵۵ھ مطابق ۸۶۸ع ہے -

بخاری

ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخارا میں پیدا ہوئے - سولہ سال کی عمر میں عرب کی سیاحت کی اور علم الحدیث کی تعلیم پائی - بعد میں مصر اور پھر

یشیا کے اسلامی ممالک میں علم حدیث سیکھنے کے لیے گئے - آخر بخارا واپس آئے اور چھ لاکھ احادیث اپنے ساتھ لائے - ان میں سے ۲۷۵ء احادیث ان کے نزدیک معتبر ہیں - ان احادیث کو انھوں نے اپنی کتاب ''صحیح'' میں جمع کیا ہے - آپ نے قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی لکھی - سال وفات ۲۵۶ھ مطابق ۸۶۹ع ہے -

مسلم

ابوالحسین بن الحجاج نیشاپور میں پیدا ہوئے - احادیث جمع کرنے کے لیے حجاز ، ، عراق ، شام اور مصر کی سیاحت کی - بخاری کے ساتھ آپ کے دوستانہ مراسم تھے - انھوں نے بھی احادیث کی ایک کتاب مرتب کی - اس کا نام بھی ''صحیح'' ہے - آپ کی رحلت ۲۶۱ھ مطابق ۸۷۴ع میں ہوئی -

ابن ماجہ

ابو عبدالرحمان ابن ماجہ نسا میں پیدا ہوئے - قاہرہ اور دمشق کی سیاحت کی - ''سنن'' آپ کی مشہور تالیف ہے - اس کے علاوہ ''تاریخ قزوین'' بھی لکھی - جو اب ناپید ہے - سال وفات ۲۷۴ھ مطابق ۸۸۷ع ہے -

ابو داؤد

سلیمان بن الاشعث ابو داؤد سیستان میں پیدا ہوئے اور ایک زمانہ سیر و سیاحت میں گزارا - ان کی تالیف کا نام ''سنن'' ہے جس میں احادیث جمع کی گئی ہیں - سال وفات ۲۷۵ھ مطابق ۸۸۸ع ہے -

ترمذی

ابو عیسیٰ محمد ترمذ میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی - آپ نے احادیث کی ایک کتاب ''جامع'' کے نام سے مرتب کی - اس میں مختلف مذاہب کے اختلاف رائے پر روشنی ڈالی ہے - ایک اور کتاب ''شمائل'' کے نام سے لکھی جس میں جناب رسول کریمؐ کے شمائل بیان کیے گئے ہیں - آپ کا سال وفات ۲۷۹ھ مطابق ۸۹۲ع ہے -

نسائی

ابو عبدالرحمان احمد نسا میں پیدا ہوئے - قاہرہ اور دمشق کی

سیاحت کی - ''سنن'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی - سال وفات ۳۰۳ھ مطابق ۹۱۵ع -

ابن ابی حاتم

عبدالرحمان ابن ابی حاتم ری میں پیدا ہوئے - ایک مشہور کتاب ''الجرح و التعدیل'' چھ جلدوں میں تالیف کی - وفات ۳۲۷ھ مطابق ۹۳۸ع ہے -

خطابی

حمد بن محمد خطابی بست کے رہنے والے تھے اور وہیں وفات پائی - سال وفات ۳۸۸ھ مطابق ۹۹۸ع ہے -

کلابادی

ابونصر احمد کلابادی بخارا میں پیدا ہوئے - ''حفاظ'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی - سال وفات ۳۹۸ھ مطابق ۱۰۰۷ع ہے -

محمد بن عبد اللہ البیع

آپ نیشاپور میں پیدا ہوئے - آل بویہ کے دربار میں دیوان رسائل کا منصب انھیں سونپا گیا - ''المستدرک'' آپ کی مشہور تالیف ہے - سال وفات ۴۰۵ھ مطابق ۱۰۱۴ع ہے -

ابوبکر اصفہانی

ابوبکر محمد بن الحسن اصفہانی نے بغداد میں تعلیم پائی ، پھر ری میں اقامت اختیار کی - نیشا پور اور غزنی بھی جانے کا اتفاق ہوا - استاد کے لقب سے مشہور ہوئے - غزنی سے لوٹے تو راستے میں کسی شخص نے زہر دے دیا - ان کا جسد خاکی ۴۰۶ھ مطابق ۱۰۱۵ع نیشا پور لا کر دفن کیا گیا - اصول حنفی پر ایک کتاب ''تعریف'' اُن کی یادگار ہے -

المغربی

ابوالقاسم الحسین بن علی الوزیر ایرانی الاصل تھا ، لیکن اس کی ولادت مصر میں ہوئی تھی - متعدد کتابیں تالیف کیں - ان میں سے اب ''الانیاس'' باقی ہے - سال وفات ۴۱۸ھ یا ۴۲۸ھ مطابق ۱۰۲۷ع یا ۱۰۳۶ع ہے -

ابونصر علی

ایرانی الاصل تھا ۔ پیدائش ۴۲۸ھ مطابق ۱۰۳۶ع میں بغداد میں ہوئی ۔ اس کا والد ہبۃاللہ ، قائم بامراللہ کا وزیر تھا ۔ سیاحت کے دوران ایک غلام کے ہاتھوں مارا گیا ۔ علم حدیث سے متعلق اسما کی تحقیق میں عمر بھر مصروف رہا ۔ ''اکمال'' اس کی مشہور کتاب ہے ۔

ابو نعیم احمد اصفہانی

اصفہان میں پیدا ہوئے ۔ شافعی مذہب کے علما میں سے تھے ۔ حلیۃالانبیا (اولیا اور بزرگوں کے سوانح) ، ''طب النبی'' (طب کے متعلق احادیث کا مجموعہ) ، تاریخ علمائے اصفہان آپ کی تالیفات ہیں سال وفات ۴۲۹ھ مطابق ۱۰۳۰ع ہے ۔

بیہقی

ابوبکر احمد بن الحسین بیہق میں پیدا ہوئے ۔ احادیث جمع کرنے میں زندگی کا کافی عرصہ صرف کیا ۔ نیشاپور میں فقہ شافعی کے مدرس رہے ۔ مسلک شافعیہ کے متعلق دس جلدوں میں فتوے اپنی کتاب ''السنن والآثار'' میں جمع کیے ۔ سال وفات ۴۵۸ھ مطابق ۱۰۶۵ع ہے ۔

بغوی

ابو محمد الحسین الفراء البغوی ہرات اور مرو کے درمیان شہر بغشور میں پیدا ہوئے ۔ ''مصابیح السنہ'' اور ''تفسیر قرآن'' ان کی تالیفات ہیں ۔ سال وفات ۵۱۰ھ یا ۵۱۶ھ مطابق ۱۱۱۵ع یا ۱۱۲۱ع ہے ۔

فارسی

عبدالغافر اسماعیل فارسی نیشاپور میں پیدا ہوئے ۔ افغانستان اور سندھ کی سیاحت کی ۔ ان کی تالیفات ''کتاب الاربعین'' (احکام اسلام کا خلاصہ چالیس حدیثوں میں) ''مجمع الغرائب'' ، ''مفہم'' (شرح صحیح مسلم) ہیں ۔ سال وفات ۵۲۸ھ مطابق ۱۱۳۳ع ہے ۔

سلفی

ابو طاہر سلفی اصفہان میں پیدا ہوئے ۔ بغداد اور سکندریہ کی سیاحت کی اور مصر میں درس و تدریس کا کام شروع کیا ۔ ان کی

تالیفات ''بلدانیہ'' (مجموعہ چہل حدیث) اور ''تذکرہ شیوخ بغداد'' ہیں -
سال وفات ۵۷۶ھ مطابق ۱۱۸۰ع ہے -

علم فقہ

علم فقہ سے مراد کلام پاک کے رو سے اور شارعین کے بیانات کی روشنی میں ایسے قواعد مرتب کرنا ہے جن کے پیش نظر قاضی مقدمات کے فیصلے دیں - کافی عرصہ تک قاضی اپنے فیصلے ذاتی اجتہاد کے رو سے دیتے تھے لیکن بعد میں ان کے دو گروہ ہوگئے - پہلا گروہ اصحاب الرائے کا تھا ، جو صرف ذاتی اجتہاد پر اعتقاد رکھتے تھے - دوسرا گروہ فیصلہ دینے میں صرف استناد حدیث کو مقدم سمجھتا تھا -

فقہ اسلامی کے ایرانی مشاہیر

ابو سلیمان داؤد بن علی اصفہانی

ابو سلیمان ایرانی الاصل تھے - کوفہ میں پیدا ہوئے - یہ مذہب ظاہریہ کے موسس تھے جن کے نزدیک مقدمات کے فیصلے محض آیات قرآنی اور احادیث کے رو سے ہو سکتے ہیں ، قیاس سے نہیں - اس مسلک کی اشاعت ایران ، ہند اور عمان میں ہوئی ، لیکن یہ مسلک بہت جلد ختم ہو گیا - ان کا سال وفات ۲۷۰ھ مطابق ۸۸۳ع ہے -

ابراهیم بن علی شیرازی

ابواسحاق ابراہیم فیروز آباد میں پیدا ہوئے - مدرسہ نظامیہ قائم ہوا تو وہاں درس و تدریس کا کام سنبھالا - ''کتاب التنبیہ'' ان کی تصنیف ہے ، جو فقہ شافعی سے متعلق ہے - سال وفات ۴۷۶ھ مطابق ۱۰۸۳ع ہے -

عبدالملک جوینی

امام الحرمین (ابوالمعالی) نیشاپور کے قریب کسی گاؤں میں پیدا ہوئے - چار سال تک مکہ اور مدینہ میں درس و تدریس کا کام کیا اور امام الحرمین کے لقب سے سرفراز ہوئے - نظام الملک نے خاص ان کے لیے نیشاپور میں ایک مدرسہ قائم کیا - فن خطابت میں انھیں ید طولیٰ حاصل تھا - ۴۷۸ھ مطابق ۱۰۸۵ع میں فوت ہوئے تو عوام نے آن کا

سوگ منایا - ''نہایۃ المطلب'' (فقہ شافعی) ، ''لورقات احکام'' (اسلام) ، ''مغیث الخلق'' (شافعی مذہب کی برتری کے متعلق) ان کی تالیفات ہیں -

رویانی

ابوالمحاسن عبدالوحید رویانی طبرستان میں پیدا ہوئے - شافعی مذہب کے مقتدر عالم تھے - ان کے لیے نظام الملک نے آمل میں ایک مدرسہ قائم کیا - ۵۰۲ھ مطابق ۱۱۰۸ع میں اسماعیلیوں کے ہاتھوں مارے گئے - ''بحرالمذہب'' ان کی تالیف ہے -

ابوالحسن کیا

طبرستان میں پیدا ہوئے - نیشاپور میں تعلیم پائی - مدرسہ نظامیہ میں درس دیتے رہے - علم و فضل کی وجہ سے جو مرتبہ عالی انہیں حاصل ہوا اس سے ''کیا'' کے لقب سے سرفراز ہوئے - ''اصول الدین'' اور ''احکام الدین'' ان کی تالیفات ہیں - سال وفات ۵۰۴ھ مطابق ۱۱۱۰ع ہے -

حکمت الٰہی اور علم الکلام

علم الٰہیات میں جن ایرانی علما نے گراں بہا خدمات انجام دیں درج ذیل ہیں -

ماتریدی

ابو منصور محمد بن محمود سمرقند کے قریب کسی شہر میں پیدا ہوئے - آنھوں نے قران مجید کی تفسیر لکھی جس میں فلسفی علمائے اسلام کے اعتراضات کا جواب دیا - ان کی کتاب ''تفسیر ماتریدی'' کے عنوان سے مشہور ہے جس کے عکس اب دستیاب ہوتے ہیں - ان کے متعدد پیرو ہند ، ماوراءالنہر اور ترکیہ میں تھے - سال وفات ۳۳۲ھ مطابق ۹۴۳ع ہے -

محمد غزالی

ابو حامد محمد طوس کے قریب غزالہ گاؤں میں ۴۵۰ھ مطابق ۱۰۵۷ع میں پیدا ہوئے - علم الٰہیات کی تعلیم نیشاپور میں امام الحرمین سے حاصل کی - ان کے علم و فضل سے نظام الملک بہت متاثر تھے - چنانچہ انہیں مدرسہ نظامیہ میں معلم مقرر کیا - یہاں چار سال تک درس و تدریس کا سلسلہ

جاری رہا ۔ پھر دمشق ، بیت المقدس ، مکہ اور اسکندریہ کی سیاحت کی اور گوشہ نشین ہو کر تصوف و عرفان کی منزلیں طے کیں ۔ حجت الاسلام کے لقب سے مشہور ہوئے ۔ آپ نے متعدد کتابیں تالیف کیں ۔ ان میں حسب ذیل خاص طور سے قابل ذکر ہیں : جواہر القرآن ، عقیدہ ، الدر الفاخرہ (قیامت سے متعلق) ، احیاء العلوم الدین ، میزان العمل ، اکسیر ہدایت (کیمیائے سعادت فارسی) ، ایہاالولد (اخلاقیات سے متعلق) ، بسیط ، و سیط و وجیز (مسائل فقہی) ، تحافتہ الفلاسفہ (فلسفہ یونانی کی تردید میں) ، مقاصد الفلاسفہ ، المنقذ من الضلال (فلسفہ سے متعلق) ۔ آپ کا سال وفات ۵۰۵ھ مطابق ۱۱۱۱ع ہے ۔

احمد غزالی

ابوالفتوح مجدالدین ، محمد غزالی کے بھائی تھے ۔ غزالی کے بعد مدرسہ نظامیہ میں درس و تدریس کی مسند انھیں سونپی گئی ۔ آپ کے خطبات اور مواعظ و افکار تصوف و عرفان پر مشتمل تھے ۔ تصوف میں بعض رسائل تصنیف کیے جن میں سے ''منہاج الآیات'' اور ''بوارق'' خاص طور سے قابل ذکر ہیں ۔ ان میں حلال موسیقی اور حرام موسیقی کے مابین فرق بتایا ہے ۔ قزوین میں ۵۲۰ھ مطابق ۱۱۲۶ع میں وفات پائی ۔

نسفی

نجم الدین ابو حضص ، نسف (ماوراءالنہر) میں پیدا ہوئے ۔ اپنے زمانے کے حنفی مذہب کے علما میں انھیں خاص مقام حاصل تھا ۔ ''عقاید'' ان کی مشہور تالیف ہے ۔ ایک طویل قصیدہ دو ہزار اشعار پر مشتمل لکھا جس میں اہل سنت کے چار فرقوں کے اختلافات بیان کیے ہیں ۔ سال وفات ۵۳۷ھ مطابق ۱۱۴۲ع ہے ۔

عبدالرحمان ابن الجوزی

جمال الدین عبدالرحمان ابن الجوزی عربی الاصل تھے ۔ بغداد میں پیدا ہوئے ۔ اکثر علوم پر متعدد کتابیں تصنیف کیں جن کے نام درج ذیل ہیں : تقویم اللغہ ، منتظم (تاریخ) ، ذہب المسبوک (تاریخ سلاطین) ، اخبار الاذکیا ، کتاب الحمقا ، کتاب القصاص ، وفا ، مناقب ، جامع المسانئد (حدیث سے متعلق) ، منطق المفہوم (حدیث) ، تحقیق ،

عجائب العلوم القرآن ، مختصر ، زادالمسیر ، تلبیس ابلیس ، حدائق ، لغات المنافع ، طب الروحانی ، تبصرۃ الاخبار ، کتاب المدحش وغیرہ ۔
۵۹۶ھ مطابق ۱۱۹۹ع میں آپ نے وفات پائی ۔

شہرستانی

ابو الفتح محمد شہرستان (خراسان) میں پیدا ہوئے ۔ نیشاپور میں تعلیم پائی ۔ فارغ التحصیل ہو کر زیارت بیت اللہ کے لیے گئے ۔ واپسی پر تین سال تک بغداد میں قیام کیا ۔ اس کے بعد وطن واپس آگئے ۔ ''کتاب الملل والنحل'' ان کی مشہور تصنیف ہے ۔ اس کتاب میں مختلف اسلامی فرقوں کے عقاید کا فرق اور اپنے فلسفیانہ نظریات پیش کیے ہیں ۔ تاریخ فلاسفہ پر بھی ایک کتاب تالیف کی ۔ ان کے علاوہ نہایت‌الاقدام (علم‌الٰہیات پر) اور مصارعۃالفلاسفہ بھی آپ کی تالیفات ہیں ۔

فخرالدین رازی

آپ ری میں پیدا ہوئے ۔ ری اور مراغہ میں تعلیم پائی ۔ اسی سلسلے میں ماوراءالنہر اور غزنی بھی گئے ۔ آخر ہرات میں قیام اختیار کیا ۔ آپ بلند مرتبہ فلسفی اور خوش بیان خطیب تھے ۔ ان کے خطبات بہت اثر آفرین ہیں ۔ اظہار و بیان کا مخصوص طرز تھا ۔ محصول (علم فقہ میں) ، مفاتیح الغیب (تفسیر) ، اسرارالتنزیل و مطالب‌العالیہ (علم‌الٰہایات) ، مباحث الشرقیہ ، محصل (طبیعیات و ماورای الطبیعیات) ، سر المکتوم (ستاروں کی حرکات) ، اختیارات العلائیہ (فارسی) آپ کی مشہور تصنیفات ہیں ۔ مؤخرالذکر کتاب علاء الدین خوارزم شاہ کے لیے لکھی گئی تھی ۔ اسے پیش کرنے کے بعد اس کا عربی میں ترجمہ کیا گیا ۔

خواجہ نصیر الدین طوسی

ایران کے مشہور فلسفی ہوئے ہیں ۔ حکمت اور ستارہ شناسی میں کامل دسترس رکھنے کی وجہ سے انہیں ہمہ گیر شہرت حاصل ہوئی ۔ اس شہرت کی وجہ سے انہیں ہلاکو خاں نے اپنا قرب دیا ۔ ہلاکو خاں نے بغداد فتح کیا تو وہاں کی اینٹ سے اینٹ بج گئی ۔ بغداد کی عظیم الشان لائبریری بھی تلف ہوئی ، لیکن نصیر الدین طوسی نے کئی ہزار نایاب کتابیں ذاتی مداخلت کرکے بچا لیں ۔ تذکرہ نویسوں نے آن کی

تالیفات جو بتائی ہیں ، ان کی تعداد پچاس سے ساٹھ تک ہے - ان میں سے خاص طور سے قابل ذکر مذکورہ ذیل ہیں :

جواہر الفرائد ، تجرید العقائد (فقہ) ، فصول و اوصاف الاشراف (فلسفہ) یہ دو رسالے شروع میں فارسی میں لکھے گئے تھے ، بعد میں ان کا ترجمہ عربی میں ہوا - ان کے علاوہ زبدۃ الادراک و تذکرہ (نجوم) الباب الٰہیہ ، (صحت) ، وافی ، زیج ایلخانی (فارسی اور عربی) ، اخلاق ناصری (فارسی) بھی آپ کی مشہور کتابیں ہیں - سال وفات ۶۷۲ھ مطابق ۱۲۷۳ ہے -

فلسفہ

ظہور اسلام سے صدیوں پہلے شام میں یونانی زبان کی کتابیں سُریانی میں ترجمہ کی جا رہی تھیں - پھر جب شام میں ضیائے اسلام پھیلی تو ان کتابوں سے استفادہ کیا گیا - دوسری طرف جندی شاپور یونیورسٹی میں ، جس کی تاسیس نوشیرواں نے کی تھی ، فلسفہ ، طب اور سائنس کی تعلیم دی جانے لگی - یونانی فلسفہ اور علوم کی کتابیں ، جو سُریانی زبان میں ترجمہ ہو چکی تھیں ، انھیں مامون الرشید کے عہد میں عربی میں منتقل کرایا گیا - اسلامی علماء ارسطو کے فلسفہ کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں تحقیق کا ایک نیا میدان میسر آیا - مامون نے بیت الحکمت کے نام سے ایک ادارہ بغداد میں قائم کیا ، جس کے ساتھ ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی تھا - اس سے عالم اسلامی میں علمی تحریک شروع ہوئی - ''حلقہ اخوان الصفا'' اسی تحریک کا ایک نتیجہ تھا -

مشہور ایرانی فلاسفہ

یعقوب بن اسحٰق الکندی

الکندی کوفہ میں پیدا ہوئے - بصرہ اور بغداد میں تعلیم پائی - فلسفہ میں ہمہ گیر شہرت حاصل ہوئی - مختلف مضامین میں ان کی دو سو تالیفات بیان کی جاتی ہیں - یہ خلیفہ متوکل کے زمانے کے مشہور عالم تھے -

ابو نصر فارابی

آپ فاراب میں پیدا ہوئے - ترکی الاصل تھے - فلسفہ ، منطق ،

اخلاق ، سیاست ، ریاضیات ، کیمیا اور موسیقی میں متعدد کتابیں ان کی علمی یادگار ہیں ۔ ان کی مشہور ترین کتاب ''فلاسفہ عالم اسلام'' ہے ۔ سال وفات ۳۳۹ھ مطابق ۹۵۰ع ہے ۔

ابن سینا

شیخ الرئیس بو علی سینا نے بچپن میں ابتدائی تعلیم کے بعد فلسفہ اور طب کی تعلیم حاصل کی ۔ ۱۷ سال کے ہوئے تھے کہ انھوں نے نوح بن منصور سامانی کا علاج کیا ، جس سے اس نے کلی صحت پائی ۔ اس کے بعد وہ دربار سے وابستہ ہو گئے ۔ والد فوت ہوئے تو آپ سامانی دربار کو چھوڑ کر خوارزم میں مامون بن مامون کے پاس چلے گئے جہاں اور علماء بھی جمع تھے ۔ سلطان محمود غزنوی[1] نے سنا کہ مامون بن مامون کے دربار میں بہت سے یگانۂ روزگار عالم جمع ہیں تو اس نے مامون خوارزمی کو کہلا بھیجا کہ ان علما کو دربار غزنی میں آنے کی دعوت دی جائے ۔ اگرچہ ظاہر میں تو یہ ایک دعوت ہی تھی لیکن دراصل حکم تھا ، جس سے سرتابی کرنے کی ہمت مامون خوارزمی میں نہ تھی ۔ بہرحال اس نے علماء کو اجازت دے دی کہ اگر چاہیں تو غزنی چلے جائیں ۔ ابو ریحان البیرونی ، جو اس وقت خوارزم کے دربار میں تھا ، اس دعوت پر غزنی چلا گیا لیکن بو علی سینا نے جانا پسند نہ کیا ۔ دعوت کو رد کرکے وہ مامون کے دربار میں بھی نہ رہ سکتے تھے ۔ اس لیے خوارزم کو ترک کرکے خراسان آئے ۔ پھر گرگان چلے گئے ۔ اس کے بعد ری ، قزوین اور ہمدان کا سفر کیا ۔ آخر شمس الدولہ دیلمی کے دربار میں انھیں وزارت کا منصب سونپا گیا ۔ شمس الدولہ موسوم بہ تاج الدولہ کے زمانے میں انھیں کسی وجہ سے قید میں ڈالا گیا ۔ وہاں سے موقع پا کر فرار ہوئے تو اصفہان چلے گئے اور علاء الدولہ ابو جعفر کے دربار سے منسلک ہوئے ۔ ۴۲۸ھ مطابق ۱۰۳۶ع میں وفات پائی ۔ آپ متعدد کتابوں کے مؤلف ہیں ۔ چند کتابوں کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے : کلام پاک کی سورتوں کی تشریح سے متعلق چند رسائل مثلاً روز حشر ، خواب ، طلسم وغیرہ ، شفا (منطق ، طبیعیات ، الٰہیات) ، حیٔ بن یقظان

---

[1] براؤن : لٹریری ہسٹری آف پرشیا ۲ ، صفحہ ۵۹ — ۶۹

(تصوف و عرفان) ، خطبۃ الغرا ، رسالۃ الطیر ، قصاید مطول (منطق و طب)۔ طب میں ان کی کتاب ''قانون فی الطب'' مشہور آفاق ہے۔

ابن رشد

ابوالولید ابن رشد ہسپانیہ کے مشہور و معروف فلسفی ہوئے ہیں۔ ان کی مشہور تالیفات فصل المقال (علم و ایمان پر) اور تحافۃ التحافۃ ہیں۔ مراکش میں ۵۹۴ھ مطابق ۱۱۹۷ع میں وفات پائی۔

مفضل ابہری

اثیر الدین مفضل ابہری منطق اور ماوراء الطبیعیات پر کتاب ''ہدایت الحکمہ'' کے مؤلف ہیں۔ حکمت ارسطو سے متعلق بھی ایک کتاب بہ عنوان ''الایساغوجی'' تصنیف کی۔

شمس الدین سمرقندی

آپ نے عین النظر (منطق) ، صحائف (شریعت اسلامی) اور اشکال التاسیس (ہندسہ) کتابیں تصنیف کیں۔

تصوف و عرفان

تصوف و عرفان کے متعلق مفصل بحث پہلے آ چکی ہے۔ یہاں یہ لکھ دینا مناسب ہوگا کہ جب بعض ایرانی بزرگوں مثلاً جنید بغدادی اور بایزید بسطامی نے مسلک تصوف اختیار کیا تو تصوف ایک دوسرے مرحلے میں داخل ہوا۔ عقیدہ وحدت الوجود اور درجہ فنا تک طالب حق کی سیر و سلوک اس نظریے کی بنیاد قرار پایا۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ الٰہیات کے بعض حکما مثلاً غزالی اور اس کے بھائی احمد اس مسلک صوفیا کی طرف مائل ہوئے اور انھوں نے اپنی تالیفات کے ذریعے اس مسلک کو اور تقویت دی۔ چند ایرانی صوفیا کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے جنھوں نے تصوف و عرفان کے موضوع پر گراں قدر کتابیں تصنیف کیں۔

قشیری

ابو القاسم عبدالکریم القشیری اصلاً عرب تھے لیکن ان کا گھرانہ ترک وطن کرکے خراسان آ بسا۔ قشیری تعلیم حاصل کرنے کی غرض

سے نیشاپور گئے اور مشہور صوفی بزرگ ابو علی حسن دقاق نے انھیں تصوف کی راہ پر لا ڈالا ۔ تصوف کے اسرار و رموز میں استدراک حاصل کرنے کے بعد بغداد میں علم حدیث اور احکام شافعی میں بھی دسترس حاصل کی ۔ ان کی اہم ترین تالیفات ''رسالہ قشیری'' (تعلیم و آداب تصوف کے باب میں) اور ''ترتیب السلوک فی طریق اللہ'' ہیں ۔ آپ کا سال وفات ۴۶۴ھ مطابق ۱۰۷۱ع ہے ۔

عبداللہ ہروی انصاری

ابو اسماعیل عبداللہ انصاری ہرات میں پیدا ہوئے ۔ آن کی تالیفات یہ ہیں : ''منازل السائرین'' (سلوک و عرفان سے متعلق) ''ذم الکلام'' اور ''اضافات بر طبقات الصوفیہ'' جس سے جامی علیہ الرحمۃ نے استفادہ کیا ۔ سال وفات ۴۸۱ھ مطابق ۱۰۸۸ع ہے ۔

عبدالقادر گیلانی

محی الدین عبدالقادرؒ گیلانی نے بغداد میں فقہ حنفیہ کی تعلیم پائی ۔ زہدو تقویٰ کی بدولت ہمہ گیر شہرت حاصل کی ۔ فتوح الغیب ، جلال الخاطر ، الفتح الربانی ، غنیۃ الطالبین ان کی مشہور تالیفات ہیں ۔ سال وفات ۵۶۱ھ مطابق ۱۱۶۵ع ہے ۔

ضیاء الدین سہروردی

عبدالقاہر بن عبداللہ سہرورد (قریب زنجان) میں پیدا ہوئے ۔ حضرت ابوبکرؓ کی اولاد میں سے تھے ۔ فقہ حنفیہ کی تعلیم مدرسہ نظامیہ میں پائی ۔ پھر تصوف و عرفان کی طرف رجحان ہوا اور گوشہ نشینی اختیار کی ۔ کچھ عرصہ بعد گوشہ نشینی چھوڑ دی اور مدرسہ نظامیہ میں معلم مقرر ہوئے ۔ ''آداب المرید'' آپ کی مشہور تالیف ہے ۔ بغداد میں ۵۶۳ھ مطابق ۱۱۶۷ع میں وفات پائی ۔

شہاب الدین یحییٰ سہروردی مقتول

یحییٰ بن حبش بن امیرک سہرورد کے رہنے والے تھے ۔ فقہ کی تعلیم مراغہ میں پائی ۔ پھر مسلک صوفیہ اختیار کیا ۔ کچھ مدت بعد اصفہان ، بغداد اور حلب میں درویشوں کی طرح مسافرت اختیار کی ۔ ان کا فلسفہ

حکمت افلاطونی (نو فلاطونیت) سے ماخوذ تھا اور اسے حکمت الاشراق کے نام سے موسوم کیا - تلویحات (منطق ، طبیعیات ، ماوراء لطبیعیات) ، ہیکل النور (تصوف) ، الواح العمادیہ (صفات الٰہیہ) وغیرہ آپ کی تالیفات ہیں - حلب میں ۵۸۷ھ مطابق ۱۱۹۱ع میں قتل کر دیے گئے اور شیخ مقتول کے لقب سے مشہور ہوئے -

رکن الدین العمیدی سمرقندی

ابو حامد رکن الدین العمیدی فقہ کے مشہور عالم تھے - ''مرآۃ المعانی'' ان کی مشہور تالیف ہے - اس میں ''عالم صغیر (انسان) کی نسبت عالم کبیر کے ساتھ'' کے موضوع پر بحث کی گئی ہے - طریقۃ العمیدیہ ، ارشاد اور رسالہ طلسم بھی آپ کی تالیفات ہیں -

نجم الدین کبریٰ

ابو الجناب خیوگی بزرگ صوفی تھے - ''فواتح الجمال'' و ''خائم الحائم'' (جسم و روح کی پاکیزگی اور قرب حق حاصل کرنے کے متعلق) ان کی تالیفات ہیں - فتنۂ مغول میں ۶۱۸ھ مطابق ۱۲۲۱ع میں شہید ہوئے - فارسی میں ''صفت الآداب'' آپ کی مشہور کتاب ہے -

شہاب الدین عمر سہروردی

ابو حفص شہاب الدین سہروردی ۵۳۹ھ مطابق ۱۱۴۴ع میں سہرورد میں پیدا ہوئے - ان کی شخصیت شہاب الدین یحییٰ سہروردی سے الگ ہے ، جو حلب میں مارے گئے تھے - عمر سہروردی نے فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مسلک تصوف اختیار کیا - آپ ضیاء الدین سہروردی کے بھتیجے تھے - ان کی تالیفات یہ ہیں : عوارف المعارف (تصوف) ، کشف الفضائح الیونانیہ (فلسفہ یونان کا رد) - سیر و سلوک میں اور کتابیں بھی لکھی ہیں - وفات ۶۳۲ھ مطابق ۱۲۳۴ع میں ہوئی -

روزبہان

شیخ ابو محمد روزبہان بن ابی نصر شیراز کے رہنے والے تھے - نامور صوفی تھے - متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں - ان میں مشہور یہ ہیں : لطائف البیان (تفسیر) ، مشرب الارواح ، منطق الاسرار وغیرہ (تصوف) -

اتابک ابوبکر بن سعد کے مقربین میں سے تھے - شیراز میں ۶۰۶ھ مطابق ۱۲۰۹ع میں وفات پائی -

ہیئت و نجوم و ریاضیات

علم ہندسہ کے متعلق علمائے اسلام نے یونانیوں کی تالیفات بالخصوص ''آثار اقلیدس'' سے استفادہ کیا - جبر و مقابلہ کے مبادیات اگرچہ یونانی کتابوں ہی میں پائے جاتے ہیں لیکن مسلمانوں نے اس سلسلے میں اتنی کاوش کی اور اسے اس حد تک ترقی دی کہ گویا یہ انھی کی اختراع بن گئے - اہل یورپ نے چوتھی صدی ہجری مطابق دسویں صدی عیسوی میں جبر و مقابلہ مسلمانوں ہی سے سیکھا -

خلیفہ عباسی منصور کا منجم ، نو بخت نامی ایک شخص تھا - وہ فوت ہوا تو اس کی جگہ اس کے بیٹے ابو سہل نے لی اور پھر اس کی اولاد میں سے اکثر نے ہیئت ، نجوم اور حکمت میں دسترس حاصل کی - ان میں سے بعض نے فارسی اور یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا - علوم ہیئت و ریاضی کے ایرانی علما کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے :

ابو عبداللہ خوارزمی

آپ مامون الرشید کے عہد کے مشہور عالم دین اور عالم اسلامی کے قدیم ترین ریاضی دان تھے - ان کی ریاضیات کی بعض کتابیں لاطینی زبان میں ترجمہ ہوئیں اور پورے یورپ میں پھیلیں - الگوریتم کی اصطلاح جو یورپی زبانوں میں مستعمل ہے ، لفظ ''خوارزمی'' کی بدلی ہوئی صورت ہے -

جعفر بن محمد بلخی

ابو معشر بلخ کا رہنے والا تھا - اسے ہیئت و نجوم میں اس قدر معلومات حاصل تھیں کہ اس کا چرچا ایشیا اور یورپ میں بھی ہوا - اس کی متعدد تالیفات تھیں - لیکن اب ان میں سے صرف ''مدخل'' باقی ہے - وفات ۲۷۲ھ مطابق ۸۸۵ع میں ہوئی -

عبدالرحمان صوفی رازی

ابوالحسن عبدالرحمان مشہور منجم تھا - عضدالدولہ کے دربار سے وابستہ

رہا - ایک کتاب ''ستارگان ثابت'' کے متعلق اور ایک رسالہ ''اصطرلاب'' کے متعلق اس کی تصنیف ہے - سال وفات ۳۷۶ھ مطابق ۹۸۶ع ہے -

محمد البوز جانی

محمد نیشاپور کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوا - علم ہندسہ کے جید علما میں سے تھا - ہندسہ کے بعض مسائل اس کی ایجاد بتائے جاتے ہیں - بعض کا خیال ہے کہ اس نے چاند کے متعلق دوسرے ہیئت دانوں سے پہلے معلومات حاصل کیں - اس کی فات ۳۸۷ھ مطابق ۹۹۷ع میں ہوئی -

ابو ریحان البیرونی

ابو ریحان خوارزم میں پیدا ہوئے - تاریخ ، ریاضیات اور طب کی منتہیانہ تعلیم حاصل کی اور پھر ان علوم کی تحقیق میں مشغول ہو گئے - ان علوم کے متعلق ابن سینا سے بھی تبادلہ خیال ہوتا رہا - آپ خوارزم کے دربار سے وابستہ تھے - سلطان محمود غزنوی نے خوارزم کے علما کو ، جو مامون بن مامون کے دربار سے وابستہ تھے ، اپنے ہاں آنے کا دعوت نامہ بھیجا - اس دعوت نامے پر صرف ایک عالم غزنی پہنچا اور وہ ابو ریحان تھا - ابو ریحان نے ہندوستان کی سیاحت کی - سنسکرت زبان میں دسترس حاصل کی اور ''کتاب الهند'' کے نام سے نہایت مفید کتاب تالیف کی - ہیئت میں ایک مشہور کتاب ''قانون المسعودی'' لکھی ، جو سلطان مسعود بن محمود کے نام منسوب کی - ایک اور مشہور تصنیف ''آثار الباقیہ'' ہے - اس میں وسطی ایشیا کی اقوام کے متعلق مفید معلومات درج ہیں - آپ کا سال وفات ۴۴۰ھ مطابق ۱۰۴۸ع ہے -

عمر خیام

یہ دانش مند فلسفی اپنی رباعیات کی وجہ سے عالمگیر شہرت رکھتا ہے لیکن ریاضیات اور علم ہیئت میں اس کا مقام بہت بلند ہے - اس نے کتاب ''الجبر و المقابلہ'' لکھی جو فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوئی - ملک شاہ کے زمانے میں خیام نے تقویم کی اصلاح کی ، جو ''تقویم جلالی'' کے نام سے مشہور ہوئی - اس کا سال وفات ۵۱۷ھ مطابق ۱۱۲۳ع ہے -

محمود خوارزمی

علم ہیئت میں اس کی ایک تالیف ''ملخص فی الہیہ'' ہے۔ اس کی وفات ۶۱۸ھ مطابق ۱۲۲۱ء میں ہوئی۔

علم کیمیا

مسلمانوں نے علم کیمیا میں بھی کافی تحقیق کی۔ ذیل کے علماء اس سلسلے میں خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

ابوبکر محمد بن زکریا رازی

آپ مشہور طبیب تھے لیکن علم کیمیا میں بھی متعدد اختراعات ان کی کاوش کا نتیجہ ہیں۔

جابر بن حیان

کہا جاتا ہے کہ امام جعفر صادق کا شاگرد تھا۔ کوفہ میں زندگی گزاری۔ بعض اسے خراسانی اور بعض طوسی کہتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے خیال میں وہ شامی تھا۔ اس کی کیمیا کی کتابوں کی طرف اہل یورپ نے بھی رجوع کیا۔ یہ کتابیں لاطینی میں نویں صدی ہجری مطابق پندھرویں صدی عیسوی میں اور جرمن میں بارھویں صدی ہجری مطابق اٹھارھویں صدی عیسوی میں ترجمہ ہوئیں۔

علم طب

علم طب کی اعلیٰ تعلیم جندی شاپور یونیورسٹی میں دی جاتی تھی، جو ساسانی دور میں نوشیرواں نے قائم کی تھی۔ اکثر لوگ یہاں آکر طب کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ جرجیس بن بخت یشوع یہاں کا فارغ التحصیل عالم طب تھا اور یہیں کے شفاخانہ کا انچارج بھی اسے بنایا گیا۔ خلیفہ منصور نے اسے اپنے ہاں بلا لیا اور طبیب خاص کے عہدے پر فائز کیا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے بھی اس علم میں مہارت پیدا کی اور ایرانی اس میدان میں بھی سبقت لے گئے۔ ایران کے مشہور اطبا کے نام درج ذیل ہیں۔

ابو زکریا یحییٰ

جندی شاپور کے دوا ساز کا بیٹا تھا اور اسی شہر میں پیدا ہوا۔ علم طب بغداد میں پڑھا۔ خلیفہ منصور سے لے کر خلیفہ واثق تک سب کا مقرب خاص بنا۔ یونان کی متعدد کتابیں عربی میں ترجمہ کیں۔ خود بھی کتابیں لکھیں جن میں اہم ترین ''نوادرالطب'' ہے۔

علی بن عباس مجوسی

فن طب کا یہ وہ عالم تھا جس کی شہرت ایشیا اور یورپ میں ہوئی۔ اہواز میں پیدا ہوا۔ باپ اس کا زردشتی مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی اہم ترین تصنیف ''کامل الصناعة الطبیہ'' ہے۔ یہ خلیفہ عضدالدولہ کا طبیب خاص تھا۔

علی بن سہل بن ربان

ابوالحسن علی بن سہل طبرستان کے ایک یہودی کا بیٹا تھا۔ خلیفہ معتصم و متوکل کا طبیب خاص رہا۔ معتصم کی تبلیغ پر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ محمد زکریا رازی نے اس سے طب سیکھا لیکن آخر شاگرد کو اُستاد کی نسبت کہیں زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اس کی تالیفات میں اہم کتاب ''کناش و کتاب حفظ الصحت'' ہے۔

ابو بکر محمد بن زکریا رازی

اپنے زمانے کے مشہور ترین طبیب تھے۔ ری میں پیدا ہوئے۔ تیس سال تک علم موسیقی سیکھا۔ علم طب میں علی بن سہل بن ربان کی شاگردی کی۔ فارغ التحصیل ہوئے تو انھیں ری کے شفاخانے کا انچارج بنا دیا گیا۔ انھیں علم طب میں عالم گیر شہرت حاصل ہوئی۔ ان کی اہم تالیفات ''حاوی'' اور ''منصوری'' ہیں۔ ''منصوری'' کی دس جلدیں ہیں۔ ہر جلد میں مخصوص امراض پر بحث کی گئی ہے۔ یہ کتابیں عبرانی اور لاطینی میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ ان سے اہل یورپ نے بھی استفادہ کیا ہے۔ آپ کی وفات کے متعلق آرا مختلف ہیں۔ بعض لکھتے ہیں کہ بغداد میں فوت ہوئے۔ بعض کا خیال ہے کہ ری میں انتقال کیا۔

عیسیٰ بن یحییٰ

یہ گرگان کا مشہور طبیب تھا، مذہباً عیسائی تھا۔ خراسان میں

طبابت کا پیشہ اختیار کیا ۔ ابن سینا نے علم طب اسی سے سیکھا تھا ۔ اس نے علم طب میں بعض کتابیں تالیف کیں ۔ وفات ۳۹۰ھ مطابق ۹۹۹ع میں ہوئی ۔

عبدالرحمان بن نصراللہ شیرازی

حلب میں طبابت کرتا تھا ۔ اس کی تالیفات مذکورہ ذیل ہیں : ''الایضاح فی اسرار علم النکاح''، ''روضۃ القلوب'' (عشقیہ)، ''خلاصۃ الکلام'' (تفسیر خواب) ۔

علم جغرافیہ

ممالک اسلامی میں محکمہ ڈاک کے افسران اعلیٰ کے پیش نظر دو اہم باتیں ہوتی تھیں ۔ اول یہ کہ دارالخلافہ کے گرد و نواح کا انھیں پورا پورا علم ہو اور دوسرے یہ کہ مراسلات صحیح مقامات پر پہنچائے جائیں ۔ اس لیے یہ ضروری تھا کہ جغرافیائی حالات کا انھیں پورا پورا علم ہو ۔ رفتہ رفتہ جغرافیائی معلومات نے بحیثیت علم بہت ترقی کی ۔ مشہور ایرانی جغرافیہ دانوں کے نام درج ذیل ہیں :

ابن خردادبہ

عبداللہ بن عبداللہ، ابن خردادبہ کے نام سے مشہور ہوا ۔ اس کا دادا مذہباً زردشتی تھا ۔ بالآخر حلقہ بگوش اسلام ہوا ۔ اس کے باپ کو کچھ عرصے کے لیے طبرستان کی حکومت سونپی گئی ۔ عبداللہ بغداد میں پیدا ہوا ۔ بغداد ہی میں اس کی تعلیم ہوئی ۔ یہاں ایک ماہر موسیقی اسحاق موصلی سے ملاقات ہوئی اور اس سے علم موسیقی سیکھا لیکن جس علم میں اس نے کمال حاصل کیا، وہ علم جغرافیہ ہے ۔ اس موضوع پر اس کی مشہور تالیف ''کتاب المسالک و الممالک'' ہے جس کا زمانۂ تالیف ۲۲۹ تا ۲۳۳ھ مطابق ۸۴۳ تا ۸۴۷ع ہے ۔

ابن الفقیہ

مشہور جغرافیہ دان تھا ۔ تیسری صدی ہجری مطابق نویں صدی عیسوی کے آخر میں اس موضوع پر ایک کتاب تالیف کی جو اب ناپید ہے ۔ اس کا خلاصہ علی بن جعفر شیرازی نے کیا ۔

احمد بن سہل بلخی

ابو زید احمد بن سہل بلخی کا شمار مشہور جغرافیہ دانوں میں ہوتا ہے - اس موضوع پر ''صور الاقالیم'' اس کی علمی یادگار ہے - اس کتاب میں نقشے بھی شامل ہیں - وفات ۳۲۲ھ مطابق ۹۳۳ع میں ہوئی -

محمد بن موسیٰ خوارزمی

محمد بن موسیٰ خوارزمی ''صورۃ الارض'' کا مؤلف ہے - اس کا سال وفات ۴۲۷ھ مطابق ۱۰۳۵ع ہے -

زکریا قزوینی

زکریا بن محمد بن محمود قزوین میں پیدا ہوا - ''عجائبات المخلوقات'' اور ''آثار البلاد'' دو مشہور کتابیں تالیف کیں - سال وفات ۶۸۲ھ مطابق ۱۲۸۳ع ہے -

یاقوت بن عبداللہ رومی

اپنے زمانے کا مشہور جغرافیہ دان تھا - یونانی الاصل تھا - مشرق روم میں تولد ہوا - کافی عرصہ سیاحت میں گزارا - اس نے بلخ میں منگولوں کے ہاتھوں بخارا اور سمرقند کی تباہی کا حال سنا تو موصل چلا گیا - حلب میں ۶۲۶ھ مطابق ۱۲۲۸ع میں وفات ہوئی - معجم البلدان ، مشترک ، مراصد الاطلاع ، ارشاد الاریب ، اس کی مشہور تالیفات ہیں -

تیسرا باب

طاہریوں سے غزنویوں تک

(۲۰۵ تا ۵۸۲ھ مطابق ۸۲۰ تا ۱۱۸۶ع)

یوں تو متوکل کے بعد کئی حکومتیں قائم ہوئیں ، جو اپنے اپنے دائرہ عمل میں خود مختار تھیں ، لیکن ہم یہاں صرف ان حکومتوں کا ذکر کریں گے جن کا تعلق ایران سے ہے -

طاہری عہد

(۲۰۵ تا ۲۵۹ھ مطابق ۸۲۰ تا ۸۷۲ع)

طاہری حکومت کا موسس طاہر ذوالیمینین ہے جو ایرانی الاصل تھا - اس کا سال پیدائش ۱۵۹ھ مطابق ۷۷۵ع تھا - ابو سعید عبدالحی بن الضحاک رقم طراز ہے کہ طاہر[1] حسین بن مصعب بن رزیق بن ماہان کا بیٹا تھا - اس کے بزرگ بوشنج میں رہتے تھے جو ہرات سے چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے - طاہر[2] کے والد حسین کو علم و فضل کی بدولت بڑی شہرت حاصل تھی - چنانچہ جب وہ فوت ہوا تو خلیفہ ہارون الرشید اس کے جنازے میں شریک ہوا -

ہارون الرشید کے زمانے میں جب مامون الرشید حاکم خراسان تھا تو اس وقت طاہر بن حسین کو خراسان کی افواج کا سپہ سالار مقرر کیا

۱ - زین الاخبار ، صفحہ ۲ -

۲ - عباس پرویز ، از طاہریان تا مغول : صفحہ ۳ -

گیا اور پھر یہ بھی ذکر آ چکا ہے کہ ۱۹۵ھ مطابق ۸۱۵ع میں امین اور مامون کے مابین جنگ چھڑی تو مامون نے مقابلے کے لیے طاہر کو مامور کیا تھا ۔ اس جنگ میں طاہر کو فتح ہوئی اور اس نے امین کو ، جو مامون کا بڑا بھائی تھا ، موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ بعض روایات کے مطابق طاہر کو اس فتح کے بعد ''ذوالیمینین'' کے لقب سے نوازا گیا ۔ لیکن مصنف زین الاخبار[۱] نے لکھا ہے کہ ''طاہر کو ''ذوالیمینین'' کا لقب دینے کا سبب یہ تھا کہ جب طاہر کو علی بن عیسیٰ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے بھیجا گیا اس وقت دو ستارے سہیل اور شعرائی یمانی وسط السما کے اندر تھے ۔ اس لیے علی بن عیسیٰ پر فتح پانے کے بعد اسے ''ذوالیمینین'' کا لقب ملا ۔ جیسا کہ ذکر آچکا ہے کہ مامون کے بھائی امین کو طاہر نے قتل کیا تھا ۔ اس لیے وہ مامون سے اتنے قرب کے باوجود ہراساں رہتا تھا ۔ ایک دن طاہر مامون کے پاس آیا تو اس نے دیکھا کہ خلیفہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں ۔ طاہر نے وجہ پوچھی تو خلیفہ نے جواب میں کہا ''طاہر ! دنیا میں ہر شخص کو کوئی نہ کوئی غم ہے اور ہر غم ظاہر نہیں کیا جا سکتا ۔ یہ کہہ کر خلیفہ خاموش ہو گیا ۔ طاہر نے اس رنج کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ خلیفہ اکثر یہ کہتا ہے کہ میں جب طاہر کو دیکھتا ہوں ، تو مجھے اپنا بھائی امین یاد آ جاتا ہے ۔ طاہر نے یہ سنا تو خلیفہ سے دور رہنے کے لیے یہ خواہش کی کہ اسے خراسان بھیج دیا جائے ۔ چنانچہ خلیفہ نے ۲۰۵ھ مطابق ۸۲۰ع میں طاہر کو خراسان کی حکومت دے دی ۔ طاہریوں کی حکومت کا آغاز اسی سال سے ہوتا ہے ۔''

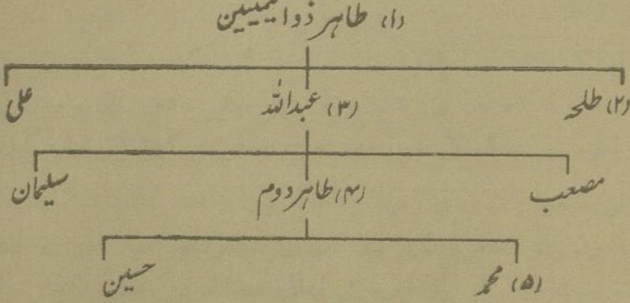
خلیفہ نے اس شرط پر اسے خراسان کی حکومت سونپی تھی کہ وہ ہر سال ایک معینہ رقم بطور خراج خزانہ شاہی میں بھیجے ۔ اس کے ساتھ ہی امور سلطنت کی دیکھ بھال کے لیے اپنے معتمد احمد بن خالد کو بھی متعین کیا ۔ طاہر کچھ عرصہ تو خراج بھیجتا رہا لیکن دفعةً خراج روک لیا اور ''مرو[۲] میں خطبہ دیتے ہوئے مامون کا نام خطبے سے خارج

---

۱ ۔ زین الاخبار ، صفحہ ۵ ، ۶ ۔

۲ ۔ عباس پرویز ، از طاہریان تا مغول ، صفحہ ۷ ۔

آل طاہر


(۱) طاہر ذوالیمینین
(۲) طلحہ
(۳) عبداللہ
علی
مصعب
(۴) طاہر دوم
سلیمان
(۵) محمد
حسین

کر دیا - لیکن یہ اقدام اس کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوا - رات کو وہ سویا تو صبح کو زندہ نہ اٹھ سکا - کہا جاتا ہے اسے رات کے کھانے میں زہر دے دیا گیا تھا -"

طلحہ بن طاہر

طاہر کی وفات پر مامون نے خراسان کی حکومت طاہر کے بیٹے طلحہ کو دے دی تاکہ اس کی دل جوئی ہو سکے - اس نے مامون کے ایک جرنیل حمزہ سے جنگ کی جس میں حمزہ شکست کھا کر مارا گیا -

عبداللہ بن طاہر

مامون کو حمزہ کی ہلاکت کی خبر ملی تو اس نے طلحہ کو حکومت سے محروم کر کے اس کے بھائی عبداللہ بن طاہر کو خراسان کا حکمران بنایا - اس کے زمانے میں طاہریہ خاندان کے محسن مامون الرشید کی وفات ہوئی جس کی بدولت یہ حکومت موروثی ہو گئی تھی - مامون کے بعد معتصم کو خلافت ملی - وہ عبداللہ بن طاہر سے کچھ ایسا خوش نہ تھا لیکن جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے طبرستان میں مازیار بن قارن کی شورش کو اس نے بڑی دلیری اور کامیابی سے فرو کیا تھا - اس لیے خراسان کی حکومت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ رہی -

معتصم کی وفات پر تخت خلافت واثق باللہ کو ملا - اس زمانے میں بھی خراسان کا حاکم عبداللہ بن طاہر تھا - آخر ۲۳۵ھ مطابق ۸۴۹ع میں اس نے وفات پائی -

طاہر بن عبداللہ

واثق کے زمانے میں خراسان کی حکومت عبداللہ کے بیٹے طاہر کے سپرد ہوئی - واثق ۲۳۲ھ مطابق ۸۴۷ع میں فوت ہوا اور خلافت متوکل کو ملی تو اس نے بھی خراسان کی حکومت کا اختیار نامہ طاہر بن عبداللہ کو دیا اور پھر جب متوکل قتل ہوا اور منتصر مسند خلافت پر بیٹھا تو اس نے بھی حکومت کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں رہنے دی - منتصر کے بعد مستعین خلیفہ بنا تو اس کے زمانے میں طاہر نے ۲۴۸ھ مطابق ۸۶۲ع میں وفات پائی -

محمد بن طاہر

طاہر کے بعد خراسان کی حکومت اس کے بیٹے محمد کو ملی - یہ اس خاندان کا آخری حکمران تھا اور طبعاً بڑا عیاش تھا - زیادہ تر وقت لہو و لعب میں گزارتا تھا - حکومت کی طرف اس کی توجہ بہت کم تھی جس کی وجہ سے طبرستان کے علاقے میں بغاوت کا مواد پکنے لگا -

محمد بن طاہر کے زمانے میں مستعین کو خلافت سے محروم ہونا پڑا - اس کی جگہ مہتدی نے مسند خلافت سنبھالی لیکن ایک ہی سال بعد اسے خلافت سے دست بردار ہونا پڑا اور اس کا جانشین معتمد بنا - اس کے عہد میں بھی خراسان میں محمد بن طاہر ہی کی حکومت تھی - اب طبرستان کی شورش روز بروز تیز ہو رہی تھی - محمد بن طاہر کے چچا کے بیٹوں نے حسد اور رقابت کی وجہ سے یعقوب بن لیث صفاری سے ساز باز کرکے اسے خراسان پر حملہ کرنے پر آمادہ کیا - یعقوب موقع کا منتظر تھا - چنانچہ اس نے ۲۵۹ھ مطابق ۸۷۲ع میں خراسان پر حملہ کرکے اسے مسخر کر لیا اور طاہری خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا -

آل طاہر کی علم و فن کی سرپرستی

طاہری خاندان کے حکمران علم دوست اور ہنر پرور تھے - طاہر ذوالیمینین خود شعرا کی حوصلہ افزائی کرتا تھا اور انعامات سے نوازتا تھا - عبداللہ بن طاہر نے بھی شعرا اور ادبا کی دل‌جوئی میں کمی نہ کی - اس کے عہد حکومت میں نیشاپور کا دربار شعرا اور فضلا کا مرجع تھا -

طاہر ذوالیمینین اور عبداللہ بن طاہر ، نہ صرف شعراء اور علما کے قدردان ہی تھے بلکہ خود شعر بھی کہتے تھے - ان کے عربی اشعار تذکروں میں ملتے ہیں ، جو ان کے شعری ذوق اور علم و فضل کی دلیل ہیں -

طاہریوں نے اپنے دور حکومت میں متعدد عمارتیں بنوائیں - ''عمارت شادیاخ'' عبداللہ بن طاہر کی یادگار بتائی جاتی ہے ، جس کی تعریف میں شعرا نے قصیدے کہے تھے[1] -

---

۱ - لباب الالباب ، جلد ۲ ، صفحہ ۵ -

تذکروں سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ فارسی زبان و ادب کی ترویج میں آل طاہر نے کوشش کی یا نہیں ، البتہ یہ پتا چلتا ہے کہ اس دور میں ایسے شعرا ضرور ہوئے ہیں جو فارسی میں شعر کہتے تھے - اس کے علاوہ یہ بھی مسلم ہے کہ طاہریوں نے قدیم ایرانی آداب و رسوم کو پھر سے زندہ کرنے کی جد و جہد کی -

محمد عوفی لکھتے ہیں : ''اگرچہ[1] اس دور میں علما و فضلا کی بہت قدردانی ہوتی تھی لیکن پارسی اور لغت دری کی طرف ان کی مطلقاً توجہ نہ تھی ، اس لیے شعرا نے فارسی شعر کی طرف بہت کم رجوع کیا - البتہ حنظلہ باد غیسی اس دور کا شاعر ہے ، جس کی زبان بہت صاف اور شستہ ہے اور جس کے اشعار میں تازی سریں سنائی دیتی ہیں -

بنی دلف

ابو دلف عجلی خلیفہ عباسی امین کے طرف داروں میں تھا - اس نے علی بن عیسیٰ کی رفاقت میں مامون الرشید کے سپہ سالار طاہر ذوالیمینین سے جنگ کی - علی بن عیسیٰ جنگ میں مارا گیا تو ابو دلف نے ہمدان کی راہ لی - اب طاہر نے اس سے مصالحت کرنے کے لیے اسے مامون کی بیعت کرنے پر آمادہ کرنا چاہا - اس نے جواب دیا کہ میں کسی اور کے ہاتھ پر بیعت کر چکا ہوں لیکن یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر ضرورت پڑی تو میں فریقین میں سے کسی کی حمایت نہیں کروں گا - طاہر اس بات پر رضا مند ہو گیا - ابو دلف نے کرج میں مستقل سکونت اختیار کر لی - جب مامون الرشید ری میں آیا تو ابو دلف کو بلا بھیجا اور اُس کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور کرج اور ہمدان کی حکومت اسے عطا کی - آخر ۲۲۵ھ مطابق ۸۳۹ع میں وہ فوت ہوا تو اس کے بجائے اس کے بیٹے عبدالعزیز نے حکومت سنبھالی - اس نے بالآخر لشکر بغداد سے شکست کھائی اور اس کا خانوادہ اسیر ہو گیا - نیز اس کا بیٹا دلف ۲۶۵ھ مطابق ۸۷۸ع میں قاسم بن مہات کے ہاتھوں اصفہان میں قتل ہوا - دلف کے لواحقین نے قاسم کو ہلاک کرکے دلف کا انتقام لیا اور احمد بن

---

[1] لباب الالباب : جلد ۲ ، صفحہ ۶ -

عبدالعزیز کو حکومت سونپی - احمد نے ۲۸۰ھ مطابق ۸۹۳ع میں وفات پائی اور اس خاندان کی حکومت ختم ہو گئی -

علویان طبرستان

(۲۵۰ تا ۳۱۶ھ مطابق ۸۶۴ تا ۹۲۸ع)

حسن بن زید ، داعیٔ کبیر

(۲۵۰ تا ۲۷۰ھ مطابق ۸۶۴ تا ۸۸۳ع)

طبرستان کے لوگ طاہری حکمرانوں سے خوش نہ تھے - انھوں نے حضرت امام حسن رضؓ کی اولاد میں سے ایک شخص حسن بن زید کو ، جو اس وقت ری میں مقیم تھا ، طبرستان کی حکومت کے لیے دعوت دی - وہ ۲۵۰ھ مطابق ۸۶۴ع میں قصبہ کلار پہنچے - اہل طبرستان نے بنی عباس ، طاہریوں اور صفاریوں سے جنگ کرنے میں حسن بن زید کی پوری پوری مدد کی جس کا نتیجہ حسن بن زید کے حق میں ہوا اور وہ طبرستان ، دیلم اور گرگان میں علوی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے - آپ نے داعیٔ کبیر کا لقب اختیار کیا -

محمد بن زید داعی

(۲۷۰ تا ۲۸۷ھ مطابق ۸۸۳ تا ۹۰۰ع)

حسن بن زید کی وفات پر ان کا بھائی محمد بن زید تخت نشین ہوا جو آخر سترہ سال حکومت کرنے کے بعد امیر اسماعیل سامانی سے جنگ کرتے ہوئے مارا گیا -

حسن بن علی ناصر کبیر

(۳۰۱ تا ۳۰۴ھ مطابق ۹۱۳ تا ۹۱۶ع)

۲۸۷ تا ۳۰۱ھ مطابق ۹۰۰ تا ۹۱۳ع میں طبرستان پر سامانیوں کا قبضہ ہو گیا - ۳۰۱ھ میں حسن بن علی ، ناصر کبیر طبرستان میں پھر علوی حکومت کرنے میں کامیاب ہو گیا - اس کی حکومت کا عرصہ تین سال ہے -

حسن بن قاسم داعی صغیر

(۳۰۴ تا ۳۱۶ھ ۹۱۶ تا ۹۲۸ع)

حسن بن علی کی وفات پر اسی خانوادے کا ایک فرد حسن بن قاسم تخت نشین ہوا - لیکن آخر یہ سامانیوں کے ہاتھوں مارا گیا اور علویوں کی حکومت ختم ہو گئی -

صفاری عہد

(۲۵۳ تا ۲۹۶ھ مطابق ۸٦۷ تا ۹۰۸ع)

عہد صفاریان کا موسس یعقوب بن لیث تھا - اس نے ۸۷۲ع میں خراسان فتح کرکے طاہریوں کی حکومت ختم کی - یہ ذات کا ٹھٹھیرا تھا - اس نے شروع شروع میں گزر بسر کے لیے آبائی پیشہ اختیار کیا - بقول ضحاک گردیزی ، ''اس[۱] پیشے سے یعقوب کو پندرہ درم ماہانہ دستیاب ہوتے تھے - وہ بلند ہمت اور عالی طبع نوجوان تھا - چنانچہ اس قسم کی زندگی پر مطمئن نہ رہ سکتا تھا - اس نے اپنے پیشے کو خیر باد کہہ کر رہزنی کو اپنا مشغلہ بنا لیا - کچھ اور لوگ بھی اس کے ساتھ مل گئے اور راہزنوں کا مضبوط جتھا تیار ہو گیا - یہ لوگ متمول لوگوں کو لوٹتے اور غربا کی مدد کرتے تھے ، جس سے یعقوب کو عوام میں بڑی مقبولیت حاصل تھی -''

یعقوب کی حاکم سیستان کے ساتھ ملاقات

اسی زمانے میں خارجی فرقہ کے لوگوں نے خراسان میں شورش بپا کی - خلیفہ نے اہل شورش کی سر کوبی کے لیے سیستان کے حاکم صالح بن نصر کو مامور کیا - یعقوب اور اس کا بھائی عمرو ، جنھیں ترقی اور سر بلندی حاصل کرنے کی امنگ تھی ، صالح کے پاس آئے - صالح ان کے ساتھ کمال مہربانی کے ساتھ پیش آیا اور انھیں اپنی مہم میں شامل کر لیا - صالح خارجیوں کی شورش کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گیا ، جس سے اُسے بہت شہرت حاصل ہوئی - ساتھ ہی یعقوب اور عمرو کی شجاعت کا بھی چرچا ہوا -

---

۱ - زین الاخبار ، صفحہ ۱۷ -

یعقوب کے بڑھتے ہوئے قدم

صالح فوت ہوا تو خلیفہ نے درہم بن الحسین کو سیستان کی حکومت پر فائز کیا - درہم کمزور اور نا اہل شخص تھا - اس کے برعکس یعقوب اپنے ارادے کا مالک تھا - عوام میں اسے مقبولیت بھی حاصل تھی - چنانچہ لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے اور روز بروز اس کے حامیوں کی تعداد بڑھتی گئی ، یہاں تک کہ درہم کی فوج کے سپاہی بھی اس کے پاس آنے جانے لگے - ساتھیوں کی مدد سے یعقوب نے ۲۵۳ھ مطابق ۸۶۷ع میں سیستان پر حملہ کیا اور درہم کو شکست دے کر سیستان پر قابض ہو گیا - اسی سال ہرات بھی فتح کیا - اس کے بعد یعقوب نے کابل کا رخ کیا جہاں کا حکمران رتبیل نامی ایک بدھ تھا - رتبیل کو اس نے حیلہ و تدبیر سے ٹھکانے لگا دیا - عوفی نے اس کی سرگزشت یوں لکھی ہے : ''یعقوب نے اپنی فوج کا جائزہ لیا تو فوج کچھ کم معلوم ہوئی - اس لیے حیلہ و تدبیر سے کام لینا چاہا - لشکر لے کر کابل کے قرب و جوار میں پہنچا تو ایلچی کے ذریعے رتبیل کو یہ پیغام پہنچایا ، میں نے ارادہ کیا ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں اور بقیہ زندگی آپ ہی کی خدمت میں بسر کروں - اس سے پہلے یعقوب کابل پر گاہے بہ گاہے حملے کیا کرتا تھا - رتبیل اس کی آئے دن کی لوٹ مار سے سخت پریشان تھا - اب جو یعقوب کی طرف سے اطاعت کا اظہار ہوا تو اسے اطمینان ہو گیا - اس نے یعقوب کو بلا بھیجا - یعقوب تین ہزار جاں نثاروں کے ہمراہ کابل پہنچ گیا - ساتھیوں نے قباؤں کے نیچے زرہ بکتر پہن رکھے تھے - مناسب وقت دیکھ کر یہ لوگ اہل کابل پر ٹوٹ پڑے - رتبیل مارا گیا اور اس کا لشکر منتشر ہو گیا -''

حمداللہ مستوفی[1] نے بھی کچھ اسی طرح سے بیان کیا ہے - کابل سے واپسی پر ۲۵۳ھ مطابق ۸۶۷ع میں یعقوب نے ہوشنج اور ہرات کے علاقے فتح کیے - پھر کرمان کو مسخر کرکے فارس کی طرف بڑھا اور اسے بھی زیر نگیں کیا - اس پر بھی اس کے فتح مند قدم نہ رکے - اب

---

۱ - تاریخ گزیدہ ، صفحہ ۳۷۴ -

وہ گردیز کی جانب بڑھا - حاکم گردیز ابو منصور نے دس ہزار درم سالانہ ادا کرنے کی پیشکش کرکے صلح کر لی - یہاں سے یعقوب بن لیث ۲۵۶ھ مطابق ۸۶۹ع میں بلخ کی طرف بڑھا اور بامیان کو مسخر کر لیا - پھر خبر ملی کہ خارجیوں نے بغاوت کرکے ایک محکم ترین قلعہ کروخ پر قبضہ کر لیا ہے جو ہرات سے دس میل کے فاصلے پر واقع ہے - پھر یعقوب ۲۵۷ھ مطابق ۸۷۰ع میں لشکر جرار لے کر کروخ پہنچا - اس نے خارجیوں سے جنگ کی - ان کا سردار اسیر ہو گیا اور اس کے اکثر ساتھی لقمۂ تیغ ہوئے - یعقوب اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد سیستان واپس آ گیا -

خراسان کی تسخیر

یعقوب کے خراسان پر حملہ کرنے کا ذکر پہلے آ چکا ہے ، اس کی مختصر سرگزشت یہ ہے - یعقوب نے آل طاہر کے حکمران محمد بن طاہر سے رابطہ قائم کرنا چاہا لیکن محمد بن طاہر نے اس سے ملنا گوارا نہ کیا اور اس نے بقول گردیزی[۱] اپنے ایلچی ابراہیم بن صالح مروزی کے ذریعے کہلا بھیجا ، اگر تم امیر المومنین کی طرف سے آئے ہو تو فرمان دکھاؤ تاکہ میں خراسان کی حکومت تمھیں سونپ دوں ورنہ واپس چلے جاؤ - ایلچی نے یعقوب کو پیغام پہنچایا جو نماز ادا کرکے مصلے پر بیٹھا ہوا تھا - اس نے دفعةً مصلے کے نیچے سے تلوار نکال کر کہا ، یہ ہے فرمان اور نشان ! آخر یعقوب نے نیشاپور پر حملہ کیا - محمد بن طاہر اسیر ہو گیا اور خزانہ اس کا یعقوب کے تصرف میں آ گیا - محمد کی گرفتاری ۲۵۹ھ مطابق ۸۷۲ع میں ہوئی جس پر آل طاہر کی حکومت ختم ہو گئی - اس کا خلیفہ معتمد کو افسوس ہوا -

حکومت کو تسلیم کرانے کی کوشش

خلیفہ کی حکومت اگرچہ کمزور تھی لیکن جو نئی اسلامی حکومتیں قائم ہوتیں ان کے سربراہ چاہتے تھے کہ خلیفہ سے حکومت تسلیم کرا کر خلافت سے تعلق برقرار رکھیں - چنانچہ فتوحات کے بعد یعقوب نے

---

۲ - بحوالہ عباس پرویز : از طاہریان تا مغول : ص ۲۳ -

خلیفہ معتمد کے نام اس مضمون کا مراسلہ لکھا کہ اہل خراسان کی خواہش ہے کہ میں اس سرزمین پر حکومت قائم کروں ۔ مجھے اس امر کا اختیار دے دیا جائے۔ خلیفہ کو اس کے بے باکانہ اقدامات پر سخت غصہ تھا لہذا اس نے اپنے بھائی سے کہا کہ تہدید آمیز مراسلہ یعقوب کو لکھا جائے۔

خلیفہ معتمد ، یعقوب کی بڑھتی ہوئی فتوحات سے سخت پریشان تھا ۔ کوئی طاقتور فوج بھی ایسی نہ تھی جس پر بھروسا کرکے ایک بے باک دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ اس لیے مناسب یہ سمجھا گیا کہ اس کے خلاف علما سے کفر کے فتوے حاصل کیے جائیں ۔ لیکن ان فتووں کا بھی یعقوب پر کوئی اثر نہ ہوا ۔ ناچار خلیفہ اس بات پر رضامند ہو گیا کہ خراسان ، جرجان ، ری اور فارس کی حکومت اس شرط پر اسے دے دی جائے کہ وہ خلافت عباسیہ کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرے ۔ یعقوب خلافت سے وابستہ تو رہنا چاہتا تھا لیکن خلافت کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا ۔ آخر یعقوب نے خلیفہ کے ساتھ جنگ کی تیاری شروع کر دی اور بغداد پر چڑھائی کا ارادہ کیا ۔ خلیفہ کا بھائی موفق بغداد سے فوج فراہم کرکے اہواز کی طرف آیا اور بقول حمد اللہ مستوفی حلوان کے مقام پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا جس میں یعقوب نے فوق العادۃ بہادری کے مظاہرے کے باوجود شکست کھائی ۔ لیکن اس کی ہمت نے ہار ماننا سیکھا ہی نہ تھا ۔ چنانچہ شیراز میں کچھ عرصہ قیام کرکے تازہ دم لشکر فراہم کرنے میں مصروف ہوگیا ۔ مگر زندگی نے مہلت نہ دی اور اسی سال یعنی ۲۶۵ھ مطابق ۸۷۸ع میں درد قولنج میں مبتلا رہ کر دنیا سے کوچ کر گیا ۔

یعقوب کی زندگی کا آخری واقعہ ، جس میں اس کی زندگی کی آخری حسرت جھلکتی نظر آتی ہے ، یہاں بیان کرنا دل چسپی سے خالی نہ ہوگا ۔

اگر زندہ رہا تو تلوار فیصلہ کرے گی

کہا جاتا ہے کہ جس وقت یعقوب بن لیث صاحب فراش تھا خلیفہ معتمد اپنی فتح کے باوجود فکرمند تھا ۔ اس نے اپنے دشمن کے ساتھ دوستانہ روابط پیدا کرنے کے لیے اپنے ایلچی کے ہاتھ خراسان اور

فارس وغیرہ علاقوں کی حکومت کا اختیار نامہ اسے بھیج دیا ۔ ایلچی یعقوب کے پاس پہنچا تو اس کے بستر پر خشک روٹی اور پیاز کا ٹکڑا پڑا تھا ۔ یہ اس کے ناشتے کے لیے لایا گیا تھا ۔ ایلچی نے خلیفہ معتمد کا فرمان اس کو دیا تو وہ[1] بولا ''خلیفہ سے کہو میں اس وقت صاحب فراش ہوں ۔ ممکن ہے جاں بر نہ ہو سکوں ۔ اس صورت میں تم مجھ سے خلاصی پا لو گے لیکن اگر زندہ رہا تو میرے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی ۔ تم اگر غالب آگئے تو نان اور پیاز تو میری خوراک ہے ہی ۔'' ایلچی نے جواب سن کر بغداد کی راہ لی ۔ ابھی وہ بغداد نہیں پہنچا تھا کہ یعقوب نے اسی بستر پر دم توڑ دیا ۔

ذکر فارسی یعقوب کے عہد میں

یعقوب بن لیث محب وطن ایرانی تھا ۔ ایرانی تمدن کو زندہ کرنے کی اس نے کوشش کی ۔ بہ ظاہر اس نے فارسی کی ترویج کے لیے تو کوئی اقدام نہ کیا لیکن اس قدر پتا چلتا ہے کہ وہ فارسی شعر کا ذوق ضرور رکھتا تھا ۔ دولت شاہ[2] لکھتا ہے : ''یعقوب اپنے چھوٹے بیٹے کو بہت پیار کرتا تھا ۔ عید نو روز کے موقع پر وہ اپنے ہم جولیوں سے اخروٹ کھیل رہا تھا ۔ یعقوب اس گڑھے کے قریب پہنچا جو کھیل کے لیے زمین میں کھودا گیا تھا ۔ یہاں وہ کھیل دیکھنے کے لیے رک گیا ۔ اس کے بیٹے نے اخروٹ پھینکے ۔ سات اخروٹ گڑھے میں جا پڑے ایک گڑھے سے باہر نکل گیا ۔ امیر زادہ کو افسوس ہوا لیکن لمحہ بھر کے بعد وہ اخروٹ بھی لوٹ کر گڑھے میں آ گرا ۔ امیر زادہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی ۔ اسی عالم میں اس کی زبان سے نکلا ۔

غلطان غلطان ہمی رود تا لب گو

امیر یعقوب کو یہ موزوں جملہ پسند آیا ۔ وزرا کو بلوا کر انہیں سنایا اور کہا ، اس میں مصرعے کی سی شان پائی جاتی ہے ۔ اس پر ابو دلف عجلی اور ابن الکعب نے اس کی تقطیع کی تو اسے بحر ہزج میں پایا ۔ تین مصرعے اس کے ساتھ شامل کرکے دو بیتی نام رکھا ۔''

۱۔ عباس پرویز : از طاہریہ تا مغول : ص ۲۵ ۔

۲۔ تذکرۃ الشعرا : ص ۳۰ ۔

عمرو لیث

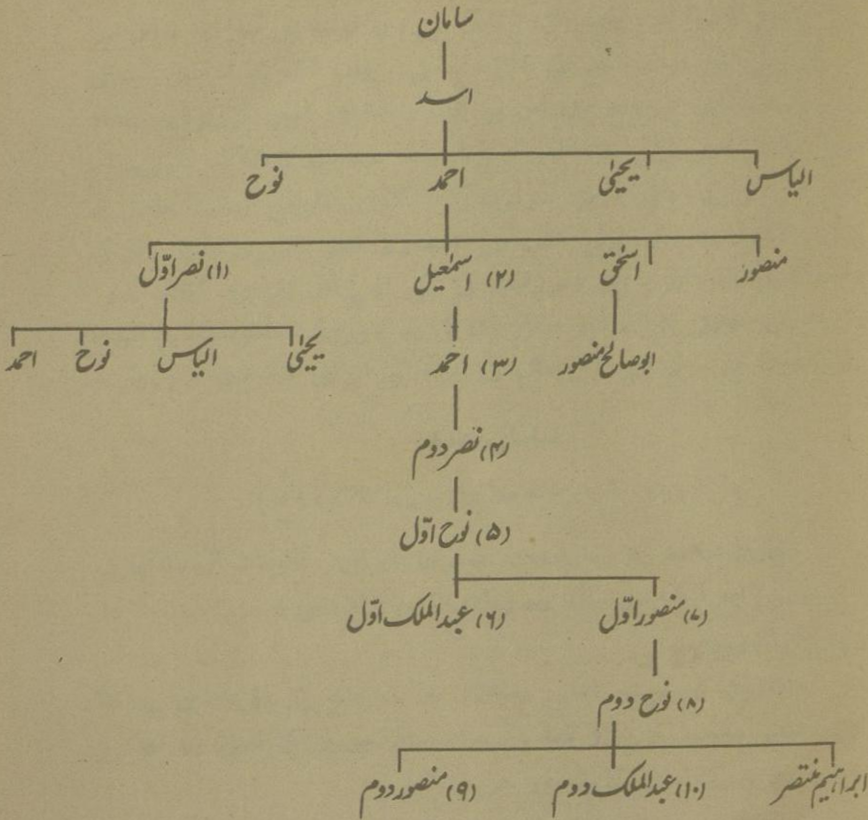
(۲۶۵ تا ۲۹۰ھ مطابق ۸۷۸ تا ۹۰۲ع)

عمرو لیث ، یعقوب کا چھوٹا بھائی تھا ۔ بھائی کی وفات پر اس نے خلیفہ سے مصالحت کر لی اور اسے خراسان اور آس پاس کے علاقوں میں خلیفہ کے نائب کی حیثیت مل گئی ۔ آخر کسی وجہ سے خلیفہ نے ناراض ہو کر عمرو کو خراسان کی حکومت سے الگ کر دیا اور اس کے بجائے رافع بن ہرثامہ کو حاکم خراسان بنایا ۔ لیکن عمرو خراسان کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا ۔ وہ اپنی فوج لے کر رافع کے مقابلے کو آیا لیکن شکست کھا کر سیستان کی طرف نکل گیا ۔ آخر ۲۷۹ھ مطابق ۸۹۲ع میں معتضد تخت نشیں ہوا تو اس نے خراسان کی حکومت پھر عمرو لیث ہی کو سونپ دی ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ معتضد رافع بن ہرثامہ اور اسماعیل سامانی حاکم ماوراءالنہر دونوں کو اپنا دشمن سمجھتا تھا اور چاہتا تھا کہ عمرو لیث اپنی فوج کو منظم کرکے اس کے دونوں دشمنوں سے دو دو ہاتھ کرے ۔ عمرو نے ۲۸۳ھ مطابق ۸۹۶ع میں نیشاپور میں حکومت سنبھالی اور رافع کے ساتھ جنگ کرکے اسے ٹھکانے لگا دیا اور اس کا سر کاٹ کر بغداد بھجوا دیا ۔ اس فتح سے سرشار ہو کر اس نے خلیفہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اسماعیل سامانی کو ماوراءالنہر ی حکومت سے الگ کر دے ۔ چنانچہ خلیفہ نے عمرو کو اسماعیل کے خلاف لشکر کشی کے لیے بھیجا لیکن وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا ۔ اسماعیل سے جنگ کرتے ہوئے اسیر ہو گیا اور ۲۹۰ھ مطابق ۹۰۲ع میں موت کے گھاٹ آتار دیا گیا ۔

عمرو لیث کی سیرت

عمرو لیث صاحب تدبیر حکمران تھا ۔ خراسان میں اس نے بڑی دانش مندی سے حکومت کی ۔ وہ شعر دوست اور شاعر نواز بھی تھا ۔ اس کے زمانے کے مشہور شاعر فیروز مشرقی اور ابو سلیک گرگانی تھے جن کا قدیم تذکرہ نویس عوفی نے لباب الالباب میں ذکر کیا ہے ۔

آل سامان



سامان
اسد
الیاس
یحیٰی
احمد
نوح
منصور
اسحق
(۲) اسمٰعیل
(۱) نصر اوّل
ابوصالح منصور
(۳) احمد
یحیٰی
الیاس
نوح
احمد
(۴) نصر دوم
(۵) نوح اوّل
(۷) منصور اوّل
(۶) عبدالملک اوّل
(۸) نوح دوم
ابراہیم منتصر
(۱۰) عبدالملک دوم
(۹) منصور دوم

عمرو لیث کے جانشین

عمرو کا بیٹا محمد ، باپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا ، اس لیے اس کے بیٹے طاہر کو سیستان کی حکومت ملی ، یہاں تک کہ اسماعیل سامانی نے ۲۹۶ھ مطابق ۹۰۸ع میں اس پر غلبہ پا لیا اور اسیر کر کے اسے بغداد بھیج دیا ۔ طاہر کے بعد اس کا بیٹا احمد سیستان کا حاکم مقرر ہوا ۔ احمد اور اس کے باپ طاہر دونوں کو کوئی تاریخی اہمیت حاصل نہ ہوئی ۔ البتہ احمد کے بیٹے خلف بن احمد نے کچھ ناموری پائی ۔ اس کی والدہ کا نام بانو تھا ، جو عمرولیث کی بیٹی تھی اس لیے وہ 'خلف بانو' کے نام سے مشہور ہوا ۔ آخر صفاریوں کی یہ موروثی حکومت سامانیوں کے ہاتھوں ختم ہوئی اور آل سامان کی ایک نئی ایرانی حکومت قائم ہوئی ۔

سامانی عہد

(۲٦۱ تا ۳۸۹ھ مطابق ۸۷۴ تا ۹۹۸ع)

خلفائے عباسیہ کے زمانے میں تیسری ایرانی حکومت آل سامان کی قائم ہوئی ، جو ایک سو سال سے زیادہ عرصہ قائم رہی ۔

سامانیوں کا مورث اعلیٰ

سامانیوں کا مورث اعلیٰ سامان تھا جو بلخ کے رؤسا میں سے تھا اور زردشتی مذہب کا پیرو تھا ۔ یہ[1] بہرام چوبین کی نسل سے تھا جو خسرو پرویز کے زمانے کا مشہور جرنیل تھا ۔

سامان کو بعض اختلافات کی بنا پر اہل بلخ نے وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا ۔ اس نے خلیفہ مہدی کے زمانے میں حاکم خراسان اسد بن عبداللہ کے دربار میں حاضر ہو کر شکایت پیش کی ۔ اسد نے کچھ اس طرح سامان اور امرائے بلخ کے اختلافات دور کرائے کہ سامان کا وطن میں رہنا ممکن ہو گیا ۔ وہ ایک مسلمان حاکم کی داد رسی سے اس قدر متاثر ہوا کہ قدیمی مذہب ترک کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا اور اپنے محسن کے نام پر اپنے بیٹے کا نام اسد رکھا ۔

---

۱ - تاریخ گزیدہ ، صفحہ ۳۷۹ -

دربار خلافت سے آل سامان کی وابستگی

سامان کے بیٹے اسد کے چار بیٹے تھے ، نوح ، احمد ، یحییٰ اور الیاس ۔ احمد حسن سیرت کی وجہ سے بہت مشہور تھا ۔ یہ سب اپنی قابلیت کی وجہ سے ہارون الرشید کے عہد میں دربار خلافت سے وابستہ ہوئے ۔ انہوں نے رافع کی بغاوت کو فرو کرنے میں گراں قدر خدمات انجام دیں ۔ مامون الرشید نے مخلصانہ کارکردگی کے صلے میں سمرقند ، فرغانہ ، شاش اور ہرات کی حکومتیں ان کو دے دیں ۔ سمرقند میں احمد کی حکومت تھی ۔ احمد فوت ہوا تو ۲۵۰ھ مطابق ۸۶۴ع میں سمرقند کی حکومت اس کے بڑے بیٹے نصر کو سونپی گئی اور ۲۶۱ھ مطابق ۸۷۴ع تک جیحون پار کے تمام علاقے نصر اور اس کے بھائی اسماعیل کے تسلط میں آ گئے ۔ اسی سال سے سامانی حکومت کا آغاز ہوا ۔

نصر اور اسماعیل کے مابین کشمکش

ماوراءالنہر میں دونوں بھائیوں کے مابین زیادہ دیر اتحاد برقرار نہ رہ سکا ۔ اسماعیل کو اپنی فوجی صلاحیتوں پر فخر تھا اور نصر کو ماوراءالنہر کا امیر ہونے پر ناز تھا ۔ دونوں نے اقتدار کی غرض سے جنگ لڑنے کی تیاری شروع کر دی ۔ آخر طاقت آزمائی ہوئی جس میں اسماعیل فتح یاب ہوا لیکن اس نے کمال مروت سے کام لے کر نصر کو اجازت دے دی کہ زندگی بھر ماوراءالنہر کی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھے ۔

اسماعیل کی حکومت

(۲۷۹ تا ۲۹۵ھ مطابق ۸۹۲ تا ۹۰۷ع)

نصر سامانی کی وفات پر اسماعیل نے ۲۷۹ھ مطابق ۸۹۲ع میں ماوراءالنہر کی حکومت سنبھالی اور آس پاس کے علاقوں کو فتح کرکے ایک مضبوط سلطنت قائم کر لی ۔ اسماعیل کے عہد کو اگر سامانی خاندان کے عروج کا زمانہ کہا جائے تو درست ہوگا ۔

اسماعیل کی پہلی جنگ طراز میں ہوئی ، جہاں عیسائیوں کی حکومت تھی ۔ اس میں اسے کامیابی ہوئی ۔ حاکم طراز نے اسلام قبول کر لیا اور اہل طراز بھی رفتہ رفتہ اپنے سردار کی پیروی کرتے ہوئے حلقہ بگوش

اسلام ہونے لگے ادھر عمرو لیث کو ٹھکانے لگانے کے صلے میں خلیفہ نے اسماعیل کا حلقہ اقتدار اور بڑھا دیا۔ آخر خراسان، ترکستان، سندھ، اور گورگان تک اس کی سلطنت پھیل گئی۔

بخارا کی اہمیت

اسماعیل نے بخارا کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور یہاں اس نے ایک مضبوط قلعہ تعمیر کروایا۔ اسماعیل علمی ذوق رکھتا تھا۔ اس لیے اس کے دربار میں مورخ، شاعر اور فقیہ سبھی جمع تھے۔ ان کی قدر و منزلت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہوتا تھا۔ محدثوں، مفسروں اور فقیہوں کے الگ درس ہوتے تھے۔ بخارا علم و فضل کا مرکز بن گیا تھا اور لوگ تحصیل علم کے شوق میں دور دور سے کھنچے چلے آتے تھے۔ اسماعیل کے عہد حکومت میں جس شخص نے اہم خدمات انجام دیں وہ ابوالفضل بلعمی ہے جو اسماعیل کا وزیر تھا۔

احمد بن اسماعیل

(۲۹۵ تا ۳۰۱ھ مطابق ۹۰۷ تا ۹۱۳ع)

اسماعیل کی وفات (۲۹۵ھ مطابق ۹۰۷ع) کے بعد اس کا بیٹا احمد اس وسیع علاقے کا حکمران بنا لیکن باپ کی کوئی خوبی اس میں نہ تھی۔ وہ مختصر اور بدنام سی حکمرانی کے بعد ۳۰۱ھ مطابق ۹۱۳ع میں قتل ہوا۔

نصر بن احمد

(۳۰۱ تا ۳۳۱ھ مطابق ۹۱۳ تا ۹۴۲ع)

احمد کے قتل کے بعد اس کا آٹھ سالہ بیٹا نصر تخت نشین ہوا۔ اس بادشاہ کی مدت حکومت تیس سال اور تین ماہ تھی۔ اس کے متعلق ابوالفضل بیہقی نے لکھا ہے[1]: ''میں نے آل سامان کے تذکروں میں پڑھا ہے کہ احمد کو جب شکار گاہ میں قتل کیا گیا تو دوسرے دن نصر بن احمد کو تخت نشین کیا گیا جس کی عمر آٹھ سال کی تھی۔

۱۔ تاریخ بیہقی، صفحہ ۱۰۱، ۱۰۲۔

اس نے جوانی میں امور مملکت کو نہایت دانش مندی سے چلایا لیکن شروع شروع میں وہ بہت بدمزاج تھا۔ اس کی ہیبت اور سطوت سے لوگ ڈرتے تھے۔ اس کے احکام بڑے جابرانہ ہوتے تھے۔ بعد میں مصاحبوں کی تلقین سے اس نے نرم روی اختیار کی۔"

نصر نے ری، قم اور اصفہان کے علاقے مسخر کرکے اپنی مملکت کو اور بھی وسیع کیا۔ بخارا میں تعلیمی اور تصنیفی سرگرمیاں تیز تر ہوگئیں۔ ثقافت کے اعتبار سے بخارا کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی۔ اس عہد میں سامانی شان و شوکت اپنے عروج پر تھی۔ یکتائے زمانہ دانش مند یہاں جمع تھے۔ حکومت علم و فضل کی ترویج کے لیے ہر طرح سے حوصلہ افزائی کرتی تھی۔ بخارا کے گلی کوچوں میں فقیہانہ درس کے حلقے قائم تھے جہاں اندرون و بیرون ملک سے شائقین علم و ادب استفادہ کے لیے آتے تھے۔ متعدد ادیب اور شاعر دربار سامانی سے وابستہ تھے۔ رودکی، جسے فارسی شاعری کا آدم سمجھا جاتا ہے، اسی دربار کا عظیم شاعر تھا۔

نوح بن نصر

(۳۳۱ تا ۳۴۳ھ مطابق ۹۴۲ تا ۹۵۴ء)

نصر کے بعد نوح بن نصر تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانے میں سامانی عہد کو زوال آنا شروع ہوا۔ نوح اور اس کے جانشینوں نے ترک غلاموں کو بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کیا اور رفتہ رفتہ انھی کے زیر اثر آگئے۔ نوح بن نصر کے زمانے میں متعدد بغاوتیں ہوئیں جنھیں فرو کر دیا گیا۔ اسی طرح کی ایک بغاوت ابو علی چغانی نے کی جس کے سر میں خراسان کی حکومت کا سودا سمایا ہوا تھا۔ اس نے نوح بن نصر کے چچا ابراہیم کے ساتھ ساز باز کی اور لشکر کثیر لے کر نیشاپور کی طرف پیش قدمی کی لیکن اسے منہ کی کھانی پڑی۔ ابراہیم نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور آخر نوح سے پناہ مانگی جو اس نے از راہ لطف قبول کرلی۔

نوح کے زمانے میں دعوئ مہدویت

نوح کے زمانے کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ چغانیاں کے قریب باش زارہ میں ایک شخص نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ ۳۳۲ھ

مطابق ۹۴۳ع میں اس نے عقیدت مندوں کی خاصی بڑی تعداد اپنے اردگرد جمع کر لی - وہ[1] انھیں طرح طرح کے کرشمے دکھاتا، جن کی حیثیت محض فریب نظر کی ہوتی تھی - مثلاً حوض سے چلو بھر پانی لیتا تو اس کی مٹھی دیناروں سے بھر جاتی - اس کے دسترخوان سے بہت سے لوگ کھانا کھاتے لیکن کھانا کم نہ ہوتا - اس کے پیالے سے بہت سے لوگ پانی لیتے لیکن پیالہ خالی نہ ہوتا - اس کے عقیدت مندوں میں ہر ایک روزانہ ایک کھجور کھاتا اور اس کا پیٹ بھر جاتا - وہ خود صاحب شمشیر تھا اس لیے اس نے اپنے گرد و پیش ایسے لوگ بھی جمع کر لیے تھے جو فوج کا کام دے سکیں - نوح بن نصر کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے سپہ سالار ابو علی کو اس کی سرزنش کے لیے بھیجا - لشکر لے کر اس نے مہدویت کے دعوے دار کے صدر مقام کی طرف پیش قدمی کی اور ایک پہاڑ کے دامن میں اسے اسیر کرکے لقمۂ شمشیر بنا دیا -

عبدالملک بن نوح

(۳۴۳ھ تا ۳۵۰ مطابق ۹۵۴ تا ۹۶۱ع)

نوح بن نصر فوت ہوا تو عبدالملک ۳۴۳ھ مطابق ۹۵۴ع میں تخت حکومت پر بیٹھا - اس نے بھی باپ کے نقش قدم پر چل کر ترک غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دیے - انھی میں الپتگین بھی تھا جسے اس نے فوجوں کا سالار کل بنایا - اس کے عہد کی ایک اہم بات یہ ہے کہ اس نے حکومت کا منصب وزارت ابو علی محمد بن محمد بلعمی کے سپرد کیا جو اس زمانے کا مشہور دانش مند تھا - تاریخ طبری کا فارسی میں اسی نے ترجمہ کیا تھا - گردیزی نے لکھا ہے کہ الپتگین[2] اور ابو علی بلعمی کے مراسم بہت گہرے تھے - بلعمی کوئی کام الپتگین کے مشورے کے بغیر نہیں کرتا تھا -

عبدالملک کی وفات

ایک مرتبہ عبدالملک خراسان کے دورے پر آیا - یہاں الپتگین نے

---

۱ - عباس پرویز، از طاہریان تا مغول، صفحہ ۸۲، ۸۳ -

۲ - زین الاخبار، صفحہ ۴۳ -

کچھ تحفے تحائف بھیجے جن میں گھوڑے بھی تھے - عبدالملک کو چوگان بازی کا بہت شوق تھا - ایک دن آزمائش کے لیے ایک گھوڑا منگوایا - عبدالملک گھوڑے پر سوار ہوا - تیز دوڑتے ہوئے گھوڑے نے ناخن لیا جس سے عبدالملک نیچے آگرا اور گرتے ہی ہلاک ہوگیا - یہ واقعہ ۳۵۰ھ مطابق ۹۶۱ع کا ہے -

عبدالملک شعر فہم اور شاعر دوست حکمران تھا - اکثر شعرا نے فارسی میں اس کے قصیدے کہے - محمد عوفی[1] نے اپنے تذکرے میں ان قصائد کے منتخب اشعار درج کیے ہیں -

منصور بن نوح

(۳۵۰ تا ۳۶۶ھ مطابق ۹۶۱ تا ۹۷۶ع)

عبدالملک کی وفات پر تخت نشینی کے مسئلے پر آرا مختلف تھیں - الپتگین ، عبدالملک کے بڑے بیٹے کے حق میں تھا لیکن اُمرائے سلطنت عبدالملک کے بھائی منصور بن نوح کو تخت و تاج کا اہل سمجھتے تھے - خود بلعمی بھی اس کے حق میں تھا - الپتگین نے اپنا خاص ایلچی بھیج کر کوشش کی کہ عبدالملک کے بیٹے ہی کو تخت نشین کیا جائے لیکن اُسے کامیابی نہ ہوئی - بلعمی کو خدشہ تھا کہ الپتگین کی خواہش پوری نہ ہونے کی وجہ سے وہ بغاوت کا علم بلند کرکے مقابلے میں ضرور آئے گا اس لیے اس نے حفظ ماتقدم کے خیال سے الپتگین کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے اپنا لشکر بھیج دیا - الپتگین نے فوج کشی کی خبر سنتے ہی نیشاپور کو خالی کر دیا اور پیرووں کو ساتھ لے کر بلخ کی طرف روانہ ہوگیا - وہاں سے غزنی کا رخ کیا جہاں وہ آزاد حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا -

منصور بن نوح نے عراق اور فارس کے دیلمی حکمرانوں سے خراج وصول کرکے سامانی حکومت کے وقار کو بحال کیا - اس کے زمانے کی ایک بڑی یادگار یہ ہے کہ تفسیر طبری کا ترجمہ عربی سے فارسی میں کیا گیا - تذکروں سے پتا چلتا ہے کہ یہ ترجمہ ۳۵۰ تا ۳۶۵ھ مطابق ۹۶۱ تا ۹۷۵ع میں ہوا - اس زمانے میں ایک اور فارسی کتاب لکھی

---

۱ - لباب الالباب ، جلد ثانی ، صفحہ ۱۶ -

گئی تھی جس کا نام ''الابنیہ عن الحقائق الادویہ'' ہے - یہ کتاب منصور موفق بن علی الہروی کی تالیف ہے -

نوح بن منصور

(۳۶۶ تا ۳۸۷ھ مطابق ۹۷۶ تا ۹۹۷ع)

منصور کے بعد نوح بن منصور تخت نشین ہوا - لیکن اسے شروع میں ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا - امرائے سلطنت نے اس سے بے وفائی کی اور ترک حکمران بغرا خان کو بخارا پر حملہ کرنے کی دعوت دی - بغرا خان نے موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنے دارالسلطنت کاشغر سے چل کر بخارا پر حملہ آور ہوا - نوح فرار ہو گیا - بغرا خان نے بخارا کو فتح کر لیا - لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا اور وہ یہاں اپنی حکومت قائم نہ کر سکا - نوح نے بغرا خاں کی وفات کی خبر سنی تو بخارا واپس آ گیا - امرائے سلطنت جنھوں نے بغرا خاں کو حملہ کی دعوت دی تھی بھاگ کر خراسان میں پناہ گزیں ہو گئے جہاں وہ دیلمی حکمرانوں کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے - ادھر نوح بن منصور نے سبکتگین سے کمک طلب کی جس نے الپتگین کے بعد غزنی میں اپنی حکومت قائم کی ہوئی تھی - اس نے فوراً ہی فوجی دستے نوح کی مدد کے لیے بھیج دیے - ہرات کے قریب فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں نوح فتح یاب ہوا - دوسری فتوحات اسے نیشاپور اور طوس میں حاصل ہوئیں -

منصور بن نوح دوم

(۳۸۷ تا ۳۸۹ھ مطابق ۹۹۷ تا ۹۹۸ع)

نوح بن منصور کی وفات پر منصور بن نوح دوم تخت نشین ہوا - یہ شعرا اور ادبا کا بہت قدردان تھا - خود بھی شعر کہتا تھا - اس کی مدت حکومت بہت مختصر تھی -

عبدالملک بن نوح دوم

(۳۸۹ھ ــــ سال انقراض سامانیان)

نوح کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا ، جو سامانی خاندان کا آخری حکمران تھا - بغرا خاں کے بعد اب ترک حکمران ایلک خان نے بخارا پر حملہ کیا - عبدالملک خود اپنے لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں آیا لیکن

ترکوں نے اسے اسیر کر لیا اور اسیری ہی میں ۳۸۹ھ مطابق ۹۹۸ع میں فوت ہوا - اس پر سامانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا -

خاندان مامونیہ

مامونی خاندان نے اپنی خود مختار حکومت خوارزم میں قائم کی تھی اس لیے انھیں مامونی یا خوارزم شاہی بھی کہتے ہیں - اس خاندان کے موسس کا کسی تذکرے میں ذکر نہیں آیا لیکن اس قدر پتا چلتا ہے کہ ۳۸۰ھ مطابق ۹۹۰ع کے لگ بھگ اس خاندان کی خاصی شہرت تھی -

مامونی خاندان کے حکمران شروع شروع میں آل سامان کے باج گزار تھے - لیکن سامانیوں کے زوال کے بعد کچھ وقت ایسا بھی آیا کہ وہ خود مختار ہو گئے - ان کی خود مختاری زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکی کیوں کہ جب ایران میں غزنویوں کی حکومت قائم ہوئی تو انھیں اپنی حکومت قائم رکھنے کے لیے غزنویوں کا باج گزار ہونا پڑا -

مامونی خاندان کا ذکر تاریخ مسعودی ، تاریخ یمینی ، زین الاخبار گردیزی ، روضۃ الصفا ، حبیب السیر ، چہار مقالہ اور بعض دوسرے تذکروں میں آیا ہے -

ابو علی مامون بن محمد

مامونی سلسلے کے حکمرانوں میں سب سے پہلے جس کا نام تذکروں میں ملتا ہے ، ابو علی مامون بن محمد ہے - اس کی حکومت گرگان میں تھی نوح بن منصور کے زمانے میں ابو علی مامون نے ۳۸۵ھ مطابق ۹۹۵ع میں والی خوارزم ابو عبداللہ پر فتح حاصل کر کے خوارزم کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا - اس نسبت سے وہ اور اس کے جانشین خوارزم شاہ بھی کہلائے -

ابو علی مامون علما و فضلا کا بڑا قدردان تھا - اس کے دربار سے متعدد علما وابستہ تھے - ان میں ابوالخیر خمار بھی تھا جو طب اور فلسفہ میں کمال رکھتا تھا -

علی بن مامون

ابو علی مامون کی وفات ۳۸۷ھ مطابق ۹۹۷ع میں ہوئی تو اس کا بیٹا علی اس کا جانشین بنا - علی بن مامون ہی خوارزم کا وہ حکمران

تھا جس کے ساتھ سلطان محمود غزنوی کی ہمشیرہ کی شادی ہوئی ۔ وہ بھی اپنے پیش رو کی طرح علما کا بڑا قدردان تھا ۔ اس کے زمانے میں بو علی سینا خوارزم آیا اور کچھ عرصہ دربار مامونی سے وابستہ رہا ۔ اس عالم بے بدل کی یہاں بڑی قدر و منزلت ہوئی ۔ مشہور اہل کمال ابو الحسین احمد بن محمد السہیلی ، علی بن مامون کا وزیر تھا ۔ اس حکمران کا سال وفات معلوم نہیں ہو سکا ۔

ابوالعباس مامون بن مامون

علی بن مامون کے بعد اس کا بھائی ابوالعباس ، مامون بن مامون تخت نشین ہوا ۔ اسے اپنے ایلچی کے ذریعے سلطان محمود غزنوی نے پیغام بھیجا کہ خوارزم کی مملکت میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جائے ۔ ابوالعباس کو یہ گوارا نہ تھا کہ سلطان محمود کے نام کا خطبہ پڑھ کر اس کی برتری کو تسلیم کر لے ، لیکن ابو ریحان البیرونی نے ، جو دربار سے وابستہ تھا ، اور بعض دوسرے علما نے اسے یہ مشورہ دیا کہ سلطان کا مقابلہ کرنا ممکن نہ ہوگا ، اس لیے مناسب یہی ہے کہ اس کے نام کا خطبہ پڑھا جائے ۔ چنانچہ ابوالعباس نے حکم دیا کہ نسا اور فراوہ میں سلطان کے نام کا خطبہ پڑھا جائے ۔ خوارزم اور گرگان کے لوگ کسی صورت یہ حکم ماننے کو تیار نہ تھے ۔ اس لیے ان دو شہروں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ۔ اس کے علاوہ ابوالعباس نے سلطان محمود کی خدمت میں تین ہزار گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد پیش کیے ۔

نسا اور فراوہ کے لوگوں کو سلطان محمود کی خدمت میں تحائف بھیجنے اور اس کے نام کا خطبہ پڑھنے کی اطلاع ہوئی تو وہ خوارزم پر ٹوٹ پڑے اور متعدد امرا اور اراکین سلطنت کو قتل کر دیا ۔ اس کے بعد وہ بپھرا ہوا ہجوم ابوالعباس کی طرف بڑھا اور اس کے محل کو آگ لگا کر اسے تہ تیغ کر دیا ۔ یہ واقعہ ۴۰۷ھ مطابق ۱۰۱۶ع کا ہے ۔

علماء کی سرپرستی

ابوالعباس مامون بن مامون کا دربار علما کا مرجع تھا ۔ غالباً کسی ایرانی حکمران کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا کہ اس کے دربار میں طب ، نجوم ، ریاضی ، فلسفہ و حکمت کے یگانۂ روزگار اساتذہ اس طرح جمع

ہوں جیسے وہ ابوالعباس کے دربار سے وابستہ تھے۔ نظامی عروضی سمرقندی ابوالعباس کے علماے دربار کے اجتماع کے متعلق لکھتے ہیں[1]:

''ابوالعباس مامون خوارزم شاہ کا وزیر ابوالحسن، احمد بن محمد السہیلی تھا، جو خود ایک بڑا عالم اور کریم النفس شخص تھا۔ خوارزم شاہ علما کا قدردان تھا، اسی وجہ سے اس کے دربار میں متعدد حکما اور علما جمع ہو گئے تھے، مثلاً بوعلی سینا، ابو ریحان البیرونی، خمار مسیحی وغیرہ۔

آل زیار

(۳۱۶ تا ۴۳۴ھ مطابق ۹۲۸ تا ۱۰۴۲ع)

آل زیار کی حکومت شروع میں ری میں قائم ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ آس پاس کے تمام علاقوں پر پھیل گئی۔ یہ حکومت اہل تشیع کی تھی۔ اس کا پس منظر ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۳۰۸ھ مطابق ۹۲۰ع میں دیلم کا ایک سربر آوردہ شخص لیلی بن نعمان تھا، جو بہ قول عباس پرویز قصبہ[2] لیل سے تعلق رکھنے کی وجہ سے لیلی کہلاتا تھا۔ اس نے لشکر فراہم کرکے خراسان پر چڑھائی کی اور وہاں کا مشہور شہر نیشاپور فتح کر لیا۔ لیکن وہاں وہ مستقل حکومت قائم نہ کر سکا۔ بالآخر سامانیوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔

ماکان

لیلی کے بعد ایک علوی سردار ماکان بن کاکویہ نے اپنے پیروؤں کو ساتھ لے کر ری کا رخ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ لیکن وہ بھی سامانیوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

اسفار بن شیرویہ

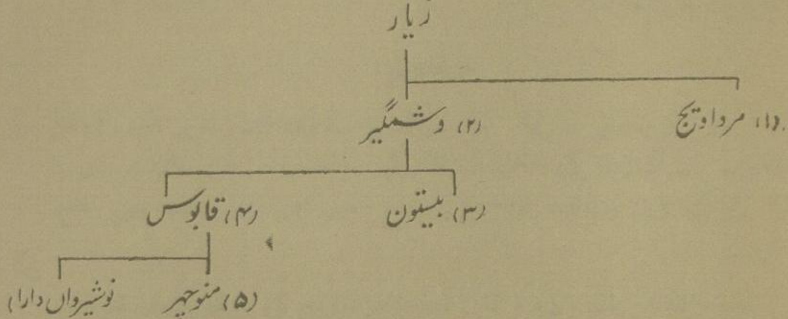
ماکان کے بعد لاہجان کے ایک سردار اسفار بن شیرویہ نے ری پر چڑھائی کی اور اسے فتح کرکے اپنی آزاد حکومت قائم کرنے میں کامیاب

---

۱ - چہار مقالہ: مرتبہ محمد قزوینی محشی دکتر محمد معین، چاپ لندن، صفحہ ۱۱۶ -

۲ - از طاہریان تا مغول، صفحہ ۱۶۳ -

آل زیار


زیار
(۱) مرداویج
(۲) وشمگیر
(۳) بیستون
(۴) قابوس
(۵) منوچهر
نوشیروان دارا

ہو گیا ۔ یہ شخص بہ قول مسعودی[1] غیر مسلم تھا ۔ بے حد سفاک تھا ۔ اس کی سفاکی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک مسلمان مینار پر چڑھ کر اذان دے رہا تھا کہ اسفار نے اسے نیچے گرا دیا ۔ اسفار کا ظلم و ستم زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا ۔ آخر ایک علوی سپہ سالار مرداویج بن زیار کے ہاتھوں قتل ہوا ۔

مرداویج

اسفار کو راستے سے ہٹا کر مرداویج نے ری میں اپنے باپ کے نام کی مناسبت سے آل زیار کی حکومت قائم کی ۔ رفتہ رفتہ طبرستان پر اس کا تسلط ہو گیا اور ۳۱۶ھ مطابق ۹۲۸ع میں اس نے ہمدان بھی فتح کر لیا ۔

خلیفہ المقتدر باللہ (۲۹۵ تا ۳۲۰ھ) مرداویج کی بڑھتی ہوئی فتوحات سے سخت ہراساں ہوا ۔ لشکر بھیج کر اس کی سر کوبی کرنی چاہی ، لیکن خلیفہ کے لشکر کو بھی اس نے شکست دی ۔ اب اس نے اصفہان کا رخ کیا اور وہاں کے حکمران مظفر بن یاقوت کو مار بھگایا ۔ مظفر یہاں سے نکل کر اپنے باپ یاقوت کے پاس چلا گیا ، جو فارس کا حکمران تھا ۔

فتح اصفہان کے بعد مرداویج نے اپنا لشکر اہواز اور خوزستان کی مہم پر بھیجا ۔ ان علاقوں پر بلا مقابلہ اس کا تسلط ہو گیا ۔ مرداویج اب یہ چاہتا تھا کہ عباسی خلیفہ سے عقیدت کا اظہار کرے ۔ چنانچہ اپنا ایلچی بھیج کر خلیفہ سے درخواست کی کہ اس کی حکومت کو تسلیم کر لیا جائے ۔ خلیفہ نے فرمان بھیج کر اس کی حکومت کو تسلیم کر لیا ۔

مرداویج بلند ہمت اور محب وطن ایرانی تھا ۔ وہ چاہتا تھا کہ مدائن کے ویرانوں پر نیا مدائن بسائے ، ساسانی بادشاہوں کے بنائے ہوئے محلات جیسے محلات پھر سے تعمیر کرائے اور انھی کے نقش قدم پر چل کر شاہنشاہ کا لقب اختیار کرے ۔ اسی خیال سے اس نے اپنے لیے ساسانی

---

۱ ۔ مروج الذہب ، جلد نہم ، صفحہ ۸ ۔

وضع کا تاج مرصع بنوایا تھا اور طلائی تخت پر جلوہ افروز ہوتا تھا ۔ اس کے امرا نے اپنے لیے چاندی کے تخت بنوائے۔

اس نے ایسی حکومت کی بنیاد قائم کی ، جو علم و ادب کی ترویج و ترقی کے لیے مشہور ہوئی اور ایک صدی سے زائد عرصہ یہ خدمت بجا لاتی رہی -

مرداویج بہت کم آمیز تھا - اسے براہ راست کوئی نہیں مل سکتا تھا ۔ عرض و معروض صرف درباریوں ہی کی وساطت سے ہوسکتی تھی -

مرداویج کا قتل

مرداویج نے آخری ایام میں ترکوں کے ساتھ متشددانہ رویہ اختیار کیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ترکوں نے ۳۲۳ھ مطابق ۹۳۵ع میں عین اس وقت اسے قتل کر دیا جب کہ وہ اصفہان کے حمام میں غسل کر رہا تھا -

مرداویج کا عہد علم و ادب کی اشاعت کے لیے مشہور ہوا -

وشمگیر

(۳۲۳ تا ۳۵٦ھ مطابق ۹۳۴ تا ۹٦٦ع)

مرداویج کے قتل کے بعد دیلمی لشکر نے اس کے بھائی وشمگیر کی حمایت کی - چنانچہ ۳۲۳ھ مطابق ۹۳۴ع میں حکومت کی باگ ڈور اسے سونپی گئی - وشمگیر دو طاقت ور دشمنوں یعنی سامانی حکمرانوں اور آل بویہ کے فرماں رواؤں میں گھرا ہوا تھا - نصر بن احمد سامانی کے سپہ سالار علی بن محتاج نے اسے ری اور طبرستان میں شکست دی - آل بویہ کے حکمران رکن الدولہ نے نوح بن نصر کی مدد سے اصفہان کا علاقہ وشمگیر سے چھینا - اس کے بعد اس نے طبرستان اور گرگان کے علاقے بھی فتح کر لیے - وشمگیر نے مجبور ہو کر نوح بن نصر سامانی کی اطاعت اختیار کرکے سامانی دربار میں پناہ لی اور کچھ عرصے بعد وشمگیر نے سامانیوں کی مدد سے طبرستان اور گرگان پر حملہ کرکے

---

۱ - عباس پرویز ، از طاہریان تا مغول ، صفحہ ۱٦۵ -

پنے علاقے پھر واپس لے لیے ۔ لیکن رکن الدولہ نے پھر وشمگیر کا پیچھا کیا ۔ اس عرصہ میں منصور بن نوح نے سامانی حکومت سنبھالی تھی ۔ اس نے وشمگیر کی کمک کے لیے اپنا لشکر بھیجا ، لیکن ابھی دشمن سے مڈ بھیڑ بھی نہ ہوئی تھی کہ ۳۵۶ھ مطابق ۹۶۶ع میں وشمگیر راہیٔ ملک بقا ہوا ۔

بیستون

(۳۵۶ تا ۳۶۶ھ مطابق ۹۶۶ تا ۹۷۶ع)

وشمگیر کے بعد اس کا بیٹا بیستون ۳۵۶ھ مطابق ۹۶۶ع میں تخت نشین ہوا ۔ اس نے جنگ جاری رکھنے کے بجائے رکن الدولہ سے صلح کر لینے میں عافیت دیکھی ۔ دس سال حکومت کرنے کے بعد آخر اس نے ۳۶۶ھ مطابق ۹۷۶ع میں وفات پائی ۔

قابوس بن وشمگیر

(۳۶۶ تا ۴۰۳ھ مطابق ۹۷۶ تا ۱۰۱۲ع)

بیستون کی وفات پر اس کا بھائی قابوس بن وشمگیر ۳۶۶ھ مطابق ۹۷۶ع میں تخت نشین ہوا ۔ اسے بھی اپنے باپ وشمگیر کی طرح آل بویہ کے حکمرانوں سے جنگیں لڑنی پڑیں ۔ آل بویہ کی حکومت کی صورت حال اس وقت یہ تھی کہ رکن الدولہ نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ اس کے مفتوحہ علاقے عراق ، خوزستان ، فارس ، کرمان وغیرہ اس کے بیٹوں ، عضد الدولہ ، موید الدولہ ، اور فخرالدولہ میں تقسیم کر دیے جائیں لیکن رکن الدولہ کی وفات کے بعد عضد الدولہ نے باپ کی وصیت کی خلاف ورزی کی اور اپنے بھائی فخرالدولہ کے علاقے اپنی قلمرو میں شامل کر لیے ۔ آخر دونوں بھائیوں کے مابین ہمدان کے قریب جنگ ہوئی جس میں فخرالدولہ نے شکست کھائی اور گرگان کا رخ کیا ۔ وہاں پہنچ کر وہ شمس المعالی قابوس بن وشمگیر سے کمک حاصل کرنا چاہتا تھا ۔ قابوس نے پورے احترام سے اس کا خیر مقدم کیا ۔ عضد الدولہ کو معلوم ہوا تو اس نے قابوس سے استدعا کی کہ فخرالدولہ کو اس کے پاس بھیج دیا جائے ۔ اس کے عوض آل بویہ کا جو علاقہ وہ لینا چاہے ، اسے دے دیا

جائے گا۔ لیکن قابوس نے اس کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ عضد الدولہ کو معلوم ہوا تو اس نے قابوس سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے لشکر فراہم کیا اور ری سے چل کر گرگان کا رخ کیا۔ یہاں دونوں لشکروں کا تصادم ہوا جس میں قابوس نے شکست کھائی اور فرار ہو کر اپنے خزانوں سمیت نیشاپور آ گیا۔ فخر الدولہ بھی وہیں پہنچ گیا۔ یہاں انھوں نے نوح بن منصور سامانی کے ہاں پناہ لی۔ نیشاپور میں قابوس نے ۱۸ سال قیام کیا۔ اس عرصے میں اس نے کئی مرتبہ اپنے کھوئے ہوئے علاقے حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔

۱۸ سال جو قابوس کو در بدری ہوئی اس کی وجہ فخر الدولہ کی حمایت تھی۔ آخر موید الدولہ فوت ہوا تو فخر الدولہ اپنے بھائی کا جانشین بن گیا اور اپنے علاقوں کی حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب مروت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ گرگان کی حکومت قابوس کو واپس کر دیتا، لیکن اس نے قابوس کے احسانات کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ آخر ۳۸۸ھ مطابق ۹۹۸ع میں فخر الدولہ کی وفات کے بعد قابوس گرگان کا علاقہ واپس لینے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر طبرستان اور گیلان کا علاقہ بھی اس نے فتح کر لیا۔

قابوس کا قتل

اقتدار حاصل ہونے کے بعد قابوس امرا اور فوج کے سپاہیوں کے ساتھ بڑی سختی کا سلوک کرتا تھا۔ ذرا ذرا سی خطا پر قتل کا حکم دے دیتا۔ یہی وجہ تھی کہ امرائے سلطنت اس کے متعلق دل میں کینہ رکھتے تھے اور اس کے قتل کے در پے رہتے تھے۔

دولت شاہ سمرقندی نے لکھا ہے کہ قابوس[1] سخت متکبر اور بدخو تھا۔ متعدد اکابر کو اس نے تہ تیغ کرایا۔ اس کی بربریت کی وجہ سے ارکان دولت اس سے متنفر ہو گئے۔ انھوں نے منوچہر کو اپنا امیر تسلیم کرکے بغاوت کا علم اٹھایا اور قابوس کو اسیر کرکے قلعہ جناشک میں محبوس کر دیا اور بالآخر ۴۰۳ھ مطابق ۱۰۱۲ع میں اسے قتل کر دیا۔

۱۔ تذکرۃ الشعرا: ص ۴۸ - ۴۹

قابوس کی سیرت

امیر قابوس بن وشمگیر دوست نواز شخص تھا - فخرالدولہ دیلمی کو پناہ دینے کی پاداش میں وہ ۱۸ سال در بدر رہا - وہ بہت علم دوست اور ہنر پرور بھی تھا -

امن کے دنوں میں اس کا دربار علما اور فضلا کا مرکز بنا ہوا تھا - خود بھی عالم شخص تھا - اسے شعر گوئی کا بھی ذوق تھا اور فارسی و عربی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا - قابوس مشہور ہیئت دان ابو ریحان البیرونی کا محسن تھا - البیرونی نے ۳۶۶ تا ۳۷۱ھ مطابق ۹۷۶ تا ۹۸۱ع اور پھر ۳۸۸ تا ۴۰۳ھ مطابق ۹۹۸ تا ۱۰۱۳ع کا زمانہ قابوس کے دربار میں گزارا - البیرونی نے اپنی مشہور کتاب ''آثار الباقیہ'' اسی ہنر پرور بادشاہ کے نام ۳۹۰ھ مطابق ۹۹۹ع میں منسوب کی تھی -

اکثر شعرا نے قابوس کی شان میں قصیدے لکھے - محمد عوفی[1] نے حکیم ابوبکر محمد بن علی السرخسی کے بعض قصائد کے اقتباسات بھی اپنے تذکرے میں درج کیے ہیں -

قابوس کا مقبرہ گرگان سے باہر، خراسان کو جانے والی سڑک پر واقع ہے - اس کے اوپر اونچا نوک‌دار دہ گوشہ برج ہے، جو میلوں دور سے نظر آتا ہے - یہ مقبرہ اس کے بیٹے شمس المعالی نے تعمیر کرایا تھا - اس کا شمار مشرق ایران کی قدیم عمارتوں میں ہوتا ہے -

منوچہر

(۴۰۳ تا ۴۲۰ھ مطابق ۱۰۱۲ تا ۱۰۲۹ع)

منوچہر نے ۴۰۳ھ مطابق ۱۰۱۲ع میں حکومت سنبھالی - اسی زمانے میں اس کے باپ کی وفات پر القادر باللہ خلیفہ عباسی ۳۸۱ تا ۴۲۲ھ مطابق ۹۹۱ تا ۱۰۳۰ع کی طرف سے تعزیت نامہ بھی آیا اور ساتھ ہی طبرستان، قومس، دامغان اور گرگان کی حکومت کا فرمان بھی موصول ہوا -

---

۱ - لباب الالباب، جلد ثانی، صفحہ ۱۸ -

منوچہر کی خواہش تھی کہ جنگ و جدل کی روش کو خیر باد کہہ کر صلح و آشتی کا طور طریقہ اختیار کرے ۔ چنانچہ اس نے سلطان محمود کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کیا اور اس کی خدمت میں تحفے تحائف بھیج کر اپنے مراسم استوار کر لیے ۔ سلطان محمود[1] منوچہر کے خلوص کی وجہ سے اس کا بہت احترام کرتا تھا ۔ چنانچہ اس کی استدعا پر سلطان محمود نے اپنی بیٹی اس کے عقد میں دے دی ۔ اس رشتے کی بدولت دونوں حکومتوں کے تعلقات اور استوار ہوگئے ۔

ملک کے حالات بہتر ہو گئے تو اس نے اپنے باپ کے قاتلوں کی طرف رجوع کیا اور ایک ایک کر کے انھیں ٹھکانے لگایا ۔

سلطان محمود غزنوی اس وقت بہت بوڑھا ہو چکا تھا ۔ اس کی طرف سے سلطان مسعود اب ری کا حاکم تھا ۔ منوچہر نے اس سے بھی رشتہ اخوت استوار کیا ۔ منوچہر کا زمانہ حکومت بڑے امن و امان سے گزرا ۔ آخر وہ ۴۲۰ھ مطابق ۱۰۲۹ع میں راہی ملک بقا ہوا ۔

نوشیروان

(۴۲۰ تا ۴۴۱ھ مطابق ۱۰۲۹ تا ۱۰۴۹ع)

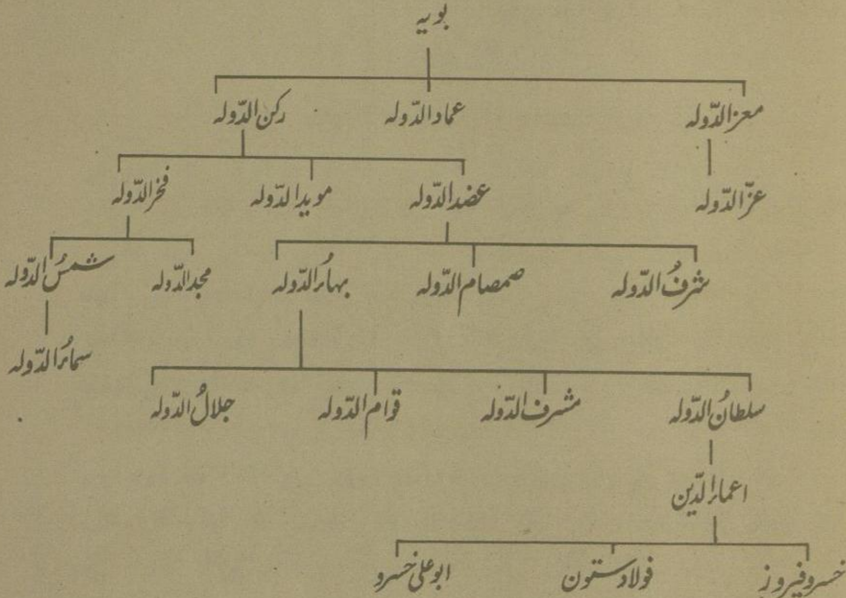
منوچہر کی وفات پر اس کا بیٹا نوشیروان تخت نشین ہوا ۔ اس کے تعلقات سلطان مسعود کے ساتھ خوش گوار نہ رہ سکے ۔ کوئی اور خاص واقعہ اس کے عہد کا قابل ذکر نہیں ۔ اس کی وفات ۴۴۱ھ مطابق ۱۰۴۹ع میں ہوئی ۔

کیکاؤس بن سکندر

پانچویں صدی ہجری مطابق گیارھویں صدی عیسوی کے وسط تک یوں تو آل زیار کی حکومت گرگان ، طبرستان میں قائم رہی لیکن کوئی حکمران بھی حکومت کو مستحکم نہ کر سکا ۔ کیکاؤس آل زیار کا آخری حکمران تھا جو قابوس بن وشمگیر کا بھانجا تھا ۔ یہ بہت علم دوست اور شاعر پرور تھا ۔ علم و ادب میں خود اسے بھی بلند مرتبہ حاصل تھا ۔

۱ ۔ عباس پرویز : از طاہریان تا مغول : ص ۱۸۳ ۔

آل بویہ



بویہ
معز الدولہ
عماد الدولہ
رکن الدولہ
عز الدولہ
عضد الدولہ
موید الدولہ
فخر الدولہ
شرف الدولہ
صمصام الدولہ
بہاء الدولہ
مجد الدولہ
شمس الدولہ
سماء الدولہ
سلطان الدولہ
مشرف الدولہ
قوام الدولہ
جلال الدولہ
اعماد الدین
خسرو فیروز
فولادستون
ابو علی خسرو

مشہور کتاب ''قابوس نامہ'' اس کی ایک علمی یادگار ہے - اس کا بیشتر وقت علماء اور شعرا کی صحبت میں گزرتا تھا - دولت شاہ سمرقندی نے لکھا ہے: ''فصیح جرجانی'' ایک مشہور شاعر اس کے دربار سے وابستہ تھا - کیکاؤس آخری عمر میں گوشہ نشین ہوگیا - وفات اس کی ۴۶۲ھ مطابق ۱۰۶۹ع میں ہوئی -

آل بویہ

(۳۲۰ تا ۴۴۷ھ مطابق ۹۳۲ تا ۱۰۵۵ع)

چوتھی صدی ہجری مطابق دسویں صدی عیسوی میں دیلم پر آل بویہ کی حکومت تھی جو بحیرہ خزر کے جنوب میں گیلان کے مرتفع میدانوں میں واقع ہے - پروفیسر منارسکی[1] اپنے رسالے میں لکھتے ہیں: ''یہ مملکت کچھ ایسی بڑی نہیں، نہ اسے خوبصورت ہی کہہ سکتے ہیں، البتہ یہاں کے لوگ بلند قامت اور طاقتور ہیں، جو شجاعت میں ضرب المثل ہیں - ان کے سر کے بال لمبے اور گھنگھریالے ہوتے ہیں -''

جدید تحقیق کے رو سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ ازمنہ قدیم میں غیر آریائی اقوام بحیرہ خزر کے آس پاس آباد تھیں - یہ اقوام نقل مکانی کرتی رہتی تھیں - عین ممکن ہے کہ دیلمی انھی غیر آریائی اقوام کے پس ماندگان سے ہوں -

دیلم کا محل وقوع پہاڑی ہونے کی وجہ سے محفوظ ہے - حملہ آوروں کے لیے یہاں تک پہنچنا ممکن نہ تھا - اس وجہ سے قدیم ایرانی بادشاہ اہل دیلم کو زیر نہ کر سکے - البتہ ان کا پیشہ فوجی ملازمت تھا - جب بھی ایرانی شاہنشاہ کا بیرونی حکمرانوں سے مقابلہ ہوتا تو دیلمی سپاہی ایرانی فوج میں شامل ہو جاتے اور اکثر واپسی پر غنیمت کا بے انداز مال و دولت واپس لاتے - جنگ میں ان کی شمولیت شہنشاہ ایران کی خوشنودی کے لیے نہیں، بلکہ ذاتی منفعت کی غرض سے ہوتی تھی -

---

۱ - حکومت دیالمہ، صفحہ ۲، ۳ -

عربوں نے ایران کو فتح کیا تو کافی عرصہ اہل دیلم نے اپنی خود مختاری کو برقرار رکھا۔ آخر جب دیلم کا علاقہ مسلمانوں کے زیر تسلط آیا تو عربوں نے قزوین اور چالوس میں چھاؤنیاں قائم کرلیں۔ دیلمی حسب موقع اطاعت تو اختیار کر لیتے لیکن جونہی موقع ملتا آس پاس کے پہاڑوں میں پہنچ کر عربوں سے جنگ و جدل میں مصروف ہو جاتے۔ یہ واقعہ اکثر مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حجاج بن یوسف[1] نے دیلم کا نقشہ رؤسائے دیلم کو دکھا کر کہا: "یہ نقشہ دیلم کے حالات کو بخوبی واضح کر رہا ہے۔ ان حالات کے ظاہر ہو جانے سے ہم تمھارے ملک کے چپے چپے سے واقف ہو گئے ہیں۔ اب تمھارے لیے ملک کی مدافعت کرنا کیونکر ممکن ہوگا۔ اب جنگ و جدل سے تمھیں کیا فائدہ پہنچے گا۔" دیلمی سرداروں نے بے اعتنائی سے نقشے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا: "اے امیر! یہ نقشہ ناقص ہے۔ اس نقشے میں وہ سوار نہیں دکھائے گئے ہیں جو ان پہاڑوں کی حفاظت کرتے ہیں۔"

دیلم ایک تبلیغی مرکز کی حیثیت میں

دوسری صدی ہجری مطابق آٹھویں صدی عیسوی کے آواخر میں آل علیؓ کے متعدد پیروؤں نے اہل دیلم کے ہاں پناہ لی۔ یہ لوگ خلافت بغداد کے مخالف تھے اس لیے انھوں نے بڑے تپاک سے آل علیؓ کا خیر مقدم کیا۔ رفتہ رفتہ ۲۵۰ھ مطابق ۸۶۴ع تک انھیں دیلم میں بہت اقتدار حاصل ہوگیا اور بالآخر دیلم کو انھوں نے تبلیغ مذہب کا مرکز بنا لیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس بہادر قوم نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا۔ دینی تعلیم دینے کے بعد علویوں نے انھیں سیاسی شعور بھی دیا۔ آخر یہاں آل بویہ کی مستحکم شیعہ حکومت قائم ہو گئی۔

ابو شجاع بویہ

آل بویہ کا سب سے پہلا فرد، جس کا نام تاریخ میں آیا ہے، ابوشجاع بویہ بن فنا خسرو ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ بویہ کا سلسلہ نسب ساسانی بادشاہ بہرام گور سے ملتا ہے۔ حمداللہ مستوفی

۱۔ آقای عبداللہ رازی، تاریخ مفصل ایران، صفحہ ۱۷۵۔

لکھتے ہیں : "بویہ[1] نے اپنے سلسلہ نسب کو کسی پر ظاہر نہیں کیا تھا - جب ماکان بن کاکویہ نے دیلم پر غلبہ پایا ، تو بویہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کی ملازمت اختیار کر لی -" اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ بویہ اپنے تینوں بیٹوں کو لے کر ، جن کے نام علی ، حسن اور احمد ہیں ، ماکان کی خدمت میں آیا ، لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ مرداویج نے حملہ کرکے ماکان کو شکست دی اور وہ بھاگ کر نیشاپور چلا گیا - بویہ کے بیٹوں نے اب مرداویج کی ملازمت اختیار کر لی - مرداویج نے ان کی عزت افزائی کی اور علی کو کرج کی حکومت سونپ دی - اپنی اس غلطی کا احساس اسے اس وقت ہوا جب اسے معلوم ہوا کہ علی بہت جاہ پسند شخص تھا -

علی اور احمد کا اقتدار

علی نے فوج اور عوام کی تالیف قلوب کرکے اپنی حکومت مستحکم کر لی - کچھ پاؤں جم گئے تو اس نے اپنے علاقے کو وسعت دینی چاہی - ۳۲۱ھ مطابق ۹۳۲ع میں اصفہان پر حملہ کرکے اسے فتح کرلیا - وہاں کا حکمران مظفر بن یاقوت راہ فرار اختیار کرکے شیراز آگیا ، جو اس کی سلطنت میں شامل تھا -

مرداویج کو علی کی پیش قدمی کا علم ہوا تو اس نے اپنے بھائی وشمگیر کو اصفہان پر لشکر کشی کے لیے بھیجا - علی مقابلے کی تاب نہ لاکر اصفہان سے نکل بھاگا - وشمگیر اصفہان میں اپنا قائم مقام مقرر کرکے خود طبرستان واپس چلا گیا - علی کو وشمگیر کی واپسی کا علم ہوا تو وہ پھر اصفہان آگیا اور وشمگیر کے قائم مقام کو اصفہان سے دربدر کرکے خود وہاں مسلط ہوگیا - یہاں سے اس نے ۳۲۲ھ مطابق ۹۳۳ع میں فارس پر چڑھائی کی اور اپنے حریف مظفر بن یاقوت کو استخر کے مقام پر شکست دی - اس جنگ میں علی کا بھائی حسن بھی شامل تھا - اس فتح کے بعد شیراز بھی علی کے تسلط میں آ گیا -

---

۱ - تاریخ گزیدہ ، صفحہ ۴۱۴ -

۳۲۴ھ مطابق ۹۳۵ع میں علی کے بھائی احمد نے کرمان فتح کرلیا۔ دو ہی سال بعد خوزستان کے علاقے پر بھی احمد کا تسلط ہوگیا۔ اب احمد نے علی کو عراق عرب کی طرف پیش قدمی پر آمادہ کیا، لیکن دونوں یہ بھی چاہتے تھے کہ مفتوحہ علاقوں کی حکومت کا اختیار نامہ خلیفہ بغداد سے حاصل کر لیں۔ اس زمانے میں خلیفہ بغداد، مستکفی (۳۳۳ تا ۳۳۴ھ مطابق ۹۴۴ تا ۹۴۵ع) تھا۔ وہ ترکوں سے امداد کا متمنی تھا۔ اتفاق سے جب علی، حسن اور احمد بغداد پہنچے تو خلیفہ نے نہایت گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا اور حکومت کے اجازت نامے کے ساتھ انھیں خطابات سے بھی سرفراز کیا۔ علی کو عماد الدولہ، حسن کو رکن الدولہ اور احمد کو معز الدولہ کا خطاب ملا۔ نیز احمد معز الدولہ کو اس نے اپنا امیر الامرا بھی بنایا۔ نام کا تو وہ امیر الامرا تھا، لیکن حقیقت میں اس نے عباسی خلافت کو اپنی گرفت میں لے لیا اور اب عباسی خلافت ترکوں کے ہاتھ سے نکل کر آل بویہ کے قبضے میں آگئی۔

بغداد میں عزاداری

احمد معزالدولہ اہل تشیع تھا۔ اس نے عید غدیر منانے کی رسم جاری کی اور حکم دیا کہ عاشورہ کے دن لوگ کاروبار بند کرکے عزاداری کریں۔ چنانچہ[1] ۳۵۲ھ میں پہلی مرتبہ بغداد میں مردوں اور عورتوں نے حضرت امام حسینؓ کا ماتم کیا۔

معز الدولہ اور رکن الدولہ کے جانشین

احمد معزالدولہ کی وفات پر اس کا بیٹا بختیار عزالدولہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس نے حکومت سنبھالتے ہی لہو و لعب کی زندگی شروع کی تو رکن الدولہ کے بیٹے عضدالدولہ نے اسے سلطنت سے الگ کرکے حکومت خود سنبھال لی۔

عضد الدولہ

عضدالدولہ بن رکن الدولہ کے زمانے میں آل بویہ کا اقتدار پورے عروج پر تھا، اس کے عہد میں سلطنت کو اور وسعت ہوئی۔ متعدد نئے

۱۔ جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفا: اردو ترجمہ: صفحہ ۳۸۰۔

شہر آباد ہوئے اور محلات شاہی تعمیر ہوئے ۔ پروفیسر[۱] ہٹی نے لکھا ہے ''آل بویہ کے تحت ایران اور عراق میں جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئی تھیں ، عضد الدولہ نے ۳۶۷ھ مطابق ۹۷۷ع میں ان سب کو ملا کر ایک وسیع سلطنت میں تبدیل کر دیا اور اب یہ مملکت اتنی ہی تھی جتنی عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں تھی ۔''

عضد الدولہ نے اب خلیفہ سے یہ مطالبہ کیا کہ اس کے محل کے دروازے پر دن میں تین بار نوبت بجے ۔ پروفیسر آرنلڈ[۲] نے لکھا ہے کہ خلیفہ نے نہ صرف یہ مطالبہ تسلیم کیا بلکہ یہ فرمان بھی جاری کیا کہ عضد الدولہ کا نام خطبے میں بھی شامل کیا جائے ۔

عضد الدولہ اپنی وفات سے پہلے ایک وسیع و عریض سلطنت کا مالک تھا ۔ یہ سلطنت بحیرہ خزر سے خلیج فارس تک اور ادھر اصفہان سے لے کر حدود شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسے خلیفہ الطائع (۳۶۳ تا ۳۸۱ھ مطابق ۹۷۳ تا ۹۹۱ع) کی شہزادی سے شادی کرنے کی عزت بھی حاصل ہوئی تھی ، جس سے اس کے وقار میں اور بھی اضافہ ہوا ۔

علم و فضل کی حوصلہ افزائی

عضد الدولہ خود بہت بڑا عالم اور ماہر ریاضی دان تھا ۔ علما کو اس نے ملک کے گوشے گوشے سے بلا کر اپنے دربار میں جگہ دی تھی ۔ علما کے تبادلہ خیالات میں اسے بڑی دلچسپی تھی ۔ چنانچہ وہ اکثر ان کی مجلسوں میں شامل ہوتا تھا ۔ علما اور شعرا کی حوصلہ افزائی میں کوئی کمی اٹھا نہیں رکھتا تھا ۔ اس کے عہد میں بغداد ایک بار پھر علمی اور تمدنی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا ۔ علی بن مسکویہ کو عضد الدولہ نے دیوان مالیات کا منصب سونپا تھا ۔ عرب کا مشہور شاعر متنبی[۳] اس کے دربار سے وابستہ تھا ۔ علی الفارسی نے اپنی کتاب ''الایضاح'' اس کے نام منسوب کی تھی ۔ عضد الدولہ کے چچا رکن الدولہ کے زمانے

---

۱ ۔ History of the Arabs : Philip. K. Hitti : ص ۴۷۱ ۔

۲ ۔ سر تھامس ڈبلیو آرنلڈ ، The Caliphate ص : ۶۲ ۔ ۶۳ ۔

۳ ۔ فلپ کے ہٹی : History of the Arabs ص : ۴۷۲ ۔

میں ایک مشہور عالم ابوالفضل بن عمید اس کا وزیر تھا ، جو سیاست اور حسن تدبیر میں یگانہ اور حسن اخلاق کا نمونہ تھا ۔

عضد الدولہ نے قیام شیراز کے دوران حکم دے کر بغداد کی تزئین و آرائش کے لیے ہر ممکن سہولت بہم پہنچائی ۔ وہاں کی نہر کی مرمت کرائی اور متعدد مسجدیں تعمیر کرائیں ۔ بغداد میں اس نے ایک وسیع ہسپتال بنوایا جو ''بیمارستان الاعضدی'' کے نام سے موسوم ہوا ۔ چوبیس طبیب اس ہسپتال میں مریضوں کا علاج کرتے تھے ۔ آل بویہ کا مشہور وزیراعظم صاحب بن عباد ہوا ہے ، جو خود بڑا عالم اور نقاد تھا ۔ اس نے ایک عربی لغت 'محیط' کے نام سے مرتب کی ۔ علم عروض پر ایک کتاب ''اقنا'' لکھی ۔ اس کے دربار سے متعدد علماء وابستہ تھے ۔

عضد الدولہ کے جانشین

عضد الدولہ کے بعد اس کا بیٹا صمصام الدولہ تخت نشین ہوا لیکن جلد ہی اس کے بھائی شرف الدولہ نے اسے تخت سے اتار دیا ۔ اس نے مامون الرشید کے نقش قدم پر چل کر ایک رصد خانہ قائم کیا ۔ شرف الدولہ علمی ذوق رکھتا تھا ۔ اس نے بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا اور اہل علم کی سرپرستی بھی کی ۔

آل بویہ ایک سو سال سے زیادہ عرصہ (۳۳۴ تا ۴۴۷ھ مطابق ۹۴۶ تا ۱۰۵۵ع) خلافت عباسیہ پر چھائے رہے ، لیکن خانہ جنگیوں کی وجہ سے ان کی حکومت زوال پزیر ہو گئی ، یہاں تک کہ آل بویہ کے آخری حکمران الملک الرحیم بن ابوکالیجار بن سلطان الدولہ بن بہاؤ الدولہ بن عضد الدولہ کو سلطان طغرل نے اسیر کرکے معزول کر دیا اور آل بویہ کی حکومت کا چراغ گل ہوگیا ۔

غزنوی عہد

(۳۵۱ تا ۵۸۲ھ مطابق ۹۶۲ تا ۱۱۸۶ع)

غزنوی حکومت کا موسس ، الپتگین نامی ایک ترک تھا ۔ اس نے ایک غلام کی حیثیت سے زندگی شروع کی ، ایک سپاہی کی حیثیت میں خدمات سرانجام دیں اور ایک سپہ سالار کی حیثیت میں شہرت پائی ۔ پھر

غزنی میں ایک آزاد حکومت قائم کر کے ناموری حاصل کی - اس کی مختصر سی سرگزشت یہ ہے -

ترک الپتگین بکتا ہوا احمد بن اسماعیل سامانی تک پہنچا اور ایک غلام کی حیثیت سے وہاں رہا - احمد نے جوہر قابل پا کر اسے فوج میں جگہ دی - الپتگین ، نصر ، نوح اور عبدالملک سامانی کے عہد میں ترقی کرتے کرتے افواج کا سپہ سالار بنا اور خراسان کے مشہور شہر نیشاپور کو اپنا صدر مقام قرار دیا -

عبدالملک سامانی کی وفات کے بعد الپتگین کا خیال تھا کہ ماوراءالنہر کا تخت و تاج اس کے بیٹے کو ملے لیکن امرائے سلطنت اس کے بھائی منصور بن نوح کو حکومت کا اہل سمجھتے تھے - چنانچہ منصور ہی وارث تخت و تاج ہوا - جانشینی کے مسئلے پر منصور کی مخالفت کر کے اسے اب خدشہ لاحق تھا ، اس لیے خراسان کو خیرباد کہہ کر اس نے غزنی کی راہ لی اور اپنے مختصر سے لشکر سے وہاں کے حکمران انوک کو نکال باہر کیا اور خود وہاں اپنی آزاد حکومت قائم کر لی -

الپتگین کا جانشین اسحاق

الپتگین کے بعد اس کا بیٹا اسحاق تخت نشین ہوا تو انوک نے پھر غزنی کا تخت و تاج حاصل کرنے کی کوشش کی - دونوں حریفوں کے مابین جنگ ہوئی جس میں اسحاق نے شکست کھائی اور منصور بن نوح سے کمک کی استدعا کی - منصور نے اپنا لشکر اس کے ساتھ کیا ، جس کی مدد سے وہ پھر غزنی فتح کرنے میں کامیاب ہوگیا - لیکن زندگی نے مہلت نہ دی اور ایک ہی سال بعد راہیٔ ملک بقا ہوا -

ملکاتگین[1]

اسحاق لا ولد فوت ہوا تھا اس کے بعد امرائے سلطنت نے متفقہ فیصلے سے ایک شخص ملاتگین کو غزنی کا تاج دار بنا دیا - لیکن وہ دو ہی سال حکومت کر پایا تھا کہ اسے پیغام اجل آ گیا -

---

۱ - Balkatigin: بحوالہ طبقات ناصری ، مترجمہ راورٹی صفحہ ۷۲ ، ۷۳ -

امر پیری

ملکاتگین کے بعد ایک مشہور ترک سپہ سالار کو حکومت سونپی گئی جس کا نام مصنف طبقات ناصری نے امر پیری لکھا[1] ہے - مصنف کے بیان کے مطابق یہ شخص بہت سنگدل ثابت ہوا اس لیے اس سے اہل غزنی سخت نا خوش تھے -

سبکتگین

امر پیری کا ظلم و ستم بڑھتے دیکھا تو امراے سلطنت کی نظریں سبکتگین کی طرف اٹھیں ، جو الپتگین کا غلام اور داماد بھی تھا ، اور تدبر کی وجہ سے خاصی شہرت رکھتا تھا - چنانچہ امر پیری کو حکومت سے علیحدہ کرکے سبکتگین کو تخت حکومت پر سرفراز کیا گیا - اس کی تخت نشینی کا سال ۳۸۶ع مطابق ۹۹۶ع ہے - سبکتگین نے بڑی داد و دہش اور عدل و انصاف سے حکومت کی - اس کے زمانے میں رعایا خوش حال اور لشکر مطمئن تھا - یہی وجہ تھی کہ اس نے جدھر کا بھی رخ کیا لوگوں نے جاں نثاری سے دریغ نہ کیا - اس نے دو بار ہند پر لشکر کشی کی اور پنجاب اور سندھ کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور پھر بست اور قصدار کو بھی فتح کرکے اپنی مملکت میں ملا لیا - ۳۸۴ھ مطابق ۹۹۴ع میں جب کہ سامانی حکومت ضعف و زوال کے مرحلے میں تھی نوح بن منصور نے سبکتگین سے مدد طلب کی - سبکتگین اپنے بیٹے محمود غزنوی کے ہمراہ لشکر لے کر خراسان آیا اور انھوں نے نوح بن منصور سامانی کے حریفوں ابو علی سیمجور اور فائق کو شکست دی - غزنویوں کی مدد کے صلے میں نیشاپور کی حکومت نوح بن منصور نے محمود کے سپرد کر دی - سبکتگین کی وفات ۳۸۷ھ مطابق ۹۹۷ع میں ہوئی -

اسماعیل غزنوی

سبکتگین نے اپنی وفات سے پہلے اپنے چھوٹے بیٹے اسماعیل کو ولی عہد نامزد کیا تھا لیکن اس کے بعد غزنی کی وسیع سلطنت کو

---

١ - طبقات ناصری مرتبہ کیپٹن ڈبلیو ناسولیز کلکتہ ، صفحہ ۷ -

سنبھالنے کے لیے کسی قابل اور دلیر حکمران کی ضرورت تھی - اسماعیل نااہل اور عافیت پسند شخص تھا اس لیے وہ سلطنت پر قابو نہ رکھ سکا - محمود نے صورت حال بگڑتے دیکھی تو اس خیال سے کہ باپ کی سلطنت غزنویوں کے ہاتھوں سے نکل نہ جائے، اسماعیل کو کہلا بھیجا کہ غزنی کی حکومت اس کے سپرد کر دے اور بلخ کی حکومت خود اپنے پاس رکھے - لیکن اسماعیل غزنی کی حکومت سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھا اس لیے محمود لشکر کشی کے خیال سے نیشاپور سے چل کر ہرات آیا - یہاں سے پھر اُس نے اپنا ایلچی بھیج کر اپنا مطالبہ دہرایا لیکن اسماعیل اب بھی اس پر رضامند نہ ہوا - آخر محمود نے حملہ کیا - اسماعیل نے مقابلے میں صف آرائی کی لیکن شکست کھائی اور اسیر ہوگیا - حمداللہ مستوفی[۱] لکھتے ہیں : ''سیف الدولہ (محمود) نے اسماعیل سے دریافت کیا کہ اگر تم مجھ پر غلبہ پا لیتے تو میرے ساتھ کیا سلوک کرتے - اسماعیل نے جواب دیا کہ میں تمھیں کوئی آزار تو نہ پہنچاتا لیکن اہل و عیال سمیت تمھیں کسی قلعے میں نظر بند کر دیتا اور اسباب معاش مہیا کرکے آخر دم تک اسی قلعے میں رکھتا - محمود نے اسماعیل کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا'' اور جوز جانان کے قلعے میں نظربند کر دیا جہاں اُس نے زندگی کے باقی دن پورے کیے -

محمود غزنوی

(۳۸۷ تا ۴۲۱ھ مطابق ۹۹۷ تا ۱۰۳۰ع)

محمود ، غزنوی سلسلے کا عظیم بادشاہ تھا - اس سلسلے کا یہ اولین حکمران تھا ، جس نے سلطان کا لقب اختیار کیا - عبدالملک بن نوح سامانی کے عہد میں محمود نے پورے خراسان کو فتح کرکے وہاں غزنوی حکومت قائم کی - قہستان کے علاقے کو مسخر کیا اور ۳۹۳ھ مطابق ۱۰۰۲ع میں سیستان پر غلبہ پایا - اس کے بعد ہندوستان پر لشکر کشی کی اور ہندوؤں سے مصروف جہاد رہ کر انھیں پے در پے کئی شکستیں دیں - اتنے میں ایلک خان ترک کے خراسان پر لشکر کشی

---

۱ - تاریخ گزیدہ ، صفحہ ۳۹۸ -

کرنے کی خبر ملی تو وہ خراسان آیا اور حملہ آور کو مار بھگایا ۔ اس پر بس نہیں ، اس نے ماوراء النہر پر حملہ کرکے اسے بھی ترکوں سے آزاد کرا لیا ۔ اس کے بعد محمود نے ۴۰۱ھ مطابق ۱۰۱۰ع میں غور کے علاقے کی تسخیر کرکے اسے بھی اپنی مملکت میں شامل کر لیا ۔ ۴۰۷ھ مطابق ۱۰۱۶ع میں خوارزم پر فتح پا کر اسے بھی جزو مملکت بنایا ۔ ۴۱۶ھ مطابق ۱۰۲۵ع وہ سال ہے جب محمود نے سومنات کا بت توڑ کر شہرہ آفاق کارنامہ سرانجام دیا اور مندر کی صدیوں کی جمع کی ہوئی دولت کو غزنی آٹھوا لایا تھا ۔ ۴۲۰ھ مطابق ۱۰۲۹ع میں اس نے مجد الدولہ دیلمی کو شکست دے کر ری اور آس پاس کے علاقے کو مسخر کیا اور فلک المعالی منوچہر کے ایما پر تمام گرگان اور ماژندران میں محمود کے نام کا خطبہ پڑھا گیا ۔

محمود کے عہد کا یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ اس نے غزوں کے حملوں کو پسپا کرکے انھیں حدود ایران سے نکال باہر کیا تھا ۔ ان غزوں کا ذکر سلجوقیوں کے باب میں آئے گا ۔ محمود کا سال وفات ۴۲۱ھ مطابق ۱۰۳۰ع ہے ۔

محمود کی سیرت

محمود ایک عادل اور پرخلوص حکمران تھا ۔ جنگجوئی اس کی فطرت کا خاصہ تھی ۔ اس نے نہ صرف ہند میں فتوحات حاصل کیں بلکہ خراسان ، ماوراء النہر اور خوارزم کے علاقے بھی فتح کرکے اپنی مملکت میں شامل کیے ۔ اس کی سلطنت مشرق میں پنجاب اور مغرب میں بحیرہ اورال تک پھیلی ہوئی تھی جس کا انتظام اس نے بڑے تدبر سے کیا ۔

علمی سرگرمیاں

علم و ادب کی ترویج و اشاعت کے لیے اس نے جو خدمات سرانجام دیں وہ اس کی فتوحات سے کم نہ تھیں ۔ اس کے دربار سے مشہور ترین علما وابستہ تھے ۔ مشہور ہیئت دان ابوریحان البیرونی کو اس نے دربار خوارزم سے بلوا کر اپنے دربار کے علما میں شامل کیا تھا ۔ ان میں البیرونی کے علاوہ عتبی ، فارابی ، بیہقی خاص طور پر بہت مشہور تھے ۔ علماء کے علاوہ مشہور شعرا فرخی ، عنصری اور عسجدی

بھی دربار غزنی سے وابستہ تھے ۔ بعد میں فردوسی بھی غزنوی شعرا کی صف میں شریک ہوا ۔ اسے فارسی شاعری کا ہومر کہیں تو بجا ہے ۔

غزنی میں اس نے دارالعلوم بھی قائم کیا جس میں ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی تھا ۔ دارالعلوم میں متعدد با کمال علما تعلیم دیتے تھے ۔
محمود نے غزنی کو دارالسلطنت بنا کر اسے پوری زینت دی ۔ وہاں ایک عالی شان مسجد تعمیر کرائی ، جسے سونے چاندی کے فانوسوں اور گراں بہا قالینوں سے مزین کیا ۔ ایک وسیع و عریض عجائب خانہ تعمیر کرایا ، جس میں اسلامی دنیا کی نادر الوجود اشیا لا کر رکھیں ۔ سڑکیں ، پل اور مسافر خانے بھی تعمیر کرائے ۔

محمود نے مشہد امام رضاؓ[1] کی عمارت کی تجدید کی ۔ اہل طوس حضرت امام رضا کے مزار کے زائرین کو طرح طرح سے آزار پہنچاتے تھے ۔ محمود نے فرمان جاری کرکے زائرین پر کسی قسم کا ستم روا رکھنے کی سختی سے ممانعت کر دی ۔

مسعود بن محمود

محمود کی وصیت کے مطابق اس کا چھوٹا بیٹا محمد تخت نشین ہوا لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ محمود کے بڑے بیٹے مسعود نے ، جو اصفہان میں تھا ، تخت و تاج کا دعویٰ کیا ۔ اس موقع پر محمد کے ایک معتمد حاجب علی نے محمد کے چچا یوسف بن سبکتگین کو اپنا ہمنوا بنا کر محمد کو اسیر کر لیا اور حکومت کی باگ ڈور مسعود کے سپرد کر دی ۔ مسعود نے حسن میمندی کو ، جسے محمود نے زندان میں ڈال رکھا تھا ، رہائی دے کر اپنا وزیر بنایا ۔

مسعود ، دلیر اور صاحب تدبر حکمران تھا ۔ اس نے اپنی مملکت کی ، جو ہمدان سے ہند تک پھیلی ہوئی تھی ، حفاظت کی اور آس پاس کے علاقوں کے حکمرانوں کو سر اطاعت خم کرنے پر مجبور کیا ۔ اس نے ہند میں بھی کچھ فتوحات حاصل کیں لیکن غزوں نے اس کی سلطنت میں پھر یلغاریں شروع کیں ۔ یہ وہی غز تھے جنھیں محمود

---

۱ ۔ عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۱۸۵ ۔

غزنوی نے ایران کی سرحدوں سے نکال باہر کیا تھا - غزوں کے علاوہ مسعود کے لیے یہ پریشانی بھی لاحق ہوئی کہ سلجوقیوں نے یلغار کرکے خراسان پر قبضہ کر لیا ، بلخ اور بخارا کو بھی مسخر کیا - مسعود نے اپنے بیٹے مودود کو سلجوقیوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے بھیجا اور خود لشکر فراہم کرنے کے لیے عازم ہند ہوا - لیکن اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں ۴۳۲ھ مطابق ۱۰۴۰ء میں مارا گیا -

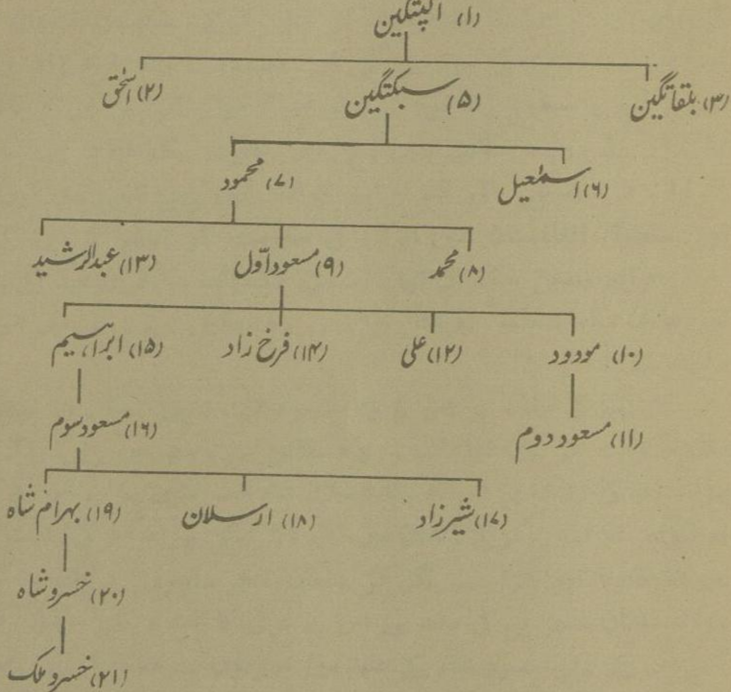
مودود بن مسعود

جن لوگوں کا مسعود کے قتل میں ہاتھ تھا ، انھوں نے مودود کے بجائے اس کے چچا محمد کو تخت نشین کیا لیکن وہ نا اہل ہونے کی وجہ سے لشکر پر قابو نہ رکھ سکا - چنانچہ انھوں نے لوگوں کے مال و متاع پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا - اسی اثنا میں مودود نے اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے کے لیے اپنے جاں نثاروں کی فوج منظم کی اور غزنی کے قریب محمد کو شکست دی اور اسے مع اس کے بیٹوں اور دوسرے لواحقین کے موت کے گھاٹ اتار دیا - اسے ہند میں تو ضرور اقتدار حاصل ہوا لیکن ایران میں اس کی حکومت ضعف و زوال کا شکار ہو گئی اور سلجوقی برسر اقتدار آگئے - مودود نے آس پاس کے علاقوں سے لشکر فراہم کرکے سلجوقیوں کا مقابلہ کرنا چاہا لیکن وہ ۴۴۱ھ مطابق ۱۰۴۹ء میں دفعۃً درد قولنج میں مبتلا ہو کر راہی ملک عدم ہوا -

غزنوی عہد کے دوسرے حکمران

مودود کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا لیکن وہ پانچ ہی دن تخت پر بیٹھا تھا کہ امرا نے اس سے روگردانی کرکے علی بن مسعود کو غزنی کی حکومت سونپی لیکن اسے بھی قرار نصیب نہ ہوا - اس زمانے میں عبدالرشید بن محمود قید میں تھا - کسی حیلے سے اس نے قید سے رہائی پائی اور لشکر غزنی کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہوگیا - علی بن مسعود کو صورت حال کا علم ہوا تو اس نے راہ فرار اختیار کی اور غزنی کا تخت و تاج عبدالرشید نے سنبھالا - وہ ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ مودود کے ایک حاجب طغرل نامی کو جسے غزوں کے خلاف جنگ

غزنویان



(۱) الپتگین
(۲) اسحق
(۵) سبکتگین
(۳) بلقاتگین
(۷) محمود
(۶) اسمعیل
(۱۳) عبدالرشید
(۹) مسعود اول
(۸) محمد
(۱۵) ابراہیم
(۱۴) فرخ زاد
(۱۲) علی
(۱۰) مودود
(۱۶) مسعود سوم
(۱۱) مسعود دوم
(۱۹) بہرام شاہ
(۱۸) ارسلان
(۱۷) شیرزاد
(۲۰) خسرو شاہ
(۲۱) خسرو ملک

کرنے میں شہرت حاصل ہوئی تھی ، غزنی کا تخت و تاج حاصل کرنے کی ہوس ہوئی - اس نے عبدالرشید کو قتل کرکے حکومت سنبھال لی - فوراً ہی اسے خیانت کی سزا مل گئی اور مسعود کا بیٹا فرخ زاد وارث تخت و تاج بنا - فرخ زاد فوت ہوا تو اس کا بھائی ابراہیم اس کا جانشین بنا - اس نے ۴۵۱ھ مطابق ۱۰۵۹ع میں چغری بیگ داؤد سے معاہدہ کرلیا - شرط یہ طے پائی کہ ابراہیم خراسان میں پیش قدمی نہیں کرے گا اور سلجوق افغانستان میں ابراہیم کی حکومت کو تسلیم کر لیں گے -

ابراہیم متدین حکمران تھا - وہ جب تک زندہ رہا قرآن مجید کے نسخے اور تحائف مکہ معظمہ بھیجتا رہا - ۴۸۱ھ مطابق ۱۰۸۸ع میں اس کی وفات ہوئی -

ابراہیم کی وفات پر اس کا بیٹا مسعود تخت نشین ہوا - وہ چند ہی سال حکومت کر پایا تھا کہ ۵۰۸ھ مطابق ۱۱۱۴ع میں راہیٔ ملک بقا ہوا - اس کی وفات پر اس کا بیٹا ارسلان شاہ تخت نشین ہوا - اس نے اپنے بھائیوں کو اسیر کرکے زندان میں ڈال دیا لیکن بہرام اس کی دست برد سے محفوظ رہا اور غزنی سے نکل کر سلطان سنجر سلجوق کے ہاں پناہ‌گزیں ہوا - سلطان سنجر ہی کی مدد سے اس نے غزنی کا تخت و تاج حاصل کیا - آخر اس کے بیٹے خسرو شاہ کے عہد میں غوریوں نے حملہ کرکے ۵۴۷ھ مطابق ۱۱۵۲ع میں غزنویوں کی حکومت ختم کر دی اور غزنی میں غوری عہد کی تاسیس کی -

سلسلۂ خانیہ

(۳۸۰ تا ۶۰۹ھ مطابق ۹۹۰ تا ۱۲۱۲ع)

سلسلۂ خانیہ کو تاریخوں میں ایلک خانیہ ، آل افراسیاب یا آل خاقان بھی لکھا گیا ہے - یہ ماوراءالنہر کے حکمران تھے ، اور نسلاً ترک تھے - اس سلسلے کے مورث اعلیٰ کے متعلق تاریخ خاموش ہے - بہر صورت یہ واضح ہے کہ ایلک خان نے ، جس کا لقب شمس الدولہ تھا ، ۳۸۹ھ مطابق ۹۹۸ع میں بخارا کو فتح کیا اور ماوراءالنہر سے آل سامان کا تسلط کلیۃً ختم کر دیا - اس کی مدت حکومت ۳۸۰ تا ۴۰۳ھ مطابق ۹۹۰ تا ۱۰۱۲ع ہے - یہ حکمران سلطان محمود غزنوی کا ہم عصر تھا -

سلسلۂ خانیہ کا ایک اور مشہور حکمران قلج طمغاج ابراہیم تھا ، جو فضلا اور شعرا کا مربی تھا ۔ آخری حکمران اس سلسلے کا قلج ارسلان خاقان بن قلج طمغاج ابراہیم تھا ، سلطان علاءالدین محمد خوارزم شاہ کے ہاتھوں ۶۰۹ھ مطابق ۱۲۱۲ع میں قتل ہوا اور اس کے بعد ماوراءالنہر کا تمام علاقہ محمد خوارزم شاہ کے تسلط میں آ گیا ۔

فارسی علم و ادب

بنو عباس کی خلافت کے زمانے میں ایران میں عربی زبان اظہار خیال کا ذریعہ تھی ۔ ایرانی دانشور عربی زبان ہی میں مذہبی ، علمی اور ادبی شاہکار پیش کرتے رہے ۔ آخر جب عربوں کی گرفت ڈھیلی پڑی تو ایران میں وطنی جذبات ابھرے اور مختلف مقامات پر مقامی حکومتیں قائم ہوئیں ۔ حکمرانوں اور امیروں وزیروں نے اپنی مادری زبان فارسی کے احیا کی طرف توجہ دی ۔ فارسی کے محسن پیدا ہوئے تو علمائے ایران نے فارسی نظم و نثر کی طرف توجہ دی اور رفتہ رفتہ فارسی نے ادبیات عالم میں اپنا مقام پیدا کر لیا ۔ عربی اور فارسی دونوں زبانوں کی ترویج نے ایک دوسری پر اثر ڈالا ۔ بالخصوص عربی کے الفاظ فارسی میں بے تکلف داخل ہوتے گئے ۔

خلافت بنو عباس کے ابتدائی دور ہی میں طاہریہ ، صفاریہ ، سامانیہ اور آل زیار کی مقامی حکومتیں قائم ہوئیں ، جن کا پہلے ذکر آ چکا ہے ، اب یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سرپرستی سے شعر و ادب کی جو ترویج و ترقی ہوئی اس کا مختصر سا ذکر کر دیا جائے تاکہ لسانی پہلو بھی قارئین کے سامنے آتے جائیں ۔

طاہری عہد کے شعرا

آل طاہر کی حکومت خالصتاً ایرانی تھی ۔ انھوں نے پہلی مرتبہ فارسی زبان و ادب کی طرف توجہ دی اور بخارا اور نیشاپور فارسی علم و ادب کے مرکز بنے ۔ اولین بار شعرا نے مادری زبان میں شعر کہنے شروع کیے ۔ اس عہد کا مشہور شاعر حنظلہ بادغیسی ہے ، جس نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا ۔ اس کے کلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے

شاعری میں بہادری اور عزم پختہ رکھنے کی تلقین کی ہے - اس کا سال وفات ۲۱۹ یا ۲۲۰ھ مطابق ۸۳۴ یا ۸۳۵ع ہے -

صفاری عہد کے شعرا

صفاری حکمران حب وطن کے جذبے سے سرشار تھے ، انھوں نے دانشوروں کو فارسی زبان میں اظہار خیال کرنے کی طرف توجہ دلائی - یعقوب بن لیث کا عربی میں کوئی قصیدہ لکھ کر لاتا تو وہ کہتا! ایسی زبان میں قصیدہ لکھنے کا کیا فائدہ جسے میں جانتا نہیں - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شعرا نے فارسی کی طرف توجہ دی - اس عہد میں آل طاہر کے عہد کی بہ نسبت زیادہ شعرا کا پتہ چلتا ہے - فیروز مشرقی ، محمد بن الوصیف سیستانی اور ابو سلیک گرگانی تو صفاری دربار سے وابستہ تھے ؛ شہید بلخی ، ابو شعیب صالح بن محمد ہراتی ، ابو عبداللہ اور محمد بن موسیٰ الفرالادی بھی اسی زمانے کے شاعر تھے -

عہد سامانیہ کے شعرا

سامانی دور کا عظیم شاعر ابو عبداللہ جعفر رودکی تھا - اس نے شاعری کی اہم صنف قصیدہ ایجاد کیا اور اس میں خاص روایات قائم کیں - رباعیاں اور قطعات لکھنے والوں میں بھی اس کا نام ممتاز ہے - اس نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا - مسعودی مروزی سب سے پہلا شاعر ہے جس نے مثنوی لکھی اور شاہنامے کی صورت میں ایران قدیم کی تاریخ نظم کی - ابو شکور بلخی نے مثنوی ''آفرین نامہ'' لکھی - ان کے علاوہ رابعہ قزداری ، ابوالحسن شہید بلخی ، ابو شعیب ہروی ، ابو اسحاق جوئباری ، خبازی نیشاپوری ، عمارہ مروزی اور کسائی اس عہد کے شاعر تھے -

دربار سامانیہ میں رودکی کے بعد جس شاعر نے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی وہ ابو منصور محمد بن احمد دقیقی تھا - دقیقی اپنے اشعار میں زرتشت کا نام بڑی عقیدت سے لیتا ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دین آتش پرستی کا پیرو تھا - قدیمی تمدن سے اسے گہری وابستگی تھی - چنانچہ اس نے ایران قدیم کی ملی داستانوں کو نظم کرنا شروع کیا ، لیکن صرف بیس ہزار شعر ہی لکھ پایا تھا کہ اپنے ایک غلام کے ہاتھوں مارا گیا -

غزنوی عہد کے شاعر فردوسی نے اپنے شاہنامے کی بنیاد دقیقی ہی کے شاہنامے پر رکھی اور اس کے اشعار کو اظہار تشکر کے ساتھ اپنے شاہنامے میں شامل کیا اور دقیقی کی تعریف و توصیف بھی کی ۔

آل بویہ کے زمانے کے شعرا

آل بویہ کے حکمران علماء کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے ۔ ان کا نامور وزیر صاحب بن عباد تھا، جو علماء کا سرپرست تھا، اس لیے آل بویہ کا دربار علم و ادب کا بہت بڑا مرکز بن گیا ۔ اس دربار کے ساتھ متعدد شعرا وابستہ تھے جن میں علی منطقی ، ابو بکر محمد ، پندار اور بختیاری قابل ذکر ہیں ۔ بعض ان میں عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے ۔ ان شعرا کی مستقل یادگار کوئی نہیں البتہ ان کے نام تذکروں میں باقی رہ گئے ہیں ۔

نثر نویس

سامانی دور میں پہلی بار فارسی نثر کی طرف توجہ ہوئی ۔ ''مقدمۂ شاہنامہ'' نثر فارسی کا قدیم ترین نمونہ ہے جو اسی دور میں لکھا گیا ۔ اس کا مؤلف ابو منصور المعمری ہے ۔

ابو علی محمد بلعمی سامانی دور میں وزارت کے منصب پر فائز تھا ۔ اس نے منصور بن نوح کی فرمائش پر ابو جعفر محمد بن جریر الطبری کی مشہور تاریخ کا فارسی میں ترجمہ کیا ۔

سامانی دور میں ہی تفسیر طبری کا فارسی میں ترجمہ ۳۵۲ھ مطابق ۹۶۳ع میں مکمل ہوا ۔ یہ ترجمہ چودہ جلدوں میں ہے اور چند علماء کی متحدہ کوششوں کا نتیجہ ہے ۔

موفق الدین ابو منصور علی ہروی نے ''الابنیہ عن حقائق الادویہ'' کتاب تالیف کی ۔ اس میں دواؤں کے خواص سے بحث کی گئی ہے ۔

نثر کی دو اور کتابیں شاہنامہ اور گرشاسپ نامہ بھی اس زمانے کی یادگاریں ہیں ۔

آل زیار کے عہد کی مشہور تصانیف

اس زمانے کی ایک مشہور تصنیف ''قابوس نامہ'' ہے ، جوقابوس بن وشمگیر کے پوتے امیر عنصر المعالی نے اپنے بیٹے گیلان شاہ کی رہنمائی کے لیے لکھی تھی - یہ کتاب فارسی میں ہے -

مقامات بدیعی

آل زیار کے نامور ادیب بدیع الزمان ہمدانی نے (وفات ۳۹۸ھ مطابق ۱۰۰۷ع) پہلی مرتبہ حکایات و روایات مسجع عربی نثر میں لکھیں اور مقامات نویسی کا فن ایجاد کیا -

آل بویہ کے عہد کا مشہور عالم ابو علی مسکویہ (وفات ۴۲۱ھ مطابق ۱۰۳۰ع) عضدالدولہ کے دربار سے وابستہ ہوا - عربی زبان میں مشہور کتابیں ''تجارب الامم'' اور ''تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق'' تالیف کیں -

عہد غزنویہ کے شعرا

چوتھی صدی ہجری مطابق دسویں صدی عیسوی میں فارسی ادب ایک نئے مرحلے میں داخل ہوا - شعرا کے قصائد میں سادگی کی جگہ صنائع بدائع اور تشبیہات و استعارات نے لے لی - قومی احساسات اور حب الوطنی کے جذبات فردوسی کے عظیم شاہکار 'شاہنامہ' میں جلوہ گر ہوئے - اس کے علاوہ عرفانی اور اخلاقی مسائل بھی شعرا کے کلام کا موضوع بنے - اس دور کے چند شعرا کا مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ہے -

اسدی طوسی

عہد غزنویہ اور عہد سلجوقیہ میں دو شاعر اسدی طوسی کے نام سے مشہور ہوئے - ان میں ایک باپ اور دوسرا بیٹا تھا - اسدی بزرگ کا نام ابو نصر احمد بن منصور ہے اور بیٹے کا نام علی بن احمد اسدی ہے ، جو ''گرشاسپ نامہ'' کا مصنف ہے - اس کا ذکر سلجوقی عہد میں آئے گا -

اسدی بزرگ فن مناظرہ کا موجد ہے - قصائد لکھتے ہوئے وہ بعض اوقات دو چیزوں کا آپس میں مناظرہ کراتا ہے - بالآخر ممدوح کی تعریف

کی طرف گریز ہوتا ہے ۔ اسدی کے قصائد تو اب باقی نہیں لیکن اس کے مناظروں کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے ۔

فردوسی

ابوالقاسم فردوسی طوس کا رہنے والا تھا ۔ اس کی پیدائش قیاساً ۳۲۹ یا ۳۳۰ھ مطابق ۹۴۰ع یا ۹۴۱ع میں ہوئی ۔ اس کی عظیم یادگار ''شاہنامہ'' ہے ۔ فردوسی نے جہاں شاہنامہ لکھ کر ایران قدیم کی تاریخ مرتب کی ، وہاں اس نے فارسی زبان کو نئی زندگی بھی دی ۔ علم ، شعر ، تاریخ اور اخلاق کے اعتبار سے فردوسی عہد غزنویہ کے تمام ادبیات کا محور نظر آتا ہے ۔ شاہنامہ اس نے اپنے گاؤں میں بیٹھ کر لکھا اور اس کا پہلا نسخہ احمد بن محمد بن ابی بکر خالنجانی کے نام منسوب کیا ۔ دوسرا نسخہ سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں پیش کیا[1] لیکن اس خیال سے کہ شاہنامہ ایران قدیم کے بادشاہوں کی تاریخ ہے ، فردوسی اور اس کے شاہنامے کو بہت زیادہ اہمیت نہ دی گئی اور تھوڑا بہت انعام دینے پر اکتفا کیا ۔ فردوسی مایوس ہو کر غزنی سے نکلا اور ایران پہنچ گیا اور کچھ وقت بہاءالدولہ یا اس کے بیٹے سلطان‌الدولہ دیلمی کے دربار میں گزارا ۔ ایرانی تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ یہاں اس نے یوسف زلیخا کے قصے کو نظم کیا ، لیکن یہ درست نہیں ۔ ایک جدید ایرانی نقاد رضا زادہ شفق لکھتے ہیں : ''حال[2] ہی میں ایک فاضل شخص نے یوسف زلیخا کا ایک قلمی نسخہ ڈھونڈھ نکالا ہے ، جس سے پتا چلتا ہے کہ اس کا مصنف فردوسی نہیں ۔''

عنصری

ابوالقاسم حسن بن احمد عنصری اپنے زمانے کا عظیم قصیدہ نگار تھا اور سلطان محمود غزنوی کے دربار کا ملک‌الشعرا تھا ۔ اس نے سلطان محمود کی فتوحات کو اپنے قصائد میں پیش کیا ہے ۔ سال پیدائش

---

۱ ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ادب نامۂ ایران ، طبع دوم ، صفحہ ۱۴۷ ۔

۲ ۔ تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۹۷ تہران ۔



آرام گاه فردوسی - طوس مشهد

۳۵۰ھ مطابق ۹۶۱ع اور سال وفات ۴۳۱ھ مطابق ۱۰۳۹ع ہے - ایک دیوان عنصری کی یادگار ہے - اس نے بعض مثنویاں بھی لکھی ہیں لیکن اب وہ ناپید ہیں -

غضائری رازی

ابو یزید محمد غضائری رازی عراق کے مشہور شعرا میں سے تھا اور بہاءالدولہ دیلمی کے دربار سے وابستہ تھا - آخر غزنی آیا اور سلطان محمود کے دربار سے منسلک ہوا - سال وفات ۴۲۶ھ مطابق ۱۰۳۴ع ہے -

فرخی سیستانی

ابوالحسن علی بن جولوغ فرخی سیستانی دربار غزنویہ کے مشہور شعرا میں سے تھا - فرخی چنگ بجانے میں بھی ماہر تھا - وہ چنگ بجاتا اور شعر گاتا تھا - اس کے نزدیک زندگی وہی زندگی ہے، جو عشرت میں بسر ہو چنانچہ اس کے اشعار عیش و نشاط اور مادی خوشیوں کے ذکر سے بھرپور ہیں[1] -

عسجدی

عبدالعزیز بن منصور عسجدی مروزی سلطان محمود غزنوی کے دربار سے وابستہ تھا - سال وفات ۴۲۲ھ مطابق ۱۰۳۱ع ہے - ''فتح سومنات'' اس کا مشہور قصیدہ ہے -

ابوالحسن علی بہرامی سرخسی

بہرامی نے فن عروض پر دو کتابیں ''غایۃالعروضین'' اور ''کنزالقافیہ'' لکھی ہیں - نظم میں کوئی مستقل یادگار باقی نہیں -

منوچہری دامغانی

احمد منوچہری دامغان کا رہنے والا تھا - شعر و شاعری میں شہرت ہوئی تو سلطان محمود غزنوی کے دربار سے وابستہ ہوا - اسے عربی میں مہارت حاصل تھی - اسی وجہ سے اس نے بعض قصائد عرب شعرا کے قصائد پر لکھے ہیں -

---

۱ - دیکھیے ادب نامۂ ایران مولفہ مرزا مقبول بیگ بدخشانی طبع دوم، لاہور ۶۷ع صفحہ ۱۲۷ تا ۱۲۹ -

ان شعرا کے علاوہ عہد غزنویہ کے بعض اور شاعر بھی تھے جن کے نام یہ ہیں: لبیبی خراسانی، زینتی علوی محمودی، منشوری سمرقندی، مسعودی غزنوی، عطاردی اور بالیث طبری۔

غزنوی دور کے علما

سلطان محمود غزنوی کا دربار علم و فضل کا بہت بڑا مرکز تھا۔ یہاں شعرا کے علاوہ مشہور آفاق علما بھی جمع تھے جن کی گراں قدر تصنیفات آج بھی علمی تحقیق کا مفید ترین مآخذ سمجھی جاتی ہیں۔ ان میں ابو ریحان البیرونی اور ابوالفضل بیہقی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ بوعلی سینا اور بدیع الزمان ہمدانی کو اگرچہ غزنوی دربار سے تعلق نہ تھا، لیکن یہ اسی زمانے کے علما تھے اس لیے ان کا مختصر ذکر بھی اس دور کے علما میں آئے گا۔

ابو ریحان البیرونی (۳٦۳ تا ۴۴۰ھ مطابق ۹۷۲ تا ۱۰۴۸ع)۔ یہ علوم عقلی، یعنی علم ہیئت، علم طبیعیات، علم جغرافیہ اور ریاضیات کے بزرگ ترین عالم تھے۔ پہلے خوارزم شاہوں کے دربار سے تعلق پیدا کیا پھر زیاری حکمران شمس المعالی قابوس بن وشمگیر کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ یہاں سے پھر واپس خوارزم آگئے۔ بالآخر سلطان محمود غزنوی کی دعوت پر غزنی چلے گئے۔ الآثار باقیہ، کتاب الہند التفہیم لاوایل صناعت التنجیم اور قانون مسعودی آپ کی مشہور تصنیفات ہیں، جو عربی میں ہیں۔

شیخ الرئیس بو علی سینا (۳۷۰ تا ۴۲۸ھ مطابق ۹۸۰ تا ۱۰۳٦ع)۔ آپ کا شمار دنیا کے ان عظیم دانش مندوں میں ہوتا ہے جن کی تعلیم سے اہل مشرق اور اہل مغرب نے یکساں فیض اٹھایا۔ آپ کی تصنیفات میں شفا، قانون اور اشارات بہت مشہور ہیں۔ شفا، منطق، طبیعیات، علم الٰہیات اور ریاضیات پر مشتمل ہے۔ قانون، طب کا عظیم کارنامہ ہے اور اشارات، منطق اور فلسفہ سے متعلق ہے۔ یہ کتابیں عربی میں ہیں۔ فارسی میں دانش نامۂ علائی آپ کی یادگار ہے۔

ابوالفضل بیہقی (۳۸۵ تا ۴۷۰ھ مطابق ۹۹۵ تا ۱۰۷۷ع) - اسے بحیثیت ایک غیر جانبدار مؤرخ کے بہت شہرت حاصل ہوئی - تاریخ بیہقی اس کا عظیم کارنامہ ہے - یہ کتاب تیس جلدوں پر مشتمل ہے لیکن اس کی آخری جلد کے سوا باقی حصے ناپید ہیں - یہ جلد سلطان محمود کے بیٹے سلطان مسعود کے عہد سے متعلق ہے -

ابو منصور عبدالملک بن محمد ثعالبی - عربی زبان میں ایک مشہور تذکرہ ''یتیمۃالدہر'' اس کی یادگار ہے :

ابو سعید عبدالحئی بن ضحاک گردیزی - اس نے 'زین الاخبار'' کے نام سے ایک تاریخ مکمل کی جو آفرینش عالم سے سلطان مودود بن مسعود غزنوی تک کے حالات پر مشتمل ہے -

چوتھا باب

سلجوقی دور

(۴۲۹ تا ۵۵۲ھ مطابق ۱۰۳۷ تا ۱۱۵۷ع)

سلطان محمود غزنوی جب اپنی مشرقی مہموں میں مصروف تھا تو اس وقت ترک قبائل دریائے سیحوں کو عبور کر کے ماوراءالنہر آگئے - سلطان محمود نے اس شرط پر انھیں وہاں مستقل سکونت اختیار کرنے کی اجازت دے دی کہ وہ اس کے وفادار رہیں گے اور اطاعت کے اظہار کے طور پر کچھ رقم بطور خراج ادا کرتے رہیں گے - خراج تو وہ ادا کرتے رہے لیکن بعد میں سلطان کو ان کی جمعیت کا احساس ہوا تو توازن قائم رکھنے کے لیے غز قبائل کو خراسان کی سرحد پر لا بسایا ، جن کا سردار سلجوق تھا - یہ ایک دوسری غلطی تھی جس کا خمیازہ غزنوی حکومت کو بھگتنا پڑا -

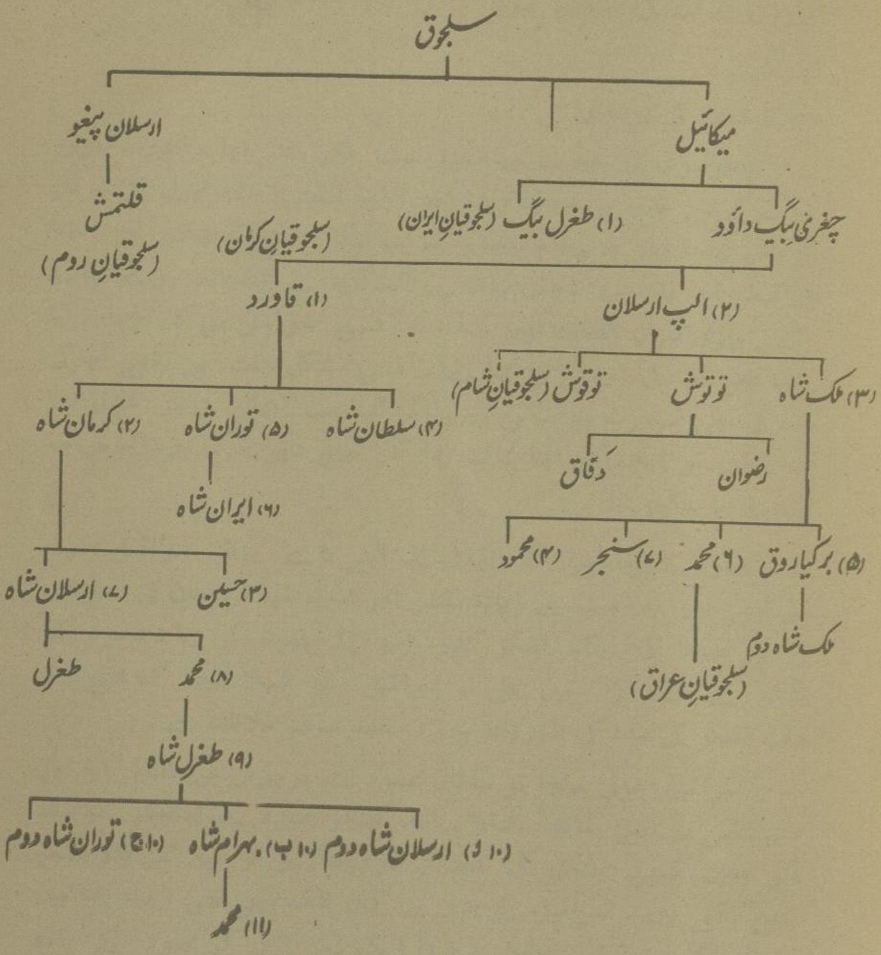
سلجوق[1] قبائل غز ترکوں کی ایک شاخ تھے - ان کا مورث اعلیٰ دقاق تھا - ترکستان ان کا وطن تھا - خانوادوں کے پھیلنے اور چراگاہوں کی کمی کی وجہ سے یہ لوگ ترکستان سے چل کر ماوراءالنہر آئے - سردیوں میں یہ لوگ نور بخارا میں قیام کرتے تھے اور گرمیوں کے موسم میں سغد سمرقند آ جاتے تھے -

دقاق نے اسلام قبول کر لیا جس کی وجہ سے سارا قبیلہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا - اس کا بیٹا سلجوق جند کے مقام پر فوت ہوا - اس کے چار بیٹے تھے - بڑا اسماعیل تھا اور چھوٹے میکائیل ، یونس اور موسیٰ بیغو تھے - میکائیل بعض اور ترک قبائل سے جنگ کرتا ہوا مارا گیا -

---

۱ - محمد بن علی بن سلیمان راوندی : راحت الصدور بہ تصحیح محمد اقبال : تہران ، صفحہ ۸۶ -

آلِ سلجوق


سلجوق
میکائیل
ارسلان پیغو
قلتمش
(سلجوقیانِ روم)
چغری بیگ داؤد
(۱) طغرل بیگ (سلجوقیانِ ایران)
(سلجوقیانِ کرمان)
(۱) قاورد
(۲) الپ ارسلان
(۳) ملک شاہ
توتوش
توتوش (سلجوقیانِ شام)
(۴) سلطان شاہ
(۵) توران شاہ
(۲) کرمان شاہ
رضوان
دقاق
(۶) ایران شاہ
(۵) برکیاروق
(۶) محمد
(۷) سنجر
(۴) محمود
ملک شاہ دوم
(سلجوقیانِ عراق)
(۳) حسین
(۷) ارسلان شاہ
(۸) محمد
طغرل
(۹) طغرل شاہ
(۱۰ ا) ارسلان شاہ دوم
(۱۰ ب) بہرام شاہ
(۱۰ ج) توران شاہ دوم
(۱۱) محمد

میکائیل کے بیٹے طغرل بیگ محمد اور چغری بیگ داؤد تھے ۔ میکائیل کے پیروؤں نے ان کی اطاعت قبول کر لی اور بخارا کے قریب جا گزیں ہو گئے ۔

سلطان محمود کی پریشانی

سلجوقیوں کی جمعیت سے محمود بہت فکر مند تھا ۔ انہیں کمزور کرنے کے لیے تدبیریں سوچتا رہا ۔ آخر ''اپنا ایلچی[1] سلجوقیوں کے سردار کے پاس بھیجا اور یہ پیغام پہنچایا کہ آپ لوگ بہت تجربہ‌کار اور دانا ہیں لیکن اس بات سے تعجب ہوتا ہے کہ آپ نے ہمسایہ ہوتے ہوئے کبھی ہماری طرف التفات نہیں کیا ، نہ کسی خواہش ہی کا اظہار کیا ہے ۔ مجھے آپ کی دوستی کی تمنا ہے ۔ کسی مشکل وقت پر مجھے آپ کی مدد کی بھی ضرورت ہو سکتی ہے ۔ اگر آپ سب بھائی دربار غزنی میں نہ آ سکیں تو ایک کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیج دیں تاکہ دوستانہ مراسم بڑھائے جا سکیں ۔''

محمود کا پیغام سن کر انہوں نے اپنے بڑے بھائی اسرائیل کو ، جو قبیلے بھر میں سب سے زیادہ مقتدر اور محترم تھا ، سلطان کی ملاقات کے لیے بھیجا اور ایک لشکر کثیر اس کے ہمراہ کر دیا ۔ محمود کو لشکر کے آنے کی خبر ملی تو اسرائیل کو کہلا بھیجا کہ مجھے اس وقت لشکر کی مدد کی ضرورت نہیں ، مقصد صرف ملاقات ہے ۔

اسرائیل غزنی پہنچا تو سلطان محمود نے پرجوش خیر مقدم کیا اور تخت شاہی پر اپنے ساتھ بٹھایا ۔ اثناء گفتگو محمود نے استفسار کیا کہ اگر ہمیں کبھی لشکر کی مدد کی ضرورت ہو تو آپ کس قدر لشکر بھیج سکتے ہیں ۔ اسرائیل کے بازو سے کمان لٹک رہی تھی ، بند قبا میں دو تیر لگے ہوئے تھے ، اس نے فوراً ایک تیر نکال کر محمود کے ہاتھ میں دیا اور کہا : ''اگر[2] آپ یہ تیر میرے پاس بھیجیں گے تو ایک سو ہزار سوار آپ کے پاس پہنچ جائیں گے ۔ پھر کمان اس کی طرف بڑھاتے

---

۱ ۔ راحت الصدور بہ تصحیح محمد اقبال صفحہ ۸۹ ۔

۲ ۔ سائیکس : اے ہسٹری آف پرشیا ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۹ ۔

ہوئے بولا ، اگر یہ کمان بھیجیں گے تو مزید دو سو ہزار سوار پہنچ جائیں گے ۔"

محمود اس جواب سے بظاہر خوش ہوا لیکن دل ہی دل میں سلجوقیوں کی فوجی طاقت سے خوف زدہ بھی ہوا ۔ آخر اس نے اسرائیل کو شراب کے نشے میں چور کرکے اسیر کر لیا اور قلعہ کالنجر کے زندان میں ڈال دیا ، جہاں اس نے زندگی کے آخری دن پورے کیے ۔ اس کے بعد سلطان نے اسرائیل کے لواحقین کو خراسان کے گرد و نواح میں منتشر کرکے آباد کرا دیا اور رفتہ رفتہ ان پر گرفت مضبوط کرنے کے لیے ان سے سختی کا سلوک کرتا رہا ، جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ سلجوقی کثیر تعداد میں کرمان ، اصفہان اور آذربائیجان کی طرف بڑھے ۔ جہاں جہاں بھی گئے فتنہ و فساد کی آگ بڑھاتے گئے ۔

سلطان محمود ۴۲۱ھ مطابق ۱۰۳۰ء میں فوت ہوا اور مسعود تخت غزنی پر بیٹھا تو غز ترکوں نے خراسان پر حملہ کر دیا۔ ادھر ہندوستان میں ہندو راجاؤں نے بغاوت کر دی جس کی وجہ سے مسعود غز حملہ آوروں کی طرف جلد متوجہ نہ ہو سکا ۔ اس سے اہل خراسان بد دل ہوگئے ۔ ایران میں صورت حال مزید خراب ہو گئی ۔ خوارزم شاہ اور طبرستان و گرگان کے زیاری حکمرانوں نے غزنویوں کی اطاعت سے روگردانی کی ، لیکن مسعود نے ہمت نہ ہاری ۔ پہلے ہند کی بغاوتوں کو فرو کیا ، پھر کثیر تعداد میں فوج لے کر ۴۲۶ھ مطابق ۱۰۳۴ء میں خراسان آیا اور حملہ آوروں کو طوس اور نیشاپور سے نکال باہر کیا ۔ اس آخری مہم میں میکائیل کے بیٹوں نے سلطان مسعود کا ساتھ دیا ۔ یہاں سے فارغ ہو کر اس نے طبرستان کا رخ کیا ۔ وہاں پہنچا ہی تھا کہ زیاری حکمران نے سر اطاعت خم کر دیا ۔

سلجوقی دور کی ابتدا

میکائیل کے دو بیٹوں چغری بیگ ابو سلیمان داؤد اور طغرل بیگ محمد نے غزوں کو خراسان سے نکالنے میں سلطان مسعود کا ساتھ تو دیا تھا لیکن یہ محض ایک وقتی مصلحت تھی ۔ مسعود کو واپس ہوئے ایک ہی سال گزرا تھا کہ چغری بیگ نے سلطان مسعود کے غزنوی جرنیل

سے مرو کے قریب جنگ کی اور اسے شکست دے کر مرو پر قابض ہو گیا ۔ طغرل بیگ نیشاپور کی طرف بڑھا اور ۴۲۹ھ[1] مطابق ۱۰۳۷ع میں اس نے نیشاپور فتح کر لیا ۔ اس فتح سے سلجوقی قبائل پورے خراسان میں پھیل گئے اور طغرل بیگ نے شادیاخ کے مقام پر تاج پوشی کی رسم ادا کرکے سلجوقی عہد کی بنیاد رکھی ۔

طغرل بیگ محمد

(۴۲۹ھ تا ۴۵۵ھ مطابق ۱۰۳۷ تا ۱۰۶۳ع)

طغرل بیگ نے حکومت کے ابتدائی چار سال امن و امان قائم کرنے میں صرف کیے ۔ پھر مملکت کو وسیع کرنے کا خیال آیا تو گرگان اور طبرستان کا رخ کیا اور انھیں اپنے تسلط میں لے لیا ۔ پھر خوارزم ، ری اور اطراف و جوانب کے علاقے فتح کیے ۔ ادھر طغرل بیگ کے بھائی ابراہیم اینل نے ہمدان اور قلعہ کنگاور کو مسخر کر لیا ۔

راوندی[2] لکھتے ہیں : ''میں نے سنا ہے جب سلطان طغرل ہمدان آیا تو تین بزرگ بابا طاہر ، بابا جعفر اور شیخ حمشا ''خضر'' پہاڑ پر بیٹھے دیکھے ۔ طغرل لشکر سے الگ ہو کر اپنے وزیر ابو نصرالکندری کو ساتھ لیے ہوئے ان کی طرف آیا ۔ گھوڑے سے اتر کر طغرل بیگ نے درویشوں کی دست بوسی کی ۔ بابا طاہر بولے ، اے ترک بتاؤ ! خلق خدا کے ساتھ اب کیا سلوک کرو گے ؟ سلطان نے جواب دیا ، جیسا آپ فرمائیں ۔ طاہر نے کہا تم ایسا سلوک کرنا ، جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے ۔ سلطان آب دیدہ ہو کر بولا ، میں ایسا ہی کروں گا ۔ طاہر نے اپنے ٹوٹے ہوئے لوٹے کا دستہ بڑھا کر کہا میری طرف سے یہ قبول کرو ۔ بادشاہ نے درویش کا تحفہ اپنی انگلی پر چڑھا لیا ۔ اس دستے کو سلطان ہمیشہ اپنے تعویذوں میں رکھا کرتا تھا اور جب کبھی کسی مہم پر نکلتا تو اسے انگلی پر چڑھا لیتا ۔''

---

۱ - پروفیسر لین پول نے (Mohammedan Dynasties) میں سلجوقی عہد کا آغاز اسی سال سے کیا ہے ۔

۲ - راحت الصدور ، بہ تصحیح محمد اقبال صفحہ ۹۸ ۔

رومیوں سے جنگ

رومیوں نے خلافت عباسیہ کی کمزوری دیکھ کر ایشیا میں پاؤں پھیلانے چاہے اور باقاعدہ جنگ کرنے کے بجائے چھاپے مارنے شروع کیے - اس طرح چوتھی صدی ہجری مطابق دسویں صدی عیسوی کے آخر میں رومی مملکت جنوب میں انطاکیہ تک اور مشرق میں آرمینیا تک پھیل گئی - ۴۴۶ھ مطابق ۱۰۵۴ع میں طغرل بیگ نے آذربائیجان فتح کیا ، پھر آرمینیہ کا رخ کیا - یہاں رومیوں سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی جس میں طغرل نے فتح پائی -

طغرل خلیفہ قائم بامراللہ کی خدمت میں

طغرل نے اپنی سلطنت مستحکم کرکے عباسی خلیفہ قائم بامراللہ کی خدمت میں مراسلہ بھیج کر یہ خواہش ظاہر کی کہ اس کی حکومت کو تسلیم کر لیا جائے - خلیفہ نے اس کی حکومت کو تسلیم کر لیا اور اس کے نام کا خطبہ پڑھنےکی اجازت دے دی -

سلجوقی حکومت اب پورے ایران میں پھیل گئی ، جسے شہزادوں میں تقسیم کر دیا گیا - ۴۴۷ھ مطابق ۱۰۵۵ع میں طغرل بیگ خلیفہ قائم بامراللہ کی ملاقات کے لیے بغداد آیا - ''خلیفہ' نے اسے بڑے احترام سے حضوری کا شرف بخشا اور سات خلعتیں اور سات غلام دیے جن سے سات ولائتیں مراد تھیں - ایک گراں بہا پٹکا اس کے سر سے باندھا جو مشک میں بسا ہوا تھا - اس کے اوپر دو جڑواں تاج تھے ، جس سے عرب و عجم کی بادشاہت مراد تھی - دو تلواریں طغرل کے پہلو سے آویزاں کی گئیں جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ تم مشرق و مغرب کے تاج دار ہو -

طغرل کچھ عرصے تک بغداد میں مقیم رہا - اس عرصے میں اس نے اپنی بھتیجی یعنی الپ ارسلان کی بہن خلیفہ کے عقد میں دے دی -''[1]

دیگر فتوحات

طغرل بیگ بغداد سے واپس آیا تو فتوحات کا سلسلہ پھر شروع

---

۱ - سائیکس : اے ہسٹری آف پرشیا ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۰ -

ہوا۔ اب کے اس نے گرگان اور گرجستان کے علاقے مسخر کیے۔ پھر رومی مقبوضات کا رخ کیا اور ابخار کے حکمران کو جو عیسائی تھا، اسیر کر لیا؛ کثیر تعداد میں عیسائی بھی گرفتار ہوئے۔ قیصر روم نے آخر عافیت اسی میں دیکھی کہ مصالحت کی پیش کش کرے جسے طغرل بیگ نے قبول کر لیا اور سب عیسائی جو گرفتار ہوئے تھے، آزاد کر دیے گئے۔ اس کا یہ خوش گوار نتیجہ ہوا کہ عیسائی اپنے مسلمان ہمسایوں کو عزت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ اس واقعہ کی یاد میں قسطنطنیہ میں ایک عالی شان مسجد تعمیر کرائی گئی۔

۴۴۲ھ مطابق ۱۰۵۰ع میں طغرل بیگ نے ابو منصور بن علاءالدولہ کو شکست دے کر اصفہان بھی فتح کر لیا اور ری کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ اس عہد کا ایک یہ بھی اہم تاریخی واقعہ[1] ہے کہ طغرل بیگ نے اپنے وزیر عمیدالملک الکندری کی وساطت سے خلیفہ قائم بامراللہ سے بیٹی کا رشتہ مانگا۔ اس وقت تک یہ رسم نہ تھی کہ خلیفہ اپنی بیٹی کی کسی غیر عرب سے شادی کرے۔ خلیفہ نے با دل ناخواستہ طغرل کی درخواست قبول کر لی اور اس کی بیٹی سیدالنسا کا نکاح ۴۵۴ھ مطابق ۱۰۶۲ع میں طغرل بیگ کے ساتھ ہو گیا لیکن ایک ہی سال گزرا تھا کہ طغرل بیگ ستر سال کی عمر میں اس جہان فانی سے رخصت ہوا۔

طغرل بیگ کی سیرت

طغرل بیگ بہادر ترکوں کا سردار تھا اور حلیم الطبع دانش مند اور دلیر حکمران تھا۔ اس نے رہزنوں اور بھیڑ بکری چرانے والے ترکوں کو ایک وسیع مملکت کا حکمران بنا دیا۔ وہ متدین مسلمان اور سخت گیر حکمران تھا۔ اس کا وزیر عمیدالملک الکندری نہایت مدبر اور دانش مند شخص تھا۔ اسے عربی اور فارسی میں خاصا شغف تھا۔ وہ سلجوقی دربار سے اس وقت وابستہ ہوا تھا جب طغرل بیگ نے نیشاپور کو فتح کیا۔

۱۔ راحت الصدور، صفحہ ۱۱۱۔

ملک کرمان کا حکمران ملک قاورد

(۴۳۳ تا ۴۶۵ھ مطابق ۱۰۴۱ تا ۱۰۷۲ع)

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے ، ایران کی وسیع مملکت کے بعض علاقوں کی حکومت سلجوق شہزادوں کو دے دی گئی تھی - انھی میں چغری بیگ کا بیٹا ملک قاورد تھا جسے کرمان کی حکومت ملی تھی - اسی وجہ سے اس حکومت کا زمانہ سلجوقیان کرمان کا دور کہلایا -

اس حکومت کی اہمیت اگرچہ اس کے بانی ملک قاورد ہی کی وجہ سے ہوئی لیکن اس کے بعد بھی اس خاندان کی حکومت ۵۸۳ھ مطابق ۱۸۷ع تک قائم رہی -

ملک قاورد بہادر اور مدبر حکمران تھا - کرمان کے ملحقہ صوبے جہاں آل بویہ کی حکومت تھی ، اس نے بڑی آسانی سے فتح کرکے اپنی مملکت میں شامل کر لیے - اس[1] کے بعد ملک قاورد نے سیستان کا رخ کیا اور کرمان و سیستان کو ملانے والی سڑک پر ایک قلعہ تعمیر کرایا اور ستون بنوائے تاکہ صحرا میں رہنمائی کا کام دے سکیں - ان میں سے ایک ستون اب بھی باقی ہے جو ستون قاورد کے نام سے موسوم ہے -

ملک قاورد انھی مفتوحہ علاقوں پر قانع نہ تھا ، اس نے کچھ اور ہاتھ پاؤں پھیلائے اور اپنا علاقہ فارس تک وسیع کرلیا - آخر جب طغرل بیگ کے جانشین الپ ارسلان نے کرمان کا محاصرہ کیا تو ملک قاورد کو فارس سے دست بردار ہونا پڑا - الپ ارسلان کا بیٹا ملک شاہ تخت نشین ہوا تو ملک قاورد نے سلجوقی تخت و تاج حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اسی کوشش میں وہ مارا گیا -

الپ ارسلان

(۴۵۵ تا ۴۶۵ھ مطابق ۱۰۶۳ تا ۱۰۷۲ع)

طغرل بیگ کو چغری بیگ کا سب سے چھوٹا بیٹا الپ ارسلان بہت عزیز تھا - اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ چغری بیگ فوت ہوا تو اس کی بیوہ سے طغرل بیگ نے شادی کر لی تھی - چنانچہ اپنی وفات سے پہلے اس نے الپ ارسلان ہی کو اپنا ولی عہد مقرر کیا - لیکن تخت نشینی

---

۱ - سائیکس : Ten Thousand Miles صفحہ ۴۱۸ -

کے مسئلے پر امرائے سلطنت میں اختلاف پیدا ہو گیا ۔ طغرل بیگ[1] کا
وزیر عمیدالملک الکندری ، سلیمان بن داؤد چغری بیگ کے حق میں تھا
بلکہ اس نے سلیمان کے نام کا خطبہ بھی پڑھا دیا ۔ دوسرے امرا
الپ ارسلان کو ملک کا تخت و تاج سپرد کرنا چاہتے تھے ۔ بالآخر
فیصلہ الپ ارسلان (محمد بن داؤد چغری بیگ) کے حق میں ہوا ۔

الپ ارسلان نے تخت و تاج سنبھالا تو عمیدالملک الکندری پر
عتاب ہونا قدرتی امر تھا ۔ چنانچہ ۴۵۶ھ مطابق ۱۰۶۳ع میں اسے گرفتار
کر کے قتل کرا دیا گیا ۔ راوندی[2] لکھتے ہیں : ''الکندری کے قتل میں نظام
الملک طوسی کا بھی ہاتھ تھا جسے اب سلجوقی حکومت کا قلم دان وزارت
سونپا گیا تھا ۔ میں نے سنا ہے کہ جب جلاد نے اسے قتل کرنے
کے لیے تلوار اٹھائی تو اس نے کچھ مہلت مانگی ۔ تھوڑا سا وقت جو
اسے ملا اس میں اس نے وضو کیا ، دو رکعت نماز ادا کی اور کہا جب
تم اپنے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کر چکو تو میرا یہ پیغام اس تک پہنچا
دینا کہ میں نے تمھارے چچا کی خدمت کی تو اس نے مجھے دولت دنیا سے
سرفراز کیا ۔ اب تم نے مجھے شہادت کا مرتبہ بخشا ہے توگویا سلجوقیوں
سے میں نے دنیا اور آخرت دونوں حاصل کی ہیں اور وزیر نظام الملک
سے کہنا کہ تو نے ایک وزیر مملکت کو قتل کرا کر دنیا میں
ایک قبیح رسم کی بنیاد ڈالی ہے ۔ یاد رکھنا اس سے تم خود اور
تمھارے لواحقین بھی نہیں بچ سکیں گے ۔''

الپ ارسلان کے عہد کی شورشیں

الپ ارسلان نے عنان حکومت سنبھالی ہی تھی کہ شورشوں سے
ملک میں ہلچل مچ گئی ۔ ختلان کے امیر اور ہرات کے حکمران نے
علم بغاوت بلند کیا لیکن بہت جلد ان پر قابو پا لیا گیا ۔ شہزادہ قتلمش
سلجوقی نے حکومت ایران حاصل کرنے کے لیے جد و جہد شروع کی
اور بہت بڑا لشکر فراہم کر کے ری پر چڑھائی کی لیکن اس کی حسرت
دل کی دل ہی میں رہی اور وہ لڑائی میں مارا گیا ۔ اس موقع پر نظام الملک

---

۱ ۔ تاریخ مفصل ایران ، عبداللہ رازی ، ۱۹۰ ۔

۲ ۔ راحت الصدور ، بہ تصحیح محمد اقبال صفحہ ۱۱۸ ۔

طوسی خود مسلح ہو کر کارزار میں شریک ہوا - جنگ میں بے شمار ہزیمت خوردہ گرفتار ہوئے لیکن نظام الملک نے الپ ارسلان کو مشورہ دیا کہ قیدیوں کو ہلاک نہ کیا جائے ، چنانچہ ایسا ہی ہوا - اس کے بعد الپ ارسلان نے گرجستان اور آرمینیا کا رخ کیا - وہاں کے حکمرانوں نے خراج ادا کرنے کی پیشکش کرکے اس سے صلح کر لی -

رومیوں سے مڈبھیڑ

اس مہم سے فارغ ہو کر الپ ارسلان آذربائیجان آیا - یہاں اسے خبر ملی کہ قیصر روم ڈائیو[1] جینس رومانوس نے یہ ارادہ کرکے کہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دے اور مغربی ایشیا پر رومی علم لہرائے ، دو لاکھ کا لشکر لے کر ایشیائے کوچک پر حملہ کیا - بہت طویل عرصے سے رومیوں کی اتنی بڑی جمعیت قسطنطنیہ سے چل کر ایشیائے کوچک پر حملہ آور نہیں ہوئی تھی - رومیوں کی پیش قدمی پر مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا اور وہ ملاذگرد تک پیچھے ہٹ آئے - یہاں الپ ارسلان بہ نفس نفیس ایرانی فوج لے کر آ پہنچا - وہ اس وقت کفن پہنے ہوئے تھا - مسلمانوں کی تعداد اگرچہ رومیوں کے مقابلے میں کم تھی لیکن کفن پوش بادشاہ کو دیکھ کر انھوں نے اس جوش و خروش سے ملاذ گرد کے میدان میں جنگ کی کہ رومیوں کی طاقت ۴۶۳ھ مطابق ۱۰۷۱ع میں تباہ ہو کر رہ گئی- خود قیصر روم رومانوس اپنے رفقا سمیت سلجوقیوں کے ہاتھوں اسیر ہو گیا اور الپ ارسلان کے کیمپ میں پہنچا دیا گیا ، جہاں اس کے ساتھ مروت کا سلوک کیا گیا - مشہور روایت ہے کہ جب رومانوس کو الپ ارسلان کے حضور پیش کیا گیا تو اس سے پوچھا گیا کہ "وہ فاتح سے کس قسم کے سلوک کا منتظر ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ یا تو اسے ہلاک کر دیا جائے گا یا فتح کے اعلان کے لیے شہر بہ شہر پھرایا جائے گا - یہ یقین ہے کہ اسے معاف نہیں کیا جائے گا -" الپ ارسلان[2] نے اس سے پھر پوچھا اگر تم فتح یاب ہوتے

---

۱ - Diogenes Romanus ، جسے عرب اور ایرانی مؤرخ ارمانوس لکھتے ہیں -

۲ - بحوالہ سائیکس : اے ہسٹری آف پرشیا ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۳ -

تو میرے ساتھ کیا سلوک کرتے؟ وہ بولا "میں نے تمھیں بہت سے کوڑے لگوائے ہوتے۔" یہ سن کر بھی وسیع القلب سلطان نے رومانوس کے شاہی احترام میں فرق نہ آنے دیا۔ آخر الپ ارسلان اور رومانوس کے مابین معاہدۂ صلح طے پایا جس کی رو سے رومانوس نے بھاری خراج ادا کرنے کی شرط تسلیم کر لی اور اسے آزاد کر دیا گیا۔

رومیوں نے اس ذلت آمیز شکست پر رومانوس کو معاف نہ کیا اور اس کی آنکھیں نکال کر زندان میں ڈال دیا، جہاں اس نے زندگی کے آخری دن پورے کیے۔ ملاذ گرد کی فتح کے بعد الپ ارسلان نے ایشیائے کوچک کی حکومت قتلمش کے بیٹے سلیمان کے سپرد کر دی جس نے سلجوقی بادشاہ کے باج گزار کی حیثیت میں حکومت سنبھالی۔ سلیمان دانش مند اور شجاع حکمران تھا۔ اس نے اپنی فتوحات سے سلطنت کو شمال میں ہیلس پانٹ تک اور مغرب میں بحیرۂ روم تک وسیع کیا اور رومیوں سے خراج حاصل کرتا رہا۔ ایشیائے کوچک میں الپ ارسلان کے جانشینوں کی حکومت حملۂ تاتار تک برقرار رہی۔

الپ ارسلان کی موت

الپ ارسلان کی آخری جنگیں خوارزم اور ترکوں کے خلاف ہوئیں۔ خوارزم کو فتح کرنے کے بعد جب اس کا لشکر دریائے جیحوں سے گزرا تو اس کے سامنے یوسف برزمی قیدی کو پیش کیا گیا جس نے بڑی جاں بازی سے قلعہ خوارزم کی حفاظت کی تھی۔ الپ ارسلان نے یہ حکم دیا کہ اس کے جسم میں کھونٹیاں گاڑ گاڑ کر ہلاک کر دیا جائے۔ یوسف زندگی سے تو مایوس تھا ہی، اس ذلت آمیز سزا کا ذکر سن کر اس نے سلطان کو سخت برا بھلا کہا۔ اس پر الپ ارسلان لوگوں کو ادھر ادھر ہٹا کر آگے بڑھا اور اسے تیر مار کر ہلاک کرنا چاہا لیکن تیر خطا ہو گیا۔ اس پر قیدی قہر و غضب میں آگے بڑھا اور پیشتر اس کے کہ اسے گرفتار کر لیا جاتا اس نے خنجر کا وار کیا۔ بغداد کے کوتوال سعد اللہ نے الپ ارسلان کے اوپر اپنے آپ کو گرا کر اسے بچانا چاہا لیکن خنجر کا زخم کاری لگا جس سے وہ جاں بر نہ ہو سکا[1]۔ اسے مرو میں دفن کیا گیا۔

۱۔ راحت الصدور، بہ تصحیح محمد اقبال، صفحہ ۱۲۱۔

سر الپ ارسلان دیدی ز رفعت رفتہ بر گردون
بمرو آی تا بخاک اندر تن الپ ارسلان بینی

الپ ارسلان کے دس بیٹے تھے جن میں اس نے ملک شاہ کو اپنا جانشین نام زد کیا تھا۔

نظام الملک طوسی

نظام الملک طوسی سلجوقی دور کا نام‌ور وزیر تھا، جس نے اپنے تدبر و سیاست سے سلطنت کو بام عروج پر پہنچایا۔ اس کی عظمت کا پتا اس سے چلتا ہے کہ جونہی سلجوقی بادشاہ نظام الملک کی خدمت سے محروم ہوئے، ان کی حکومت کو زوال آ گیا۔ اس لیے اس جلیل القدر ہستی پر چند سطور لکھنا نامناسب نہ ہوگا۔ اس کا نام ابو علی حسن بن علی بن اسحاق اور لقب اتابک تھا لیکن شہرت نظام الملک کے خطاب سے پائی۔ ۴۰۸ھ مطابق ۱۰۱۷ء میں طوس میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم پاتے ہی اس کے علم و فضل کی شہرت ہو گئی۔ تعلیم اور سیر و سیاحت کے مرحلے سے گزر کر دربار غزنی سے وابستہ ہوا۔ کچھ وقت غزنی میں گزارا اس کے بعد بلخ آیا اور چغری بیگ سے ملاقات ہوئی جو نظام الملک کے علم و فضل سے بہت متاثر ہوا اور الپ ارسلان کے نام سفارش نامہ لکھا جس کی وجہ سے اسے سلجوقی دربار میں ایک معزز منصب پر سرفراز کیا گیا۔ آخر اسے وزارت کا منصب جلیلہ سونپا گیا۔

نظام الملک بہت بڑا سیاست دان، مدبر، عالم متدین، کریم و عادل اور حلیم الطبع تھا۔ عفو کو انتقام پر ہمیشہ ترجیح دیتا تھا۔ اس کے ارد گرد علماء اور فقہا کا مجمع لگا رہتا تھا۔ اکثر اہم مقامات پر اس نے مدارس جاری کرائے۔ بغداد کا مدرسہ نظامیہ، جو حقیقت میں عالم اسلام کی سب سے بڑی یونیورسٹی تھی، نظام الملک ہی نے قائم کیا تھا۔ زمانے کے بڑے بڑے عالم اسی مدرسے کے فیض یافتہ تھے۔ اس مدرسے کے مشہور اساتذہ میں سے امام غزالی بھی تھے۔ اپنے زمانۂ وزارت میں اس نے شاہراہیں بنوائیں، پل تعمیر کرائے، قناتیں یعنی زیر زمینی نالے جو خراب ہو چکے تھے، انھیں پھر سے مرمت کرا کے جاری کرایا۔ ”سیاست نامہ“ اس کی ایک مشہور علمی یادگار ہے۔

الپ ارسلان کے بعد ملک شاہ کے زمانے میں بھی وزارت کی باگ دوڑ نظام الملک ہی کے ہاتھوں میں تھی۔

ملک شاہ

(۴۶۵ھ تا ۴۸۵ھ مطابق ۱۰۷۲ تا ۱۰۹۲ء)

الپ ارسلان کی وفات پر ملک شاہ تخت نشین ہوا۔ اس وقت خلیفۃ المسلمین قائم بامر اللہ تھا جس کے تین سال بعد خلافت کی مسند مکتفی بامر اللہ کو ملی۔ اس نے اپنی مملکت میں بڑی شان و شوکت سے حکومت کی۔ لیکن اب اسلامی دنیا کی نگاہیں خلیفۃ المسلمین کے بجائے ایشیا کے حکمران ملک شاہ سلجوق کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

ملک شاہ انیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا تو اہل شورش نے سر اٹھایا۔ سب سے پہلے اس کے چچا ملک قاورد نے سلجوقی تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے ری پر حملہ کیا، لیکن اسے منہ کی کھانی پڑی۔ انھی ایام میں الپتگین، خان سمرقند نے سلجوقی مملکت پر ناکام حملہ کیا۔ اس کے علاوہ ابراہیم غزنوی نے ملک شاہ کے حامی چچا عثمان کو قید کر لیا۔ اسے آزاد کرانے کے لیے گومشتگین نے جو سلجوقی امرا میں سے تھا، ابراہیم کا پیچھا کیا لیکن اسے کامیابی نہ ہو سکی۔

ملک شاہ نے نظام الملک کی رہنمائی میں بڑی حوصلہ مندی سے ان تمام ناموافق حالات کا سامنا کیا اور کامیاب ہوا۔ صورت حال کچھ بہتر ہوئی ہی تھی کہ اس کے بھائی نے علم بغاوت بلند کیا لیکن اس نے بری طرح شکست کھائی۔

ملک شاہ کی سیرت

ملک شاہ دانش مند، شریف النفس، عادل اور فیاض شخص تھا۔ اس جیسی شہرت کم ہی حکمرانوں کو میسر آتی ہے۔ راوندی[1] لکھتے ہیں: ''پدران سلطان ملک شاہ جہانگیری کردند و او جہان داری۔ درخت دولت نشاندند و او بر خورد۔ تخت سلطنت نہادند و او بار داد۔ پنداری عہد او جوانی دولت و بہار ایام ملک و

۱۔ راحت الصدور، صفحہ ۱۲۶۔

طراز کسوت بادشاہی بود۔ عالم مسلم، رایت منصور و رعیت خوشنود و بلاد معمور ۔ ۔ ۔ ۔''

اس کی سیرت کی جھلک اس ایک واقعہ میں بھی نظر آتی ہے کہ جب اس کے بھائی نے[1] اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو ملک شاہ نے حضرت علی رضا رضؓ کے مزار پر پہنچ کر دعا کی کہ ''اگر اس کا بھائی سلجوقی تخت و تاج کا اس کی نسبت زیادہ حق دار ہو تو یہ اسی کو مل جائے۔''

تہذیبی سرگرمیاں

ملک شاہ کے زمانے میں مملکت کے طول و عرض میں امن و امان قائم رہا۔ سلجوقی سلطنت کی حدود ان دنوں مغرب میں چین سے لے کر بحیرۂ روم تک اور شمال میں گرجستان تک اور جنوب میں یمن تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس نے ہارون اور مامون کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تجارتی شاہراہوں پر مسافر خانے اور حفاظتی ادارے قائم کیے۔ شکار اس کا محبوب مشغلہ تھا لیکن اس مشغلے میں اس نے کبھی اپنی ذمے داریوں کو فراموش نہیں کیا۔ اس کے عہد میں لوگ خوش حال اور تجارت ترقی پر تھی۔ آرٹ اور لٹریچر کی بہت حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ فن کاروں، ادیبوں اور شاعروں کو دربار شاہی سے وظائف ملتے تھے۔ فارسی زبان کی نشر و اشاعت کے لیے پوری پوری کوشش کی جاتی تھی۔ ایشیا بھر میں جگہ جگہ مدارس، ہسپتال اور محلات تعمیر کرائے گئے۔ اہم مقامات کو سڑکوں کے ذریعے ملا دیا گیا۔ آب پاشی کے لیے نہریں کھدوائی گئیں۔ ملکی امن و امان کی ایک مثال بحوالہ راحت الصدور[2] پیش کی جاتی ہے:

''ایک مرتبہ ملک شاہ نے نظام الملک کے ساتھ دریائے جیحوں کو عبور کیا تو نظام الملک نے ملاحوں کو ایک ہنڈی دی جس کی رقم انہیں انطاکیا میں ملنی تھی۔ ملاحوں نے بادشاہ کے حضور عرض کی: ''ہم تو غریب آدمی ہیں۔ اسی دریا سے ہمیں روزی ملتی ہے۔ کوئی جوان شخص اگر انطاکیا جائے بھی تو وہ واپس آنے تک بوڑھا ہو چکا ہوگا۔''

۱۔ راحت الصدور، صفحہ ۳۱۵۔

۲۔ ایضاً، صفحہ ۱۲۸۔

ملک شاہ نے وزیر سے کہا : ''آپ نے یہ کیوں کیا کہ ملاحوں کو کشتی کا کرایہ ہنڈی کی صورت میں دیا جائے اور ہنڈی بھی ایسی جس کی قیمت انطاکیا میں واجب الادا ہو ۔ کیا ہم اس بات پر قادر نہیں کہ ملاحوں کو ان کی اجرت یہیں مل جائے ؟'' نظام الملک بولا کہ: ''کسی ملاح کو انطاکیا جانے کی ضرورت نہیں ۔ انطاکیا کی ہنڈی کو یہاں بھی ہر کوئی خرید لے گا اور یہیں سے انہیں زر نقد حاصل ہو سکتا ہے۔'' ہنڈی دے کر یہ بتانا مقصود تھا کہ بادشاہ کا حکم کہاں سے کہاں تک چلتا ہے، اس کی مملکت کی وسعت کس حد تک ہے اور مالی استحکام کتنا ہے۔

رصد خانہ

سائنس کی ترویج کا ملک شاہ کو خاص طور سے بڑا خیال تھا ۔ اس نے علمائے علم نجوم کے مشورے سے نیشا پور میں ایک رصد خانہ قائم کیا ۔ یہاں مشہور حکیم اور شاعر عمر خیام کی سر کردگی میں علمائے سائنس نئے ایرانی کیلنڈر کو ترتیب دینے میں مصروف کار رہے ۔ آخر اس متفقہ کوشش سے جو تقویم تیار ہوئی وہ ''تقویم جلالی'' یا ''زیچ ملک شاہی'' کے نام سے موسوم ہوئی ۔

ملک بھر کے تمام شہروں میں ملک شاہ کو اصفہان بہت پسند تھا ۔ یہاں وہ اکثر قیام کیا کرتا تھا ۔ اسی شہر کو اگرچہ بعد میں صفویوں نے اپنا دارالسلطنت بنایا لیکن ملک شاہ نے یہاں بعض بہت خوب صورت عمارتیں بنوائیں اور وسیع و عریض باغ لگوائے۔

نظام الملک کا زوال

نظام الملک کا زوال ہمیں یحییٰ برمکی کے زوال کی یاد دلاتا ہے جس نے ہارون الرشید کے زمانے میں ملک کو پر امن اور خوش حال بنانے میں عمر صرف کر دی ۔ نظام الملک کے زوال کے کئی اسباب پیدا ہو گئے تھے- اول یہ کہ ملک شاہ کی ملکہ ترکان خاتون نظام الملک کو پسند نہیں کرتی تھی ۔ تاج الملک وزارت حاصل کرنے کا متمنی تھا اور نظام الملک کے خلاف بادشاہ کے کان بھرتا رہتا تھا کہ اس نے اپنے بیٹوں اور عزیزوں کو کلیدی ملازمتیں دے رکھی ہیں جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتے اور خود بادشاہ کے فرمانوں سے سرتابی کرتے ہیں ۔

نظام الملک اور ملک شاہ کے مابین کدورت کا فوری سبب یہ ہوا کہ نظام الملک نے اپنے پوتے عثمان کو مرو کا گورنر بنایا تھا۔ ملک شاہ نے اپنے کوتوال قودن کو مرو بھیجا۔ عثمان اور قودن میں کسی بات پر تلخی ہو گئی۔ عثمان نے نتائج سے بے پروا ہو کر قودن کو زندان میں ڈال دیا۔ آخر جب وہ رہا ہوا تو اس نے دربار شاہی میں حاضر ہو کر شکایت کی۔ اس سے ملک شاہ سخت بر افروختہ ہوا اور نظام الملک کو عتاب آمیز مراسلہ بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ ''اگر تم' حکومت میں میرے شریک ہو تو تمھارا ہاتھ میرا ہاتھ ہے اٹھو، حکومت سنبھالو۔ اور اگر تم میرے نائب ہو اور ماتحت ہو تو تمھیں ہر حال میں میرا تابع رہنا ہوگا۔ تمھاری اولاد نے ولائتوں کے بڑے بڑے عہدے سنبھال رکھے ہیں لیکن وہ اس پر بھی قناعت نہیں کرتے اور حد سے تجاوز کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ تمھارے پوتے نے میرے بھیجے ہوئے کوتوال کو زندان میں ڈال دیا۔''

نظام الملک نے مراسلہ پڑھا تو کہا میرا یہ پیغام بادشاہ تک پہنچا دیجیے کہ جس نے آپ کو کلاہ شاہی بخشی ہے اس نے مجھے دوات عطا کی ہے۔ ''آپ[2] کی کلاہ اسی دوات سے وابستہ ہے۔''

ملک شاہ اگرچہ نظام الملک کا بہت احترام کرتا تھا لیکن اب یہ نہیں چاہتا تھا کہ وزارت کا منصب اس کے پاس رہے۔ چنانچہ نظام الملک کو حج پر چلے جانے کا مشورہ دیا۔

نظام الملک کا قتل

نظام الملک حج کو جا رہا تھا کہ راستے میں ۴۸۴ھ مطابق ۱۰۹۱ء میں حسن بن صباح کے کسی فدائی نے خیمے میں داخل ہو کر خنجر اس کے سینے میں پیوست کر دیا کیوں کہ وہ اسماعیلی تحریک بالخصوص حسن بن صباح کے فدائی نظام کو ملت کے لیے تباہ کن سمجھتا تھا اور اس کا قلع قمع کرنے میں کوشاں تھا۔

---

۱ - عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۱۹۵ -
۲ - ایضاً، صفحہ ۱۹۶ ۔

ملک شاہ کی وفات

نظام‌الملک کی وفات کے بعد ملک شاہ بغداد آیا یہاں اس کی[1] شادی قیصر روم ایلیگزس کومینس (Alexius Commenius) کی بیٹی کے ساتھ ہونے والی تھی کہ اسے ۳۹ سال کی عمر میں پیغام اجل آ پہنچا اور یہ رابطہ قائم نہ ہو سکا، جس سے شاید مشرق و مغرب کے لیے بڑے بڑے نتائج برآمد ہوتے۔

تین دوستوں کی روایت

قدیم ایرانی مؤرخین لکھتے ہیں کہ نظام الملک، عمر خیام اور حسن بن صباح نیشاپور کے ایک مکتب میں پڑھتے تھے۔ ان تینوں نے حلف اٹھایا کہ ان میں سے جو بھی کسی بڑے عہدے پر فائز ہوگا، وہ دوسروں کی مدد کرے گا۔ نظام الملک فارغ التحصیل ہو کر وزیر بنا۔ خیام ملاقات کے لیے گیا تو اس کو وعدہ یاد تھا۔ اس نے خیام کو نیشاپور کی حکومت سپرد کرنی چاہی لیکن اس نے کہا میں تو تنہائی چاہتا ہوں مجھے حکومت سے سروکار نہیں۔ اس پر نظام الملک نے اس کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ اپنا کام کر سکے۔ حسن بن صباح اس کے پاس آیا تو یہ خواہش کی کہ اسے دربار شاہی میں کوئی ملازمت دلا دی جائے۔ اس کی یہ خواہش نظام‌الملک نے پوری کر دی، لیکن دربار میں رہ کر وہ اپنے ہی محسن نظام الملک کے خلاف سازشیں کرنے لگا۔ آخر اسے دربار سے نکال دیا گیا۔ اس حکایت کی صداقت پر سب سے پہلے بحوالہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ملر نے شبہ کا اظہار کیا۔ پروفیسر براؤن[2] نے بھی لکھا کہ ان تینوں کی عمروں کا بہت تفاوت ہے اس لیے یہ حکایت درست معلوم نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور نے دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عمروں کے تفاوت کی وجہ سے ان کے ہم درس ہونے کا واقعہ درست نہیں۔ لیکن ان تینوں کی ہم جماعتی ابجد خوانوں کی ہم جماعتی

---

۱ - سید امیر علی A Short History of the Saracens، ذکر ملک شاہ۔

۲ - A Literary History of Persia، جلد دوم، صفحہ ۱۹۰، ۱۹۳۔

نہ تھی ، بلکہ اعلیٰ درس کی ہم جاعتی تھی جس میں عمروں کا تفاوت چنداں اہمیت نہیں رکھتا - آج بھی علما کے درسوں میں اگر بیس برس کے نو عمر لڑکے شامل ہوتے ہیں تو پچاس برس کے بوڑھے بھی شریک ہوتے ہیں - ہمارے ہاں کے پیشہ ورانہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کی عمروں پر اگر غور کیا جائے تو ایسا فرق اکثر نظر آئے گا جیسا ان تینوں دوستوں کی عمروں میں تھا - اس لیے قدیمی روایات کو جھٹلانا لازم نہیں آتا -

حشیشین

حسن بن صباح کا ذکر آیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیلوں کا بھی مختصر طور پر ذکر کر دیا جائے - اسماعیلی فرقہ کئی ناموں سے پکارا جاتا ہے - اس فرقے کے لوگ اپنے آپ کو اسماعیلی ، باطنی، ہفت امامی اور قرامطہ بھی کہتے ہیں - لیکن حسن بن صباح کو اسماعیلی تحریک کی تبلیغ و اشاعت کا منصب سونپا گیا تو تشدد بھی تبلیغ کا جزو بن گیا - اسی وجہ سے اس فرقے کو اہل یورپ نے اسیسن[۱] کا نام دیا - بعض انھیں حشیشین بھی کہنے لگے جس کی تفصیل بعد میں آئے گی -

اسماعیلی عقاید کا خلاصہ یہ ہے کہ اسماعیلی حضرت امام جعفر الصادق رض کو اثنا عشریہ کی طرح اپنا امام مانتے ہیں - حضرت جعفر رض نے اپنا جانشین اسماعیل کو نام زد کیا تھا لیکن بعد میں کسی وجہ سے یہ جانشینی منسوخ کر دی اور موسیٰ کاظم رض کو اس کی جگہ دی - اہل تشیع نے جانشینی کی تبدیلی کو تسلیم کیا لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو امامت کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے - ان کا عقیدہ یہ تھا کہ امامت کا منصب جو ایک مرتبہ کسی کو سونپ دیا جائے تو کسی صورت میں منسوخ نہیں ہو سکتا - وہ لوگ اسماعیل ہی کو اپنا امام مانتے رہے - پھر رفتہ رفتہ اسے پیغمبری کا درجہ دے دیا - ان کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ حق تعالیٰ نے سات پیغمبر یا ناطق مبعوث کیے ہیں -

---

۱ - Assassins -

حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت محمد الرسول اللہ ؐ اور اسماعیل - ہر پیغمبر کے سات جانشین ہیں جنھیں ''امام صامت'' کہتے ہیں - امام صامت کا درجہ اساس کا ہے - جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہ امام اول اور حضرت رسول اکرمؐ کی اساس ہیں اسی طرح عبداللہ بن میمون القدح بھی اسماعیل کی اساس ہیں - اپنے عقیدے کے ثبوت میں وہ سات کے ہندسے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں - دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ آسمان سات ہیں ، زمینیں سات ہیں ، ہفتے کے دن بھی سات ہیں ، اقلیمیں سات ہیں ، سمندر سات ہیں ، سورۂ فاتحہ کی آیتیں بھی سات ہیں اسی طرح انبیا بھی سات ہیں اور امام بھی سات -

اسماعیلیوں کے مبلغ داعی کہلاتے تھے - داعی یہ سوال کرکے تعجب پیدا کرتا کہ خدا نے کائنات کو سات دنوں میں کیوں بنایا ؟ سات آسمان کیوں ہیں ؟ سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں کیوں ہیں ؟ کچھ آگے بڑھ کر یہ سوال کرتا ، دوزخ کیا ہے ؟ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ عذاب پانے والے لوگوں کو آخرت میں تازہ جسم ملیں گے ، جن کا تعلق ان کے گناہوں کے ساتھ نہ تھا - سننے والا جب اپنے آپ کو لا جواب پاتا تو داعی اسے مطمئن کرنے کے لیے کہتا کہ اگر ان سوالوں کے جواب چاہتے ہو تو اس کے ہاتھ پر بیعت کر لو ، جو امام برحق کا نمائندہ ہے - بیعت کر لینے سے تمام چھپے ہوئے راز تم پر آشکار ہو جائیں گے -

حسن بن صباح

حسن کا باپ علی بن محمد حمیری کوفہ کا رہنے والا تھا - کوفہ سے چل کر قم آیا اور یہاں مستقل سکونت اختیار کرلی - حسن یہیں پیدا ہوا - شروع میں یہ اثناعشری تھا - پھر بتدریج اسماعیلی داعیوں کے اثر میں آگیا - اسماعیلی فرقے کے بزرگ ترین داعی ابن عطاش (احمد بن عبد الملک) سے اس کی ملاقات ری میں ہوئی جو حسن کی شخصیت و علمیت سے بہت متاثر ہوا اور اسے مشورہ دیا کہ مصر کے فاطمی خلیفہ المستنصر باللہ کی خدمت میں جائے - چنانچہ حسن ۴۶۹ھ مطابق ۱۰۷۶ء میں عازم مصر ہوا - یہاں کے داعی الدعاۃ نے

اس کا پرتپاک خیرمقدم کیا ۔ خلیفہ مستنصر کے دو بیٹے تھے، مستعلی اور نزار ، حسن نے دریافت کیا کہ ان دونوں میں سے کس کے نام پر بیعت لی جائے؟ جواب ملا کہ نزار کے حق میں ۔ افریقہ میں بیعت مستعلی کے حق میں لی جاتی تھی ۔ نزار کے حق میں شاید اس لیے بیعت لینے کو کہا گیا کہ دونوں بیٹوں میں سے کوئی بھی بیعت کے حق سے محروم نہ رہ جائے ۔

حسن ۴۷۳ھ مطابق ۱۰۸۰ع میں ایران واپس آیا اور یزد ، لزکان اور طبرستان میں نزار کے حق میں لوگوں سے بیعت لینے لگا ۔ ری کو اس نے ارادتاً نظرانداز کر دیا کیوں کہ یہاں کا گورنر نظام الملک کا داماد تھا جو فرقۂ اسماعیلیہ کے لوگوں کو ملحد سمجھتا تھا ۔ حسن بن صباح نے مذہب کی تبلیغ کے لیے طاقت حاصل کرنا ضروری سمجھا ۔ چنانچہ البرز کے سلسلۂ کوہ میں وہ ۴۸۳ھ مطابق ۱۰۹۰ع میں قلعہ الموت (آلہ : گھونسلہ ۔ اموت : عقاب) پر قابض ہو گیا ۔ یہ قلعہ قزوین سے رشت کو جانے والی سڑک کے کنارے دو پہاڑیوں کے درمیان نہایت دشوارگزار مقام پر واقع تھا ۔ اس کا نام تاریخی ہے[۱]، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ کا یہ نام اسی زمانے میں پڑا ہوگا ۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حسن بن صباح نے اصفہان کے قریب خالنجان میں ''شاہ دژ'' بھی حاصل کیا ، پھر تون ، قائن اور بعض دوسرے مضبوط قلعے بھی اس کے ہاتھ لگے ۔ گویا سلجوقی حکومت کے اندر ایک اور حکومت اسماعیلیوں کی قائم ہوئی ۔

حسن بن صباح تحریک اسماعیلیہ کا رئیس کل یعنی داعی الدعاۃ تھا ۔ اس کے تحت مختلف اضلاع کے داعی کبیر تھے اور ہر داعی کبیر کے تحت متعدد داعی تھے ۔ داعیوں کے نیچے رفیق یا لاصق تھے ۔ آخر میں درجہ فدائیوں کا تھا ۔ فدائی اس تحریک کے لیے اپنی زندگیاں پیش کرتے تھے اس لیے ان کے انتخاب میں بڑی احتیاط برتی جاتی تھی ۔ فدائی عموماً وہ نوجوان ہوتے تھے جو اپنی جان پر کھیل کر داعی الدعاۃ یا ''شیخ الجبل'' کے حکم کی تعمیل کرتے تھے ۔ وہ اگرچہ مذہب اسماعیلیہ

---

۱ ۔ آلہ اموت (۱+۳۰+۵+۱+۴۰+۶+۴۰۰=۴۸۳ھ)

کی فلسفیانہ تعلیم سے بہت زیادہ واقف نہ تھے، لیکن جاہل بھی نہ تھے۔ یورپ کی زبانیں وہ خوب اچھی طرح جانتے اور ان میں بے تکلف بات چیت بھی کر سکتے تھے۔ جن امرا کو داعی الدعاۃ قتل کرانا چاہتا وہ جان پر کھیل کر انھیں قتل کر دیتے۔ ان سے عوام و خواص ہراساں رہتے تھے۔

فردوس بریں: کہا جاتا ہے حسن بن صباح نے قلعہ الموت میں ایک باغ بنوایا تھا جو بہت وسیع اور نہایت پر فضا تھا۔ اس باغ میں طرح طرح کے پھلوں کے درخت لگوائے گئے تھے۔ شہد، دودھ اور شراب کی ندیاں بھی بہتی تھیں۔ دنیا کی حسین ترین عورتیں یہاں لا کر جمع کی گئی تھیں۔ یہ ساز و سامان مہیا کرکے حسن بن صباح لوگوں کو بتانا چاہتا تھا کہ یہاں واقعی ایک بہشت ہے، جسے اس نے فردوس بریں کا نام دیا تھا۔ بہشت میں صرف وہی نوجوان داخل ہو سکتا تھا جس کو حسن بن صباح فدائی بنانا چاہتا تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ جنت کے شیدائی کو ایک خاص سفوف گھول کر پلا دیا جاتا جس سے اس کے ہوش و حواس کچھ عرصے کے لیے معطل ہو جاتے اور اسے جنت میں داخل کر دیا جاتا۔ آنکھیں کھلتیں تو وہ دفعتاً اپنے آپ کو ایسی فضا میں پاتا جو اس کے لیے حقیقی جنت کا درجہ رکھتی تھی۔ یہاں وہ چند دن گزار لیتا تو اسے پھر وہی سفوف پلا کر باہر پہنچا دیا جاتا۔ فدائی جنت دیکھ چکا ہوتا تھا اس لیے وہ اس میں واصل ہو جانے کے لیے ہمیشہ بے تاب رہتا۔ حسن بن صباح جس شخص کو قتل کرانا چاہتا اس کے لیے ایک فدائی کو مامور کر دیتا اور حکم دیتا کہ اس شخص کو عین مجمع میں قتل کیا جائے۔ اگر تم بچ گئے تو غازی، ورنہ فردوس بریں تمھارا منتظر ہوگا۔

سفوف جو پلایا جاتا وہ بھنگ سے تیار کیا جاتا تھا جسے عربی میں ''حشیش'' کہتے ہیں۔ اس کی مناسبت سے حسن بن صباح کے زمانۂ تبلیغ میں اسماعیلی فرقے کو حشیشین بھی کہتے تھے اور چوں کہ فدائیوں سے زیادہ تر مخالفین کو قتل کرانے کا کام لیا جاتا تھا اس لیے اہل یورپ انھیں اسیسن بھی کہنے لگے۔ فدائی مخالفین کو قتل کرنے کے بعد کم

ہی بچ کر آتے تھے کیوں کہ وہ نہایت ڈرامائی انداز میں اپنے شکار کو عین اس وقت مارتے جب وہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو چکتا یا گرجے کے اجتماع میں شامل ہوتا ۔ انھیں جنت کی آرزو اتنی شدید ہوتی تھی کہ وہ موت کو ہر وقت خوش آمدید کہنے کو تیار رہتے تھے ۔

فدائیوں کا شکار عرب و عجم ہی کے لوگ نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کی شامی شاخ کے فدائی خنجر لیے ہوئے یورپ میں بھی پہنچتے تھے۔ ان[1] کے ہاتھوں سے ریمنڈ کونٹ آف ٹریپولی[2] ۱۱۴۹ع میں اور کونراڈ آف مانٹ فیرٹ[3] یوروشلم کا بادشاہ ۱۱۹۲ع میں ہلاک ہوا ۔ ۱۲۷۲ع میں پرنس ایڈورڈ ، جو بعد میں ایڈورڈ اول بنا ، ان کے خنجر کا شکار ہوتے ہوتے بچا ۔ ایسے جاں بازوں کے بے باکانہ اقدامات سے نہ صرف ایران بلکہ ایشیا اور یورپ کے حکمران لرزہ براندام رہتے تھے ۔

حسن بن صباح قلعہ الموت ہی میں رہتا تھا ۔ اکثر وقت وہ عبادت میں گزارتا ۔ اسماعیلی مذہب کی تبلیغ کرنا اس کا وظیفۂ حیات تھا ۔ اپنی شریعت کی وہ بڑی سختی سے پابندی کرتا تھا۔ خود اس کے دو بیٹے جب خلاف شرع کاموں کے مرتکب ہوئے تو اس نے دونوں کو قتل کرا دیا ۔

ملک شاہ نے دو مرتبہ اسماعیلیوں کے مراکز پر حملے کیے لیکن موت نے اسے مہلت نہ دی کہ ان کا قلع قمع کر سکتا ۔ اس کی وفات ۴۸۵ھ مطابق ۱۰۹۲ع میں ہوئی ۔

ملک شاہ کے جانشین

نظام الملک کا یہ جملہ کہ ''سلجوقی کلاہ میری دوات کے ساتھ وابستہ ہے'' گویا ایک پیشین گوئی تھی جو پوری ہوئی ۔ جونہی نظام الملک اور ملک شاہ فوت ہوئے ، ملک شاہ کے بیٹوں کی باہمی

---

۱ - سرپرسی سائیکس : اے ہسٹری آف پرشیا ۔ جلد ۲ ، صفحہ ۳۸ ۔

۲ - Raymond Count of Tripole -

۳ - Conrad of Mont Ferrat -

رقابتوں نے خوں ریزی کی شکل اختیار کر لی - ملک شاہ کے چار بیٹے محمود ، برکیاروق ، ملک شاہ دوم اور سلطان محمد تھے جو یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے -

ملک شاہ کی وفات پر اس کی ملکہ ترکان خاتون بغداد میں تھی - اس کا چار سالہ شہزادہ محمود اس کے ساتھ تھا - اس نے اپنے اثر و رسوخ سے خلیفہ مقتدی سے محمود کی حکومت تسلیم کرا لی - ترکان خاتون نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ایک خاص معتمد افسر کو اصفہان بھیجا کہ برکیاروق کو گرفتار کر لے، جو زبیدہ کے بطن سے ملک شاہ کا بڑا بیٹا تھا - برکیاروق کو نظام الملک کے بیٹے بچا کر ری لے گئے - ترکان خاتون محمود کو اصفہان لے آئی اور وہاں اس کی رسم تاج پوشی ادا کی - ترکان صورت حال سے مطمئن نہ تھی - اس نے اپنے بیٹے کے حریف کو راستے سے ہٹانے کی یہ تدبیر بھی کی کہ زبیدہ کے بھائی ملک اسماعیل سے شادی کا وعدہ کرکے اسے آمادہ کر لیا کہ برکیاروق پر حملہ کرے - اس نے حملہ کیا بھی لیکن کامیاب نہ ہو سکا - آخر ۴۸۵ھ مطابق ۱۰۹۲ع میں برکیاروق کی حکومت کا اعلان کر دیا گیا - اتنے میں برکیاروق کے چچا توتوش بن الپ ارسلان نے بغاوت کر دی اور برکیاروق کو اسیر کرکے اصفہان لے گیا جہاں اسے زندان میں ڈال دیا - اس کی آنکھیں نکال دینے کا فیصلہ ہوا ہی تھا کہ اس کا سوتیلا بھائی محمود چیچک میں مبتلا رہ کر جاں بحق ہو گیا - توتوش نے اب یہی مناسب سمجھا کہ برکیاروق کو زندان سے نکال کر پھر تخت نشین کردیا جائے - چنانچہ برکیاروق پھر تخت نشیں ہوا - اس کے پاؤں جمے ہی تھے کہ اس نے توتوش پر حملہ کیا اور اسیر کرکے اسے قتل کرا دیا - پھر اس نے خراسان پر چڑھائی کی اور اسے مسخر کرکے اپنے بھائی سنجر کو ۴۸۹ھ مطابق ۱۰۹۶ع میں وہاں کا حکمران بنایا - اسی عرصے میں ایک فدائی نے برکیاروق پر خنجر کا وار کیا لیکن وہ بال بال بچ گیا -

برکیاروق کی وفات

برکیاروق نے اپنے بھائی سنجر کو خراسان کی حکومت سونپی ہی لیکن ۴۹۲ھ مطابق ۱۰۹۹ع میں ملک شاہ کے دوسرے بیٹے محمد نے

نظام الملک کے بیٹے موید الملک کی حمایت سے علم بغاوت بلند کیا جسے کسی وجہ سے برکیاروق نے اس کے منصب سے سبکدوش کر دیا تھا۔ برکیاروق کے عہد میں بدستور خانہ جنگیاں ہوتی رہیں۔ آخر حالات کچھ بہتر ہوئے تو ۴۹۸ھ مطابق ۱۱۰۴ع میں وہ دنیا سے رخصت ہوا۔

محمد بن ملک شاہ

(۴۹۸ تا ۵۱۱ھ مطابق ۱۱۰۴ تا ۱۱۱۷ع)

برکیاروق کی وفات پر اس کی وصیت کے مطابق اس کا بڑا بیٹا ملک شاہ دوم تخت نشیں ہوا۔ اس نے اپنے چچا سلطان محمد سے جنگ کی جس میں اسے شکست ہوئی۔ ملک شاہ اسیر ہو گیا اور حکومت سلطان محمد بن ملک شاہ نے سنبھالی۔ اب اور کوئی تاج و تخت کا دعوے دار نہ تھا جو اس کے لیے وجہ پریشانی بن سکتا۔

اسماعیلیوں کے خلاف جد و جہد

سلطان محمد کے سامنے ایک بڑا مسئلہ اسماعیلیوں کا تھا جو مملکت کے لیے مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے۔ وہ ان کے استیصال کے لیے سات سال تک جد و جہد کرتا رہا۔ اس کی مختصر سی سرگزشت یہ ہے۔

برکیاروق کے زمانے میں اسماعیلیوں نے بہت زور پکڑا تھا۔ ان کے داعی شہر بہ شہر پھیلے ہوئے تھے۔ راوندی[1] ''راحت الصدور'' میں لکھتے ہیں کہ اصفہان میں عبدالملک عطاش نامی ایک ادیب تھا۔ شروع شروع میں وہ شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا، لیکن بعد میں اسماعیلی داعیوں کے اثر سے وہ اسماعیلی ہو گیا۔ ائمۂ اصفہان نے اس کی سرکوبی کرنی چاہی تو وہ اصفہان چھوڑ کر ری چلا گیا، وہاں وہ حسن بن صباح سے جا ملا۔ اس کا بیٹا احمد نامی تھا جو باپ کی موجودگی میں کپڑا بیچنے کا کاروبار کرتا تھا، وہ بھی اصل میں اسماعیلی تھا، لیکن ظاہر یہ کرتا تھا کہ وہ باپ کے مذہب کا منکر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب اس کا باپ وہاں سے نکل بھاگا تو لوگوں نے اس کے بیٹے سے تعرض نہ کیا۔ احمد بن عبدالملک عطاش نے اصفہان کے قریب دژکوہ میں

---

۱ - صفحہ ۱۵۵ -

''دعوت خانہ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ۔ اصفہان کے لوگ یہاں جوق در جوق آنے لگے ۔ احمد کے اثر میں آ کر اکثر لوگ اسماعیلی مذہب قبول کر لیتے تھے ۔ دعوت خانہ کی تحریک سے جن لوگوں نے اسماعیلی مذہب قبول کیا ان کی تعداد تیس ہزار ہے ۔'' اشاعت مذہب کے ساتھ ساتھ وہ طرح طرح سے ملک میں ہراس بھی پھیلاتے تھے ۔

راوندی[1] یہ بھی لکھتے ہیں: ''اسی زمانے میں علوی مدنی ایک نابینا شخص تھا ۔ جب شام کے سائے بڑھنے لگتے تو وہ کوچے کے سرے پر کھڑا ہو جاتا اور ہاتھ بلند کرکے یہ کہتا ''جو اس نابینا کا ہاتھ پکڑ کر کوچے سے اس کے گھر تک پہنچا دے گا ، خدا اسے نیک اجر دے گا'' ۔ جو شخص اس اندھے کی راہبری کرکے اسے طویل اور تاریک کوچے سے گزار کر ایک ویران سرائے کے پاس پہنچتا تو علوی مدنی سرائے کے اندر داخل ہو جاتا اور اس کے ساتھی راہبر کو گھسیٹ کر اندر لے جاتے جہاں سے وہ کبھی باہر نہ نکل سکتا ۔ یہ سلسلہ چار یا پانچ ماہ تک جاری رہا ۔ لوگ رفتہ رفتہ شہر سے غائب ہونے لگے جس سے خوف و ہراس پھیل گیا ۔ یہ راز آخر ایک فقیر بڑھیا کے ذریعے ظاہر ہوا جو مانگتی ہوئی اس سرائے کے دروازے پر آئی اور صدا دی ۔ اتنے میں اس نے کسی کے کراہنے کی آواز سنی ۔ بڑھیا بولی ''خدا تمھارے بیماروں کو شفا دے'' ۔ سرائے والوں کو شبہ ہوا کہ بڑھیا اس راز سے واقف ہو گئی ہوگی ۔ اسے اندر لے جانا چاہا لیکن وہ بھاگ کھڑی ہوئی اور اہل محلہ کو اس عجیب صورت حال سے آگاہ کر دیا ۔ لوگ اس سرائے پر ٹوٹ پڑے اور کود پھاند کر سرائے میں داخل ہو گئے ۔ یہاں جستجو کرنے کے بعد انھیں سرد خانے نظر آئے ، جہاں پانچ سو اشخاص مرے پڑے تھے ۔ بعض لوگوں کو میخیں گاڑ کر دروازوں سے لٹکایا گیا تھا ۔ دو تین سسک رہے تھے ۔ اس وحشت انگیز خبر سے اصفہان بھر میں غوغا بلند ہوا ۔ لوگوں نے علوی مدنی ، اس کی بیوی اور ان کے ساتھیوں کو سر بازار آگ لگا کر جلا دیا ۔''

---

۱ ۔ راحت الصدور ، صفحہ ۱۵۷ ۔

سلطان محمد کو دژ کوہ کے دعوت خانے کا حال معلوم ہوا تو اس قلعے پر فوج کشی کرنے کا ارادہ کیا ۔ احمد بن عطاش کو خبر ملی تو اس نے قلعہ سے دست بردار ہونے کا قصد کیا اور سلطان محمد کے وزیر سعدالملک کو ، جو درپردہ اسماعیلی مذہب اختیار کر چکا تھا ، صورت حال سے آگاہ کیا ۔ ساتھ ہی اس نے ایک فصاد کو آمادہ کیا کہ جونہی سلطان محمد فصد کھلوانا چاہے ، اسے زہر آلود نشتر سے ہلاک کر دیا جائے ۔ سلطان محمد کے مزاج میں حدت بہت تھی ، چنانچہ وہ عموماً فصد کھلوایا کرتا تھا ۔ لیکن یہ راز فصاد کے نشتر سے ظاہر ہو گیا۔ فصاد اور سعد الملک دونوں کیفر کردار کو پہنچا دیے گئے ۔ اس کے بعد سلطان محمد نے دژ کوہ پر حملہ کیا اور تمام اسماعیلیوں کو اسیر کرکے ، جن میں احمد عطاش بھی تھا ، بازاروں میں پھرایا ۔ بالآخر ان کا قتل عام کرایا ۔

سلطان محمد سات سال تک اسماعیلیوں کا قلع قمع کرنے کی جد و جہد کرتا رہا ۔ آخر اس مہم کو ادھورا چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گیا ۔

محمود بن سلطان محمد

سلطان محمد کی وفات پر اس کا بیٹا محمود تخت نشیں ہوا ، جو ابھی چودہ سال کا تھا ۔ اس نے عنان حکومت سنبھالتے ہی ایک غیر دانشمندانہ قدم یہ اٹھایا کہ اپنے طاقت ور چچا سلطان سنجر پر جو خراسان کا حکمران تھا ، حملہ کر دیا ۔ سنجر نے محمود کو ساوہ کے مقام پر عبرت ناک شکست دی ۔ سنجر نے مروجہ رسم کے خلاف نہ اپنے حریف محمود پر قابو پا کر اس کی آنکھیں نکلوائیں نہ اسے زندان میں ڈالا بلکہ اس کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا ۔ عراق عجم اور آذربائیجان گی حکومت اس کے سپرد کر دی ۔ اپنی بیٹی ماہ ملک خاتون سے اس کی شادی کرکے رشتہ مزید استوار کر دیا اور حکومت ایران کی باگ ڈور خود سنبھالی ۔

سلطان سنجر

(۵۱۱ تا ۵۵۲ھ مطابق ۱۱۱۷ تا ۱۱۵۷ع)

سلطان سنجر کے عہد حکومت میں بعض اہم واقعات رونما ہوئے

جن کا مختصر سا ذکر ذیل میں درج کیا جاتا ہے ۔

سنجر کی فتوحات

سلطان سنجر نے سلجوق حکومت کے گرتے ہوئے قصر کو سنبھالا ۔ وہ جب خراسان کا حکمران تھا تو اس نے اپنی اس چالیس سالہ حکومت کے دوران انیس فتوحات حاصل کیں ۔ پھر جب وہ اپنے بھتیجے محمود بن محمد کو ۵۲۳ھ مطابق ۱۱۲۹ع میں شکست دے کر ایران کا بادشاہ بنا تو اس کی فتوحات کا سلسلہ اور بھی وسیع ہوا ۔ حکومت سنبھالتے ہی اس نے ماوراءالنہر کا رخ کیا ، جہاں کے حکمران احمد بن سلیمان نے سلجوق حکومت کو خراج دینا بند کر دیا تھا ۔ اس نے احمد کے دارالحکومت سمرقند کا محاصرہ کر لیا ۔ اس مہم میں احمد گرفتار ہو گیا لیکن اس نے اپنی خطا پر اظہار معذرت کیا جس پر سلطان سنجر نے اس کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا اور باقاعدہ خراج ادا کرنے کے وعدے پر اسے رہا کر دیا ۔ ماوراءالنہر کی حکومت بھی اسی کے سپرد کر دی ۔

بہرام شاہ غزنوی کی اطاعت

چھ سال بعد بہرام شاہ غزنوی نے جو سلطان سنجر ہی کی حمایت سے غزنی میں تخت نشیں ہوا تھا ، سلجوقی حکومت کا جوا اتار پھینکا اور خود مختار بن بیٹھا لیکن سنجر نے غزنی پر فوج کشی کرکے اسے پھر اطاعت اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ۔

۵۳۵ھ مطابق ۱۱۴۰ع میں سمرقند میں سلجوقی حکومت کے خلاف شورش ہوئی ۔ سنجر نے فوج کشی کرکے شہر کو محاصرے میں لے لیا ۔ محاصرہ چھ ماہ تک جاری رہا ۔ آخر اس نے سمرقند کو فتح کر لیا اور وہاں کی حکومت احمد کے بیٹے نصر خاں کو سونپ دی اور اہل شہر پر کسی قسم کی آنچ نہ آنے دی ۔

خوارزم پر لشکرکشی

شمالی علاقے میں خوارزم یا خیوہ میں ایک نئی طاقت اتسز کی سرکردگی میں ابھر رہی تھی ۔ اتسز نے خود مختاری حاصل کرنے کے لیے علم بغاوت بلند کیا ۔ سلطان سنجر نے ۵۳۶ھ مطابق ۱۱۴۱ع میں

خوارزم پر لشکر کشی کی اور اتسز کو مغلوب کر لیا۔ اور اس کی خطا سے بھی درگزر کیا۔

اسماعیلیوں کی سرگرمیاں

پہلے صفحات میں اسماعیلیوں کا ذکر آیا ہے۔ باوجودیکہ اسماعیلی کارکن موت کے گھاٹ اتارے جا رہے تھے لیکن ان کی سرگرمیوں میں فرق نہ آیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سلجوقی حکومت ان پر قابو پانے سے قاصر تھی۔

سنجر نے اسماعیلیوں کے بڑھتے ہوئے خطرات کا سدباب کرنا چاہا اور ان کے مستحکم قلعہ الموت پر حملہ کرنے کے لیے فوج کشی کی۔ راستے میں منزل کی، رات بھر آرام کرنے کے بعد جب وہ بیدار ہوا تو اس نے اپنے پلنگ کے قریب ایک خنجر گڑا ہوا دیکھا۔ ساتھ ہی ایک کاغذ کا پرزہ بھی تھا جس پر لکھا تھا: ''سلطان سنجر! خبردار رہو۔ اگر تمھارے کردار کی وجہ سے تمھاری عزت میرے دل میں نہ ہوتی، تو وہ ہاتھ جو پتھریلی زمین میں خنجر گاڑ سکتا تھا، وہ بڑی آسانی سے یہ خنجر تمھارے نرم سینے میں بھی پیوست کر سکتا تھا۔'' اس دھمکی کا خاطرخواہ اثر ہوا اور سلطان سنجر جو قلعہ الموت فتح کرنے آیا تھا یہاں سے واپس ہو لیا۔

قراختائیوں کی حکومت

قراختائی، چینی ترکستان کے ایک بدھ قبیلے کا نام تھا۔ اس کا سردار لیی لوئی تاشی تھا جو ختائی حکمران کا قریبی رشتے دار تھا۔ ختائی حکمران کے خلاف نوشن (Nochen) قبائل نے لشکر کشی کی تو لیی لوئی تاشی نے اس کی مدد کی۔ لیکن نوشن قبائل فتح یاب ہوئے اور چینی ترکستان میں ''کن'' خاندان کی حکومت قائم کر لی۔ لیی لوئی اپنے قبیلے کے ساتھ قسمت آزمائی کے لیے شنسی کے شمال مغربی علاقے میں آگیا۔ شاہی خاندان کا فرد ہونے کی وجہ سے آس پاس کے سب قبائل نے اس سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا اور اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ قبائل کا بہت بڑا لشکر لے کر لیی لوئی چینی ترکستان واپس آیا اور

اسے مسخر کرکے وادی طارم میں بدھوں کی حکومت قائم کی - لیی لوئی نے خوارزم پر حملہ کیا ، جیسا کہ پہلے ذکر آیا ہے ، اور اسے فتح کرکے اتسز کو اپنا باج گزار بنایا - دو سال ہی کے عرصے میں لیی لوئی نے اپنی سلطنت سائبیریا تک وسیع کر لی اور گور خان (خان جہان) کا لقب اختیار کیا - اس کی وفات ۱۱۳۶ع میں ہوئی - اس کے ورثا ہرچند کہ نو عمر تھے لیکن انھوں نے کافی دیر تک وسطی ایشیا میں اپنی برتری قائم رکھی -

قراختائیوں کے ہاتھوں سنجر کی شکست

اتسز کو سنجر سے شکست کھانے کے باوجود خوارزم کی حکومت تو مل گئی تھی لیکن وہ اس پر مطمئن نہ تھا - وہ سنجر سے انتقام لینا چاہتا تھا - چنانچہ اس نے قراختائی سردار کو مملکت ایران پر حملہ کرنے پر آمادہ کیا - ۵۳۶ھ مطابق ۱۱۴۱ع میں دریائے جیحون کے پار درغام کی وادی میں سلجوقیوں اور قراختائیوں کے مابین نہایت خوں ریز جنگ ہوئی جس میں سنجر کو زندگی کی پہلی شکست کا سامنا کرنا پڑا - اس میں ایک لاکھ سلجوقی مارے گئے - اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ قراختائی عارضی طور پر مرو اور نیشاپور پر قابض ہو گئے اور ادھر اتسز نے خود مختاری کا اعلان کر دیا -

غزوں کے ہاتھوں سنجر کی اسیری (۵۴۸ھ مطابق ۱۱۵۳ع)

قراختائیوں نے جب سلطنت کی حدیں وسیع کر لیں تو وہاں کے غز ترکوں کو چراگاہیں چھوڑ کر نکلنا پڑا - اس طرح غزوں کے چالیس ہزار کنبے بے ٹھکانا ہو گئے اور وہ دریائے جیحون کو عبور کرکے ختلان اور بلخ کے اطراف میں آ گئے - یہاں سنجر نے اس شرط پر مستقل سکونت کی اجازت دے دی کہ وہ ہر سال چوبیس ہزار بھیڑیں سلطان کے مطبخ کے لیے پیش کیا کریں گے - بھیڑیں پیش کرنے کا موقع آیا تو انھوں نے لاغر سی بھیڑیں بھیج دیں جس پر سلطان سنجر کے خوان سالار اور غزوں کے مابین جھگڑا کھڑا ہو گیا - سلطان کے حاکم نے جھگڑا چکانے کی کوشش کی لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی - آخر سنجر نے

غزوں کے خلاف لشکر کشی کی ۔ غزوں نے استدعا کی کہ اگر ان کی خطا سے در گزر کیا جائے تو ان کا ہر کنبہ ایک من چاندی سلطان کی خدمت میں پیش کرے گا ۔ سلطان نے پیش کش کو قبول کر لینا چاہا لیکن امرا نے اسے باز رکھا ۔ غزوں نے ناچار اپنی مدافعت کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی ۔ سلطان کی منظم فوجوں اور غزوں کے بے ترتیب لشکر کے مابین نہایت خوں ریز جنگ ہوئی جس میں سنجر نے شکست کھائی اور پسپا ہوتے ہوئے ۵۴۸ھ مطابق ۱۱۵۳ع میں غزوں کے ہاتھوں اسیر ہوگیا۔ غز یلغار کرتے ہوئے سلجوقیوں کے دارالسلطنت مرو آئے جہاں سے انھیں شاہی خزانے ہاتھ لگے ۔ پھر عوام کی طرف ظلم و ستم کا ہاتھ بڑھایا اور جو ہاتھ لگا جی بھر کر لوٹا ۔ پھر نیشا پور کا رخ کیا اور یہاں بے دریغ لوگوں کا خون بہایا ۔

کرمان میں بھی انھوں نے تباہی مچائی ۔ نرماشیر اور جیرفت کے زرخیز ترین اضلاع لوٹے ۔ ۵۸۱ھ مطابق ۱۱۸۵ع میں ملک دینار خراسان سے چل کر غزوں سے آ ملا اور ان کی مدد سے کرمان پر قابض ہو گیا ۔ پھر اس نے ہرمز کا رخ کیا اور لوگوں سے مال و دولت اور گھوڑے حاصل کیے ۔ ملک دینار کی وفات کے بعد شیراز کے آس پاس کے قبائل شبانکارہ نے کرمان میں غزوں پر حملہ کیا اور انھیں سخت نقصان پہنچایا ، پھر یہ سعد بن زنگی کے ہاتھوں مکمل طور پر تباہ ہوئے ۔

سنجر غزوں کی قید میں چار سال رہا ؛ اس عرصے میں مملکت ایران میں بدامنی کا دور دورہ رہا ۔ اہل خراسان نے سمرقند کے حکمران محمد بن سلیمان سے سنجر کی رہائی کے لیے مدد چاہی ۔ اس موقع پر مشہور شاعر انوری نے ''اشک ہای خراسان''۱ کے عنوان سے قصیدہ لکھ کر سمرقند

---

۱ - چند شعر اس قصیدے کے یہ ہیں :

بر سمرقند اگر بگذری ای باد سحر نامۂ اہل خراسان بہ برِ سلطان بر
نامۂ مطلع او رنج تن و آفت جان نامۂ مقطع او درد دل و سوز جگر
نامۂ بر رقمش آہ شہیدان پیدا نامۂ در شکنش خون شہیدان مضمر
ای کیومرث بقا بادشہ کسریٰ عدل ای منو چہر لقا خسرو افریدوں فر
قصۂ اہل خراسان بشنو از سر لطف چون شنیدی ز سر رحم در ایشان بنگر

کے حکمران کے پاس بھیجا جس کے لفظ لفظ سے آنسوؤں کی جھلک نظر آتی ہے - مدد حاصل کرنے کے لیے لوگ ترمذ کے حاکم کے پاس بھی پہنچے -

سنجر کی رہائی اور وفات

آخر ترمذ کے حاکم نے سنجر کی رہائی کی تدبیر کی اور دریائے جیحون کے کنارے کشتی پہنچائی - سنجر کو خبر ہوئی تو پاسبانوں کو غافل پاکر کشتی میں آ گیا - ملاحوں نے اسے پار اتار کر قلعہ ترمذ میں پہنچا دیا - یہاں سے وہ مرو روانہ ہوا - مرو اور دوسرے شہروں کی تباہی اور بربادی کا منظر دیکھ کر سنجر کو سخت رنج ہوا - آخر اس رنج کی شدت میں وہ ۵۵۲ھ مطابق ۱۱۵۷ع میں اس جہان فانی سے رخصت ہوا اور اپنے ہی بنائے ہوئے مقبرے میں دفن ہوا - سنجر کے بعد زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ خراسان کے بعض شہروں پر خوارزم شاہیوں اور غوریوں کا قبضہ ہو گیا -

سنجر کی سیرت

مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سنجر بہت دلیر، عادل، فیاض اور نیک فطرت شخص تھا - اسے[1] ''عوام میں اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ اس کے مرنے کے بعد بھی ایک سال تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا رہا -'' وہ فطرتاً بہت رحم دل تھا - اس نے محمود بن ملک شاہ پر فتح پائی تو اس کی خطا سے درگزر کیا - اتسز اس کا ایک طاقت ور حریف تھا؛ بغاوت کے بعد جب بھی وہ معافی کا خواستگار ہوا تو سنجر نے اسے کھلے دل سے معافی دی - حاکم سمرقند احمد بن سلیمان نے سنجر کی مخالفت میں علم بلند کیا لیکن جب اس نے شکست کھائی تو سنجر نے اس کی معذرت قبول کرکے سمرقند کی حکومت اسی کو سونپ دی -

سنجر شعر شناس اور سخن پرور بھی تھا - ملک شاہ اور سنجر کا زمانہ فارسی شاعری کے عروج کا زمانہ تھا - سلجوق عہد کے شعرا کی فہرست بہت طویل ہے ان میں سے چند نام یہ ہیں: امیر معزی

---

۱ - راوندی: راحت الصدور، صفحہ ۱۷۱ -

ارزق، لامعی ، عبدالواسع جبلی ، انوری ، حسن غزنوی ، ادیب صابر ، نظامی عروضی ، نظامی گنجوی اور سوزنی - رشیدالدین وطواط بھی اسی دور کا شاعر تھا اگرچہ وہ اتسز کے دربار سے متعلق تھا - سلطان سنجر کی نکتہ شناسی کے سلسلے میں ایک واقعہ کا ذکر کر دینا نامناسب نہ ہوگا - جیسے کہ پہلے ذکر آ چکا ہے ، ۵۴۲ھ مطابق ۱۱۴۷ع میں اتسز خوارزمشاہ نے اپنے ولی نعمت سلطان سنجر کے خلاف بغاوت کر دی - سنجر نے فوج کشی کی اور اتسز ایک قلعہ میں محصور ہو گیا ، جس کا نام ''ہزار اسپ'' تھا - انوری اس وقت سلطان سنجر کے ہمراہ تھا ، اس نے ایک رباعی کہی ، جس کو سنجر نے تیر کے ذریعے قلعے میں پھنکوا دیا - رباعی یہ ہے :

ای شاہ ہمہ ملک زمین حسب تراست
و ز دولت و اقبال جہان کسب تراست
امروز بیک حملہ ہزار اسپ بگیر
فردا خوارزم و صد ہزار اسپ تراست

وطواط نے فی‌البدیہہ اس کا جواب ایک شعر کی صورت میں دیا اور ایک تیر پر اسے لکھوا کر سلجوقیوں کے لشکر میں پھینک دیا - شعر یہ ہے :

گر خصم تو ای شاہ شود رستم گرد
یک خر ز ہزار اسپ ترا نتوان برد

سلطان سنجر نے جب اتسز کو شکست دی اور قلعہ ہزار اسپ مسخر ہو گیا تو وطواط کو جس نے یہ شعر کہا تھا ، سلطان کے حضور پیش کیا گیا - سلطان نے حکم دیا کہ اس کے سات ٹکڑے کر دیے جائیں - وطواط نحیف و نزار اور پست قد شخص تھا لیکن بلا کا حاضر جواب تھا - اس نے جواب دیا کہ میرے تو سات ٹکڑے ہو ہی نہیں سکیں گے - حکم دیا جائے کہ میرے دو ٹکڑے کر دیے جائیں - یہ سن کر بادشاہ خوش ہو گیا اور اس کی خطا سے درگزر کر دیا - سلطان سنجر کی وفات کے بعد زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ خوارزم شاہیوں کے ہاتھوں یہ حکومت ختم ہو گئی -

حسن بن صباح کے جانشین

حسن بن صباح ۵۱۸ھ مطابق ۱۱۲۴ع میں فوت ہوا۔ اپنی زندگی ہی میں اس نے کیا بزرگ امید کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا چنانچہ شیخ الجبال کا منصب اس نے سنبھالا۔

کیا بزرگ امید کے زمانے میں بھی متعدد امرا فدائیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ یہاں تک کہ خلیفہ فاطمی الآمر باللہ اور خلفاے عباسی المسترشد اور راشد بھی انھی کے خنجروں سے ہلاک ہوئے[1]۔ مخالفین نے فدائیوں سے بہت شدید انتقام لیا۔ اکثر مقامات پر ان کا قتل عام ہوا۔ بعض[2] مقامات پر ان کے سروں کے مینار کھڑے کیے گئے۔

کیا بزرگ امید ۵۳۲ھ مطابق ۱۱۳۷ع میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا محمد اس کا جانشین بنا اور ۵۵۶ھ مطابق ۱۱۶۰ع تک اسماعیلیوں کی ریاست اس کے ہاتھ میں رہی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا حسن علی ذکرہ الاسلام اسماعیلیوں کا رئیس مقرر ہوا۔ اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ خلفاے فاطمیہ کے خاندان سے ہے۔ چنانچہ ۵۵۹ھ مطابق ۱۱۶۳ع میں ''عید قیامت'' کے نام سے ایک جشن بپا کرکے امامت کا دعویٰ کیا اور اس نے اپنے پیرؤوں کو اسلام کے ظاہری احکام پر عمل کرنے سے ممانعت کر دی۔ مشہور مورخ رشیدالدین فضل اللہ لکھتے ہیں کہ حسن علی کے طریق کار کی وجہ سے مسلمانوں نے انھیں ملاحدہ کا نام دیا۔ حسن علی کو اس کے نسبتی بھائی حسن بن نامور دیلمی نے ہلاک کر دیا اور ۵۶۱ھ مطابق ۱۱۶۵ع میں حسن بن علی کا بیٹا نورالدین محمد رئیس بنا۔ اس نے اپنے باپ کے خون کا دیلمیوں سے سخت انتقام لیا۔ یہ اگرچہ فلسفی تھا لیکن باپ کے مسلک پر بہ دستور قائم رہا۔ اس کی وفات ۶۰۷ھ مطابق ۱۲۱۰ع میں ہوئی۔ اس کا جانشین اس کا بیٹا جلال‌الدین بنا۔ لیکن اس نے باپ کا مسلک چھوڑ کر شریعت اسلام کی پیروی کی۔ اور عباسی خلیفہ الناصرالدین اللہ سے دوستانہ روابط قائم کیے۔ اپنی والدہ کو اس نے حج کعبہ کے لیے بھیجا۔ قزوین کے علما کو دعوت دے کر

۱، ۲۔ عبداللہ رازی: تاریخ مفصل ایران، صفحہ ۲۰۸، تہران ۱۳۳۵ ش۔

اپنے ہاں بلایا اور کہا کہ اسماعیلیوں کا کتب خانہ دیکھیں - جو کتاب عقیدۂ اسلامی کے خلاف نظر آئے اسے نکال کر ضائع کر دیں - شریعت اسلامی کی پیروی کی وجہ سے وہ ''نو مسلمان'' کے لقب سے مشہور ہوا - اس زمانے میں چنگیز خان نے ماوراءالنہر اور خراسان کے علاقوں میں تاخت و تاراج کیا - جلال‌الدین نے اس کی اطاعت اختیار کی ، بالآخر ۶۱۷ھ مطابق ۱۲۲۰ع میں ناگہانی طور پر دنیا سے رحلت کی - خیال کیا جاتا ہے کہ اسے زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا -

جلال‌الدین نو مسلمان کے بعد اس کا دس سالہ بیٹا علاءالدین رئیس بنا - اس کے زمانے میں قہستان کا حکمران ناصرالدین اسماعیلی تھا - اس نے مشہور فلسفی خواجہ نصیرالدین طوسی کو دعوت دے کر اپنے علما کے حلقے میں شامل کیا اور طرح طرح کی عنایات سے نوازا - نصیرالدین طوسی نے اپنی اخلاقیات کی مشہور و معروف کتاب اسی اسماعیلی حکمران کے نام منسوب کی اور اسی کے نام کی نسبت سے اسے ''اخلاق ناصری'' کا نام دیا - ناصرالدین نے بالآخر بڑی عزت و احترام کے ساتھ نصیرالدین کو علاءالدین کے پاس قلعہ الموت بھیج دیا جہاں اس کا نہایت تپاک سے خیر مقدم کیا گیا -

علاءالدین نے اپنے بیٹے رکن‌الدین خور شاہ کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا ، لیکن باپ بیٹے کے مابین کسی وجہ سے کدورت ہو گئی - بالآخر حسن ماژندرانی نے شاید رکن‌الدین خور شاہ کے ایما پر علاءالدین کو ۶۵۳ھ مطابق ۱۲۵۵ع میں موت کے گھاٹ اتار دیا -

رکن‌الدین نے ریاست سنبھالتے ہی اس خیال سے کہ مبادا راز نہ کھل جائے ، حسن ماژندرانی کو مروا دیا - رکن‌الدین ہی کے زمانے میں ہلاکو نے ایران پر حملہ کیا اور اسماعیلیوں کا قلع قمع کرکے دنیا کو ان کی دہشت ناکیوں سے نجات دلا دی - اس کی تفصیل ہلاکو کے ضمن میں آئے گی -

خوارزم شاہان

خوارزم کے حکمرانوں کا ذکر ضمناً سلجوقی بادشاہوں کے باب میں آ چکا ہے - یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے کی حکومتوں پر اجتماعی نظر ڈال لی جائے -

خوارزمشاہاں

(۱) انوشتگین

(۲) قطب الدین محمد

(۳) اتسز

(۴) ارسلان

(۵) سلطان شاہ — (۶) تکش

(۷) علاؤالدین محمد — ناصرالدین ملک شاہ — یونس خاں — تاج الدین علی شاہ

رکن الدین — غیاث الدین — (۸) جلال الدین منکوبرنی

خوارزم کے سلاطین کا، جو خوارزم شاہان کہلاتے تھے، مورث اعلیٰ انوشتگین غرجہ تھا جو ترک نژاد غلام تھا - یہ شخص ملک شاہ سلجوقی کے مقربین میں سے تھا اور طشت داری کا منصب اس کے سپرد تھا - اس کی وفات پر اس کے بیٹے قطب الدین محمد کو ملک شاہ نے خوارزم کا حکمران بنا دیا اور خوارزم شاہ کے لقب سے نوازا - یہ ایک نیک فطرت شخص تھا اور اہل علم کو بہت عزیز رکھتا تھا - اس کی وفات پر اس کا بیٹا اتسز خوارزم شاہ ہوا -

اتسز

اتسز نے ۵۲۱ھ مطابق ۱۱۲۷ع میں خوارزم کی حکومت سنبھالی - یہ شخص بہت جاہ پسند تھا اور اپنی حکومت کو سلجوقیوں کے اثر سے پاک کرنا چاہتا تھا - اس نے حکومت سنبھالتے ہی خود مختار ہونا چاہا اورسلطان سنجر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا - سلطان سنجر نے جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، ۵۳۳ھ مطابق ۱۱۳۸ع میں خوارزم پر فوج کشی کی - اتسز مقابلے کی تاب نہ لا کر خوارزم سے نکل بھاگا لیکن اس کا بیٹا قتلغ سلجوقیوں کے ہاتھوں اسیر ہو کر مارا گیا - سلطان سنجر خوارزم میں اپنا حکمران مقرر کرکے خود وہاں سے لوٹ آیا - اس کا واپس آنا تھا کہ اتسز نے پھر خوارزم کا رخ کیا اور سنجر کے حاکم کو خوارزم سے نکال باہر کیا اور پھر جب سلطان کو قراختائیوں نے شکست دی تو اتسز نے سنجر کی مخالفت بہت جوش و خروش سے کی - سنجر نے پھر فوج کشی کی - اتسز نے پھر کمزوری محسوس کرتے ہوئے انتہائی تملق اور خوشامد سے اپنی خطا کی معذرت چاہی - سنجر نے پھر وسعت قلب سے کام لے کر اس کی معذرت قبول کر لی - اب کی بار بھی اتسز کی نیت صاف نہ تھی - یہاں تک کہ جب مشہور شاعر ادیب صابر کو سنجر نے اپنا ایلچی بنا کر اتسز کے پاس بھیجا تو اس نے ادیب کو دریائے جیحوں میں غرق کرا دیا - سنجر نے اتسز کا قلع قمع کرنے کے لیے پھر خوارزم پر چڑھائی کی اور ۵۴۶ھ مطابق ۱۱۵۱ع میں قلعہ ''ہزار اسپ'' فتح کرنے کے بعد خوارزم کو محاصرے میں لے لیا - اتسز نے پھر منافقت سے کام لے کر طرح طرح کے تحفے تحائف سنجر کے حضور

میں پیش کیے اور گڑگڑا کر معذرت چاہی - سنجر ایک بار پھر اس کے دھوکے میں آ گیا اور اس کی خطا سے درگزر کی - ایک ہی سال گزرا تھا کہ سلطان سنجر غزوں کے ہاتھوں اسیر ہو گیا - اس کی اسیری نے طول پکڑا تو اتسز نے سلطان سنجر کے بھانجے رکن الدین محمود کو اپنا آلۂ کار بنانا چاہا - ۵۵۱ھ مطابق ۱۱۵۶ع میں سنجر نے غزوں سے رہائی پائی تو اتسز نسا کے مقام پر اس جہان فانی سے رخصت ہوا -

ایل ارسلان

ایل ارسلان نے اپنے باپ اتسز کے زمانے میں جند کی حکومت حاصل کی تھی - اتسز فوت ہوا تو اس نے خوارزم کی حکومت سنبھالی - اس کے زمانے میں قراختائیوں نے جو بدھ مذہب سے تعلق رکھتے تھے خوارزم پر حملہ کیا جسے رد کرنے میں ایل ارسلان کامیاب ہو گیا لیکن ۵۶۷ھ مطابق ۱۱۷۱ع میں اچانک بیمار ہو کر دنیا سے رخصت ہوا -

سلطان شاہ اور تکش

ایل ارسلان کی وفات پر اس کا چھوٹا بیٹا سلطان شاہ اپنی مادر ملکہ کی مدد سے تخت نشیں ہوا - اس کا بڑا بھائی تکش اس وقت جند میں مقیم تھا - اس نے حق تلفی ہوتی دیکھی تو قراختائیوں کی مدد سے خوارزم پر لشکر کشی کی- سلطان شاہ مقابلے کی تاب نہ لا کر خوارزم سے نکل کر نیشاپور آ گیا اور اس کی والدہ تکش کے ہاتھوں قتل ہوئی - اس اثنا میں کسی وجہ سے تکش اور قراختائیوں کے مابین شکررنجی ہو گئی - سلطان شاہ کو صورت حال کا علم ہوا تو اس نے قراختائیوں سے سازباز کرکے خوارزم کی حکومت حاصل کرنی چاہی لیکن قراختائی قبائل یہ محسوس کرکے کہ اہل خوارزم سلطان شاہ کو پسند نہیں کرتے، واپس ہوگئے لیکن اتنا ضرور کیا کہ اپنی فوج کے کچھ دستے اس کی کمک کے لیے وہیں چھوڑ دیے- دونوں بھائیوں کے مابین لڑائی ہوتی رہی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ سلطان شاہ پسپا ہوا اور ۵۸۳ھ مطابق ۱۱۸۷ع میں تکش نے شادیاخ کو فتح کر لیا - ایک سال بعد اس نے طوس کا رخ کیا لیکن یہاں دونوں بھائیوں میں صلح ہو گئی اور تکش نے خوارزم کی راہ لی - ۵۸۶ھ مطابق ۱۱۹۰ع میں ان میں پھر جنگ چھڑی تو تکش

نے سرخس کا علاقہ بھی مسخر کر لیا ۔ بالآخر پھر صلح ہوئی ۔ شاید جنگ و صلح کا یہ سلسلہ اور بھی جاری رہتا لیکن سلطان شاہ نے ۵۸۹ھ مطابق ۱۱۹۳ع میں وفات پائی ۔ تکش نے آخر عمر میں اسماعیلیوں کی سرکوبی کا تہیہ کیا ۔ اس غرض کے لیے اس نے اپنے بیٹے قطب الدین محمد کو ترشیز کا محاصرہ کرنے کے لیے بھیجا ، جو اسماعیلیوں کا اہم مرکز تھا لیکن خود ۵۹۶ھ مطابق ۱۱۹۹ع میں اس کام کو ادھورا چھوڑ کر جہان فانی سے رخصت ہوا ۔

علاءالدین

قطب الدین کے بعد علاءالدین نے خوارزم کی حکومت سنبھالی ۔ اس کی حکومت کوہ یورال سے لے کر خلیج فارس تک اور ادھر دریائے سندھ سے لے کر دریائے فرات تک پھیلی ہوئی تھی ۔ اس نے کئی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کو ختم کیا ۔ قراختائیوں کو بھی زیر کیا جس سے ایران ترکستان کا ہمسایہ بن گیا ۔ اسے چنگیز خاں کی خوف ناک یلغاروں کا سامنا کرنا پڑا ۔ اس کے بیٹے جلال الدین منکو برنی نے جگہ جگہ تاتاریوں کا مقابلہ کیا لیکن آخر خوارزم شاہوں کی حکومت تاتاریوں کے ہاتھوں ختم ہو گئی ۔ اس کی تفصیل چنگیز خاں کے باب میں پیش کی جائے گی ۔

غوری حکومت

(۵۴۳ تا ۶۱۲ھ مطابق ۱۱۴۸ تا ۱۲۱۵ع)

غوری حکومت کی ابتدا کے متعلق کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی جا سکتی البتہ اس قدر معلوم ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے غور کی سوری سلطنت فتح کی تھی ۔ پھر جب سلطان مسعود بن ابراہیم نے غزنی کی حکومت سنبھالی تو اس نے غور کی سلطنت سوری خاندان کے ایک فرد حسین بن سام کے سپرد کر دی ، جس کا باپ سام حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا ۔ غزنی میں بہرام شاہ کی حکومت قائم ہوئی تو حسین کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں علاءالدین ، حسن ، سام اور سوری نے بہرام شاہ کی مخالفت کا علم بلند کیا جس میں انھیں کامیابی ہوئی اور بہرام ہند کی جانب فرار کرنے پر مجبور ہو گیا ۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ سوری نے غزنی میں اپنی حکومت قائم کر لی ۔ سام اور علاءالدین دونوں غور کے دارالسلطنت

فیروز کوہ لوٹ گئے ۔ سام فوت ہو گیا اور علاءالدین غور کا خود مختار حکمران بن گیا۔ یہی غور خاندان کا سب سے پہلا حکمران سمجھا جاتا ہے ۔

سوری کا بہرام کے ہاتھوں قتل

علاءالدین کی حکومت کے آغاز میں بہرام شاہ غزنوی جو راہ فرار اختیار کرکے ہند جا چکا تھا اب پھر واپس آ گیا اور علاءالدین کے بھائی سوری کے خلاف فوج کشی کرکے اسے شکست دی ۔ سوری گرفتار ہو گیا اور اسے بیل پر سوار کرکے غزنی کے گلی کوچوں میں پھرایا گیا۔ پھر اسے قتل کر دیا گیا ۔

علاءالدین جہاں سوز

علاءالدین کو اپنے بھائی سوری کی ذلت آمیز ہلاکت کا حال معلوم ہوا تو اس نے انتقام لینے کی غرض سے غزنی پر چڑھائی کی ۔ بہرام شاہ نے بعض مقامات پر اس کا مقابلہ کیا لیکن بالآخر شکست کھائی اور اپنے کیفر کردار کو پہنچا ۔ علاءالدین نے بھائی کی تذلیل کا انتقام اس طرح لیا کہ سات دن اور سات رات غزنی میں لوٹ مار کی اور مشہور عمارتوں کو نذر آتش کیا ۔ بقول[1] نظامی عروضی سمرقندی "اس نے وہ تمام قصیدے طلائی سکوں کے عوض خریدے جو غزنوی حکمرانوں کی شان میں کہے گئے تھے ۔" یہ قصائد اس نے اپنے کتب خانے میں رکھ لیے ۔ مقصد یہ تھا کہ ان کی یادگاریں مٹائی جائیں۔ اس کے بعد وہ غور واپس چلا گیا ۔

سنجر سلجوقی سے نبرد آزمائی

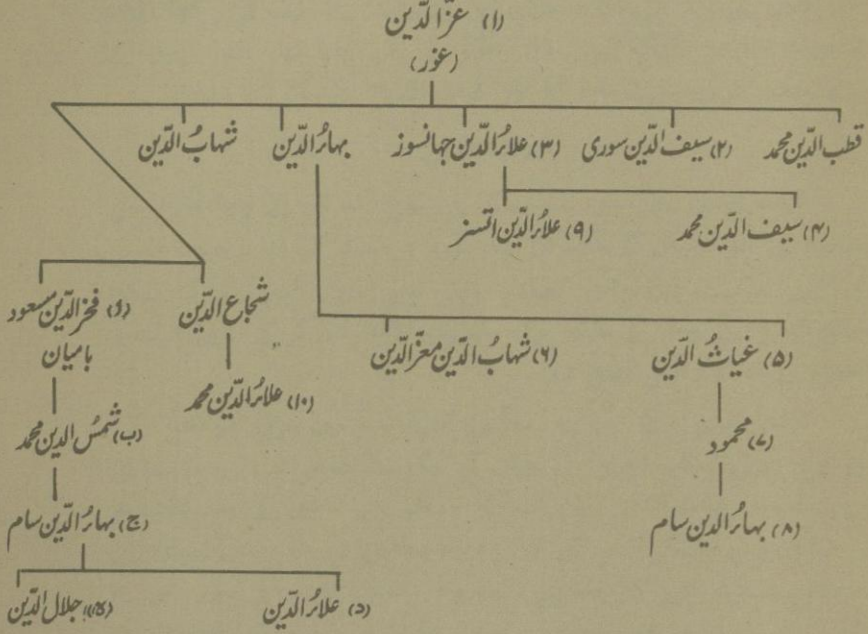
علاءالدین کے حوصلے بڑھے تو اس نے ایران کا رخ کیا اور بادشاہ ایران سنجر سلجوقی سے دو دو ہاتھ کرنے چاہے ، لیکن اسے منہ کی کھانی پڑی ۔ نہ صرف شکست کھائی بلکہ اسیر ہو گیا ۔ سنجر نے یہ محسوس کرکے کہ یہ ایک دانش مند شخص ہے اور شعر کا ذوق رکھتا ہے اس کی خطا سے درگزر کیا اور اسے اپنا مصاحب بنا لیا اور بالآخر غور کی حکومت اسی کے سپرد کر دی ۔

علاءالدین نے حکومت سنبھالتے ہی بست اور بامیان کے علاقے فتح کیے ۔ آخر ۵۵۱ھ مطابق ۱۱۵۶ع میں وفات پائی ۔

---

۱ - چہار مقالہ مرتبہ محمد قزوینی بکوشش دکتر محمد معین ، صفحہ ۴۶

غوریاں


(۱) عزالدین
(غور)
قطب الدین محمد
(۲) سیف الدین سوری
(۳) علاءُالدین جہانسوز
بہاءُالدین
شہابُ الدین
(۴) سیف الدین محمد
(۹) علاءُالدین اتسز
شجاع الدین
(ا) فخرالدین مسعود
بامیان
(۵) غیاثُ الدین
(۶) شہابُ الدین معزالدین
(۱۰) علاءُالدین محمد
(ب) شمسُ الدین محمد
(۷) محمود
(ج) بہاءُالدین سام
(۸) بہاءُالدین سام
(د) علاءُالدین
(ہ) جلال الدین

محمد بن علاء الدین

علاءالدین کی وفات پر اس کا بیٹا محمد بن علاءالدین (سیف الدین) تخت نشین ہوا - اس نے اپنے چچا کے بیٹوں غیاث الدین اور معز الدین کو زندان سے رہا کر دیا ، جنھیں اس کے والد نے قید کر رکھا تھا - محمد بن علاءالدین ایک ہی سال حکومت کر پایا تھا کہ غزوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے مارا گیا اور غیاث الدین نے حکومت سنبھالی -

غیاث الدین

غیاث الدین نے حکومت سنبھالی ہی تھی کہ اس کے چچا فخرالدین مسعود نے جو بامیان کا حکمران تھا، غور پر حملہ کر دیا - غیاث الدین نے اسے شکست دی - اس تصادم میں فخر الدین اسیر ہو گیا لیکن غیاث الدین نے چچا کے ساتھ کمال مہربانی کا سلوک کرکے اسے عزت و احترام کے ساتھ واپس بھیج دیا -

غیاث الدین نے ۵۶۹ھ مطابق ۱۱۷۳ع میں غزنی کو فتح کیا اور اپنے بھائی شہاب الدین کو وہاں کی حکومت سونپی - ۵۷۱ھ مطابق ۱۱۷۵ع میں غیاث الدین نے ہرات کو مسخر کیا - اس کے بعد شادیاخ اور نیشاپور پر لشکر کشی کی اور ۵۹۷ھ مطابق ۱۲۰۰ع میں ایران کے یہ علاقے سلطنت غور کا حصہ بنے - ۵۹۹ھ مطابق ۱۲۰۲ع میں اس نے وفات پائی - اپنے عہد حکومت میں اس نے ہرات کی عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کرائی جو اس کی عظیم یادگار ہے -

شہاب الدین محمد بن سام

محمد بن سام جو شہاب الدین یا معز الدین کے لقب سے ملقب ہے ، غیاث الدین کا بھائی تھا - اس نے ہند پر لشکر کشی کی اور ملتان کو فتح کیا اور دہلی کو بھی اپنے تسلط میں لے لیا - نیشاپور واپس آیا تو بھائی کی وفات کی خبر سنی اور اپنے دارالسلطنت غزنی واپس آ گیا - اب اس نے محمد خوارزم شاہ کے خلاف فوج کشی کی لیکن شکست کھائی - اب وہ پھر تازہ دم لشکر فراہم کرنے لگا کہ ایک اسماعیلی کے ہاتھوں ۶۰۲ھ مطابق ۱۲۰۵ع میں مارا گیا -

محمود بن غیاث الدین

شہاب الدین کے بعد اس کے بھتیجے محمود کو تخت نشین کیا گیا۔ اس کے زمانے میں سلطان محمد خوارزم شاہ کا بھائی علی شاہ تکش غوریوں کے ہاں پناہ گزیں ہوا، لیکن محمود نے محمد خوارزم شاہ کی درخواست پر اسے واپس بھیج دیا۔ اس پر علی شاہ تکش کے بعض حامیوں نے محمود کو ۶۰۷ھ مطابق ۱۲۱۰ع میں قتل کر دیا۔

غوری حکومت کا خاتمہ

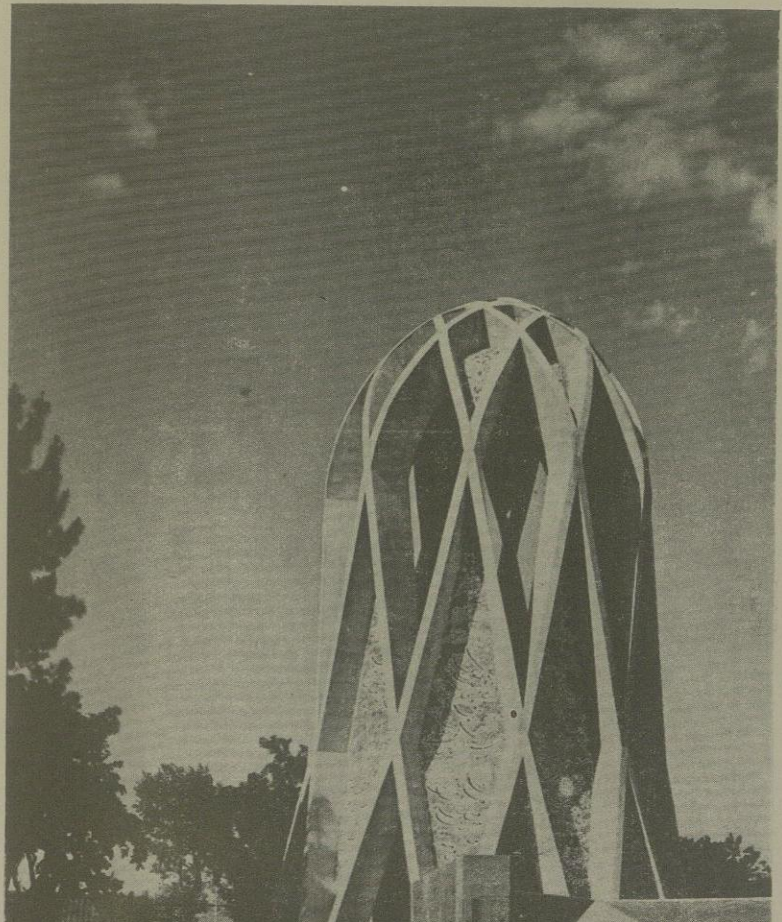
محمود کے بعد اس کا بڑا بیٹا سام، جس کی عمر چودہ سال تھی تخت نشیں ہوا، لیکن اسی سال خوارزم شاہ نے غور پر حملہ کرکے غور کا دارالسلطنت فیروزکوہ فتح کر لیا، جس پر غوری حکومت کا خاتمہ ہو گیا لیکن اس خاندان کے افراد نے بعد میں ہند میں کچھ عرصہ اپنی حکومت برقرار رکھی۔

بامیان کے امرا

بامیان اور اس کے آس پاس کے علاقے کا سب سے پہلا غوری امیر فخرالدین مسعود تھا جو سلطان غیاث الدین کا چچا تھا۔ اس کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔ فخرالدین کے بعد اس کا بیٹا بہاءالدین امیر بامیان مقرر ہوا۔ یہ وہی امیر ہے جس کے لیے مشہور عالم فخرالدین رازی نے ''رسالہ بہائیہ'' لکھا تھا۔ اس کی وفات پر ۶۰۲ھ مطابق ۱۲۰۵ع میں امرائے بامیان کا سلسلۂ حکومت بھی ختم ہو گیا۔

فارسی علم و ادب

سلجوقی دور کو علم و ادب کی ترقی کے لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اگر اس اعتبار سے اسے زریں دور کہا جائے تو بجا ہوگا۔ سلجوقی بادشاہ علم و ادب کے محسن اور ان کے وزرا اس کے مربی تھے۔ ایسے علم پرور حکمرانوں کے زمانے میں قصیدے کے علاوہ صوفیانہ شاعری نے بھی ترقی کی اور اس سلسلے کے شعرا اور مشائخ نے اپنی تصانیف سے فارسی علم و ادب کے سرمائے کو اور بڑھایا۔ بعض مشہور شعرا اور نثر نویسوں کا ذیل میں ذکر آئے گا۔



آرام گاه خیام ـــ نیشاپور

شعرا

بابا طاہر عریان

آپ تصوف و درویشی کی طرف مائل تھے - ان کی یادگار چند قطعات ہیں جو رباعیات کے نام سے مشہور ہیں - قطعات بہت شیریں اور مؤثر انداز میں لکھے گئے ہیں اور قلبی سوز و گداز کا پتا دیتے ہیں -

ابو سعید ابو الخیر (۳۵۰ تا ۴۴۰ھ مطابق ۹۶۱ تا ۱۰۴۸ع)

صوفیانہ عقائد کا اثر آپ کے اخلاق و کردار پر بہت نمایاں ہے - ابو سعید وہ پہلے صوفی باصفا ہیں جنھوں نے صوفیانہ اسرار و رموز کے لیے رباعی کو ذریعۂ اظہار بنایا -

عبداللہ انصاری (ولادت ۳۹۶ھ مطابق ۱۰۰۵ع)

شیخ عبداللہ انصاری کی رباعیوں کا موضوع معرفت و الٰہیات ہے جو سادہ اور رواں فارسی میں لکھی گئی ہیں -

عمر خیام

مختلف علوم میں ماہر ہونے کے باوجود خیام کا سرمایۂ شہرت فارسی رباعیات ہیں - ان کا موضوع شعر و شباب ، بے ثباتی دنیا ، فکر و فلسفہ ، دریافت و جستجو کی امنگ ہے - اس کی رباعیات سے نہ صرف ایشیا بلکہ یورپ بھی متاثر ہوا -

ناصر خسرو (۳۹۴ تا ۴۸۱ھ مطابق ۱۰۰۳ تا ۱۰۸۸ع)

اسماعیلی عقاید کا پیرو تھا - اس نے شاعری کو مذہبی عقاید کی نشر و اشاعت کا وسیلہ بنایا - نظم میں دیوان ، روشنائی نامہ ، سعادت نامہ اور نثر میں سفر نامہ زادالمسافرین اس کی یادگاریں ہیں -

امیر معزی (وفات ۴۸۰ھ مطابق ۱۰۸۷ع)

ملک شاہ سلجوق کے دربار سے وابستہ تھا - ملک شاہ کی وفات کے بعد سنجر کے دربار سے منسلک ہوا - قصیدہ نگاری کی بدولت اسے ایسا جاہ و حشم حاصل ہوا کہ اس سے پہلے سامانی دور کے شاعر رودکی اور غزنوی دربار کے قصیدہ نگار عنصری کو تو حاصل ہوا لیکن بعد میں کسی کو حاصل نہ ہو سکا - اس کے قصائد میں ملک شاہ اور سلطان سنجر کے زمانے کے بعض تاریخی اور معاشرتی حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے -

رشیدالدین وطواط (۴۸۱ تا ۵۷۸ھ مطابق ۱۰۸۸ تا ۱۱۸۲ع)

خوارزم کے حکمران اتسز کے دربار سے وابستہ تھا اور قصیدہ نگاری کی بدولت شہرت پائی -

ادیب صابر

رشیدالدین وطواط کا حریف اور سلطان سنجر کا درباری شاعر تھا - اس کے قصیدوں کی تشبیب میں تغزل کا رنگ بہت نمایاں ہے -

افضل‌الدین بدیل خاقانی شروانی (۵۲۰ تا ۵۹۵ھ مطابق ۱۱۲۶ تا ۱۱۹۸ع)

خاقان اکبر منوچہر بن فریدون شیروان شاہ کے دربار سے وابستہ تھا - اس نے عربی زبان، اسلامی تاریخ، علم ہیئت اور علم الٰہیات کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا - اس کا یہ اثر ہے کہ وہ مختلف علوم کی اصطلاحیں اور تلمیحات قصائد میں بے تکلف لاتا ہے - اس دور میں قصیدہ نگاری کی بدولت جو عظمت اسے حاصل ہوئی وہ انوری کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں ہوسکی - اس کا کلام بعض مقامات پر ابہام اور دقت آفرینی کی وجہ سے دور از فہم ہو جاتا ہے لیکن اس میں کلام نہیں کہ اس کے قصائد کی بدولت فارسی زبان کا دامن وسیع ہوا اور قصیدہ نگاری میں نئی راہیں کھلیں - خاقانی بعض غلط فہمیوں کی بنا پر اسیر ہوا - اسیری کی یادگار اس کے حبسیات ہے -

مسعود سعد سلمان (۴۴۰ تا ۵۱۵ھ مطابق ۱۰۴۸ تا ۱۱۲۱ع)

غزنوی اور سلجوقی دور کا مشہور شاعر تھا۔ اس کے آبا و اجداد کا وطن ہمدان تھا - اس کا والد ہمدان چھوڑ کر غزنی چلا گیا - مسعود کی پیدائش لاہور میں ہوئی - والد کی وفات کے بعد یہ غزنوی دربار سے وابستہ ہوا - بعد میں سلطان ابراہیم غزنوی کے عہد میں کسی غلط فہمی کی بنا پر اٹھارہ سال قید و بند کی اذیتیں برداشت کرتا رہا - زندان میں اس نے جو حبسیات لکھے وہ اس کی المناک زندگی کے آئینہ دار ہیں - حقیقت میں اس کی شہرت کا باعث یہی حبسیات ہیں۔ فارسی میں پہلی مرتبہ شہرآشوب اسی نے لکھی اور ہندی بارہ ماسے کی طرز پر ماہ ہائے فارس پر نظمیں لکھیں -

ابوالفرج رونی (وفات ۵۱۰ھ مطابق ۱۱۱۶ع)

لاہور کے ایک قصبہ رونہ کا رہنے والا تھا - سلطان ابراہیم غزنوی

اور اس کے بیٹے مسعود کی شان میں پرزور قصیدے کہے -

انوری (وفات ۵۸۳ھ مطابق ۱۱۸۷ع)

انوری کا شمار بھی خاقانی کی طرح ایران کے درجۂ اول کے شعرا میں ہوتا ہے۔ اس نے اپنی فصاحت اور بلاغت سے قصائد کی بنیادیں بہت اوپر اٹھائیں - اس نے بھی خاقانی کی طرح فلسفہ، حکمت، علم ہیئت کے نکات شعروں کے پیکر میں سمو کر قصائد میں وسعت پیدا کی جس سے قصیدہ محض ممدوح کی تعریف و توصیف تک محدود نہ رہا بلکہ مختلف علمی مسائل کے اظہار کا وسیلہ بھی بن گیا - کلام میں مبالغہ غلو کی حد تک بڑھ گیا - کہیں کہیں جذبات نگاری بھی کی - سلطان سنجر جب غزوں کے ہاتھوں اسیر ہوا تو اس نے اشک ہائے خراسان کے نام سے قصیدہ لکھا جو درد و سوز کا مرقع ہے - تعجب ہے کہ یہ عظیم قصیدہ نگار کبھی کبھی ہجوگوئی پر بھی اتر آتا ہے -

جمال الدین اصفہانی (وفات ۵۸۸ھ مطابق ۱۱۹۲ع)

جمال الدین اصفہانی نے قصیدہ نگاری میں نام پیدا کیا۔ بعض قصائد کا مقام بہت بلند ہے -

حکیم سنائی

حکیم سنائی کی پیدائش پانچویں صدی ہجری کے وسط میں ہوئی - ایران کے جن تین نامور شاعروں نے تصوف کو اپنے کلام کا باقاعدہ موضوع بنایا اور اس پر ضخیم کتابیں لکھیں ان میں سب سے پہلے سنائی ہیں، ان کے بعد عطار اور رومی کا نام آتا ہے - مثنوی ''حدیقۃالحقیقت'' تصوف و اخلاق کے موضوع پر آپ کا شاہکار ہے -

نظامی گنجوی (۵۳۵ تا ۵۹۹ھ مطابق ۱۱۴۰ تا ۱۲۰۲ع)

آپ وضع دار اور دنیاوی جاہ و حشم سے بے نیاز تھے - زندگی میں کسی دربار کا رخ نہیں کیا - آپ کی غیر فانی شہرت کا سرمایہ ''خمسہ'' یا ''پنج گنج'' ہے جو پانچ مثنویوں پر مشتمل ہے - ان کے نام یہ ہیں: مخزن الاسرار، خسرو شیرین، لیلٰی مجنون، ہفت پیکر یا بہرام نامہ اور سکندر نامہ - آپ نے شعر اور فلسفہ میں کچھ اس طرح امتزاج پیدا کیا

ہے جس سے مضمون بہت بلند اور با عظمت ہو جاتا ہے - یہ خصوصیت آپ کی تمام مثنویوں میں نظر آتی ہے - جب کسی مےگسار کو نشے کی طلب ہوتی ہے تو ساقی کو پکارتا ہے ، نظامی کو جب بیان کا سوز نغمے پر ابھارتا ہے تو وہ بھی ساقی سے شراب مانگتے ہیں لیکن ان کی شراب خود فراموشی کا عالم طاری کر دینے والی نہیں بلکہ ان کی شراب بھولی ہوئی باتوں کو یاد دلانے والی ہے جس سے بیان کی قوت بہتر اور استدراک کی صلاحیت روشن ہو جاتی ہے - مثنوی کے تقریباً ہر باب کے آخر میں ساقی نامے کے شعر درج ہیں - آپ کا بیان بہت پرجوش ہوتا ہے -

ان عظیم شاعروں کے علاوہ سلجوقی دور میں بعض اور شاعروں کو بھی خاصی شہرت حاصل ہوئی جن کے نام یہ ہیں : اسدی طوسی ، قطران تبریزی ، فخرالدین گرگانی ، فصیحی گرگانی ، عمعق بخارائی ، رشید سمرقندی ، نظامی عروضی سمرقندی ، عبدالواسع جبلی ، سید حسن غزنوی اور مختاری غزنوی -

سلجوقی عہد کے مشہور نثر نویس

نظام الملک طوسی

الپ ارسلان اور ملک شاہ کے عہد کا وزیر نظام الملک طوسی اعلیٰ تنظیمی قابلیت رکھنے کے ساتھ ساتھ صاحب طرز ادیب بھی تھا - ''سیاست نامہ'' یا ''سیرالملوک'' اس کی مشہور تالیف ہے جو ملک شاہ سلجوقی کی فرمائش پر لکھی گئی- سال تالیف ۴۸۴ھ مطابق ۱۰۹۱ع ہے-

محمد بن علی بن سلیمان راوندی

راوندی سلجوقی عہد کی تاریخ ''راحت الصدور'' کا مؤلف ہے - سال تالیف ۵۹۹ھ مطابق ۱۲۰۲ع ہے -

ابوالحسن علی بن زید بیہقی

علاقہ بیہق کے تاریخی حالات پر ''تاریخ بیہق'' لکھی - اس میں وہاں کے علما کے سوانح حیات بھی دیے ہیں -

ناصر خسرو

مشہور شاعر ہونے کے علاوہ صاحب طرز ادیب بھی تھا ۔ ''سفر نامہ ناصر خسرو'' اور ''زادالمسافرین'' اس کی معروف تصنیفات ہیں۔

محمد غزالی (۴۵۰ھ تا ۵۰۵ھ مطابق ۱۰۵۸ تا ۱۱۱۱ع)

امام غزالی پانچویں صدی ہجری کے بہت بڑے مفکر اسلام ہوئے ہیں۔ آپ کی تصنیفات کا چرچا ایشیا ہی میں نہیں بلکہ یورپ میں بھی ہوا ۔ فارسی میں ایک عظیم کتاب ''کیمیائے سعادت'' اور عربی میں ''احیاء العلوم الدین'' اور ''اکسیر ہدایت'' تالیف کیں ۔ مؤخرالذکر کتاب کا ترجمہ ''کیمیائے سعادت'' ہے ۔

نظامی عروضی سمرقندی

چھٹی صدی ہجری کا مشہور تذکرہ نویس تھا ۔ اس کی مشہور تصنیف ''چہار مقالہ'' (مجمع النوادر) ہے جو ۵۵۱–۵۵۲ھ مطابق ۱۱۵۶–۱۱۵۷ع کے مابین لکھی گئی ۔

زین الدین ابو ابراہیم اسماعیل

اس نے بوعلی سینا کے طبی نظریات اپنی مشہور کتاب ''ذخیرۂ خوارزم شاہی'' میں پیش کیے ہیں ۔

قاضی حمیدالدین ابوبکر بلخی

اس نے مقامات بدیعی کی طرز پر فارسی زبان میں مسجع فارسی میں مقامات لکھے جو ''مقامات حمیدی'' کے نام سے موسوم ہیں ۔

ابوالمعالی حمیدالدین نصراللہ

یہ سلجوقی عہد کی مشہور ترین کتاب کلیلہ و دمنہ[1] کا مولف ہے ۔

اس عہد کے مشہور عربی نویس علما امام غزالی ، شیخ طبری ، زمخشری ، میدانی ، شہرستانی باخرزی اور عبدالقاہر بن عبدالرحمان جرجانی ہیں ۔

---

۱ - تفصیل کے لیے دیکھیے ''ادب نامہ ایران'' مؤلفہ مرزا مقبول بیگ بدخشانی ، صفحہ ۳۵۴–۳۵۶ ، طبع دوم ، لاہور ۔

پانچواں باب

چنگیز خاں سے ایلخانی عہد تک

سرزمین ایران پر قبل از تاریخ بھی حملے ہوتے رہے اور تاریخی زمانے میں بھی، جن سے لاتعداد انسانی جانیں تلف ہوئیں۔ لیکن کوئی حملہ بھی اتنا ہولناک اور تباہ کن نہیں تھا جتنا منگولوں کا تھا۔ اس حملے کی غارت‌گری کے طوفانوں نے نہ صرف ایشیا کو بلکہ مشرق یورپ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ منگولوں نے آدم کشی سے لاشوں کے مینار کھڑے کیے۔ شہروں کے شہر ویرانوں میں بدل ڈالے۔ تہذیبیں مٹائیں اور قدم قدم پر وحشت و بربریت کے گھناؤنے نقوش ثبت کیے۔

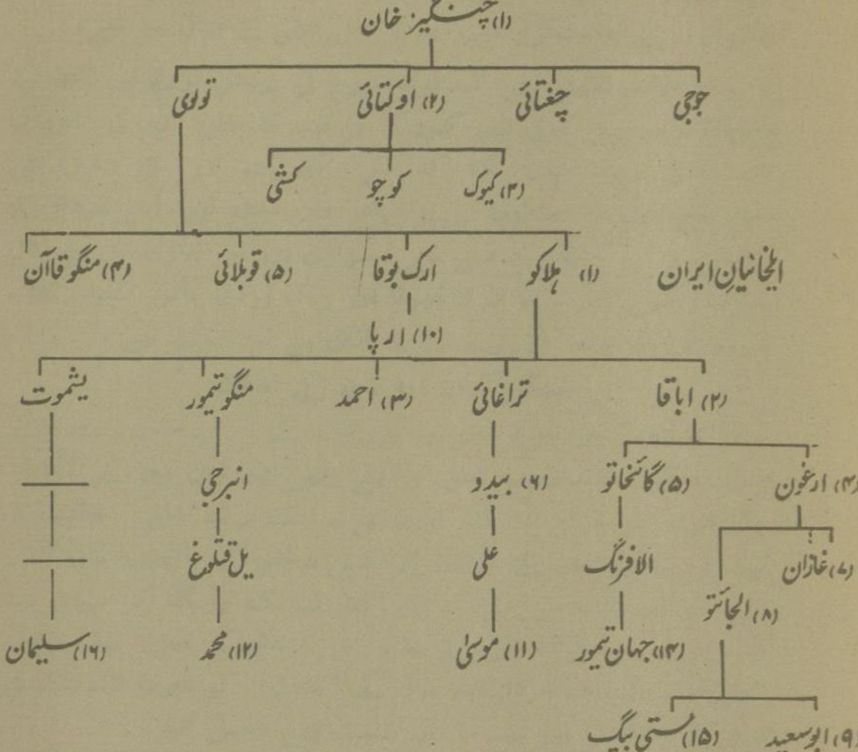
منگول کون تھے؟ کہاں سے آئے اور کیا مقصد لے کر آئے؟ اس پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیے۔

منگول اور ان کا وطن

اس تاریخ کی جلد اول میں ہنوں کا ذکر آ چکا ہے، جنھوں نے یوئیچی قبائل پر ۲۰۰ ق م میں حملہ کرکے انہیں مغربی علاقوں کی طرف دھکیل دیا تھا۔ اکثر مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ منگول ہنوں کی نسل سے تھے اور ایغور یوئیچی قبائل کی ایک شاخ تھے۔

منگولوں کو تاتار بھی کہتے ہیں۔ چینی مؤرخین کے نزدیک ان کی تین شاخیں ہیں: سفید ہن، سیاہ ہن اور وحشی تاتار۔ ہنوں کے یہ قبائل وسط ایشیا کے صحرائے گوبی کے شمال سے بحیرۂ بیکال تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان کا پیشہ ریوڑ چرانا اور گھوڑوں کی پرورش کرنا تھا۔

منگول حکمران



لوٹ مار کرنا ان کا روزمرہ کا مشغلہ تھا - یہ لوگ شمالی چین کے حکمرانوں کے اطاعت‌گزار تھے جو در اصل انھی کے بھائی بند تھے-

ابن‌الاثیر لکھتے ہیں: ''یہ لوگ سورج کی پرستش کرتے ہیں - ان کے نزدیک حرام چیز کوئی نہیں کیوں کہ ہر قسم کا جانور ان کی خوراک میں شامل ہے - یہاں تک کہ کتے، گھوڑے اور سؤر وغیرہ بھی کھا لیتے ہیں -'' منگول بڑے بہادر اور منظم تھے- اپنے سردار کے اشارۂ ابرو پر جان دے دیتے تھے - سواری اور تیر اندازی میں بے مثال مہارت رکھتے تھے - قد ان کا چھوٹا اور رنگ زردی مائل سفید تھا - ٹھوڑی پر بال بہت کم ہوتے تھے یا بالکل ہی نہیں ہوتے تھے -

چنگیز خاں اور اس کے اسلاف

تموچین، جو تاریخ میں چنگیز خاں کے نام سے مشہور ہے، کے اسلاف منگول خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور شمالی چین کے ''کن'' حکمرانوں کو خراج ادا کیا کرتے تھے - ایک مرتبہ شاہی خاندان کا ایک فرد چنگیز خاں کے خاندان کے کسی شخص کے ہاتھوں مارا گیا - قاتل کو اس کی یہ سزا ملی کہ اسے کیل ٹھونک کر مروا دیا گیا - اس پر قبیلہ قیات جس کے ساتھ اس خاندان کا تعلق تھا، بھڑک اٹھا - قبیلہ کے ایک سردار قبلا خاں نے ''کنوں'' کو عبرت ناک شکست دے کر انتقام لیا اور بہت سا مال غنیمت بھی حاصل کیا -

قبلا خاں کا بھائی برطام بہادر تھا، جس کے چار بیٹے تھے - تیسرے کا نام تسوکای بہادر تھا، جو بالآخر اس قبیلے کا سردار بنا - تسوکای بہت مستعد اور بہادر شخص تھا - اس نے نہ صرف اپنے منتشر قبائل کو متحد کیا بلکہ بعض دوسرے قبائل کو اپنا مطیع و منقاد بنایا جو بعد میں نہایت وفاداری سے اس کی لڑائیوں میں شریک ہوتے رہے -

تسوکای کی روز بروز بڑھتی ہوئی طاقت ''کن'' حکمرانوں کے لیے سخت پریشانی کا موجب بنی - آخر انھوں نے تاتاریوں کے ایک قبیلہ بوئر نوری کو تسوکای پر حملہ کرنے پر اکسایا - تسوکای ان کے حملے کا خیال بھی دل میں نہ لا سکتا تھا - بہر حال جنگ ہوئی جس میں تسوکای مردانہ وار لڑتا لڑتا مارا گیا -

چنگیز خاں کی مہمیں وسط ایشیا میں

(۱۱۷۵ تا ۱۲۰۶ء)

تسوکای کی وفات پر تموچین ، جسے اب ہم چنگیز خاں کہیں گے ، تیرہ سال کی عمر میں قبیلہ قیات کا سردار بنا ۔ اس کا اپنا قبیلہ تو بہر حال مطیع اور وفادار رہا ، لیکن دوسرے قبائل نے ایک نو عمر لڑکے کی سرداری کو قبول کرنا گوارا نہ کیا ۔ اس لیے چنگیز خاں کو اپنی سرداری کو بحال رکھنے کے لیے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ ایک مرتبہ وہ مخالفین کے ہاتھوں اسیر بھی ہوا ، لیکن وہ بہت جفا پسند اور دلیر شخص تھا ۔ عام تاتاریوں سے قد و قامت میں بھی بڑا تھا ۔ یہ سب صفات اس کے کام آئیں ۔ اسیری سے کسی طرح رہائی پائی تو وفادار قبائل کو منظم کرکے اس نے تمام باغی قبائل کو ایک ایک کرکے مطیع و منقاد کیا ۔

نسطوری سردار طغرل

بوئر نوری قبائل کا ذکر پہلے آ چکا ہے ، جنھوں نے ''کن'' چینی حکمران کی تحریک سے تسوکای پر حملہ کرکے اسے ہلاک کیا تھا ۔ اس سے بوئر نوری قبائل کے حوصلے بڑھے تو انھوں نے چین پر حملہ کر دیا ۔ چین کے ''کن'' حکمران نے ایک اور جنگ جو قبیلہ کاریت کو بوئر نوریوں کے خلاف لا کھڑا کیا جن کا سردار طغرل تھا ۔ طغرل ، تسوکای کا اتحادی رہ چکا تھا اور اب چنگیز خاں کا اتحادی تھا ۔ اس نے بوئر نوریوں کے حملے کا تو دندان شکن جواب دیا ، لیکن کچھ عرصے بعد اسے اپنے بھائی کے ہاتھوں مجبور ہو کر گھر بار چھوڑنا پڑا تو چنگیز خاں ہی اسے سہارا نظر آیا ۔ چنانچہ اس کے ہاں پناہ لی ۔ چنگیز خاں نے اسے نہ صرف پناہ دی ، بلکہ اسے مدد دے کر اس کی سرداری کو بھی بحال کر دیا ۔

سرداری کو بحال رکھنے کے لیے چنگیز خاں کی جد و جہد

قدیمی دشمنی کی بنا پر چنگیز خاں نے ۱۱۹۴ء میں بوئر نوریوں کے خلاف لشکر کشی کی جو براہ راست ''کن'' حکمران کے ماتحت تھے ۔

حکمران نے ان کا ساتھ دیا ۔ آخر وہ چنگیز خاں کے حملے کو ناکام بنانے میں کامیاب ہو گئے ۔ اس شکست کے بعد چنگیز خاں کی سرداری پھر خطرے میں پڑ گئی جس کی وجہ سے اسے غیر قبائل کے خلاف جنگ کرنی پڑی ۔ آخر اس نے فتوحات حاصل کرکے اپنے آپ کو کافی مستحکم بنا لیا ۔ ۱۲۰۲ع میں اسے خود اپنے اتحادی طغرل سے جنگ کرنی پڑی ۔ پہلی مرتبہ تو چنگیز پسپا ہوا ، لیکن ۱۲۰۳ع میں اس نے کاریتوں کو پوری طرح مغلوب کر لیا اور وہ چنگیز خاں کی وفادار رعایا بن گئے ۔

چنگیز خاں کا نائیمان قبائل پر حملہ

چنگیز خاں کی اس فتح سے نائیمان قبائل کے حکمران تے یانگ خاں کو سخت تشویش ہوئی ۔ اس نے چنگیز خاں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کے لیے سفید تاتاروں کی طرف رجوع کیا اور ان کے سردار کش تکین کو ساتھ ملانا چاہا ، لیکن کش تکین نے تے یانگ خاں کے ارادے سے چنگیز خاں کو مطلع کر دیا جس کی وجہ سے چنگیز خاں نے نائیمانوں پر حملہ کر دیا اور انھیں بری طرح تباہ کیا ۔ تے یانگ مارا گیا ۔ اس کا بیٹا گچلوک بچ کر بھاگ گیا ۔ اس لڑائی میں بے شمار نائیمان گرفتار ہوئے ۔ ان میں ایک ایغوری عالم تاتا تنگو بھی تھا جو تے یانگ کا مشیر تھا ۔ یہی[1] وہ عالم تھا جس نے چنگیز خاں کے گھرانے کو مہذب بنایا اور چنگیز خاں کے بیٹوں کو ایغوری زبان سکھائی ۔

قراختائی خاندان کا زوال

چنگیز خاں کے جدال و قتال سے گچلوک بچ کر فرار ہوگیا تھا ، کچھ عرصہ ادھر ادھر مارا مارا پھرا ، آخر قراختائیوں کے حکمران گور خاں کے دربار میں پناہ لی ، جس نے اس کے ساتھ بڑی مروت کا سلوک کیا اور اس کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی بھی کر دی ۔ اس تعلق کی بدولت گچلوک نے قراختائیوں کا مسلک یعنی بدھ مت اختیار کر لیا ۔ اس کے حالات کچھ بہتر ہوئے تو اس نے اپنے منتشر قبائل کو پھر ایک مرکز پر لانا چاہا ۔ اس میں اسے کامیابی ہوئی تو اپنے محسن اور خسر گور خاں

---

۱ ۔ سائیکس : اے ہسٹری آف پرشیا ، جلد دوم ، صفحہ ۷۷ ۔

کے خلاف خوارزم کے حکمران سلطان محمد اور سمرقند کے حکمران عثمان سے سازباز کر لی ۔ ابتدا میں تو اسے کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی ، آخر اس کے دونوں اتحادیوں نے اپنے پورے وسائل جنگ کے لیے وقف کردیے ۔گور خان کو شکست ہوئی اور وہ ۶۰۸ھ مطابق ۱۲۱۱ع میں کچلوک کے ہاتھوں اسیر ہو کر مارا گیا ۔ اب یہ محسن کش کچلوک وادی طارم میں حکمران بن بیٹھا ، جہاں کے مشہور شہر کاشغر ، یارقند اور ختن تھے ۔ سلطان محمد کو یہ صلہ ملا کہ اس کی مملکت وسطی ترکستان تک پھیل گئی اور پھر جب سلطان محمد خوارزم شاہ نے اپنے اتحادی عثمان کو اسیر کرکے ہلاک کر دیا تو سمرقند میں بھی اس کی حکومت قائم ہو گئی بلکہ سمرقند کو اس نے دارالسلطنت بنا لیا ۔

وسط ایشیا میں چنگیز خاں کے حملے

۱۲۱۵ تا ۱۲۱۸ع میں چنگیز خاں نے چین کے ''کن'' حکمرانوں پر تین کامیاب حملے کیے اور ان کے بعض صوبے فتح کر لیے ۔ ان حملوں کے دوران چنگیز خاں کو محاصرہ کرنے کے بعض نئے طریقے سوجھے جن سے آئندہ اس نے بڑا کام لیا ۔

۱۲۱۶ع میں اس نے چین کے مغربی علاقوں کا رخ کیا اور بعض جنگ جو قبائل کو زیر کیا ۔

دشت قبچاق میں لشکر خوارزم سے مڈبھیڑ

اس مہم کے کچھ ہی عرصے بعد محض اتفاق سے منگولوں کا محمد خوارزم شاہ کے لشکر سے آمنا سامنا ہو گیا جو سلطان نے دشت قبچاق میں بھیجا تھا ۔ منگول اس لشکر سے لڑنا نہیں چاہتے تھے ۔ سلطان کے لشکر نے البتہ پیش قدمی کی ، لیکن کچھ فیصلہ ہوئے بغیر منگول رات کی تاریکی میں پیچھے کو ہٹ گئے اور اس مختصر سی چپقلش کو محض اتفاق پر محمول کیا گیا ۔

چنگیز اور خوارزم شاہ کے سفارتی تعلقات

سلطان محمد خوارزم شاہ کو چنگیز خاں کی فتوحات کی اطلاع ملی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس نے پیکنگ کو بھی مسخر کر لیا ہے ،

تو اس نے بعض اراکین سلطنت کا وفد بہاءالدین رازی کی سرکردگی میں بظاہر دوستانہ روابط پیدا کرنے کے لیے چنگیز خاں کے پاس بھیجا ، لیکن اصل میں مقصد یہ تھا کہ چنگیز خاں کی فوجی طاقت کا اندازہ کیا جائے۔ صاحب ''طبقات ناصری'' بہاءالدین رازی کے حوالے سے لکھتا ہے:

''چنگیز خاں[1] نے سفیروں کا پرتپاک خیرمقدم کیا اور سفیروں کے ذریعے کہلا بھیجا کہ چنگیز خاں جس طرح اپنے آپ کو مشرق کا بادشاہ سمجھتا ہے اسی طرح خوارزم شاہ کو مغرب کا بادشاہ تسلیم کرتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ دونوں حکومتوں میں دوستانہ روابط قائم ہوجائیں اور باہمی تجارت کے لیے آسانیاں پیدا کی جائیں ۔ چنگیز خاں نے ایرانی سفیروں کو بڑی عزت سے واپس بھیجا ، ان کے ساتھ خوارزم شاہ کو اس کے شایان شان تحفے بھی بھیجے ۔

سفیر خوارزم شاہ کے پاس پہنچے اور چنگیز خاں کی نیک خواہشات کا ذکر کیا ۔ باوجودیکہ چنگیز خاں نے خوارزم شاہ کو ''بیٹا'' کہہ کر خطاب کیا تھا لیکن جب خوارزم شاہ کو چنگیز خاں کی فوجی قوت کا حال معلوم ہوا تو اسے سخت تشویش ہوئی ۔ بہر حال دونوں حکمرانوں کے مابین دوستی کا معاہدہ ہو گیا ۔ اور چوں کہ چنگیز خاں نے تجارتی راستوں کو محفوظ کر دیا تھا ، باہمی تجارت بھی ہونے لگی ۔''

منگول تاجروں کا قتل

ایک مرتبہ پانچ سو منگول تاجر ماوراءالنہر جانے کے لیے روانہ ہوئے۔ ان کے پاس مختلف اجناس سونا ، چاندی ، ریشم ، قیمتی پارچات ، مشک اور خوب صورت برتن وغیرہ تھے ۔ یہ کاروان شہر آترار پہنچا جو خوارزم شاہی مملکت کی سرحد پر واقع تھا ۔ اترار کے حاکم غائر خاں نے ، جو خوارزم شاہ کی والدہ ترکان خاتون کا بھتیجا تھا ، تاجروں کو جاسوس ظاہر کرکے ہلاک کرا دیا ، سوائے ایک کے جو بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہو گیا ۔ بعض مؤرخین کا

---

۱ ۔ بحوالہ عباس اقبال ''تاریخ مفصل ایران از استیلائے مغول تا مشروطیت'' حاشیہ صفحہ ۲۳ ، تہران ۔

خیال ہے کہ تاجروں کو خود خوارزم شاہ نے مروا دیا[1] تھا۔ بہرحال ان کا مال و دولت غائر خان نے خود لے لیا۔ بھاگنے والے تاجر نے واپس پہنچ کر سارا ماجرا چنگیز خاں کو کہہ سنایا۔ چنگیز خاں نے ایلچی بھیج کر محمد خوارزم شاہ سے مطالبہ کیا کہ اترار کے ظالم حاکم کو اس کے حوالے کر دیا جائے تاکہ اس سے انتقام لے لیا جائے اور بات طول نہ پکڑے۔ سلطان[1] کی بدبختی تھی کہ اس نے حاکم اترار کو اس کے حوالے کرنے کے بجائے اس کے ایلچی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کہا جاتا ہے کہ چنگیز خاں اس خبر سے سخت غضب ناک ہوا۔ اس نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر سر سے ٹوپی اتاری اور انتقام لینے کا عہد کیا۔

گچلوک کا قتل اور دولت نائیمان کا خاتمہ

چنگیز خاں نے خوارزم شاہ کی طرف رجوع کرنے سے پہلے گچلوک کو راستے سے ہٹانا چاہا، جو مشرقی ترکستان کا حکمران تھا۔ اس نے اپنے ایک سردار جبہ نویان کو لشکر دے کر کاشغر بھیجا جس نے بڑی آسانی سے کاشغر کو فتح کر لیا۔ گچلوک بھاگ کر بدخشاں چلا گیا، جہاں کسی نے اسے ہلاک کر دیا۔ اس پر ۶۱۵ھ مطابق ۱۲۱۸ع میں حکومت نائیمان کا خاتمہ ہو گیا۔

کاشغر کے مسلمانوں کی شکر گزاری

کاشغر اور ختن میں مسلمان بستے تھے، جنھیں ہمیشہ گچلوک خاں ہدف آزار بنایا کرتا تھا۔ چنگیز خاں نے انھیں مذہبی آزادی دے دی۔ اس وجہ سے مسلمانوں نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ کاشغر کے مسلمانوں کی شکر گزاری سلطان محمد کو سخت ناگوار گزری کیوں کہ وہ خود اپنے آپ کو حامیٔ اسلام کہتا تھا اور اب مسلمانوں کو مذہبی آزادی ملنے کی وجہ سے وہ چنگیز خاں کو دشمن اسلام ظاہر نہیں کر سکتا تھا، نہ اس کے خلاف مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کر سکتا تھا[2]۔

۱۔ عبداللہ رازی : ''تاریخ مفصل ایران'' صفحہ ۲۹۵، ۲۹۶، تہران ۱۳۳۵ ش۔

۲۔ بحوالہ عباس اقبال: ''تاریخ مفصل ایران''۔ صفحہ ۳۲، تہران۔

ماوراءالنہر پر چنگیز خاں کا حملہ

چنگیز خاں نے اب انتقام کے لیے راستہ صاف کر لیا تھا ، لیکن وہ اپنے حریف سلطان محمد خوارزم شاہ کو بہت طاقت ور اور مقتدر بادشاہ سمجھتا تھا ، اس لیے اس نے چڑھائی کی پوری پوری تیاری کی ۔ قرلق ، المالیغ اور ایغور قبائل نے بھی جو اب چنگیز خاں کے اطاعت گزار تھے اس کا ساتھ دیا ۔ چنگیز خاں نے ماوراءالنہر کی مہم کے لیے جو لشکر فراہم کیا ، بعض تذکرہ نویسوں کے نزدیک اس کی تعداد چھ سے سات لاکھ تھی لیکن محققین جدید کا خیال ہے کہ اس کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے دو لاکھ تک ضرور تھی ۔

ایلچی کے قتل کے بعد ایک سال تک چنگیز خاں جنگ کی تیاری میں مصروف رہا ۔ آخر ۶۱۶ھ مطابق ۱۲۱۹ع میں تاتاریوں کے بے پناہ ہجوم کا کوچ شروع ہوا ۔ سلطان محمد کو تاتاریوں کی لشکر کشی کی خبر ملی تو اس نے چار لاکھ کا لشکر ان کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے بھیجا ، لیکن پہلے ہی تصادم میں چنگیز خاں کے بیٹے جوجی نے خوارزمیوں کو تباہ کن شکست دی ۔ سلطان محمد کا حوصلہ کچھ ایسا پست ہوا کہ پھر تاتاریوں پر حملہ کرنے کی ہمت نہ پڑی ۔ وہ کچھ اس طرح دہشت زدہ تھا کہ عظیم فوجی قوت کے ہوتے ہوئے بھی وہ چاہتا تھا کہ میدان کارزار کا خیال چھوڑ کر کسی گوشے میں پناہ گزیں ہو جائے ۔ اس کے بہادر بیٹے جلال الدین منکو برنی نے چاہا کہ باپ کو جنگ پر آمادہ کرے ، لیکن وہ اس کے لیے کسی صورت تیار نہ تھا ۔ آخر اس نے اپنے باپ سے کہا کہ فوج اس کے سپرد کر دے اور خود جہاں چاہے چلا جائے لیکن سلطان محمد کو یہ بھی گوارا نہ تھا ۔

تاتاری فوج کی تقسیم

چنگیز خاں نے مد مقابل کی فوجی طاقت کا اندازہ کرکے اب اپنا کام بہت آسان سمجھا اور فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ۔ دو بیٹوں چغتائی اور اوکتائی کو اترار پر حملہ کرنے کے لیے مامور کیا ، جہاں تاتاری قافلے کا خون بہایا گیا تھا ۔ جوجی کو جند پر حملہ کرنے اور شمالی جانب خجند کی طرف پیش قدمی کے لیے متعین کیا گیا اور

چنگیز خاں خود اپنے چھوٹے بیٹے تولی کو ساتھ لے کر بخارا کی طرف روانہ ہوا تاکہ براہ راست سلطان محمد سے جنگ کرے۔

بخارا کی تباہی

بخارا کے راستے میں جو کچھ بھی نظر آیا اسے تباہ و برباد کرتا ہوا چنگیز خاں آگے بڑھا۔ ۶۱۷ھ مطابق ۱۲۲۰ع میں وہ بخارا پہنچ گیا۔ رات کے وقت بخارا کے لشکر نے منگولوں کے لشکر پر شب خون مارا، لیکن انھوں نے اس کا بڑی پائمردی سے مقابلہ کیا۔ آخر صبح ہوئی تو اہل شہر نے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ دیکھا کہ شہر کے دروازے کھول دیے جائیں۔ شہر کے دروازے کھل گئے، تاتاری نعرے لگاتے بخارا میں داخل ہوئے۔ عطاملک جوینی لکھتے ہیں: "چنگیز خاں[۱] کے پاس شہر کے امام، قاضی اور امرا آئے۔ بخارا کی جامع مسجد کے قریب پہنچ کر چنگیز خاں رک گیا اور پوچھا: "کیا یہ سرائے سلطان ہے؟" لوگوں نے جواب دیا یہ خدا کا گھر ہے۔ وہ گھوڑے سے اتر پڑا، گھوڑوں کی باگیں شہر کے مشائخ اور اشراف کے ہاتھوں میں دیں۔ کلام اللہ رکھنے کے صندوق کو اس نے گھوڑوں کا چارہ ڈالنے کے لیے استعمال کیا اور خود منبر پر آ کر کھڑا ہوا اور اپنے آپ کو قہر خداوندی ظاہر کیا۔ اس نے امرا کو حکم دیا کہ اپنی تمام دولت لا کر ڈھیر کر دیں۔ صحرا میں گھوڑوں کے لیے چارہ نہیں اس لیے غلے کے انباروں کے دروازے کھول دیے جائیں تاکہ گھوڑوں کو چارہ مل سکے۔ اس نے علما و مشائخ کو جو ماوراءالنہر کے لوگوں کے نزدیک نہایت ہی محترم شخصیتیں تھیں، گھوڑوں کی حفاظت کے لیے اصطبلوں میں کھڑا کر دیا .... امیر امام جلال الدین علی بن الحسن الراوندی جو سادات ماوراءالنہر کے امام تھے، امام عالم رکن الدین امام زادہ سے جو مشہور علمائے بخارا میں سے تھے کہنے لگے "کہو کیا ہو رہا ہے؟

این کہ بی بینیم بہ بیداری ست یا رب یا بخواب"

---

۱ - عطا ملک جوینی: تاریخ جہان کشای جوینی بہ تصحیح محمد عبدالوہاب قزوینی جلد اول، صفحہ ۸۰ تا ۸۳، تہران۔

امام زادہ بولے: ''خاموش! خداوند تعالیٰ کے غضب کی بے پناہ آندھیاں چل رہی ہیں بولنے کا یارا نہیں۔''

تاتاریوں نے اہل بخارا کی دولت سمیٹ کر شہر کو آگ لگا دی۔ چند دن میں شہر کا بیشتر حصہ جل کر خاکستر ہو گیا۔ جامع مسجد اور پختہ اینٹوں کی عمارتیں البتہ بچ رہیں۔ اہل بخارا جو قتل عام سے بچ گئے شہر کی بربادی پر آنسو بہاتے ستاروں کی طرح بکھر گئے۔''

عطا ملک جوینی[۱] یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ''ایک شخص بخارا کے ویرانے سے نکل کر خراسان پہنچا، لوگوں نے حال پوچھا تو جواب دیا:

آمدند و کندند و سوختند و کشتند و رفتند''

واقعۂ اترار

چنگیز خان کا دوسرا ہدف اترار تھا جس کے لیے چغتائی اور اوکتائی کو مامور کیا گیا تھا۔ انھوں نے اترار کا محاصرہ کر لیا۔ خلاف توقع محاصرہ پانچ ماہ تک جاری رہا۔ آخر خوارزم شاہ کے ایک سردار قراجہ حاجب نے غداری کی اور منگولوں سے سازباز کرکے شہر کا دروازہ کھول دیا۔ تاتاری شہر میں داخل ہو گئے۔ سب سے پہلے انھوں نے قراجہ حاجب کو آقا سے غداری کرنے کی پاداش میں قتل کیا، پھر اہل شہر کو ہانک کر صحرا میں بھجوایا، جہاں ایک ایک شہری کو قتل کیا گیا۔ حاکم شہر غائر خاں کو یاد تھا کہ اس نے تاتاری تاجروں سے مال و اسباب لے کر انھیں قتل کیا تھا، اس لیے وہ اپنے انجام کے لیے تیار تھا، لیکن مردانہ وار مقابلہ کرکے مرنا چاہتا تھا۔ وہ بیس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ میدان میں آیا۔ ایرانی جاں فشانی سے لڑے لیکن بھاری جانی نقصان اٹھایا۔ چنگیز خان کا حکم تھا کہ غائر خاں کو زندہ گرفتار کیا جائے، اس لیے اس کی طرف کوئی تلوار نہ بڑھی۔ اسے اسیر کرکے چنگیز خان کے پاس پہنچا دیا گیا۔ چنگیز خان نے پگھلا ہوا تانبا اس کے کانوں میں ڈلوا دیا، جس سے وہ تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو گیا۔

۱۔ تاریخ جہان کشای جوینی، جلد اول، صفحہ ۸۳۔

جند و خجند

جوجی کو چنگیز خاں نے جند اور خجند کی مہم پر متعین کیا تھا، اس نے سلطان محمد کے لشکر کو شکست دی، اس کے بعد سغناق کو فتح کرکے وہاں قتل عام کیا، پھر اوزگند کی تسخیر کے بعد جند آیا - شہر کی خندق کو اس نے پل بنوا کر عبور کیا اور خود قلعے کی دیوار کے اوپر چڑھ آیا - اہل قلعہ نے مارے خوف کے قلعہ کے دروازے کھول دیے - جوجی نے تمام اہل شہر کو صحرا کی طرف دھکیل کر تمام گھروں کو لوٹ کر تباہ کر دیا - یہ واقعہ ۶۱۷ھ مطابق ۱۲۲۰ع کا ہے -

اب منگولوں کی فوج بناکت اور خجند کی طرف بڑھی - وہاں کا حاکم تیمور ملک تھا، اس نے مقابلے کی تیاری کی - خجند کے قریب کے دریا میں جو قلعہ بنایا گیا تھا اس میں وہ اپنے ایک ہزار جاں نثاروں کے ساتھ آگیا - یہاں اس نے تاتاریوں کا مقابلہ کرتے ہوئے مردانگی کے جوہر دکھائے اور متعدد منگولوں کو قتل بھی کیا - آخر جب وہ چاروں طرف سے گھر کر بے بس ہو گیا تو کشتی میں بیٹھ کر راہ فرار اختیار کی - منگولوں نے پیچھا کیا لیکن وہ لڑتا لڑتا ساحل تک پہنچ گیا اور خوارزم کی راہ لی، پھر وہاں سے ۶۱۷ھ مطابق ۱۲۲۰ع میں عراق اور شام کی طرف نکل گیا -

اہل سمرقند کا قتل عام

بخارا کی سرزمین کو تہ و بالا کرکے کچھ وقت چنگیز خاں نے وادی زرفشاں میں گزارا - پھر اسی سال سمرقند روانہ ہوا - سمرقند بھی بخارا کی طرح بڑا پر رونق شہر تھا - شہر کی حفاظت کے لیے کئی ہزار سوار متعین تھے - انھوں نے کچھ عرصہ مدافعت کی - آخر قاضی شہر اور شیخ الاسلام خود چنگیز خاں کے پاس گئے، امان مانگی اور شہر کے دروازے کھلوا دیے - چنگیز خاں نے ان دو علما کے پچاس ہزار پیروؤں کو امان دے دی باقی لوگوں کو شہر بدر کرکے صحرا کی طرف دھکیل دیا اور ان کا مال و اسباب لوٹ کر گھروں کو تباہ و برباد کیا - امرا اور اہل لشکر سب قتل کر دیے گئے - شہر کے تیس ہزار پیشہ وروں کو

اپنے بیٹوں اور اقربا میں تقسیم کر دیا تا کہ ان کے ذریعے وسط ایشیا میں صنعتوں کو فروغ دیا جا سکے۔

خوارزم شاہ کا تعاقب

اب ہم اس بدنصیب حکمران سلطان محمد کی طرف رجوع کرتے ہیں، جسے امان کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی تھی۔ منگولوں کے ہاتھوں پہلی شکست کے بعد وہ سمرقند آیا؛ یہاں وہ چنگیز خاں کی تباہ کاریوں کا حال سنتا رہا، لیکن جونہی منگولوں نے سمرقند کی طرف پیش قدمی کی سلطان محمد وہاں سے نکل کر بلخ آگیا۔ اس کے بہادر بیٹے جلال الدین منکوبرنی نے اس بات پر اصرار کیا کہ آگے بڑھ کر دریائے جیحوں کی سرحد کی حفاظت کی جائے تا کہ وہ لوگوں کے طعنوں سے بچ جائیں، ورنہ وہ ضرور کہیں گے اب تک رعایا کو ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبائے رکھا اور خطرے کے موقع پر منگولوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بننے کے لیے انھیں تنہا چھوڑ دیا۔ سلطان نہ خود کہیں جم کر لڑنا چاہتا تھا نہ افواج کی کمان ہی جلال الدین کے ہاتھ میں دینا چاہتا تھا۔ اسے یہی یقین تھا کہ منگول لوٹ مار کرکے واپس چلے جائیں گے۔ آخر جب سنا کہ انھوں نے دریائے جیحوں کو عبور کر لیا ہے تو وہ نیشاپور کی طرف چلا گیا اور وہاں سے پھر قزوین کا رخ کیا۔

منگول خراسان میں

چنگیز خاں نے دو لشکر الگ الگ سلطان علاء الدین محمد کی تلاش میں بھیجے۔ ایک لشکر نے خراسان کا رخ کیا اور قوجان، اسفرائن اور دامغان کو تباہ کرتے ہوئے ری آیا اور دوسرا لشکر پیش قدمی کرتا ہوا ری پہنچ گیا۔ دونوں لشکروں نے مل کر شہر کو تباہ کرکے وہاں قتل عام کیا۔

سلطان کا فرار

قزوین پہنچ کر سلطان نے منگولوں کا مقابلہ کر · کی تیاری شروع کی ہی تھی کہ اسے ری کی بربادی کی خبر ملی، جو وہاں سے ایک سو میل دور تھا۔ یہاں سے اس نے قلعہ ''قارونِ دژ'' کا رخ کیا

جہاں اس کی والدہ اور حرم پناہ گزین تھے۔ یہاں سے چل کر وہ گیلان اور استر آباد ہوتا ہوا جزیرہ آبسکون پہنچا۔

سلطان کی وفات

منگولوں کا تعاقب اسے چین نہیں لینے دیتا تھا۔ خوف و ہراس کے عالم میں وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہا۔ منگول اس کی تلاش سے مایوس ہوئے تو ماژندران کے قلعہ قارون دژ کا محاصرہ کیا۔ اہل قلعہ نے اپنے آپ کو دشمن کے حوالہ کر دیا۔ لشکر نے سلطان کی مادرملکہ اور حرم کو چنگیز خاں کے پاس بھیج دیا اور باقی تمام اولاد نرینہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ خبر سلطان کو ملی تو وہ بھی حسرت و غم میں اس جہان فانی کو خیرباد کہہ گیا۔

خراسان میں منگولوں کی یلغاریں

۶۱۷ھ مطابق ۱۲۲۰ع کے موسم خزاں میں تولی نے یلغاریں شروع کیں۔ نسا کے مقام پر ایرانی افواج نے منگولوں کا مقابلہ کیا جس میں ایک منگول سردار مارا گیا۔ اس کا انتقام کچھ اس طرح سے لیا گیا کہ نسا کے مرد، عورتیں اور بچے ایک ایک کرکے تہ تیغ کیے گئے۔

اس بربریت کے بعد تولی نیشاپور کی طرف بڑھا جہاں مدافعت کے پورے پورے سامان کیے گئے تھے۔ ادھر منگولوں نے بھی حملے کی تیاری تیزتر کر دی۔ اس مقصد کے لیے سات سو آگ پھینکنے والی مشینیں تیار ہوئیں۔ یہاں خاصہ مقابلہ ہوا جس میں چنگیز خاں کا داماد توغاچار مارا گیا۔ بہر حال مختصر سے مقابلے کے بعد اہل لشکر نے ہتھیار ڈال دیے۔ قتل و غارت اور لوٹ مار کے بعد تولی سبزوار کی طرف بڑھا۔

نیشاپور کی مزید تباہی

تولی کے بعد جب چنگیز خاں نیشاپور پہنچا تو بقول عطا ملک جوینی، اس[1] نے اپنی بیٹی سے پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ اس نے

۱۔ تاریخ جہاں کشای جوینی بہ تصحیح محمد عبدالوہاب قزوینی جلد اول، صفحہ ۱۴۰۔

جواب دیا ، یہ وہ شہر ہے جہاں آپ کا داماد توغاچار مارا گیا ہے۔ یہ سن کر چنگیز خاں کا غصہ آتش فشاں پہاڑ کی طرح آگ اگلنے لگا اور حکم دیا کہ نیشاپور کی ہر زندہ مخلوق کو ہلاک کر دیا جائے۔ چنانچہ وہاں کے انسان تو انسان کتے اور بلیاں بھی مار دی گئیں۔

سبزوار اور مرو کی بربادی

نیشاپور کی فتح کے بعد تولی نے سبزوار پر حملہ کیا۔ یہاں کی آبادی ستر ہزار تھی جس کا بیشتر حصہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اب تولی مرو پر ایک بڑا حملہ کرنا چاہتا تھا جو کبھی سلطان سنجر کا دارالسلطنت تھا اور تہذیب و تمدن کا بہت بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ یہاں اب بھی علما اور فضلا کا جمگھٹا رہتا تھا۔ کتب خانے وہاں کے دنیا بھر میں مشہور تھے۔ تولی نے اہل شہر کو امان دینے کے جھوٹے وعدے کرکے شہر پر تسلط جما لیا اور وہاں کے پانچ لاکھ شہریوں کو تہ تیغ کرکے علم و تہذیب کے مرکز کو لاشوں کے شہر میں بدل ڈالا۔ عطا ملک جوینی[1] نے ہلاک ہونے والوں کی اس سے بھی زیادہ تعداد بتائی ہے۔ مرو کے پانچ ہزار بدنصیب بچ کر نکلے تھے کہ راستے میں منگولوں کے ایک دستے کے ہاتھوں مارے گئے۔ یہاں کی جامع مسجد کو ان خدا ناشناس تاتاریوں نے آگ لگا دی اور شہر کی اس طرح اینٹ سے اینٹ بجائی کہ پھر ایک سو سال تک یہاں کھنڈرات کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ آخر تیموری دور میں شاہرخ نے اس شہر کو دوبارہ تعمیر کرایا۔

فتح ہرات

اب خراسان کا ایک اور بڑا شہر ہرات باقی تھا۔ یہاں کے لوگوں نے آٹھ دن تک منگولوں کا پردلی سے مقابلہ کیا۔ آخر جب یہاں کا حکمران شمس الدین محمد جرجانی مارا گیا تو اہل شہر نے اطاعت تسلیم کر لی۔ تولی خاں کو ہرات کی آب و ہوا بہت پسند آئی۔ اس نے حکم دیا کہ شہریوں پر کسی قسم کی سختی روا نہ رکھی جائے۔ صرف بارہ ہزار

۱۔ تاریخ جہانکشای جوینی ، جلد اول ، ذکر احوال مرو۔

کے لشکر کو تہ تیغ کرنے پر اکتفا کیا گیا ۔ تولی نے وہاں ایک منگول کو حکمران اور دوسرے کو کوتوال شہر مقرر کرکے واپسی کی راہ لی ۔ لیکن بعد میں ایک ایسا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا جو اہل ہرات کی بدبختی کا باعث بنا ۔ اہالی شہر نے منگول امیر اور کوتوال دونوں کو قتل کر دیا ۔ چنگیز خاں کو خبر پہنچی تو اس نے تولی کو سخت سرزنش کی کہ تم نے اہل ہرات کو زندہ کیوں چھوڑا ۔ آخر تولی نے پھر ہرات پر چڑھائی کی ۔ شہر پر فتح پا کر قتل عام کرایا اور عالی شان عمارتوں کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا ۔

جلال الدین منکوبرنی کے معرکے

قتل و نہب کے سیلاب میں تاتاریوں سے مقابلہ کرنے کا خیال کسی غیر معمولی انسان ہی کو آ سکتا تھا اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ وہ غیر معمولی انسان سلطان محمد کا بیٹا جلال الدین منکوبرنی تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے ، جلال الدین منگولوں کی اعلی سوار فوج کو شکست دینے کے بعد جو سرزمین ایران میں منگولوں کی پہلی شکست تھی ، نیشاپور روانہ ہوا ۔ وہاں تین دن قیام کرنے کے بعد غزنی کی راہ لی ۔ منگولوں نے اس کا تعاقب کیا ۔ جلال الدین تیز رفتاری سے بڑھتا گیا یہاں تک کہ ایک دن میں سو میل کی مسافت طے کرکے زوزن پہنچا ، جو خوارزمی سلطنت کا ایک حصہ تھا ۔ ملک زوزن نے اس کا خیرمقدم کرنے کے بجائے شہر کے دروازے بند کرا دیے ۔ اپنے ہی ایک حاکم کی غداری دیکھ کر جلال الدین نے ہرات کا رخ کیا ۔ منگولوں نے یہاں بھی اس کا پیچھا کیا ، آخر وہ بہ حفاظت غزنی پہنچ گیا ۔

غزنی میں کچھ افراتفری کا عالم تھا ۔ بہر حال مختصر سے عرصے میں جلال الدین نے فوج فراہم کر لی اور ۶۱۸ھ مطابق ۱۲۲۱ع میں بامیان کے میدان میں اس نے منگول فاتحین کو شکست دی اور تقریباً ایک ہزار منگولوں کو تہ تیغ کیا ۔ شکست کی خبر نے منگولوں میں کھلبلی مچادی اور تیس ہزار منگولوں کا لشکر جرار جلال الدین سے دو دو

ہاتھ کرنے آ پہنچا - جلال‌الدین اپنا لشکر لیے ہوئے مقابلے میں آیا -
اس جنگ کی مختصر سی سرگذشت بحوالہ عطا ملک جوینی پیش کی
جاتی ہے: ''لڑائی[1] شروع ہوئی تو جلال‌الدین کے لشکر پر دباؤ ڈال کر
منگولوں نے دائیں بازو کو منتشر کر دیا - لیکن مرکز سے کمک
پہنچی تو اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے - اتنے میں رات کی سیاہی پھیلی
تو لڑائی کچھ فیصلہ ہوئے بغیر رک گئی - دوسرے دن صبح طلوع ہوتے
ہی منگول سردار شیکی قوتو کے حکم سے ہر زائد گھوڑے کے اوپر ایک
انسانی مجسمہ نصب کر دیا گیا تاکہ حریف کو یہ معلوم ہو کہ منگولوں
کو اور زیادہ کمک مل گئی ہے - شاید اس معرکے میں دشمن کی چال
کامیاب ہو جاتی لیکن جلال‌الدین جنگجو اور بہادر سلطان تھا اس نے
دوسرے دن صبح طلوع ہوتے ہی اپنے آدمیوں کی غیرت کو ابھارا -
صبح کا بگل بجا ، سلطان کا لشکر صفیں باندھے آگے بڑھا - گھمسان کی
لڑائی ہوئی ، جس میں منگولوں کو ایک بار پھر پسپا ہونا پڑا - ہزاروں
منگول اس لڑائی میں کام آئے - جلال‌الدین کی بدقسمتی یہ ہوئی کہ اس کے
سرداروں کے مابین مال غنیمت کی تقسیم میں اختلاف ہو گیا ، جس کی
وجہ سے غوری لشکر نے سلطان کا ساتھ چھوڑ دیا - ادھر جلال‌الدین
کو یہ خبر ملی کہ چنگیز خاں خود اپنا لشکر جرار لے کر غزنی کی
طرف بڑھ رہا ہے - سلطان نے یہ محسوس کرکے کہ وہ کوہ ہندو کش کی
سرحد کی مدافعت نہیں کر سکے گا ، وہاں سے نکل کر سندھ کی راہ لی -

بامیان کی لڑائی میں جوجی کا بیٹا کام آیا تھا اس لیے چنگیز خاں
نے حکم دیا کہ بامیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے - چنانچہ لوٹے
بغیر شہر بامیان کو تباہ کر دیا گیا -

اس کے بعد چنگیز خاں نے غزنی کا رخ کیا جہاں سے پندرہ دن
پہلے جلال‌الدین نکل کر جا چکا تھا - چنگیز خاں نے آندھی اور بگولوں
کی طرح اس کا پیچھا کیا آخر سرحد سندھ پر اسے جا لیا - یہاں جلال‌الدین
اپنے فوجی دستوں کے انتظار میں تھا کہ غنیم سر پر آ پہنچا اور صبح
ہوتے ہی منگولوں نے جلال‌الدین اور اس کے لشکر کو گھیر لیا - وہ
مردانہ وار مختصر سے جاں نثاروں کے مرکز میں گھوڑے پر سوار تلوار

---

۱ - تاریخ جہانکشای جوینی ، جلد دوم ، ذکر جلال‌الدین -

چلاتا رہا ۔ اس پر جو وار پڑتا ہوشیاری سے بچا لیتا لیکن اس کا جو وار
پڑتا خالی نہ جاتا ۔ وہ ایک شیر کی طرح اپنے لیے راستہ بناتا جاتا تھا ۔
دوپہر کو گھوڑے کی رفتار سست پڑی تو اس نے تازہ دم گھوڑا لیا اور
نئے جوش سے دائیں بائیں تلوار چلاتا رہا ۔ آخر دریا کے ساحل کی طرف
اس نے راستہ بنا لیا ۔ سندھ کے ساحل کے قریب پہنچا ہی تھا کہ زرہ بکتر
اتار پھینکا اور گھوڑے کو تازیانہ مار کر میدان جنگ سے دس گز کا
فاصلہ طے کرکے ساحل پر پہنچ گیا ۔ تیس فٹ کی بلندی پر سے گھوڑے
کو ایڑ لگائی اور دریا کی موجوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھنے لگا ۔ اس کے
ساتھی بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے ۔ منگولوں نے جلال الدین پر تیر
برسانے چاہے لیکن شاید زندگی میں پہلی مرتبہ چنگیز خاں کو رحم آیا
اور اپنے آدمیوں کو تیر برسانے سے منع کر دیا اور اپنے بیٹوں سے کہا
کہ ایک بہادر شخص جب تک لڑا بہادری سے لڑا اور اب زندگی کو
بچا کر لے گیا ہے کہ موقع پا کر پھر مقابلے پر آئے ۔

جلال الدین کی ناکام تلاش

چنگیز خاں نے فوج کے دو دستے مقرر کیے کہ جلال الدین کی
تلاش کریں لیکن وہ ناکام رہے ۔ انھوں نے ملتان کو مسخر کرنے کی
کوشش کی لیکن ملتان کی گرمی نے ان کے حوصلے پست کر دیے اور وہ
آس پاس کے علاقے کو تباہ و برباد کرکے واپس ہو لیے اور تاتار کو
جانے والے لشکروں سے جا ملے ۔

چنگیز خاں ترکستان میں

اس خوں ریزی کے بعد چنگیز خاں نے ترکستان کا رخ کیا اور
تنغوت پر حملہ کیا کیوں کہ وہاں کے حکمران شیدرقو نے علم بغاوت
بلند کیا تھا ۔ اس نے مقابلہ بھی کیا لیکن موت کے طوفان کا مقابلہ
کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی ۔ آخر چنگیز خاں کے حکم سے تنغوت
کو تباہ و برباد کر دیا گیا ۔

چنگیز خاں کی وفات

چنگیز خاں نے جب یہ محسوس کیا کہ اب اس کا آخری وقت
آگیا ہے تو اس نے تیسرے بیٹے اوکتائی کو اپنا جانشین بنایا اور سب

بیٹوں کو اتفاق سے رہنے کی تلقین کی۔ آخر وہ ۶۵ سال کی عمر میں ۶۲۴ھ مطابق ۱۲۲۷ء میں اس جہان فانی سے رخصت ہوا۔

چنگیز خاں کی سیرت

تاریخ عالم میں جس قدر سفاک اور خون خوار بادشاہ ہوئے ہیں، چنگیز خاں ان سب سے بڑھ کر تھا کیوں کہ اس کے عہد میں نوع انسان کا جتنا خون بہایا گیا اور جتنی بستیاں ویرانوں میں تبدیل ہوئیں، کسی فاتح کی لشکرکشی میں ان کی مثال نہیں ملتی، کسی عظیم شہر کے لاکھوں انسانوں کا خون بہانے کے لیے صرف چنگیز خاں کے ہونٹوں کی ایک جنبش کافی تھی۔

کیا چنگیز خاں کو محض ممالک فتح کرنے اور انسانی خون بہانے کا سودا تھا؟ ممکن ہے یہ بات بھی ہو لیکن حالات سے پتا چلتا ہے کہ شروع شروع میں اس کا ارادہ یہ تھا کہ شاہراہوں کے خطرات دور کرکے تجارتی راستے کھولے اور انھیں راہزنوں سے محفوظ کرے تاکہ چین اور ایران کے مابین تجارتی کاروان بلا روک ٹوک آجا سکیں۔ اس کے لیے وہ بڑی سے بڑی تباہی کرنے پر بھی آمادہ ہو جاتا تھا۔ اویغور، قراختائی، نائیمان اور بعض تاتار قبائل جو کاروانوں کی آمد و رفت میں رکاوٹ تھے اور راستے جن کی وجہ سے غیر محفوظ تھے، ان کے خلاف اس نے فوج کشی کی اور فتوحات حاصل کرنے کے بعد جب منگولوں کی سرحد خوارزم شاہ کی مملکت سے آ ملی تو اس نے خوارزم شاہ کے ساتھ دوستانہ روابط قائم کرنے کے لیے بڑے خلوص کا اظہار کیا۔ مقصد یہ تھا کہ چین اور ایران کے مابین آزادانہ تجارت ہو سکے۔ لیکن سلطان علاءالدین محمد کی ہوس ملک‌گیری، منگول تاجروں کے قتل اور چنگیز خاں کے ایلچی کی ہلاکت نے اس درندہ صفت انسان کے غیظ و غضب کو جوش دلایا اور اس نے لاکھوں خون آشام تاتاریوں کے سیل بے پناہ کا رخ ایران اور دوسرے ممالک اسلامیہ کی طرف موڑ دیا۔

چنگیز خاں کی ہیبت اہل لشکر کے دلوں پر چھائی ہوئی تھی۔ سب اسے سردار معظم سمجھتے اور اس کے حکم کو حکم آسمانی جانتے تھے۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ اس کے بغیر روئے زمین پر اور کوئی حکومت

نہیں کر سکتا - چنگیز خاں کے حکم سے ذرا سی سرتابی گناہ عظیم کا درجہ رکھتی تھی کیوں کہ منگولوں کا ایمان تھا کہ خان کا فرمان آسمان سے نازل ہوتا ہے - اس کی مخالفت آسمانی حکم کی مخالفت ہے -

چنگیز خاں[1] کے اصول جیسے بھی تھے، وہ اور اہل لشکر ان پر سختی سے پابند تھے - لشکر گاہوں میں کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ راستے میں کسی کا گرا ہوا تازیانہ اٹھا لے، اس کو صرف وہی اٹھا سکتا تھا جو اس کا مالک ہو - منگول جھوٹ اور چوری کے کبھی مرتکب نہیں ہوتے تھے - شادی شدہ عورت کی طرف کسی منگول کی انگلی نہیں اٹھ سکتی تھی - فرض میں کوتاہی بہت بڑا جرم تھا - ملک تاج الدین حبشی کا کہنا ہے کہ جس وقت میں چنگیز خاں کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا اور اس کے خیمے میں داخل ہوا، وہاں دو منگولوں کو پیش کیا گیا جو رات کو لشکر کے اردگرد پہرا دینے کے موقع پر گھوڑوں کی پیٹھ پر اونگھ رہے تھے - آقلان حاجب بولا، ان کو کون لایا ہے اور ان کا جرم کیا ہے؟ ایک منگول بولا: "میں انہیں لایا ہوں - یہ دونوں پہرا دینے پر مامور تھے، گھوڑوں پر سوار تھے لیکن اونگھ رہے تھے - میں نے ان کے گھوڑوں کے سروں پر چابک مار کر انہیں خبردار کیا کہ تم سو رہے ہو -" چنگیز خاں نے یہ سن کر حکم دیا کہ ایک کو قتل کر دیا جائے اور اس کا سر دوسرے کے بالوں سے باندھ دیا جائے اور اسے شہر کے اردگرد پھرایا جائے - میں نے حیرانی کے عالم میں اقلان سے پوچھا کہ منگول کے بیان کو جانچنے کے لیے کیا کسی گواہ کی ضرورت نہ تھی؟ وہ بولا، منگول جھوٹ نہیں بول سکتا، خواہ اس کی جان پر آ بنے - جھوٹ تم بولتے ہو اسی لیے خدا نے تم پر ہمیں مامور کیا ہے -

"چنگیز خاں[2] کا ایمان کسی دین و مذہب پر نہ تھا - اس لیے اس کے نزدیک کسی قوم کو کسی دوسری قوم پر کوئی امتیاز نہ تھا -

---

۱ - منہاج السراج: طبقات ناصری، صفحہ ۳۷۴، ۳۷۵ -
۲ - تاریخ جہان کشای جوینی، جلد اول، صفحہ ۱۸ -

یوں وہ ہر قوم کے علما اور زہاد کی عزت کرتا تھا۔'' ''اس[1] کے بیٹوں کو اپنی فتوحات کے دوران جہاں کہیں کوئی دانش مند ملتا وہ اسے چنگیز خاں کے پاس بھیج دیتے۔''

مشاورت

''چنگیز خاں[2] لشکر اور کشور کے امور کے سلسلے میں آزمودہ کار لوگوں سے مشورہ کرتا تھا اور ان کے تجربات سے استفادہ کرتا تھا۔ اس کے لشکر کے ساتھ مسلمان تاجر بھی ہوتے تھے جو کاروانوں کے ساتھ دور دراز کے ملکوں میں جاتے اور خارجی ممالک سے متعلق قابل قدر جغرافیائی معلومات بہم پہنچاتے تھے۔ انھی جہاں گرد مسلمانوں کو دوسرے ممالک میں ایلچی بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ شمالی چین یعنی ختا کے خلاف لشکر کشی سے پہلے چنگیز خاں نے ایک مسلمان تاجر جعفر کو آلتون خاں بادشاہ ختا کے پاس بطور سفیر بھیجا تھا۔ آلتون خاں نے اس کو قید کر لیا، لیکن آخر وہ قید سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگیا اور پوشیدہ راہوں سے ہوتا ہوا چنگیز خاں کے پاس آ پہنچا۔ اس کی کیفیت سن کر چنگیز خاں نے انھی راہوں پر چل کر آلتون کے خلاف فوج کشی کی اور اس کی مملکت کو مسخر کر لیا۔''

چنگیز خاں دانش مندوں کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ نجومیوں کی بالخصوص اس کے نزدیک بڑی قدر و منزلت تھی۔ یلوجوت سائی، چنگیزخاں کے عہد کا ایک مشہور حکیم تھا۔ اس نے چنگیز اور اوکتائی کے عہد میں منگولوں کو تہذیب سکھانے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

یاسای چنگیزی

چنگیز خاں سے پہلے منگولوں کی زندگی بالکل بدویوں کی سی تھی۔ لکھنے پڑھنے سے عاری تھے۔ چنگیز خاں نے حکم دیا کہ منگولوں کے بچے اویغوری زبان سیکھیں اور قوانین منگول کو اویغوری زبان میں ضبط تحریر میں لائیں اور انھیں شاہزادوں کے خزانوں میں بطور قانونی

---

۱ - منہاج السراج : طبقات ناصری ، خلاصہ صفحات ۳۵۲ تا ۳۵۴ -

۲ - طبقات ناصری ، صفحہ ۳۳ -

کتب محفوظ رکھیں ۔ ان احکام و قواعد کو منگول یاسا (قاعدہ و قانون) کہتے تھے۔ تمام قوانین اور آداب رسمی جو مرتب ہوئے،چنگیز خاں نے ان پر اپنی مہر ثبت کی ۔ اسے یاسا نامۂ بزرگ کہتے تھے ۔ یہ کتاب قانون لشکر کی تنظیم و ترتیب ، فوج کشی ، ملکوں کی تباہی ، ملکی مصلحتوں ، مشاورت ، انعام و اکرام ، رسم و راہ زندگی اور کوچ و قیام کے قواعد پر مشتمل تھی ۔ عام طور پر جب بادشاہ تخت نشین ہوتا یا کوئی بڑا واقعہ پیش آتا یا خان اعظم کے پاس شہزادے جمع ہوتے تو یاسا نامۂ بزرگ بلند آواز میں پڑھا جاتا اور اسی سے رہنمائی حاصل کی جاتی تھی ۔

یاسا نامۂ بزرگ[۱] کو منگول بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے ۔ کسی کو جرأت نہ تھی کہ اس کے کسی لفظ یا مضمون کو بدل سکے ۔ چنگیزیوں کی حکومت ختم ہو جانے پر جب آل تیمور کی حکومت قائم ہوئی تو وہ بھی یاسا نامۂ بزرگ کا بہت احترام کرتے تھے اور سیاسی امور میں اس سے استفادہ کرتے تھے ۔

اوکتائی قاآن

(۶۲۴ تا ۶۳۹ھ مطابق ۱۲۲۷ تا ۱۲۴۱ع)

چنگیز خاں کی وصیت کے مطابق ''قوریلتا'' یعنی مجلس مشاورت کے بعد اوکتائی قاآن کی رسم تاج پوشی ادا کی گئی ۔ تمام شاہزادے منگولوں کی رسم کے مطابق اپنی پیٹیاں کھول کر نو بار گھٹنوں کے بل جھکے ۔ اوکتائی نے تین بار سورج کے سامنے دو زانو ہو کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا ۔ اوکتائی نے تخت نشین ہوتے ہی قراقرم کو دارالسلطنت بنانے کا اعلان کیا اور ملکی امور پر غور کرکے ایک لشکر جرار جلال الدین سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے بھیجا ۔ پھر اپنی وسیع و عریض مملکت کو باپ کی وصیت کے مطابق بھائیوں کے مابین تقسیم کر لیا جس کی سرگزشت بیان کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے ۔ بہر حال مختصراً یہ کہا

---

۱ ۔ عباس اقبال : از مغول تا انقلاب مشروطیت ، صفحہ ۷۸ ۔

جا سکتا ہے کہ منگولوں کا لشکر روس میں بہت دور تک پیش قدمی کرتا ہوا چلا گیا - ترکستان میں بھی منگول لشکر نے متعدد فتوحات حاصل کیں -

ذکر جلال الدین خوارزم شاہ

جلال الدین نے تیر کر دریائے سندھ کو عبور کیا تو اس کے جاں نثار ساتھی بھی اس سے آ ملے - ہند میں انھوں نے قوم ہنود پر چھاپے مارے ، اسلحہ اور گھوڑے وغیرہ حاصل کر لیے - آخر اس نے سلطان دہلی شمس الدین التتمش[1] سے کمک کی استدعا کی ، لیکن وہ اس طاقت ور حریف سے ہراساں تھا - اس نے تحفے تحائف جلال الدین کو بھیج کر ٹالنے کی غرض سے کہلایا کہ یہاں کی آب و ہوا آپ کے موافق حال نہیں ہوگی - آپ ملتان کی طرف چلے جائیں اور جس قدر علاقہ فتح کرسکیں وہ اپنے تسلط میں لے لیں - جلال الدین نے دہلی سے مایوس ہو کر لاہور کا رخ کیا اور ایک ہندو راجہ کی مدد سے ناصر الدین قباچہ پر حملہ کیا اور اسے شکست دے کر بہت سا مال غنیمت حاصل کیا -

اس عرصے میں شمس الدین التتمش تیس ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر جلال الدین کے مقابلے کو آیا ، لیکن جلال الدین نے اسے شکست دی جس پر التتمش نے ندامت کا اظہار کیا اور دوستی کا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا- اس عرصے میں جلال الدین کو اطلاع ملی کہ اس کا بھائی غیاث الدین عراق ، خراسان اور ماژندران پر قابض ہو چکا ہے اور براق حاجب کرمان پر مسلط ہو گیا ہے تو اس نے وطن کی راہ لی - راستہ بے آب اور ہوا ناموافق تھی جس کی وجہ سے جلال الدین کے بہت سے ساتھی ہلاک ہو گئے - آخر کرمان پہنچا - خوارزم شاہی خاندان کے نمک پروردہ براق حاجب نے اگرچہ ظاہرا طور پر اس کا گرم جوشی سے استقبال کیا لیکن باطن میں وہ جلال الدین سے خائف بھی تھا - یہی وجہ تھی کہ جب اس نے کمک مانگی تو براق حاجب نے معذرت کر دی بلکہ شہر کرمان کے دروازے بند کرا دیے- یہاں سے مایوس ہو کر جلال الدین شیراز آیا ، یہاں اتابک سعد بن زنگی کی حکومت تھی - اس نے شروع میں

---

۱ - تاریخ جہاں کشای جوینی ، جلد دوم ، ذکر جلال الدین -

تو سرد مہری کا سلوک کیا لیکن آخر[۱] کھلے دل سے اس کا خیرمقدم کیا بلکہ اپنی بیٹی بھی اس کے عقد میں دے دی ۔

غیاث الدین کی اطاعت

شمالی ایران سے جب منگول رخصت ہوئے تو جلال الدین اس موقع پر خراسان ، عراق اور ماژندران پر اپنا تسلط جما چکا تھا اور وہاں کی حکومت غیاث الدین کو دی تھی ، لیکن یہ شہزادہ بہت سست اور عافیت پسند تھا اور ویران علاقوں کو بحال نہ کر سکتا تھا اس لیے فوج نے جلال الدین کی اطاعت کرنی چاہی اور جلال الدین کو شمالی ایران کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا ۔ غیاث الدین نے بھی بالآخر اطاعت اختیار کر لی ۔

فتوحات جلال الدین

جلال الدین خوارزم میں اپنی حکومت کو مستحکم کر چکا تو ۶۲۱ھ مطابق ۱۲۲۴ء میں خوزستان کا رخ کیا ۔ یہاں کے لری رؤسا نے اس کی اطاعت قبول کر لی ۔ اب اس نے خلیفہ ناصر باللہ کے پاس ایلچی بھیج کر کمک کی درخواست کی تاکہ بقیہ منگولوں کو سر زمین ایران سے نکال باہر کیا جائے ۔ خلیفہ اس کے والد علاءالدین محمد کی روش سے سخت ناخوش تھا اور اس کے دل میں خوارزم شاہیوں کے خلاف کینہ تھا اس لیے اس نے کمک کی درخواست کو درخور توجہ نہ سمجھا ۔ جلال الدین خلیفہ کے انکار سے سخت ناراض ہوا اور بغداد پر چڑھائی کر دی ۔ خلیفہ کی فوج کو اس نے شکست دی ، لیکن بغداد پر قبضہ کرنے کے بجائے شمال کی طرف بڑھتا ہوا آذربائیجان پر حملہ آور ہوا ۔ وہاں اس وقت اتابک ازبک کی حکومت تھی ، تبریز اس کا دارالحکومت تھا ۔ وہ جلال الدین کے حملے سے سخت خوف زدہ ہوا اور حکومت اپنی ملکہ کے سپرد کرکے خود تبریز سے نکل گیا اور کسی قلعے میں پناہ گزیں ہوگیا ۔ ملکہ نے بالآخر شہر کو جلال الدین کے سپرد کر دیا ۔ تبریز کی تسخیر کے بعد اس نے گرجستان کا رخ کیا جہاں کے عیسائی حکمران نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا ۔

---

۱ - جہان کشای جوینی ، جلد دوم ، ذکر جلال الدین خوارزم شاہ

گرجستان پر لشکر کشی

۶۲۳ھ مطابق ۱۲۲۶ع میں گرجیوں کے خلاف جہاد کی تیاری کرکے جلال الدین نے بحیرۂ سوان کے جنوبی علاقے پر حملہ کیا اور مسلمانوں کے شہر تووین کو فتح کر لیا جو گرجیوں کے تسلط میں تھا۔ اس زمانے میں گرجستان کی حکومت کی باگ ڈور ملکہ روسودان کے ہاتھ میں تھی۔ ملکہ نے اپنے سپہ سالار ایوانی کو ستر ہزار گرجی لشکر کے ساتھ مقابلے کو بھیجا۔ ان میں سے بیس ہزار مارے گئے اور باقی فرار ہو گئے۔ ایوانی اسیر ہو کر قتل ہوا۔ یہاں سے سلطان ابخار پہنچا۔ خیال تھا کہ گرجستان کے پایۂ تخت پر حملہ کرے۔ اسی اثنا میں خبر ملی کہ اتابک ازبک کی حمایت میں اہل تبریز نے شورش بپا کر دی ہے اور جلال الدین کے مامورین کو ہلاک کر دیا ہے۔ جلال الدین نے کچھ فوجی دستے گرجستان کے مفتوحہ علاقے میں متعین کرکے آذربائیجان کا رخ کیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے شورش پسندوں کی سرکوبی کی اور تمام مخالفین کو پھر سے مطیع و منقاد کیا۔

گرجستان کے پایۂ تخت تفلیس کی فتح

۶۲۵ھ مطابق ۱۲۲۷ع میں جب سلطان تبریز میں تھا، گرجیوں نے اپنی شکست کی تلافی کی خاطر آلانوں، لزکیوں اور قبچاقیوں کی تازہ دم فوج منظم کی اور سلطان کے مقبوضہ علاقے کی فوج پر حملہ کر دیا۔ سلطان لشکر جرار لیے ہوئے مدد کو آیا اور لشکر گرج کے خلاف صف آرائی کی۔ دشمن کی فوجی تیاریوں کو دیکھنے کے لیے ایک بلند ٹیلے پر چڑھا تو اسے گرجیوں کے علاوہ لزکیوں، آلانوں اور قبچاقیوں کے علم بھی لہراتے نظر آئے۔ سلطان[1] نے قبچاقیوں کے حکمران قشقر کے پاس ایک روٹی اور نمک بھیج کر یہ یاد دلایا کہ وہ وقت یاد کرو جب تم میرے والد کی قید میں تھے اور صرف میرے حیلے کی بدولت تمہیں رہائی ملی تھی۔ اب تم میرا حق ادا کرنے کے لیے میرے ساتھ جنگ کرنے آئے ہو؟ یہ سن کر قبچاق میدان جنگ کو چھوڑ گئے۔ اس سے باقی لشکر میں بد دلی پھیلی۔ سلطان متحدہ لشکر پر ٹوٹ پڑا اور

۱۔ تاریخ جہانکشای جوینی، جلد دوم، ذکرِ جلال الدینؒ۔

ہزاروں سپاہیوں کو تہ تیغ کرکے باقی لشکر کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔

تفلیس کی حدود میں جن قلعوں اور دیہات میں عیسائی آباد تھے انھیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اس فتح سے سلطانی لشکر کو بے اندازہ مال غنیمت ملا۔ ملکہ موقع پا کر تفلیس سے نکل بھاگی اور شہر میں قتل عام ہوا۔ یہاں کے مسلمانوں نے جلال الدین کو نجات دہندہ سمجھا کیوں کہ وہ عرصے سے عیسائیوں کے ظلم و ستم برداشت کرتے رہے تھے۔

خلیفۂ بغداد سے مصالحت

۶۲۶ھ مطابق ۱۲۲۹ع میں جلال الدین نے خلیفۂ بغداد سے مصالحت کر لی۔ خلیفہ نے نہ صرف اس کے نام کا خطبہ پڑھنے کی اجازت دی بلکہ شہنشاہ کے خطاب سے نوازا۔

منگولوں سے جلال الدین کی جنگ اور وفات

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، اوکتائی قاآن نے تخت نشین ہوتے ہی جلال الدین[1] سے مقابلہ کرنے کے لیے جورماغوں کو لشکر کثیر دے کر بھیجا تھا۔ ۶۲۸ھ مطابق ۱۲۳۱ع میں وہ اچانک جلال الدین کے سر پر آ پہنچا۔ سلطان اپنی فتوحات کے بعد اب بے فکر تھا اور عیش و نشاط میں وقت گزار رہا تھا کہ اچانک رات کے وقت جب وہ عالم سرمستی میں تھا تو جورماغوں کے حملے کی خبر ملی۔ جلال الدین خواب غفلت سے بیدار ہوا، مستی کو دور کرانے کے لیے سر پر پانی ڈالا، لیکن اب نہ فوج جمع کرنے کا موقع تھا نہ ٹڈی دل لشکر سے لڑنے کا یارا تھا۔ رات کی تاریکی میں گھوڑے پر زین ڈالی اور قلعے کو خیرباد کہہ گیا۔ منگولوں کے پنجے سے تو نکل آیا اور ممکن تھا کہ فوج فراہم کرکے وہ پھر مقابلے میں آتا لیکن موت اس کی گھات میں تھی۔ وہ کردستان کے پہاڑوں میں مارا مارا پھر رہا تھا کہ کسی نامعلوم شخص نے لباس فاخرہ اور گھوڑے کے لالچ میں اس عظیم جنگ جو کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس طرح منگولوں کے ایک بہادر حریف کا خاتمہ ہوگیا جو ان کے لیے کسی وقت بھی خطرے کا باعث بن سکتا تھا۔

۱۔ تاریخ جہانکشای جوینی، جلد دوم، ذکر جلال الدین۔

جلال الدین کی سیرت

جلال الدین ایک بہادر شخص تھا۔ اگر وہ مدبر اور سیاست دان بھی ہوتا تو وہ ایسی فوج منظم کرنے کا اہل تھا جو منگولوں کو فیصلہ کن شکست دے سکتی۔ بہر حال وہ افق ایران پر شہاب ثاقب کی طرح نمودار ہوا اور بہادری کے کارناموں سے دنیا میں چکا چوند سی پیدا کرکے رخصت ہو گیا۔

منگولوں کی مہم ایشیائے کوچک و شام میں

جلال الدین کی زندگی ہی میں جورماغوں نے بین النہرین، کردستان، آذربائیجان، آرمینیا اور گرجستان کو تباہ و برباد کیا۔ جورماغوں کے بعد افواج کی سپہ سالاری بیدو کو ملی تو اس نے ایران کے مغربی ممالک میں بیس سال تک تباہی مچائی اور حلب تک بھی اس نے حملے کیے۔ مؤرخوں[1] کا بیان ہے کہ انطاکیا کا عیسائی حکمران اور دوسرے عیسائی سردار اسے خراج ادا کرتے تھے۔

اوکتائی کے جانشین

اوکتائی نے ۶۳۹ھ مطابق ۱۲۴۱ع میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا گیوک خاں ابھی خورد سال تھا اس لیے امور مملکت اس کی مادر ملکہ توراکینا خاتون کے ہاتھوں میں رہے۔ گیوک خاں ۶۴۳ھ مطابق ۱۲۴۵ع میں تخت نشین ہوا، لیکن چھ سال کی حکومت کے بعد ۶۴۹ھ مطابق ۱۲۵۱ع میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد تاج چنگیز خانی، اوکتائی کے گھرانے سے تولی کے گھرانے میں منتقل ہو گیا اور تولی کا بیٹا منگو قاآن، جوجی کے بیٹے باتو کی مدد سے تخت نشین ہوا۔ اسی نے اپنے بھائی ہلاکو کو ایران بھیجا تھا کہ ایک طرف اسماعیلیوں کے فتنے کو ختم کرے اور دوسری طرف بغداد کو فتح کرکے خلافت اسلامیہ کا خاتمہ کرے تاکہ شام و مصر کو فتح کرنے کی راہ ہموار ہو جائے۔ ہلاکو خاں کو مہم کا آغاز کرنے میں تین سال کا عرصہ لگ گیا۔

۱۔ سائیکس: اے ہسٹری آف پرشیا، جلد دوم، ص ۹۱ بحوالہ Matthew Paris P. 876, 973 -

ہلاکو ایلخان[1]

(۶۴۹ تا ۶۶۳ھ ۱۲۵۱ تا ۱۲۶۴ع)

عطا ملک جوینی کی ہلاکو خاں سے ملاقات

ہلاکو کو کش کے مقام پر ارغون خان ملا جس کے ساتھ مشہور مؤرخ عطا ملک جوینی تھا - عطا ملک کو بالآخر ہلاکو نے اپنا دبیر خصوصی مقرر کیا ، جو ایران کی مہموں میں اس کی ملازمت سے وابستہ رہا -

اسماعیلیوں کا دور آخر

حسن بن صباح اور اس کی سرگرمیوں کا مفصل ذکر پہلے آ چکا ہے، وہ طویل عمر پا کر فوت ہوا - زندگی میں وہ اپنے دونوں بیٹوں کو خلاف شریعت باتوں کے مرتکب ہونے کی وجہ سے سزائے موت دے چکا تھا اس لیے اپنے ایک رفیق کیا بزرگ امید کو اپنا جانشین نامزد کیا - اسماعیلی فرقے کی اہمیت کیا بزرگ امید اور اس کے بیٹے محمد کے زمانے میں اور بھی زیادہ ہو گئی - محمد ۵۵۸ھ مطابق ۱۱۶۲ع میں فوت ہوا تو اس کا بیٹا حسن ، اسماعیلی مسند پر بیٹھا - حسن نے خاندانی تعلق کو نظر انداز کر کے نزار فاطمی کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا اور ۵۵۹-۶۰ھ مطابق ۱۱۶۴ع میں ایک اجتماع عام میں اپنے امام ہونے کا دعویٰ کیا - چند سال امامت کا منصب سنبھال کر وہ فوت ہو گیا - اس کے بعد اس کا بیٹا بھی اسی کے نقش قدم پر چلا - آخر ۶۰۷ھ مطابق ۱۲۱۰ع میں یہ وراثت جلال الدین کو ملی تو اس نے تحریک اسماعیلیہ کے طریق کار کو الٹ دیا اور خود صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کا اعلان کیا - اس نے خلیفہ ناصر باللہ اور ہمسایہ مسلمان حکمرانوں کے ساتھ دوستانہ روابط قائم کیے -

جلال الدین نے خوارزم شاہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا - اس نے روابط پیدا کرنے کے لیے منگولوں کے پاس بھی اپنا ایلچی بھیجا - کچھ اور زندہ رہتا تو اسماعیلی تحریک کی صورت کچھ اور ہو جاتی لیکن ۶۱۷ھ ۱۲۲۰ع میں دفعتاً اس کا انتقال ہو گیا - خیال کیا جاتا ہے کہ اسے

---

۱ - ہلاکو کا لقب ایلخان تھا، اسی نسبت سے یہ عہد ایلخانی کہلایا۔

زہر دیا گیا تھا ۔ اس کا جانشین رکن الدین ہوا ، جس کی عمر اس وقت نو سال تھی ۔

اسماعیلیوں کا مرکز طالقان کا علاقہ تھا ۔ اس علاقے میں پچاس مستحکم قلعے تھے جن پر اسماعیلیوں کا تصرف تھا ۔ ان میں سے مشہور قلعے الموت ، میمون دژ اور لامسر تھے ۔ ان کے علاوہ قومس (سمنان و دامغان) کے علاقوں میں بھی انھوں نے مستحکم قلعے بنا رکھے تھے ۔

اسماعیلیوں کی تباہی

جیسا کہ پہلے ذکر آیا ہے منگوقاآن نے اپنے بھائی ہلاکو کو اسماعیلیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے متعین کیا تھا ۔ وہ ایک ماہر چینی انجنیئر اور سوار فوج لے کر ۶۵۱ھ مطابق ۱۲۵۳ع میں قراقرم سے روانہ ہوا ۔ ۶۵۳ھ مطابق ۱۲۵۵ع میں اس نے اسماعیلیوں کے قلعوں کی تسخیر کا ارادہ کیا ۔ اس وقت اسماعیلیوں کا رئیس رکن الدین خور شاہ تھا ۔ اس کے پاس باقاعدہ فوج نہ تھی اس لیے اس نے اطاعت اختیار کرنی چاہی لیکن ہلاکو نے اس کی استدعا کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور اس کے مسکن قلعہ میمون دژ کا محاصرہ کر لیا ۔ آخر رکن الدین خور شاہ خواجہ نصیرالدین طوسی کے ہمراہ قلعہ سے باہر آیا اور بےشمار دولت پیشکش کرکے اپنے آپ کو ہلاکو کے حوالے کر دیا ۔ قلعہ میمون دژ پر قبضہ کرنے کے بعد ہلاکو نے حسن بن صباح کے مشہور قلعہ الموت کا رخ کیا ۔ اہل قلعہ نے چند دن مدافعت کی لیکن اطاعت کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا ۔ آخر یہ قلعہ بھی ہلاکو نے مسخر کر لیا ۔ ہلاکو حسن بن صباح کے آشیانے میں داخل ہوا اور اسماعیلیوں کے جنگی آلات اور منجنیقوں کو تباہ کر دیا اور صدیوں کے بھرپور خزانے حاصل کیے ۔ اسماعیلیوں نے بیش بہا کتابوں کا جو ذخیرہ صدیوں سے الموت میں جمع کر رکھا تھا اور جن کی شہرت دنیا بھر میں تھی ، اسے سخت نقصان پہنچا ۔ ''عطا[۱] ملک جوینی ہلاکو کے ہمراہ تھا ، اس نے ہلاکو سے کتابوں کا معائنہ کرنے کی اجازت چاہی تاکہ مفید علمی کتابیں محفوظ کر لی جائیں اور باقی کتابیں جو دین اسماعیلی سے متعلق ہوں انھیں

---

۱ ۔ عباس اقبال : از استیلائے مغول تا انقلاب مشروطیت، صفحہ ۱۷۷ ۔

تباہ کر دیا جائے ۔ چنانچہ عطا ملک نے کلام پاک کے نسخے ، تاریخ ، جغرافیہ ، فلسفہ و حکمت اور نجوم کی اہم کتابیں نکال لیں ۔ آلات نجوم و رصد بھی محفوظ کر لیے ۔ حسن بن صباح اور اس کے جانشینوں کے حالات پر ایک اہم کتاب ''سرگذشت سیدنا'' بھی بچالی۔ لیکن ہزارہا کتابیں جو ان کے علاوہ تھیں ، انھیں نذر آتش کر دیا گیا'' ۔ اس کے بعد قلعہ لامسر اور دوسرے قلعے یکے بعد دیگرے مسخر ہوئے ۔ اسماعیلیوں کے مستحکم ٹھکانوں پر قبضہ کرکے ہلاکو نے اسماعیلیوں کا قتل عام کرایا یہاں تک کہ وہ بچے بھی نہ بچ سکے جو گہواروں میں تھے ۔ رکن الدین خور شاہ کو قراقرم بھیج دیا گیا جہاں وہ منگوقاآن کے حکم سے قتل کر دیا گیا ۔ اس طرح ایک منظم فرقہ جس کی دنیا میں دھوم تھی زوال پذیر ہو گیا ۔

بغداد پر حملہ اور خلافت عباسیہ کا خاتمہ

(۶۵۵ تا ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۷ تا ۱۲۵۸ع)

۶۴۰ھ مطابق ۱۲۴۲ع میں ابو احمد عبد اللہ نے المستعصم کے لقب سے مسند خلافت سنبھالی ۔ عباسی خاندان کا یہ ستائیسواں اور آخری خلیفہ آرام پسند ، خوش اخلاق اور علم دوست شخص تھا ۔ بیشتر وقت ذاتی کتب خانے میں گزارتا تھا ۔ موسیقی کا بہت دل دادہ تھا ۔ امور سیاست کی طرف اس کی مطلقاً توجہ نہ تھی ۔ منگولوں کا جم غفیر دارالخلافہ پر چڑھائی کرنے کے لیے بڑھا آ رہا تھا ، ادھر اطراف و جوانب کے حکمرانوں کو سازندے اور موسیقار بھیجنے کے لیے فرمائشیں لکھوائی جا رہی تھیں ۔ فرومایہ لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے جن کا خلیفہ پر بڑا اثر تھا۔ بے تدبیر لوگ خلیفہ کو اپنی مرضی پر چلاتے تھے ۔ اس[1] کا وزیر علی بن محمد علقمی شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا ۔

خلیفہ مستعصم کی خلافت کے شروع سے ہلاکو کے حملے تک منگولوں کے سائے بدستور منڈلاتے رہے لیکن آرام پسند[2] خلیفہ نے اس آنے والے خطرے پر توجہ دینے کی ضرورت نہ سمجھی ۔ نہ خود فوجوں

---

۱ ۔ عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۳۰۸ ۔

۲ ۔ عباس اقبال : از غلبۂ مغول تا انقلاب مشروطیت، صفحہ ۱۷۹ ۔

کی تنظیم کی نہ دوسرے ممالک کے حکمرانوں کو ہی مشترکہ دشمن کے خلاف کمک بھیجنے پر آمادہ کیا۔ اگر کسی نے منگولوں کی عراق میں آمد کی خبر سنائی بھی تو خلیفہ نے جواب دیا کہ میرے لیے بغداد ہی کافی ہے؛ میں ان کے ملک سے نہیں گزروں گا تو وہ بھی بغداد کا رخ نہیں کریں گے۔

عطا ملک جوینی[1] لکھتے ہیں کہ جب ہلاکو خاں نے اسماعیلیوں کے علاقوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو خلیفۂ بغداد مستعصم باللہ کے پاس ایلچی بھیج کر خواہش کی کہ اسماعیلیوں کے استیصال کے لیے اپنا لشکر بھیجے۔ خلیفہ نے وزرا اور امرا سے مشورہ کیا کہ چند فوجی دستے بھیج دیے جائیں لیکن انھوں نے یہ خدشہ ظاہر کیا، مبادا ہلاکو کی یہ خواہش ہو کہ بغداد لشکر سے خالی ہو جائے اور وہ جب چاہے بلا مزاحمت بغداد پر قبضہ کر لے۔ اس رائے کے مطابق خلیفہ نے ہلاکو کی خواہش کو مسترد کر دیا۔

ہلاکو اسماعیلیوں کا قلع قمع کر چکا تو ہمدان آیا، جسے اس نے اپنا دارالسلطنت مقرر کیا۔ یہاں سے اس نے اپنا ایلچی بغداد بھیج کر خلیفہ سے لشکر نہ بھیجنے پر سخت الفاظ میں بازخواست کی۔ اس پر خلیفہ نے پھر وزرا سے مشورہ کیا تو یہ طے ہوا کہ کچھ تحفے اور تحائف بھیج کر معذرت کی جائے۔ ہلاکو ان تحائف کو حقیر سمجھ کر سخت غضب ناک ہوا اور مطالبہ کیا کہ خلیفۃ المسلمین خود چل کر آئے اور معذرت کرے لیکن خلیفہ نے ہلاکو کے پاس آنا شایان شان نہ سمجھا۔

بغداد پر حملہ

آخر ۶۵۵ھ مطابق ۱۲۵۷ع میں ہلاکو نے اپنی دوسری مہم کا آغاز کیا اور بغداد پر حملہ کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ اس مقصد کے لیے بیدو بھی مشرق کی طرف سے اپنا لشکر لیے ہوئے آ پہنچا۔ بیدو

۱۔ تاریخ جہانکشای جوینی، جلد سوم، مرتبہ عبدالوہاب قزوینی، صفحہ ۲۸۰۔

کو حکم ملا کہ مغرب کی طرف سے حملہ کرے - ہلاکو نے اس مہم میں کچھ وقت شکار و تفریح میں گزارا لیکن اس عرصے میں خلیفہ مستعصم نے جنگی تیاری کے لیے کوئی کوشش کی بھی تو وہ ہلاکو کی فوج کا پانچواں حصہ فوج بھی فراہم نہ کر سکا، نہ اس وقت خزانے کا دروازہ کھولا تاکہ فوج کی ضرورتیں پوری کی جا سکیں - دونوں منگول لشکر ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھے اور خلیفہ بیس ہزار سے زائد فوج تیار نہ کر سکا تھا - تفریط کے مقام پر مسلمانوں نے کچھ مدافعت کی لیکن منگولوں کے سیلاب کو نہ روک سکے اور آخر وہ بغداد کی طرف بڑھے - خطرہ جب بغداد کے دروازوں پر آ موجود ہوا تو خلیفہ مستعصم کو اس کے[1] وزیر علی بن محمد علقمی نے مقابلہ کرنے کے بجائے اطاعت اختیار کرنے کا مشورہ دیا - چنانچہ خلیفہ مع اپنے دو بیٹوں کے خوف و امید کی کشمکش میں ہلاکو کے پاس گیا - ہلاکو نے انھیں اسیر کرکے مروا دیا - ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۸ع میں منگول بغداد میں داخل ہوئے اور ہلاکو کے حکم سے پورے سات دن تک لوٹ مار اور قتل عام جاری رہا - مورخین کے بیان کے مطابق یہاں آٹھ لاکھ مسلمانوں کا خون بہایا گیا - بغداد کے قتل و غارت کے سامنے چنگیزی ہلاکتیں بھی ماند پڑ گئی تھیں - ہلاکو نے اسلامی دنیا کے اس مرکز کو، جہاں سے چھ سو سال تک اسلامی تہذیب کے سوتے پھوٹتے رہے، تباہ کر دیا - یہاں کے علم و ادب کے خزانے، جو صدیوں سے محفوظ چلے آتے تھے، برباد کر دیے - علماء جن کے علم و فضل کی شہرت چار دانگ عالم میں تھی، تلوار کے گھاٹ اتار دیے - علوم و فنون کا یہ گہوارہ کھنڈرات کا ڈھیر بن کر رہ گیا - غرض وہ تباہی ہوئی جس کا بیان تاریخ میں نہیں سما سکتا -

خلافت اسلامی کی سیاسی عظمت تو اگرچہ بہت پہلے ختم ہو چکی تھی، لیکن اس کی مذہبی اہمیت بدستور قائم تھی - چنانچہ سلطان محمود غزنوی جیسے جلیل القدر فاتح کو بھی اپنی حکومت کا اختیار نامہ خلیفۂ بغداد ہی سے حاصل کرنا پڑا تھا - خلیفہ مستعصم کا قتل اور خلافت عباسیہ کا خاتمہ مسلمانان عالم کے لیے بہت بڑا المیہ تھا - سعدی

---

۱ - تاریخ وصاف : ذکر حملۂ ہلاکو -

علیہ الرحمۃ نے اس افسوس ناک اور جگر گداز حادثے کی خبر سنی تو نہایت درد انگیز مرثیہ لکھا جس کا مطلع درج ذیل ہے:

آسمان را حق بود گر خون ببارد بر زمین
بر زوال ملک مستعصم امیرالمؤمنین

دوسرے ممالک اسلامیہ کا رخ

اس عرصے میں ہلاکو نے حکومت قراقرم سے بے نیاز ہو کر ایک مطلق العنان بادشاہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ اس نے اب دوسرے اسلامی ممالک کا رخ کیا اور حلب و شام کو بھی فتح کر لیا۔ آخر ۶۵۹ھ مطابق ۱۲۶۰ء میں مصر کے مملوک حکمرانوں نے شکست دے کر اس کے بڑھتے ہوئے قدم روکے اور اس طرح اسلامی تمدن کا دوسرا بڑا مرکز تاتاریوں کے ہاتھوں سے محفوظ رہا۔

داخلی شورشیں

ہلاکو ایران و شام کی فتح سے فارغ ہوا تو جوجی کے بیٹے برکائی نے، جس کی حکومت دشت قبچاق میں تھی، کوشش کی کہ منگول بادشاہ منگو قاآن اس کو ہلاکو کے بجائے خان تسلیم کرے، لیکن اسے ناکامی ہوئی۔ آخر اس نے ہلاکو کے خلاف شورش بپا کی۔ ہلاکو ۶۶۰ھ مطابق ۱۲۶۱ء میں شاخی آیا اور یہاں اس نے برکائی کے لشکر کو شکست دے کر اسے دشت قبچاق سے نکال باہر کیا اور اس کے علاقے کی حکومت اپنے بیٹے اباقا خاں کے سپرد کر دی۔

ہلاکو کے آخری ایام میں فارس میں بغاوت ہوئی، لیکن جلد ہی وہاں کا حکمران اتابک سلجوق شاہ، کازرون کے مقام پر، جو بوشہر اور شیراز کے درمیان واقع ہے، اسیر ہو گیا اور ہلاکو کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ شمالی ایران میں مکمل طور پر امن و امان قائم رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ملک کا یہ حصہ ویران پڑا تھا۔ یہاں رہنے بسنے والے بہت کم تھے اور جو تھے، سخت دہشت زدہ اور ہراساں رہتے تھے۔ لہٰذا ہلاکو کے آخری ایام سکون و اطمینان سے گزرے اور اسی حالت میں ۶۶۳ھ مطابق ۱۲۶۴ء میں اس نے دنیا سے کوچ کیا۔

ہلاکو جزیرۂ طلا میں دفن ہوا جہاں اس نے اسماعیلی قلعوں اور خلفائے عباسیہ کے خزانوں کی لوٹی ہوئی دولت جمع کر رکھی تھی - کہا جاتا ہے عشرت پسند ہلاکو[1] کی روحانی خوشی کے لیے چند حسین دوشیزاؤں کو اس سرد خانہ میں محبوس کر دیا گیا جہاں اس کا تابوت رکھا گیا تھا -

مفتوحہ علاقوں کی تقسیم

ہلاکو نے اپنی وفات سے پہلے مفتوحہ ممالک کو اپنے بیٹوں کے مابین تقسیم کر دیا تھا - اس کی رو سے عراق ، خراسان ، اور ماژندران کی حکومت اس کے بڑے بیٹے اباقا خاں کو ، اران اور آذربائیجان کی حکومت دوسرے بیٹے یسموت کو ملی - ان کے علاوہ کرمان کی حکومت ترکان خاتون اور فارس کی حکومت امیر انکیانو کو سونپی گئی -

ہلاکو کی سیرت

ہلاکو[2] کے نام کے ساتھ نیکی کی کوئی یاد وابستہ نہیں - یہ بھی اپنے بزرگوں کی طرح عہد شکن اور عیش و عشرت کا دل دادہ تھا - اگر خلیفۂ بغداد کوئی طاقت ور اور مدبر حکمران ہوتا تو منگولوں کی صحیح قیادت نہ ہونے کی وجہ سے انھیں شکست ہو جاتی ، لیکن وہ خوش قسمت تھا کہ خلیفہ بھی کمزور تھا اور الموت کے رئیس بھی قوت و شوکت کھو چکے تھے - ان کی کمزوری نے ہلاکو کو فاتح بنا دیا -

ہلاکو کا مذہب اور عیسائیت کی طرف رجحان

ہلاکو[3] بدھ مت کا پیرو تھا - چنانچہ خوی میں اس نے بدھوں کے لیے ایک معبد تعمیر کرایا تھا ، لیکن ایران میں کوئی بدھ موجود نہ تھا آخر وہ اپنی عیسائی ملکہ اور بعض عیسائی امرا کے اثر کی وجہ سے عیسائیوں کی طرف زیادہ مائل رہا جن کی بیشتر آبادی آذربائیجان اور آرمینیا میں تھی - عیسائیوں کے لیے اس نے متعدد مقامات پر کلیسا

---

۱ عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۳۰۸ -

۲ - سائیکس : اے ہسٹری آف پرشیا ، جلد دوم ، صفحہ ۹۹ -

۳ - عباس اقبال : از غلبۂ مغول تا انقلاب مشروطیت صفحہ ۱۱۸ -

تعمیر کرائے۔ چنانچہ اس کی نگاہ التفات کی وجہ سے ارمنی اور عیسائی جو مسلمانوں کے غلبے کے سبب ہمیشہ ناخوش رہتے تھے ہلاکو کو اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگے۔ عیسائی اپنے مذہب کو فروغ دینے کے لیے منگولوں کے اقتدار کو زیادہ بڑھانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ہلاکو نے جب شام و مصر پر حملے کی تیاری کی تو عیسائیوں نے ہلاکو کو کمک بہم پہنچائی۔ مقصد یہ تھا کہ ایشیا اور افریقہ سے یک بارگی اسلام کا خاتمہ کر دیں۔ اسی خیال سے منگول سپہ سالار کیتوبوقا نے جب دمشق فتح کیا تو وہاں کی بعض مساجد کو کلیساؤں میں بدل ڈالا تھا۔

فن تعمیر و نجوم سے شغف

ہلاکو کو عمارتیں بنوانے کا بہت شوق تھا۔ اس نے بحیرۂ ارومیہ کے ساحل، مراغہ اور کوہ آلاغ میں بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرائیں۔ علم نجوم کی طرف بھی اس کا میلان تھا۔ ایک چینی دانش مند کو بلوا کر اس نے مراغہ کے شمال میں ایک ٹیلے پر رصد خانہ بنوایا۔ اس رصد خانہ کی تعمیر میں ان آلات سے بھی کام لیا گیا جو بغداد کی غارت‌گری میں اس کے ہاتھ لگے تھے۔ ہلاکو نے اس کام کے لیے ممالک مفتوحہ کے تمام اوقاف خواجہ نصیر الدین طوسی کے سپرد کیے تھے۔ رصد خانہ تقریباً پندرہ سال کی مدت میں تعمیر ہوا۔ اس کی تعمیر میں علامہ قطب الدین شیرازی، موید الدین عرضی دمشقی، محی‌الدین مغربی، فخرالدین مراغی، فخرالدین اخلاطی، نجم الدین اور کاتبی قزوینی شریک تھے۔ اس پر بیس ہزار دینار خرچ ہوئے۔ اباقاخان کے بعد اس رصد خانہ سے کسی نے کام نہیں لیا اور آج وہاں ایک ویرانے کے سوا کچھ باقی نہیں۔ ۶۶۳ھ مطابق ۱۲۶۴ء میں نصیرالدین طوسی نے زیج ایلخانی کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جو اباقا خان کے عہد میں منظر عام پر آئی۔

ہلاکو کے عہد کی وزارت

ہلاکو نے اپنی وزارت کا منصب امیر سیف الدین بتکیچی خوارزمی کو سونپا تھا، لیکن بعد میں کسی بدگمانی کی بنا پر اسے قتل کرا دیا اور اس کے بجائے عطا ملک جوینی کا بھائی شمس الدین محمد جوینی وزارت کے منصب پر فائز ہوا اور بغداد کی حکومت عطا ملک کو سونپی گئی۔

اباقا خاں

(۶۶۳ تا ۶۸۰ھ مطابق ۱۲۶۴ تا ۱۲۸۱ع)

ہلاکو خاں کی وفات پر اس کا بیٹا اباقا خان اس کا جانشین بنا - اور قراقرم کے بادشاہ قبلا خاں نے اس کی جانشینی کو تسلیم کر لیا - منگولوں کی یہ حکومت ہلاکو کے لقب ایل خاں کی مناسبت سے ایلخانی کہلائی -

ویرانوں کو آباد کرانے میں جوینی خاندان کا حصہ

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے بغداد کی حکومت ہلاکو خاں نے مشہور مدبر اور مؤرخ عطا ملک جوینی کو دی تھی اور وزارت کے منصب پر اس کے بھائی شمس الدین صاحب دیوان کو سرفراز کیا تھا - ان دونوں کا اقتدار اباقا خاں کے عہد میں بھی بحال رہا - یہ ایرانی الاصل تھے اور محب وطن ہونے کی وجہ سے ان کا دل مملکت ایران کی تباہیوں سے بہت کڑھتا، تھا جو چنگیز و ہلاکو نے کی تھیں - چنانچہ انھوں نے ویرانوں کو آباد کرانے میں بڑا کام کیا - شمس الدین نے تبریز میں اور اس کے بیٹے بہاءالدین نے اصفہان میں لوگوں کو بسانے اور انھیں خوش حال بنانے میں بڑی جد و جہد کی - عطا ملک نے، جسے اباقا خاں کے عہد میں امور سیاست میں کامل اختیار حاصل تھا، عراق عرب کی خوش حالی کے لیے تمام تر کوششیں صرف کر دیں - ویران علاقوں کو آباد کرانے کی جد و جہد کی - دیہات و قصبات کی تعمیر میں لوگوں کو مالی امداد دی - کھیتی باڑی کے لیے نہریں جاری کرائیں قناتیں کھدوائیں، زمینوں کو آباد کرایا - بغداد عطا ملک کے دور حکومت میں بہت زیادہ پر رونق اور خوش حال ہوا -

اباقا خاں کے زمانے میں جو امن و امان قائم ہوا اور خوش حالی کا جو دور دورہ ہوا اس کا اصل سبب عطا ملک اور شمس الدین کا تدبر تھا - اباقا خاں کی مملکت کے طول و عرض سے مالیانہ جمع کرنے اور سیاسی حالات کی نگرانی کرنے کا پورا اختیار شمس الدین کو حاصل تھا - بادشاہ کے سوا وہ کسی کو جواب دہ نہ تھا جس کی وجہ سے اسے بہت

زیادہ اقتدار حاصل ہوا ، لیکن اس اقتدار سے اس نے زیادہ تر فلاح عامہ ہی کا کام لیا -

اباقا خان کے عہد میں عیسائیت کا فروغ

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے ، اباقا خان کی والدہ دوقوز خاتون عیسائی تھی - خود ہلاکو کا رجحان بھی عیسائیت کی طرف تھا اس لیے قدرتی طور پر اباقا خان کا میلان بھی عیسائیت کی جانب رہا اور پھر اتفاق ایسا ہوا تھا کہ اس کے باپ ہلاکو نے آخری عمر میں قیصر روم مشرق مائیکل پالیو لوگس سے لڑکی کا رشتہ مانگا ، قیصر نے اس کی خواہش کو قبول کر لیا اور اپنی بیٹی کو شاہانہ تحفے تحائف دے کر اپنے آدمیوں کے ہمراہ قسطنطنیہ سے ایران بھیجا ، لیکن یہ قیساریہ پہنچے تھے کہ ہلاکو راہیٔ ملک عدم ہوا - پھر اباقا خان نے اسے خود اپنی ملکہ بنا لیا - اس کے متعلق تو یہ بھی مشہور ہوا کہ اس نے دین مسیح قبول کر لیا تھا - دین مسیح اس نے قبول نہ بھی کیا ہو ، بہرحال عیسائی لڑکی سے شادی کر لینے کے بعد اس کا تعلق عیسائیت کے ساتھ روز بروز مضبوط ہوتا گیا - عیسائی پادریوں کو دربار میں عزت و احترام کی جگہیں ملیں - روما سے مراسم استوار تر ہوئے - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اباقا خان پوپ اور یورپ کے عیسائیوں کی مدد سے یہ کوشش بھی کرتا رہا کہ اسلام پر ضرب کاری لگائے اور مصر و شام کے مسلمان بادشاہوں کو جو عیسائیت کی اشاعت میں رکاوٹ تھے وہاں سے نکال باہر کرے - اسلام کی بد خواہی کی وجہ سے عراق و ایران کے مسلمان اس سے سخت نفرت کرنے لگے اور سب مسلمانوں نے اپنی توجہ کا مرکز مصر کے حکمران کو بنا لیا جو اسلام کا محافظ سمجھا جاتا تھا - مسلمانوں کی اباقا خان سے بڑھتی ہوئی نفرت ملکی ترقی میں سد راہ بنی -

مسلمانوں کی مہم عیسائیوں کے خلاف

منگولوں کی عیسائیت دوستی ڈھکی چھپی بات نہ تھی - ان کے ارادے بھی واضح تھے - اس لیے مصر کے بادشاہ الملک الظاہر بیبارز نے عیسائیت کو کمزور کرنے کے لیے منگولوں سے دو دو ہاتھ کرنے چاہے - وہ لشکر کثیر لے کر حدود شام کی طرف آیا اور ۶۶۳ھ مطابق ۱۲۶۵ع میں

شام کو فتح کر کے وہاں منگولوں کی حکومت ختم کر دی ۔ پھر آرمینیا کا رخ کیا جو عیسائیت کا بہت بڑا مرکز تھا ۔ یہاں کا حکمران ہیتوم تھا جس نے منگول حکمرانوں کی حمایت سے آس پاس کے مسلمانوں کی زمینوں پر قبضہ جما لیا تھا ۔ بیبارز نے مطالبہ کیا کہ وہ مسلمانوں کی زمینیں واگذار کر دے اور خراج ادا کرے تاکہ آرمینیا اور شام کے مابین تجارتی راستے کھول دیے جائیں ۔ ہیتوم نے اباقا خاں کی حمایت کی وجہ سے بیبارز کے مطالبے پر کوئی توجہ نہ دی ۔ بیبارز نے آرمینیا پر حملہ کر دیا اور پیشتر اس کے کہ اباقا خاں کی طرف سے کمک آتی ، اس نے ہیتوم کے علاقوں کو تباہ و برباد کر دیا ۔ آخر ہیتوم نے اس شرط پر فاتح حکمران سے صلح کر لی کہ مسلمانوں کے غصب کیے ہوئے علاقوں سے دست بردار ہو جائے گا ۔

خراسان پر براق کا حملہ

قبلا خاں نے ۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۵ع میں چغتائی کے پوتے براق کو ماوراءالنہر اس شرط پر دیا تھا کہ وہ اوکتای کے پوتے قیدو پر حملہ کرے، کیوں کہ وہ اسے خاقان تسلیم نہیں کرتا تھا ۔ لیکن ہوا یہ کہ دونوں شہزادے آپس میں مل گئے اور فیصلہ یہ ہوا کہ قیدو خراسان پر حملہ کرے تو براق اسے کمک بہم پہنچائے ۔ چنانچہ قیدو نے خراسان پر لشکر کشی کی اور براق بھی لشکر لیے ہوئے آ پہنچا ۔ دونوں نے مل کر نیشاپور میں تباہی مچائی ۔ یہ سن کر اباقا خاں خراسان کی طرف بڑھا ۔ آخر ہرات کے مقام پر جنگ ہوئی جس میں براق اور قیدو نے شکست کھائی ۔ براق گھوڑے سے گر کر زخمی ہوا اور اسیر ہوتے ہوتے بچا ۔ آخر اسے بخارا پہنچا دیا گیا لیکن گرنے سے جو زخم آئے تھے ، ان سے وہ جان بر نہ ہو سکا ۔

لشکر منگول پر دیلمیوں کا حملہ

اباقا خاں اس فتح کے بعد آذربائیجان کو واپس ہو لیا ۔ ابھی قزوین ہی پہنچا تھا کہ اچانک دیلمیوں کے لشکر نے اس پر حملہ کر دیا ۔ اس موقع پر لورستان کا حکمران یوسف شاہ اول اباقا خاں کی مدد کو آیا اور دیلمیوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا ۔ اباقا خاں نے شکرگزاری

کے طور پر خوزستان اور بعض اور علاقے بھی اس کی مملکت میں شامل کر دیے۔

آبلستان کی جنگ

سلطان بیبارز کو جو آرمینیا میں فتوحات حاصل ہوئی تھیں ان کی وجہ سے اباقا خاں سخت مضطرب تھا، چنانچہ اب اس نے مغربی علاقوں کی مدافعت کے لیے منگول فوج کے دستے متعین کر دیے۔ بیبارز اپنی فوجی جمعیت لے کر ایشیائے کوچک پر حملہ کرنے کے لیے بڑھا تو صحرائے آبلستان میں گیارہ ہزار منگول اور گرجستانیوں کی فوج موجود تھی۔ منگولوں نے مصریوں پر حملہ کرکے جنگ کا آغاز کیا۔ مسلمانوں نے جہاد کا اعلان کر دیا جس سے وہ نہایت پردلی سے دشمن پر ٹوٹ پڑے اور منگولوں کو شکست ہو گئی۔ یہ واقعہ ۶۷۵ھ مطابق ۱۲۷۶ع کا ہے۔

بیبارز فاتحانہ طور پر قیساریہ میں داخل ہوا، پھر دمشق آیا لیکن زندگی بے وفا نہ کی اور وہ دمشق ہی میں راہیٔ ملک بقا ہوا۔

حمص کی جنگ

آبلستان کی شکست کا انتقام لینے کے لیے اباقا خاں تیاریوں میں مصروف تھا اور موقع کا انتظار کر رہا تھا۔ اتفاق سے مصر میں بغاوت ہو گئی۔ اباقا خاں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر ۶۸۰ھ مطابق ۱۲۸۱ع میں شام پر حملہ کر دیا۔ اباقا خاں کے بھائی منگو تیمور اور سلطان مصر سیف الدین کے مابین نہایت خون ریز جنگ ہوئی جس میں منگولوں کو شکست ہوئی اور اباقا خاں کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ یہ اس کی آخری مہم تھی جس کے دو سال بعد وہ فوت ہو گیا۔

خاندان جوینی کی مقبولیت

تاتاری عہد کی بربریت میں جن لوگوں نے ملکی امور چلانے اور ویرانوں کو آباد کرنے میں جد و جہد کی، ان میں قصبۂ جوین کے ایک علمی خاندان کا بہت بڑا حصہ ہے جو تاریخ میں خاندان جوینی کے نام سے موسوم ہے اس کے ممتاز افراد شمس الدین صاحب دیوان اور عطا ملک جوینی تھے۔ اس خاندان کے ایک عالم شمس الدین بزرگ کو

قطب‌الدین خوارزم شاہ نے وزارت کا منصب جلیلہ سونپا تھا ۔ شمس‌الدین بزرگ کا بیٹا بہاءالدین جوینی بھی ایک فاضل شخص تھا جو دربار خوارزم میں مستوفی الممالک کے عہدے پر مامور ہوا ۔ بہاءالدین کے دو بیٹے شمس‌الدین اور عطا ملک جوینی وہ نام ور ہستیاں تھیں جنھوں نے نہ صرف اپنے سیاسی شعور اور تدبر سے ایران کے ویرانوں کو آباد کیا بلکہ علم و ادب کی سرپرستی بھی کی ۔ ہلاکو کی دس سالہ حکومت میں وزارت کی باگ ڈور شمس‌الدین کے ہاتھوں میں رہی ، چنانچہ وزارت کی نسبت سے وہ ''صاحب دیوان'' کے لقب سے مشہور ہوا ۔ ہلاکو کی وفات پر جب اباقا خاں تخت نشین ہوا تو اس نے بھی وزارت کا منصب شمس‌الدین ہی کو سونپا ۔ شمس‌الدین بہت فیاض اور علم پرور شخص تھا ، چنانچہ علما اور شعرا اس کے دربار میں کھنچے چلے آتے تھے ۔

عطا ملک جوینی تاتاری امرا کا دبیر تھا ۔ اس منصب کی بدولت اسے کئی بار تاتاریوں کے دارالسلطنت قراقرم جانے کا اتفاق ہوا ۔ ۶۵۴ھ مطابق ۱۲۵۶ع میں جب ہلاکو نے ایران فتح کیا اور منگوقاآن کی طرف سے ایران کی حکومت اسے ملی تو اس نے عطا ملک کو اپنے مقربین میں شامل کر لیا اور بالآخر ۶۵۷ھ مطابق ۱۲۵۸ع میں جب ہلاکو نے بغداد فتح کرکے خلافت عباسیہ کا خاتمہ کیا تو وہاں کی حکومت عطا ملک کو سونپ دی ۔ عطا ملک کی حکومت میں اس وقت عراق ، بغداد اور خوزستان کے علاقے شامل تھے ۔ ہلاکو فوت ہوا تو ان علاقوں کی حکومت بدستور عطا ملک کے پاس رہی ۔ اس کی حکومت کی کل مدت چوبیس سال ہے ۔ اس عرصے میں اس نے ایک عظیم تاریخ تالیف کی جو ''تاریخ جہانکشای جوینی'' کے نام سے موسوم ہے ۔

شمس‌الدین کا بیٹا بہاءالدین بھی علم دوستی میں بڑی شہرت رکھتا تھا ۔ اسے تاتاریوں کی طرف سے عراق و عجم اور فارس کی حکومت دی گئی تھی ۔ شمس‌الدین کا ایک اور بیٹا شرف‌الدین تھا جو خود بھی شاعر تھا اور شعرا کا مربی اور سرپرست بھی تھا ۔

شمس‌الدین کے اقتدار کا ذکر آ چکا ہے ۔ اس اقتدار کی بدولت جہاں اسے نام وری حاصل ہوئی وہاں دولت کے انبار بھی میسر آئے ۔ کہا

جاتا ہے[1] اسے ذاتی املاک سے دس ہزار دینار روزانہ کی آمدنی ہوتی تھی۔ اس کا اقتدار اور امارت لوگوں کے لیے حسد و رقابت کا موجب بنے۔ اباقا خاں کے بعض امرا نے خاندان جوینی کے خلاف اس کے کان بھرنے شروع کیے کہ جوینیوں کے اثر و رسوخ کی وجہ سے اباقا خاں مطلق العنان بادشاہ نہیں بن سکتا کیوں کہ امور مملکت پر انہیں کامل اختیار حاصل ہے۔ اسی اثنا میں ایک جاہ پسند شخص مجدالملک یزدی اس خاندان کو تباہ کرنے کا منصوبہ سوچ رہا تھا۔ مجدالملک اس سے پہلے اتابک حاکم یزد کا وزیر تھا۔ اس نے اصفہان کے حکمران بہاءالدین سے، جو شمس الدین کا بیٹا تھا، رابطہ قائم کیا۔ پھر اس کے توسط سے شمس الدین سے مراسم پیدا کیے۔ اس نے مجدالملک کو دربار شاہی میں ایک اہم منصب پر فائز کر دیا۔ وہ احسان ناشناس شکر گزاری کے بجائے خاندان جوینی کا قلع قمع کرنے کے درپے ہو گیا کیوں کہ وہ صاحب دیوان کی جگہ خود لینا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے فاسد مقصد کو پورا کرنے کے لیے اس خاندان کے خلاف سازش کا جال بچھا دیا۔ شمس الدین نے مجدالملک کے شر سے بچنے کے لیے اسے سیواس کا حاکم بنا دیا لیکن مجدالملک نے محسن کشی کے ارادے کو ترک نہ کیا اور ہمیشہ موقع کے انتظار میں رہا۔

۶۷۸ھ مطابق ۱۲۷۹ع میں اباقا خاں نے دارالسلطنت تبریز سے نکل کر خراسان کا رخ کیا۔ قزوین پہنچا تو مجدالملک ارغون کے پاس آیا، جو اپنے باپ اباقا خاں کے ہم رکاب تھا۔ اس نے ارغون سے کہا کہ وزیر سلطنت شمس الدین نے، جس پر بادشاہ کو اتنا اعتماد ہے، حقیقت میں سلاطین مصر و شام سے ساز باز کر رکھی ہے۔ خود اتنی ملکیت پیدا کر لی ہے کہ وہ شاہی ملکیت سے کسی طرح کم نہیں۔ اس کے بھائی عطا ملک جوینی کا یہ حوصلہ ہے کہ بغداد میں بادشاہوں کی طرح تاج مرصع زیب سر کرتا ہے۔ ان کے مال و دولت کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ صاحب دیوان کو معلوم ہے کہ میں ان کے رازوں سے آگاہ ہوں اس لیے

۱۔ حمداللہ مستوفی: تاریخ گزیدہ، صفحہ ۵۸۴۔

مجھے دربار شاہی سے دور رکھنے کے لیے سیواس کا حاکم بنا کر بھیج دیا گیا ہے تاکہ جوینی خاندان کی بدعنوانیوں کو میں منظرعام پر نہ لا سکوں ۔ امیر ارغون نے یہ باتیں سن کر اباقا خاں کے گوش گزار کر دیں ۔

۶۷۸ھ مطابق ۱۲۷۹ع میں جب اباقا خاں محل سلطانیہ میں مقیم تھا ، مجدالملک امرا کی وساطت سے بادشاہ کے حضور پیش ہوا اور وہاں بھی شمس الدین کی شکایت کی ۔ اولجای خاتون مادر ملکہ کی حمایت کی وجہ سے شمس الدین کے خلاف کوئی قدم تو نہ اٹھایا جا سکا ، لیکن مجدالملک کو اتنی کامیابی حاصل ہو گئی کہ اسے سیواس سے بلوا کر مشرف کا منصب دے دیا گیا ۔ اس طرح وہ صاحب دیوان کا حریف بن کر دربار میں آ گیا ۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ مجدالملک نے سازش کا دام بچھایا اور شکار کرنے کے لیے سب سے پہلے عطا ملک جوینی کو ہدف بنایا ۔ عطا ملک کے خلاف غبن کے فرضی قصے بنا کر اباقا خاں کے کان بھرے ۔ آخر اسے یقین دلا دیا کہ عطا ملک نے گراں قدر رقوم شاہی خزانے سے حاصل کی ہیں ۔ چنانچہ اسے اباقا خاں کے حکم سے گرفتار کر کے بغداد کی گلیوں سے پا بجولاں لے جایا گیا ۔ یہ وہی شہر ہے جہاں وہ تاج مرصع پہن کر چوبیس سال تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کرتا رہا تھا ۔

اباقا خاں کے حکم سے عطا ملک کی ملکیت ضبط کر لی گئی ۔ لیکن اس سے جو رقم حاصل ہوئی وہ اس رقم کا دسواں حصہ بھی نہ تھی جس کے غبن کرنے کا الزام عطاملک پر لگایا گیا تھا ۔ اس لیے مجدالملک کی سرکردگی میں ایک جماعت بغداد بھیجی گئی کہ خاندان جوینی کے پوشیدہ خزانوں کا پتہ چلائیں ۔ یہ لوگ کافی عرصہ بغداد میں رہے اور خاندان جوینی کے افراد کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتے رہے ۔ عطا ملک کے بنائے ہوئے مدارس اور کاروانسراؤں سے جو کچھ حاصل ہوا اسے اباقا خاں کے پاس بھیج دیا گیا ۔

عطا ملک زندان ہی میں تھا کہ ۶۸۰ھ مطابق ۱۲۸۱ع میں اباقاخاں کا انتقال ہوگیا اور اس کا بھائی تکودار تخت نشین ہوا ۔ اس نے حکومت سنبھالتے ہی عطا ملک کو رہا کر دیا ۔

احمد تکودار

(۶۸۰ تا ۶۸۳ھ مطابق ۱۲۸۱ تا ۱۲۸۴ع)

تکودار شروع میں عیسائیت کی طرف مائل تھا لیکن جوں جوں مسلمانوں سے اس کا ربط بڑھا ، وہ اسلام کی طرف راغب ہو گیا - بالآخر وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا اور احمد کے اسلامی نام سے موسوم ہوا - احمد نے وزارت کا منصب شمس الدین صاحب دیوان ہی کو سونپا اور عطا ملک کو پھر بغداد کی حکومت سپرد کر دی لیکن وہ اپنی بے حرمتی کے بعد زیادہ عرصہ نہ جی سکا - ادھر مجدالملک یزدی بدستور سازشوں میں مصروف تھا - اس نے اباقا خاں کے بیٹے ارغون کو آلۂ کار بنانے کے لیے اس سے رابطہ پیدا کیا -

ارغون کی بغاوت

منگول ، احمد سے سخت خفا تھے کیوں کہ اس نے اپنے قدیمی مسلک سے روگردانی کر کے اسلام قبول کر لیا تھا اور اب وہ اشاعت اسلام میں مصروف تھا - ادھر ارغون سلطنت کا دعوے دار تھا - اس نے بعض منگول امرا کو اپنا ہمنوا بنا کر احمد کے خلاف شورش کی لیکن صاحب دیوان کی دانش مندی کی وجہ سے ارغون پر قابو پا لیا گیا - احمد نے اس کی جاں بخشی کر کے اسے زندان میں ڈالنے پر اکتفا کیا -

احمد کا قتل

ارغون کے مخالف دب تو گئے تھے لیکن وہ موقع کے منتظر تھے - بوقا نے جو عراق عرب کا حاکم تھا ، پاسبانوں سے مل کر ارغون کو زندان سے نکال لیا اور احمد کے خلاف فوجی جمعیت فراہم کی - آخر احمد کو انھوں نے اسیر کر لیا اور ارغون کے حکم سے اسے ۶۸۳ھ مطابق ۱۲۸۴ع میں قتل کر دیا گیا -

ارغون

(۶۸۳ تا ۶۹۰ھ مطابق ۱۲۸۴ تا ۱۲۹۱ع)

ارغون امرا کی مدد سے تخت نشین ہوا تو اس نے بھی صاحب دیوان کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے اسے وزارت کا منصب سونپا ،

لیکن بوقا اور دوسرے امرا کا خیال تھا کہ جب تک صاحب دیوان کو راستے سے نہیں ہٹایا جاتا انہیں اقتدار حاصل نہیں ہو سکتا۔ آخر وہ ارغون کو اپنے ڈھب پر لانے میں کامیاب ہو گئے اور شمس الدین صاحب دیوان کو قتل کرا دیا گیا۔ اسی پر اکتفا نہیں۔ بلکہ اس کی املاک بھی ضبط کرلی گئیں اور اس کی قائم کی ہوئی تمام یادگاروں کو منہدم کرادیاگیا۔ نیز اس کی اولاد کو بھی قتل کرا دیاگیا۔ اس طرح ایران کے اس نجیب گھرانے کا چراغ گل ہو گیا۔ اس خاندان کی تباہی ہمیں خاندان برمک کے المناک انجام کی یاد دلاتی ہے۔

شمس الدین صاحب دیوان کی سیرت

خواجہ شمس الدین کا شمار ایران کے بزرگ ترین وزرا میں ہوتا ہے۔ یہ علم دوست، شعرا پرور اور ماہر سیاست‌دان اور پر جلال شخص تھا۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنے قصائد میں شمس الدین اور عطا ملک کی علم پروری کا ذکر کیا ہے۔ اسی زمانے کے ایک شاعر نے شمس الدین کے قتل پر مندرجہ ذیل دردناک رباعی کہی[1] :

از رفتن شمس از شفق خون بچکید ۔۔ مہ روی بکند و زہرہ گیسو ببرید
شب جامہ سیاہ کرد در آن ماتم و صبح ۔۔ برزد نفسی سرد و گریبان بدرید

اس المیے کی خبر اطراف ملک میں پھیلی تو خواص و عام نے آنسو بہائے۔ شمس الدین شیراز[2] میں اگرچہ کبھی نہ آیا تھا لیکن اس کی خیرات شیراز کے غربا کو پہنچتی تھی۔

گائخاتو

(۶۹۰ تا ۶۹۴ھ مطابق ۱۲۹۱ تا ۱۲۹۵ء)

ارغون کی وفات کے بعد منگول امرا نے اباقا خاں کے بیٹے گائخاتو کو جو ایشیائے کوچک کا حکمران تھا تخت نشین کیا۔ اس نے صدرالدین احمد خالدی زنجانی صدر جہاں کو وزارت سونپی اور اس کے بھائی قطب الدین احمد کو قاضی القضاۃ کا منصب سپرد کیا۔

---

۱ - تاریخ وصاف، صفحہ ۱۴۲ -

۲ - عباس اقبال : از آغاز مغول تا انقلاب مشروطیت، صفحہ ۲۶ -

گائخاتو خوں ریزی سے نفرت کرتا تھا اور عیش و عشرت کا دل دادہ تھا ۔ فضول خرچ انتہا درجے کا تھا ۔ صدر جہاں نے اسے فضول خرچی سے باز رکھنے کے بجائے خود بھی عطا و بخشش کا ہاتھ کھولا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خزانہ خالی ہو گیا ۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے گائخاتو نے چینیوں کے نقش قدم پر چل کر کاغذ کے نوٹ جاری کیے اور سونے چاندی کے بجائے کاغذ کا سکہ رواں ہوا ۔ گائخاتو نے عیش و عشرت کی انتہا کر دی ۔ اس کی اخلاق سوز عشرتوں کی وجہ سے اکثر امرا اس سے ناراض ہو گئے ۔ ایک دن عالم سرمستی میں اس نے اپنے ایک خادم کو حکم دیا کہ تراغائی بن ہلاکو کے بیٹے بائیدو آغول کے مکے لگائے ۔ چنانچہ اس کے ساتھ توہین آمیز سلوک ہوا ۔ صبح کو اگرچہ اپنے کیے پر شرم سار ہوا ، لیکن رنج و کینہ جو بائیدو کے دل میں تھا وہ دور نہ ہو سکا ۔ امرا نے اس کا ساتھ دیا اور ہمہ گیر تحریک اس کے خلاف شروع ہوئی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ گائخاتو کو اسیر کرکے ۶۹۴ھ مطابق ۱۲۹۴ع میں ہلاک کر دیا گیا ۔

بائیدو آغول

(۶۹۴ھ مطابق ۱۲۹۵ع)

گائخاتو کے قتل کے بعد امرائے مغول نے بائیدو کو تخت نشین کیا ، لیکن وہ آٹھ ماہ ہی حکومت کر پایا تھا کہ ارغون خاں کے بیٹے غازان نے مخالفت کا علم بلند کیا ۔ آخر جنگ تک نوبت پہنچی جس میں غازان خاں غالب آیا اور بائیدو کو ہلاک کر دیا گیا ۔

غازان خاں

(۶۹۴ تا ۷۰۳ھ مطابق ۱۲۹۵ تا ۱۳۰۴ع)

غازان خاں ایلخانی عہد کے نام ور بادشاہوں میں سے تھا ۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور قراقرم کی منگول حکومت کے تسلط سے بالکل آزاد ہو گیا ۔ لباس بدلا ، دستار زیب سر کی اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کے طور طریقے اختیار کیے ۔ مملکت میں اس مضمون کے فرمان بھیجے گئے کہ تمام امور مملکت شریعت اسلامی کی رو سے طے پائیں گے اور زیر دستوں پر کوئی ظلم کا ہاتھ نہیں بڑھائے گا ۔

غازان کے زمانے میں متعدد کلیسا اور آتش کدے بے رونق ہوئے۔ عیسائیوں کے لیے یہ ضروری ہوا کہ زنار پہن کر باہر نکلیں اور یہودی اپنے لباس پر ایک خاص قسم کا پیوند لگائیں جن سے ان کی شناخت ہو سکے۔ اس سے عیسائی اور یہودی جو بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے سخت برافروختہ ہوئے۔ آخر مصلحتاً انھوں نے زبان سے تو مسلمان ہونے کا اقرار کر لیا لیکن حقیقت میں وہ اپنے ہی مذہب پر قائم تھے۔

غازان تبریز میں مختصر سا قیام کرنے کے بعد قراباغ (اران) آیا؛ یہاں جشن قوریلتائی مرتب ہوا۔ شاہزادگان اور خواتین نے حلف وفاداری اٹھایا۔ "ایک[1] منگول امیر نوروز کے مشورے سے طے ہوا کہ آلتمغوں سکہ کی شکل مربع کے بجائے گول کر دی جائے۔ سکوں پر کلمۂ شہادت کندہ کرایا جائے اور خلفائے راشدین کے اسما بھی درج کیے جائیں۔ چنانچہ جو نئے سکے غازان کے عہد میں ڈھلے ان میں یہ اہتمام کیا گیا تھا۔"

داخلی شورش

اسلام کی طرف لوگوں کو مائل کرنے کی جو غازان نے کوششیں کیں، منگول امرا کو سخت ناگوار گزریں۔ انھوں نے غازان خاں اور امیر نوروز دونوں کو قتل کرنے کی سازش کی۔ امیر نوروز کو وقت پر اس سازش کا علم ہو گیا اور غازان کو صورت حال سے آگاہ کر دیا گیا۔ غازان نے سازشیوں کا پتا چلا کر انھیں کیفر کردار کو پہنچایا۔

غازان کی وزارت

اس کے عہد کا ایک اور مشہور واقعہ یہ ہے کہ مملکت کی وزارت ایک ایسے شخص کو سونپی گئی جو ماہر تاریخ دان اور عظیم مدبر تھا۔ اس کا نام رشید الدین فضل اللہ تھا۔ مشہور و معروف "جامع التواریخ" اس کی یادگار ہے جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

شام پر لشکر کشی

غازان خاں کے عہد کی قابل ذکر مہم وہ ہے جو مصر کے مملوک

۱۔ عباس اقبال: تاریخ مفصل ایران، صفحہ ۲۶۰۔

حکمران ملک ناصر کے خلاف شروع ہوئی ۔ ملک ناصر نے دیاربکر پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ غازان خاں حملہ آور کی سر کوبی کے لیے شام روانہ ہوا ۔ ۶۹۶ھ مطابق ۱۲۹۶ع میں حمص کے مقام پر شدید جنگ ہوئی جس میں ملک ناصر نے شکست کھائی ۔

اسلام قبول کرنے کی وجہ سے غازان خاں میں جو خوش‌گوار تبدیلی آئی تھی وہ اس سلوک سے ظاہر ہے جو اس نے اہل دمشق سے کیا ۔ اہل شہر نے جب اطاعت اختیار کر لی تو غازان نے اعلان کرایا جس میں آیات قرآنی کے بھی حوالے تھے ۔ اس اعلان میں کہا گیا کہ میں تم کو ایک قابل ملامت حکومت سے نجات دلانے آیا ہوں ۔ تم میں سے کسی کو ضرر نہیں پہنچ سکے گا ۔ اس فتح کے بعد غازان نے وہاں اپنے فوجی دستے مقرر کر دیے اور خود ایران واپس چلا گیا ۔ لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ مملوک حکمران ملک ناصر نے ایک تازہ دم لشکر فراہم کر کے وہاں کے منگول حکمران کے خلاف چڑھائی کی اور شام ایک بار پھر مملوکوں کے قبضے میں آ گیا ۔

جنوبی ایران پر حملہ

شام کی شکست کے بعد حکومت غازان کو ایک اور پریشانی کا سامنا ہوا ۔ ماوراءالنہر کے چغتائی حکمران شاہزادہ قتلغ شاہ نے دس ہزار فوجیوں کی جمعیت جنوبی ایران پر حملہ کرنے کے لیے بھیجی ۔ انھوں نے کرمان کے صوبے کو تباہ و برباد کیا ، پھر شیراز کا رخ کیا ۔ شیراز کی حفاظت کے لیے فوج موجود نہ تھی ، لیکن اہل شہر اسلحہ سنبھال کر قلعہ بند ہو گئے ۔ چغتائی فوج کو شیراز پر حملہ کرنے کا حوصلہ نہ ہوا ۔ انھوں نے شیراز کے بجائے کازرون کا رخ کیا، اسے غارت کیا۔ پھر خوزستان میں داخل ہوئے۔ یہاں بھی انھوں نے تباہی مچائی ۔ لوٹ مار کر کے واپسی کی تیاری کی ہی تھی کہ غازان کی فوج آ گئی اور مختصر سی جنگ میں چغتائی فوج پسپا ہو گئی ۔ پسپائی میں انھیں سخت جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا ۔

شام میں منگولوں کی شکست

غازان کو اس بات کا بہت رنج تھا کہ شام میں منگولوں کی فتح

شکست میں تبدیل ہوئی - اب ۷۰۲ھ مطابق ۱۳۰۲ع میں اس نے پھر شام پر حملہ کیا ، لیکن لشکر کشی کے لیے موسم ناموافق تھا جس کی وجہ سے غازان کو نقصان اٹھا کر واپس ہونا پڑا - ایک سال بعد اس نے پھر شام پر حملہ کرنے کے لیے دریائے فرات کو عبور کیا لیکن اب کی بار بھی اسے شکست ہوئی جس کا اسے سخت رنج ہوا - آخر اسی رنج میں وہ ۷۰۳ھ مطابق ۱۳۰۳ع میں دار فانی کو خیرباد کہہ گیا -

غازان خاں کے عہد کی اصلاحات

غازان خان کے عہد میں ایرانی دانش وروں کی مدد سے چند اہم اصلاحات ہوئیں جن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے -

غازان خان نے اپنے پایۂ تخت تبریز میں مساجد اور سرائیں تعمیر کرائیں اور مدارس قائم کیے ، جن میں اسلامی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی - غازان سے پہلے مالیہ وصول کرنے کا انتظام اس قدر ناقص تھا کہ مالیے کی بہت کم رقم مرکزی حکومت کو پہنچتی تھی - لشکر کو خاطر خواہ تنخواہ نہ مل سکتی تھی - مالیہ وصول کرنے والے جائز اور ناجائز طریقے سے دولت سمیٹتے تھے - اس لیے جب کوئی سرکاری کارندہ آتا تو لوگ اسے اپنے لیے ناگہانی مصیبت سمجھ کر تہ خانوں میں چھپ جاتے - اس بد امنی اور بد نظمی کو دور کرنے کے لیے وزیر مملکت رشیدالدین فضل اللہ نے زمینوں کی پیمائش نئے سرے سے کرائی اور پیداوار کے مطابق لگان مقرر کیا جو دو آسان قسطوں میں قانونی طور پر وصول کیا جاتا تھا - ہر کاشت کار کو اپنے لگان کا علم ہوتا تھا - ناجائز محصولات ممنوع قرار دے دیے گئے - جو سرکاری کارندہ ناجائز محصول وصول کرتا اس کے لیے موت کی سزا تھی - محصولات وصول کرنے والوں کی زیادتی سے بچنے کے لیے حکم دیا گیا کہ لگان کی تفصیل کی نقل ہر گاؤں میں چسپاں کی جائے - دیہات پر کسی قسم کا دباؤ ڈالنے کی سختی سے ممانعت کر دی گئی - زراعت کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے ہر طرح کی آسائش مہیا کی گئی -

محکمہ ڈاک کی اصلاح

ڈاک لانے اور لے جانے کے لیے سرکاری گھوڑوں کی پرورش ہوتی

تھی لیکن ان گھوڑوں کا ناجائز استعمال بھی ہونے لگا تھا - سرکاری حکام جب شکار کھیلنے آتے تو انھی گھوڑوں پر سواری کرتے جس سے ڈاک کی بہم رسانی کا کام معطل ہو جاتا - اس بے قاعدگی کو دور کرنے کے لیے یہ حکم دیا گیا کہ ڈاک کے گھوڑے کسی اور غرض کے لیے استعمال نہیں کیے جا سکتے -

راہ داری

رہزن عموماً کاروانوں کو لوٹ لیتے اور مسافروں کی پریشانی کا سبب بنتے تھے - صحرا نشین بھی رہزنوں کے ساتھ شریک ہو جاتے جس سے ملک میں بد امنی پھیل رہی تھی - کاروانوں کو رہزنوں سے بچانے کے لیے امین راہ دار مقرر کیے گئے، جو ہر طرح کی حفاظت کے ذمے دار ٹھہرائے گئے - ان کی مدد کے لیے فوج کے حفاظتی دستے بھی متعین ہوئے - اگر کسی راستے میں رہزنی کی واردات ہوتی اور چوروں کا پتا نہ چلتا تو لوٹے ہوئے مال کا بدل دینے کی ذمے داری راہ دار پر ہوتی- راستوں پر پتھر کے ستون نصب کر دیے گئے- ان ستونوں پر راہ داروں کے نام اور محصول وغیرہ کی رقم درج ہوتی تھی تاکہ راہ داروں کو اپنی ذمے داری کا احساس ہو اور وہ اپنے اختیارات سے تجاوز نہ کرنے پائیں- اہل دیہات کے لیے بھی ضروری قرار دیا گیا کہ رہزنوں کا تعاقب کریں -

وزن اور پیمانے

ملک میں ناپ تول کا یکساں معیار قائم کرنے کے لیے لوہے کے باٹ اور پیمانے مقرر کیے گئے - ان باٹوں اور پیمانوں پر دربار کی مہر لگی ہوتی تھی - جن جن دکان داروں کو دربار کی طرف سے باٹ اور پیمانے مہیا کیے جاتے، ان کے نام دربار میں درج ہوتے تھے تاکہ کوئی دکان دار جعلی باٹ نہ بنا سکے - دکان داری کے لیے بھی خاص قوانین وضع کیے گئے تاکہ بد دیانتی کا امکان نہ رہے -

سونے اور چاندی کا معیار

سونے اور چاندی میں لوگ کھوٹ بھی ڈالتے تھے جس کی وجہ سے ان کی قیمتوں میں استواری نہیں رہتی تھی- اس برائی کو دور کرنے کے لیے سونے اور چاندی کے ٹکڑوں پر کلمۂ توحید نقش کر دیا جاتا تھا، جس

سے پتا چلتا کہ یہ خالص سکے کے ہیں ۔ اس سے ایران کے طول و عرض میں سونے چاندی کا معیار قائم ہو گیا ۔

تہذیبی سرگرمیاں

غازان کا دارالحکومت تبریز تھا ۔ اسے آراستہ کرنے اور اس کی رونق بڑھانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی گئی ۔ یہاں نہایت خوب صورت عمارتیں تعمیر کرائی گئیں ۔ ایک عظیم الشان مسجد ، دو اعلیٰ تعلیم کے مدرسے ، ایک شفاخانہ ، ایک لائبریری اور ایک رصد خانہ تعمیر ہوا جہاں اعلیٰ قابلیت کے دانش ور بڑی بڑی تنخواہوں پر ملازم رکھے گئے ۔ ان اداروں کے ساتھ زمین اور جائدادیں وقف کی گئیں جن کی آمدنی سے اداروں کے اخراجات پورے ہوتے تھے ۔ طلبہ کی سہولت کا ہر طرح سے خیال رکھا جاتا تھا ۔

غازان خاں کا مقبرہ ، مساجد اور دیگر عمارات

ایلخانی منگولوں کی یہ قدیمی رسم تھی کہ اس خاندان کا جب کوئی فرد مرتا تو اسے آبادی سے دور کسی مخفی مقام پر زیر خاک دبا دیا جاتا ۔ غازان نے اس رسم کے خلاف اپنی زندگی ہی میں اپنی آخری آرام گاہ کے لیے مقبرہ بنوایا ۔ اس کے ساتھ زمینیں بھی وقف کر دیں تا کہ ان کی آمدنی زاہدوں اور درویشوں کی کفیل ہو سکے ۔ مقبرہ تبریز کے قریب ہی واقع تھا ۔ غازان اس میں دفن ہوا تو یہ مقبرہ ''شام غازان'' کے نام سے موسوم ہوا ۔ اس زمانے میں یہ مقبرہ ایک عظیم عمارت سمجھی جاتی تھی ۔ اسے غازان نے نقش و نگار سے مزین کرایا تھا ۔ عباس اقبال لکھتے ہیں[1] : ''اس کے چھت کے نقش و نگار کے لیے تین سو من لاجوردی رنگ استعمال ہوا تھا ۔ اس میں سونے چاندی کی ۸۰ قندیلیں آویزاں کی گئی تھیں جن میں سے ہر ایک پندرہ من وزنی تھی ۔ اس مقبرے کو اس نے اپنی زندگی میں رشیدالدین فضل اللہ اور سعدالدین ساوجی کی تولیت میں دے دیا تھا ۔ غازان نے مقبرے کے اطراف میں ذیل کی عمارتیں بھی اضافہ کیں ——''مسجد جامع ، مدرسہ شافعیہ ، مدرسہ حنفیہ،

---

۱ - تاریخ مفصل ایران ، از استیلائے مغول تا انقلاب مشروطیت صفحہ ۳۰۵ -

خانقاہ ، جو درویشوں کے لیے تھی ، دارالسیادت ، رصد خانہ ، دارالشفا ، بیت الکتب ، بیت القانون ، بیت المتولی اور حکما کی اقامت کے لیے حکمیہ ، بستان ، قصر عادلیہ ، حوض خانہ و حمام وغیرہ ۔ حکم یہ تھا کہ خانقاہ میں صبح و شام فقرا و مساکین کو خوراک مہیا کی جائے اور مہینے میں دو بار صوفیائے کرام کا اجتماع ہو اور سماع کی مجالس قائم ہوں ۔''

املاک جو غازان خاں نے ان عمارتوں کے لیے وقف کیں ، ان سے سالانہ دو کروڑ تومان کی آمدنی ہوتی تھی ۔ املاک کی آمدنی وصول کرنے اور صرف کرنے کے لیے ایک دیوان خاص مقرر تھا جس کا اہتمام دو مقتدر امیروں ، قور تیمور اور ترنغامی کے سپرد تھا[1] ۔

ان عمارتوں کے علاوہ غازان خاں نے اوجان شہر ۶۹۸ھ مطابق ۱۲۹۸ع میں ازسرنو تعمیر کرایا اور اسے کھلے بازاروں اور حماموں سے آراستہ کیا ۔ ہمدان میں اس نے ایک خانقاہ تعمیر کرائی ۔ تبریز اور شیراز کے گرداگرد فصیل بنوائی اور ۷۰۲ھ مطابق ۱۳۰۲ع میں تبریز کا قلعہ تعمیر کرایا ۔

الجائتو خدا بندہ

(۷۰۴ تا ۷۱۶ھ ۱۳۰۴ تا ۱۳۱۶ع)

غازان خاں نے اپنے بھائی محمد خدا بندہ الجائتو کو اپنا ولی عہد نامزد کیا تھا ۔ لیکن غازان خاں فوت ہوا تو اس وقت وہ خراسان میں تھا ، جہاں کی حکومت اس کے سپرد تھی ۔ غازان کی وفات کی خبر سنی گئی تو گائخاتو خاں کا بیٹا تخت و تاج کا دعوے دار بنا ۔ لیکن آخر خدا بندہ نے بعض امراء کے ذریعے اس دعوے دار حکومت کو ٹھکانے لگا دیا ۔ موقع ملتے ہی خدا بندہ تبریز آیا اور اس کی رسم تاج پوشی ادا کی گئی ۔

خدا بندہ نے اپنے بھائی کی طرح آئین اسلام کی پیروی کی ۔ وزارت کی باگ ڈور اس کے زمانے میں بھی رشیدالدین فضل اللہ کے ہاتھوں میں رہی جس کی وجہ سے ملک میں امن و امان قائم رہا ۔

---

۱ ۔ وقف نامے کے لیے دیکھیے حبیب السیر، جلد سوم، صفحہ ۱۰۸ ۔

رشیدالدین کی مخالفت

خواجہ سعدالدین ساوجی نے جو رشیدالدین فضل اللہ کا نائب وزیر تھا ، ذاتی مخالفت کی بنا پر رشیدالدین کے خلاف سازش کی اور اس کے آلۂ کار تاج الدین اوجی نے وزیر اعلیٰ پر غبن اور رشوت وغیرہ کی تہمتیں لگائیں۔ تحقیق ہونے پر یہ تہمتیں غلط ثابت ہوئیں جس کی پاداش میں اسے قتل کر دیا گیا اور خواجہ سعدالدین کو نائب وزیر کے منصب سے معزول کیا گیا ۔ اس کی جگہ ایک شخص خواجہ علی شاہ کو رشیدالدین کا نائب وزیر مقرر کیا گیا ۔

خدا بندہ کے عہد کے اہم واقعات

محمد خدا بندہ کی سلطنت کا ایک اہم واقعہ علاقہ گیلان کی فتح ہے ، جسے مسخر کرنے میں اولین منگول بھی ناکام رہے تھے ۔ اہل گیلان نے خدا بندہ کی افواج سے مردانہ وار مقابلہ کیا ۔ لیکن ایک طویل جنگ کے بعد آخر اطاعت پر مجبور ہو گئے ۔

اسی زمانے میں منگولوں کا ایک گروہ دریائے جیحوں کو عبور کرکے خراسان پر چڑھ دوڑا اور لوٹ مار شروع کر دی ۔ خدا بندہ نے ان کی سر کوبی کے لیے فوجی دستے بھیجے ، جنھوں نے منگولوں کو خراسان سے نکال باہر کیا ۔

قراقرم کے سفیر تبریز میں

قبلا خان کے جانشین تیمورقاآن (۶۹۴ تا ۷۰۶ھ مطابق ۱۲۹۴ع تا ۱۳۰۶ع) نے قراقرم سے اپنے خاص سفیر خدا بندہ کے پاس بھیجے جن کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا ۔ سفیروں کی آمد سے چین کے بادشاہ اور ایلخانی حکمران ، خداہ بندہ کے مابین دوستانہ مراسم استوار ہو گئے جو اس سے پہلے اور ہلاکو خاں کے عہد کے بعد تقریباً ختم ہو گئے تھے ۔ ۷۱۲ھ مطابق ۱۳۱۲ع میں مصر کا مملوک حکمران ملک ناصر کے خوف کی وجہ سے خدا بندہ کے دربار میں پناہ گزیں تھا ، جس کا حق دلانے کے لیے خدا بندہ نے پوری پوری تیاری سے ایشیائے کوچک پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور وہاں کے شہر سنجر کو فتح بھی کیا لیکن اس کے بعد دریائے فرات

کو عبور کر کے شہر سلطانیہ واپس آ گیا ، جسے خود اس نے تعمیر کرایا تھا ۔ یہاں ۷۱۶ھ مطابق ۱۳۱۶ع میں اس نے وفات پائی ۔

خدا بندہ کی عمارات

غازان خاں نے اپنی زندگی میں یہ منصوبہ بنایا تھا کہ ابہر اور زنجان کے مابین ایک شہر بسائے تا کہ عراق سے آذربائیجان آنے والوں کے لیے سہولت ہو جائے ۔ چناں چہ اس نے شہر کی تعمیر کا کام شروع بھی کروایا تھا لیکن زندگی نے وفا نہ کی ۔ آخر اولجائتو خدا بندہ نے یہاں شہر سلطانیہ کی تعمیر شروع کرائی جو دس سال کے عرصے میں مکمل ہوئی ۔ یہ شہر ابہر سے پانچ فرسنگ اور زنجان سے نو فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے ۔ اس کا نام ''بنائے سلطانیہ'' رکھا گیا ۔

تہذیبی سرگرمیاں

بنائے سلطانیہ[1] کی تعمیر مکمل ہو چکی تو خدا بندہ نے غازان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی آخری آرام گاہ کے لیے چینی اور سنگ مرمر کا ایک مقبرہ تعمیر کرایا ۔ اس کے ساتھ مسجد ، دارالشفا ، خانقاہ ، دارالسیادۃ اور مدارس تعمیر کرائے ۔ ان کے اخراجات پورے کرنے کے لیے املاک وقف کیں ، جن کی آمدنی دو کروڑ پاؤنڈ سالانہ تھی ۔ مدارس کی تعلیم کا اہتمام اور مقبرے کی تولیت رشید الدین فضل اللہ کے سپرد کی ۔ مدارس میں دس استاد ، ایک سو طالب علم ، بیس صوفیائے کرام ، بارہ حفاظ ، آٹھ مؤذن اور چار معلم مقرر کیے ۔ ہر معلم کو ایک ہزار پانچ سو دینار بطور تنخواہ ملتے تھے ۔ ہر عابد کو سات سو پچاس دینار اور ہر طالب علم کو ایک سو بیس دینار ماہانہ ملتے تھے ۔ مہمان نوازی کے لیے تین سو دینار روزانہ مقرر کیے ۔ فراشوں ، مجاوروں ، خادموں اور یتامیٰ کی تعلیم و تربیت پر سو ہزار دینار سے زیادہ رقم خرچ ہوتی تھی ۔

خدا بندہ نے شہر سلطانیہ بسا کر اہل حرفہ کو وہاں بلوا لیا اور ملکی دستکاریوں کو رواج دینے میں حوصلہ افزائی کی ۔ شہر سلطانیہ کو اس نے اپنا دارالحکومت بنایا ۔

---

۱ ۔ نفائس الفنون ، صفحہ ۲۹۵ تا ۲۹۶ ۔

سلطان ابوسعید

(۷۱۶ تا ۷۳۶ھ مطابق ۱۳۱۶ تا ۱۳۳۵ع)

اولجائتو خدا بندہ ۷۱۶ھ مطابق ۱۳۱۶ع میں اچانک فوت ہوگیا، تو اس کا بیٹا ابوسعید اس وقت خراسان میں تھا - باپ کی وفات کی خبر ملی تو اپنے نائب اتابک امیر سونج کے ہمراہ دارالسلطنت سلطانیہ پہنچ گیا - ابو سعید کی عمر بارہ سال تھی کہ سلطانیہ میں اس کی رسم تاجپوشی ادا ہوئی - اسی تقریب میں امیر چوپان کو امیر الامرا بنایا گیا - وزارت اور نائب وزارت کا منصب بدستور رشیدالدین فضل اللہ اور علی شاہ کے پاس رہا - علی شاہ اگرچہ نائب وزیر تھا لیکن رشیدالدین نے کبرسنی کی وجہ سے وزارت کے بعض اہم امور اسی کے سپرد کر دیے تھے جو خود وزارت کے خواب دیکھ رہا تھا - رشیدالدین کی اب صرف یہ خواہش تھی کہ وہ محض وزارت سے منسلک رہے اور دشمنوں کے شر سے محفوظ رہ کر بقیہ عمر امن سے گزارے -

رشیدالدین کی وزارت سے علیحدگی

امیر چوپان نے رفتہ رفتہ امور مملکت اپنے ہاتھ میں لے لیے اور ابوسعید محض نام کا بادشاہ رہ گیا - رشیدالدین اور امیر چوپان کے مراسم دوستانہ تھے جو علی شاہ کو ناگوار تھے - وہ اب اس کوشش میں تھا کہ رشیدالدین کو امرا کی نظروں سے گرا دے اور وزارت کے منصب پر خود متمکن ہو جائے - اس نے امرا کو ترغیب و تحریص دلا کر انہیں رشیدالدین سے برگشتہ کر دیا - علی شاہ کی پر فریب تدبیروں کا یہ نتیجہ ہوا کہ آخر رشیدالدین کو وزارت سے الگ کر دیا گیا اور وہ سلطانیہ کو خیر باد کہہ کر تبریز آ گیا -

رشید الدین کا قتل

وزارت سے علیحدگی امیر چوپان کی عدم موجودگی میں ہوئی تھی - وہ اس وقت آذربائیجان میں تھا - اس نے محسوس کیا کہ امور سلطنت رشیدالدین کے تدبر کے بغیر خاطرخواہ طور پر انجام نہیں پا سکتے - ملکی مفاد اسی میں ہے کہ رشیدالدین پھر وزارت کا منصب سنبھالے - چناں چہ امیر چوپان نے اسے بلوا کر وزارت قبول کرنے پر آمادہ کیا -

چناں چہ امیر چوپان کی حمایت سے وزارت کے منصب پر اسے پھر فائز کر دیا گیا ۔ یہ صورت حال علی شاہ اور رشیدالدین کے دوسرے دشمنوں کو سخت گراں گزری اور اسے تباہ و برباد کرنے کے لیے طرح طرح کی سازشیں کرنے لگے ۔

اب کی دفعہ علی شاہ نے ایک انتہائی قدم اٹھایا اور ابوسعید کو یہ یقین دلانا چاہا کہ الجائتو خدا بندہ طبعی موت نہیں مرا تھا ، بلکہ اسے رشیدالدین نے اپنے بیٹے عزالدین ابراہیم کے ہاتھوں سے زہر دلوا کر ہلاک کرایا تھا ۔

اس کی بعض امرا نے تصدیق کر دی ۔ اس پر ابوسعید غیظ و غضب میں بھڑک اٹھا اور رشیدالدین اور اس کے بیٹے عزالدین ابراہیم کو قتل کرنے کا حکم دیا ۔

۷۱۸ھ مطابق ۱۳۱۸ع میں پہلے بوڑھے باپ کے سامنے اس کے جوان بیٹے کو قتل کیا گیا ، پھر رشیدالدین کو ۔ اس طرح ایک بزرگ دانشور ، طبیب ، مورخ ، انشاپرداز اور صاحب تدبر دشمنوں کی سازشوں کا شکار ہو گیا ۔

رشیدالدین کی یادگاروں کی تباہی

رشیدالدین کے قتل پر اکتفا نہ کیا گیا بلکہ اس کی تمام جائداد ضبط کر لی گئی ۔ اس نے تبریز میں ''ربع رشیدی'' کے نام سے جو عمارت بنوائی تھی اسے برباد کر دیا گیا ۔ اس کی وہ املاک بھی ضبط کر لی گئیں جو اس نے وقف کر دی تھیں ۔ صرف اس کے جسد خاکی تک کوئی ہاتھ نہیں پہنچا تھا لیکن چرخ گردوں کو کچھ اور ہی منظور تھا ۔ چند ہی سال بعد جب امیر تیمور کے بیٹے میران شاہ کی حکومت قائم ہوئی جو مرض دیوانگی میں مبتلا تھا تو اس نے حکم دیا کہ رشیدالدین کی ہڈیاں ربع رشیدی کی مسجد سے ، جہاں وہ دفن تھا ، نکلوا کر یہودیوں کے قبرستان میں دفن کی جائیں کیوں کہ وہ مسلمان نہیں بلکہ یہودی تھا ۔ یہودیوں سے نسبت کا باعث یہ ہوا کہ اس کے دشمنوں نے ، محض اس وجہ سے کہ اس کے یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے ، اسے یہودی مشہور کر رکھا تھا ۔

ابوسعید کے روابط سلطان مصر کے ساتھ

ابو سعید سلطان مصر کے ساتھ دوستانہ روابط قائم کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس غرض کے لیے اپنے سفیر مصر بھیجے۔ سلطان مصر نے ان کا خیرمقدم کیا اور نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ ۷۲۱ھ مطابق ۱۳۲۱ع میں دونوں حکومتوں کے مابین دوستانہ معاہدہ قرار پایا جس کی شرائط مذکورۂ ذیل تھیں:

۱۔ سلطان مصر اسماعیلی فدائیوں کو ایلخانی ممالک میں نہیں بھیجے گا۔

۲۔ دونوں ممالک کے لوگ جو ایک دوسرے کے ملک میں پناہ‌گزیں ہو چکے ہیں واپس بلانے کا تقاضا نہ کیا جائے۔

۳۔ سلطان مصر بادیہ نشیں عربوں اور ترکمانوں کو ایلخانی سلطنت پر حملہ کرنے پر آمادہ نہیں کرے گا۔

۴۔ تاجروں کو ایک دوسرے کے ملک میں آزادانہ تجارت کی اجازت ہوگی۔

۵۔ حاجیوں کے قافلے آزادانہ طور پر عراق سے گزر کر مکہ جائیں گے اور ان کے پاس دونوں ممالک کے پرچم ہوں گے۔

اس معاہدہ کی پوری پوری پابندی ہوئی اور دونوں ملکوں کے مابین دوستانہ مراسم ابو سعید کے عہد آخر تک برقرار رہے۔

ازدواج

ابو سعید کے زمانے میں امرا نے علم مخالفت بلند کیا۔ ان میں امیر چوپان پیش پیش تھا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ ابو سعید، امیر چوپان کی بہن بغداد خاتون کے دام محبت میں اسیر تھا جس کی شادی امیر شیخ حسن جلائر سے ہو چکی تھی۔ جیسے بھی بن پڑے وہ اسے اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتا تھا۔ امیر چوپان کو یہ سن کر سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ اس نے خراسان میں لشکر فراہم کرکے علم بغاوت بلند کیا، لیکن یہ بغاوت اس کے لیے سخت مہلک ثابت ہوئی۔ امیر چوپان کے لشکر کا جب ابو سعید کی افواج کے ساتھ مقابلہ ہوا تو امیر کے لیے فرار اختیار

کرنے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ رہا - چنانچہ وہ بھاگ کر ہرات آیا اور وہاں کے حکمران ملک کرت غیاث الدین کے ہاں پناہ لی - ابو سعید نے غیظ و غضب کی حالت میں امیر چوپان کے بیٹے دمشق خواجہ کو قتل کرا دیا اور ابو سعید ہی کے اشارے پر ملک کرت نے امیر چوپان کو بھی ٹھکانے لگا دیا - ابو سعید نے اب شیخ جلائر کی طرف رجوع کیا اور اسے بغداد خاتون کو طلاق دینے پر آمادہ کرنا چاہا - اس کا بڑا حامی تو ابو سعید کے ستم کا نشانہ بن ہی چکا تھا اس لیے سر تسلیم خم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ دیکھا۔ آخر بغداد خاتون ابو سعید کے حرم کی زینت بن گئی - حرم کی اگرچہ وہی تاج دار تھی لیکن باپ اور بھائی کا قتل اسے ہمیشہ بے چین رکھتا تھا۔ ابو سعید کی ہوس کچھ اور بھی بڑھی تو اس نے دمشق خواجہ کی بیٹی دل شاد خاتون کو بھی حرم میں داخل کر لیا ، جس سے بغداد خاتون کے سینے میں کینے کی آگ بھڑک اٹھی - تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ اس نے انتقام کی آگ بجھانے کے لیے ۷۳۶ھ مطابق ۱۳۳۵ع میں اسے زہر دے دیا جس سے وہ ہلاک ہو گیا -

ایلخانی عہد کا خاتمہ

ابو سعید کی وفات کے بعد اس خاندان کے جو چند حکمران ہوئے وہ سپہ سالاروں کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بنے رہے - ان کا عہد ۹ سال کے مختصر عرصے میں ختم ہو گیا - ابو سعید کے بعد ہلاکو خاں کے بھائی اریق بوقا کے ایک پوتے ارپاگاون کو ۷۳۶ھ مطابق ۱۳۳۵ع میں تخت نشین کیا گیا لیکن وہ اسی سال قتل ہو گیا - پھر موسیٰ خاں کو حکومت سونپی گئی ، لیکن اس کی مدت حکومت صرف چند ماہ تھی - اس میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ مقتدر امرا کو اپنے قابو میں رکھ سکے - اس لیے ان کے دیرینہ کینے نمودار ہوئے اور بعض علاقوں میں شورشیں بپا ہوئیں - بعض مقامات کے امرا نے اس نئی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا - منگو تیمور کے ایک نواسے محمد خاں نے علم بغاوت بلند کیا اور ۷۳۶ھ مطابق ۱۳۳۵ع میں موسیٰ خاں کی حکومت ختم کر کے خود تخت نشین ہوا - محمد خاں کی حکومت دو سال تک قائم رہی - اس کے بعد طغا تیمور خاں ، ساتی بیگ دختر خدا بندہ ، شاہجہاں تیمور بن گائخاتو ،

سلیمان خاں اور نوشیرواں یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے ۔ آخر ۷۵۶ھ مطابق ۱۳۵۵ع میں آل جلائر کے ہاتھوں ایلخانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا ۔

ایلخانی عہد کی بعض خودمختار حکومتیں

ایلخانی عہد کے آخر میں ایران کے مختلف علاقوں میں بعض خودمختار حکومتیں قائم ہوئیں جن کا مختصر سا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے ۔

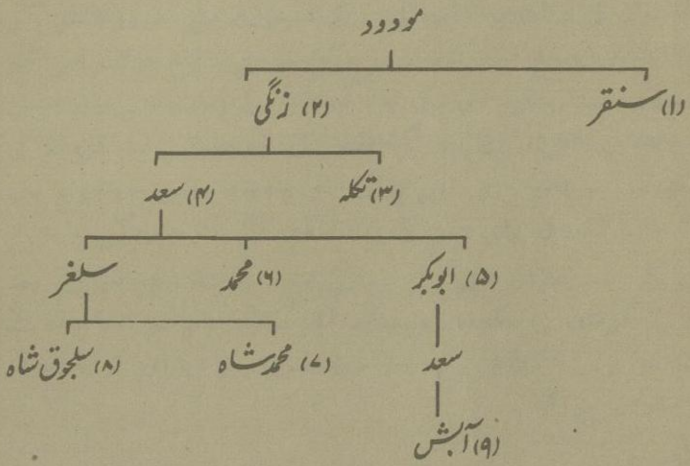
قراختائی

خوارزم شاہیوں کی حکومت کے خاتمے پر براق بن گلدوز قراختائی نے کرمان میں اپنی حکومت قائم کرکے قراختائی سلسلے کی بنیاد رکھی ۔ براق ، سلطان محمد خوارزم شاہ کے عہد میں ''حاجب'' کے عہدہ پر فائز تھا اس لیے وہ براق حاجب کے نام سے موسوم ہوا ۔ اس کی حکومت کا آغاز منگولوں کی تاخت و تاراج کے زمانے میں ہوا ۔ منگولوں نے خوارزم کے علاقے پر حملہ کیا تو محمد خوارزم شاہ نے روپوش ہونے میں ہی عافیت دیکھی ۔ براق حاجب نے بھی مناسب سمجھا کہ ہند کی راہ لے ۔ کرمان پہنچا تو شجاع الدین ابوالقاسم زوزنی حاکم کرمان نے اس کا راستہ روکا ۔ لیکن براق حاجب اس پر غالب آیا اور کرمان میں اپنا تسلط قائم کر لیا ۔ کچھ مدت بعد اس نے اوکتائی قاآن کی اطاعت اختیار کر لی اور قتلغ سلطان کے لقب سے سرفراز ہوا ۔ براق نے محمد خوارزم شاہ کے بیٹوں جلال الدین اور غیاث الدین سے غداری کی ۔ ۶۳۲ھ مطابق ۱۲۳۴ع میں اس کی وفات ہوئی ۔

براق حاجب کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین خواجہ جوق تخت نشین ہوا ۔ لیکن اس کے چچا کا بیٹا قطب الدین محمد منگولوں کے دربار میں مقیم تھا ، اور منگولوں کی طرف سے کرمان کی حکومت کا فرمان اسی کو ملا ۔ آخر منگوقاآن کے حکم سے قطب الدین نے رکن الدین کو قتل کر دیا اور کرمان کی حکومت سنبھال لی ۔ ۶۵۵ھ مطابق ۱۲۵۷ع میں وہ فوت ہوا تو اس کا بیٹا حجاج سلطان جو ابھی نابالغ تھا ، کرمان کا

سلغریان

(اتابکانِ فارس)



امیر تسلیم کر لیا گیا - لیکن رسماً امور سلطنت قطب‌الدین کی بیوہ عصمت‌الدین قتلغ ترکان کے ہاتھوں میں رہے - آخر حجاج سلطان اور قتلغ ترکان کے مابین مناقشت پیدا ہو گئی تو حجاج نے کرمان سے نکل کر ہند کی راہ لی -

اباقا خاں کی وفات پر قطب‌الدین کے دوسرے بیٹے سیورغتمش کو ۶۸۱ھ مطابق ۱۲۸۲ع میں کرمان کی حکومت ملی - قتلغ ترکان اسی غم میں دنیا سے رخصت ہوئی- دس سال بعد گیخاتو کے زمانے میں سیورغتمش کی بہن بادشاہ خاتون نے جو گیخاتو کی زوجہ تھی ، کرمان کی عنان حکومت سنبھالی اور اپنے بھائی کو ۶۹۳ھ مطابق ۱۲۹۳ع میں قتل کرا دیا - آخر وہ بھی بیدو کے زمانے میں قتل کر دی گئی -

اس کے بعد غازان خان کے زمانے میں محمد شاہ اور اس کے بعد شاہجہاں نے کرمان کی حکومت سنبھالی- آخر سلطان الجائتو خدا بندہ نے شاہجہاں کو ۷۰۷ھ مطابق ۱۳۰۷ع میں معزول کر دیا اور قراختائیوں کا سلسلہ منقرض ہو گیا -

اتابکان فارس

اتابکان فارس کو اتابکان سلغری بھی کہتے ہیں - ان کی حکومت کا زمانہ ۵۴۳ تا ۶۶۳ھ مطابق ۱۱۴۸ تا ۱۲۶۴ع ہے - اس عہد کا مشہور حکمران ابوبکر بن سعد زنگی ہے جو ارغون کے زمانے میں ۶۲۳ تا ۶۵۸ھ مطابق ۱۲۲۶ تا ۱۲۵۹ع فارس کا حکمران رہا - اس کے بعد سعد بن ابوبکر کو فارس کی حکومت ملی - یہ وہی سعد ہے جس کے نام کی مناسبت سے سعدی نے اپنا تخلص اختیار کیا اور اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''گلستان'' اس کے نام منسوب کی -

سعد بن ابوبکر کے بعد محمد بن سعد اس کا جانشین ہوا - یہ بہت کم عمر تھا اس لیے امور سلطنت اس کی والدہ کے ہاتھوں میں رہے - اڑھائی سال کی حکومت کے بعد وہ فوت ہوا تو محمد شاہ بن سلغر بن اتابک سعد نے فارس کی حکومت سنبھالی - یہ شخص بڑا ظالم اور سفاک تھا ، اس لیے امرا نے اسے گرفتار کرکے ہلاکو کے پاس بھیج دیا - آخر ۶۶۳ھ مطابق ۱۲۶۴ع میں اتابک سعد کی بیٹی آبش خاتون نے عنان

حکومت سنبھالی ۔ اس نے ہلاکو خاں کے بیٹے منگو تیمور سے شادی کر لی ۔ ۶۸۶ھ مطابق ۱۲۸۷ع میں اس کا انتقال ہو گیا تو فارس براہ راست ایلخانیوں کے تسلط میں آ گیا ۔

اتابکان یزد

اتابکان یزد کی حکومت ۴۴۳ تا ۶۱۸ھ مطابق ۱۰۵۱ تا ۱۲۲۱ع قائم رہی ۔ بالآخر آل مظفر کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا ۔

خاندان اینجو

خاندان اینجو کی حکومت فارس اور اس کے اطراف میں تھی جو ۷۴۲ تا ۷۵۸ھ مطابق ۱۳۴۱ تا ۱۳۵۶ع قائم رہی ۔ شیراز ان کا پایۂ تخت تھا ۔

ایلخانی عہد کی بعض اور خودمختار حکومتیں

ایلخانی عہد کے آخر میں ایران کے مختلف علاقوں میں بعض اور بھی اہم خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں جن کے نام یہ ہیں :

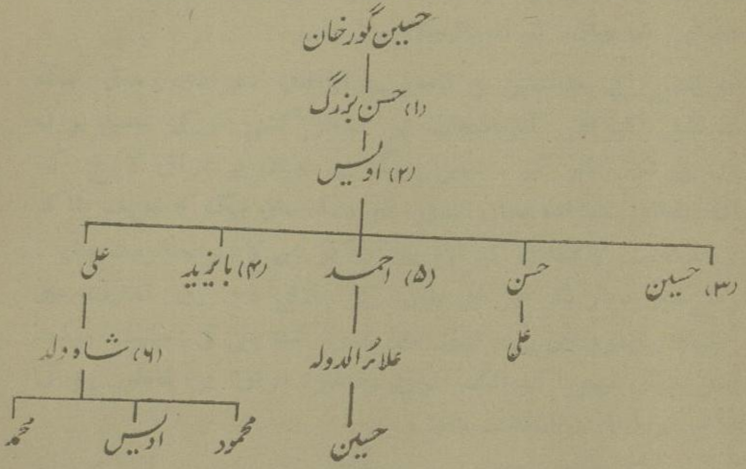
(۱) آل جلائر (۲) سلسلۂ آل مظفر (۳) سر بداران (۴) امرائے کرت (۵) اتابکان لرستان (۶) امرائے چوپانی ۔

ان کا مختصر حال درج ذیل ہے :

۱ ۔ آل جلائر

امیر علی نے جب وزارت سنبھالی اور وہ موسیٰ خاں کو تخت نشیں کرنے میں کامیاب ہوگیا تو شیخ حسن جلائر نے جو شیخ بزرگ کے لقب سے مشہور ہوا ، ان دونوں کی مخالفت کی اور لشکر فراہم کرکے موسیٰ خاں کے مقابلے کو آیا ۔ امیر علی مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا اور موسیٰ خاں اسیر ہو کر تہ تیغ ہوا ۔ یہ وہی حسن بزرگ تھا ، جس کی بیوی بغداد خاتون کو ابوسعید نے طلاق دلوا کر اپنے حرم میں ڈال لیا تھا ۔ اس کا انتقام حسن بزرگ نے اس طرح لیا کہ ابوسعید کی بیوہ دلشاد خاتون کو اپنے عقد میں لے لیا ۔ وہ اب بادشاہ گر تھا ۔ اس نے خاندان ہلاکو کے ایک فرد محمد خاں کو ایلخانی تخت پر بٹھایا ۔ لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ محمد خاں کی حکومت کے خلاف حسن بن

جلائر



حسین گورخان
(۱) حسن بزرگ
(۲) اویس
(۳) حسین
حسن
(۵) احمد
(۴) بایزید
علی
علی
علاء الدوله
(۶) شاه ولد
حسین
محمود
اویس
محمد

تیمور تاش بن امیرچوپان نے علم بغاوت بلند کیا جس میں وہ کامیاب ہوا۔ محمد خاں جنگ میں اسیر ہو کر مارا گیا اور حسن بزرگ نے بھی اسی میں عافیت دیکھی کہ بھاگ کر آذربائیجان چلا جائے۔

اس قضیے کے بعد حسن بن تیمور نے ایلخانی شہزادی، ساتی بیگ کو تخت نشین کیا اور آذربائیجان پر لشکر کشی کرکے حسن بزرگ کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ حسن بزرگ نے وہاں سے عراق کا رخ کیا اور وہاں ایلخانی شہزادہ جہاں تیمور کو ملکہ ساتی بیگ کا حریف بنا کر اس کی حکومت کا اعلان کیا اور بغداد کو اس کا دارالحکومت بنایا۔ اسی عرصے میں دیار بکر اور آس پاس کے علاقے اس کے تصرف میں آگئے جہاں تیمور اس کے ہاتھوں میں محض کٹ پتلی کی حیثیت رکھتا تھا۔ آخر جہاں تیمور کو الگ کرکے وہ خود عراق پر قابض ہو گیا اور بغداد کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔

حسن بزرگ فوت ہوا تو ۷۵۷ھ مطابق ۱۳۵۶ء میں اس کا بیٹا اویس اس کا جانشین بنا۔ اویس نے آذربائیجان فتح کرکے اسے اپنی مملکت میں شامل کیا۔ اویس فوت ہوا تو حسین نے عراق کی حکومت سنبھالی اور جنوبی ایران کے خاندان آل مظفر اور قراقویونلو ترکمان سے مصروف جنگ رہا۔ ۷۸۴ھ مطابق ۱۳۸۲ء میں حسین نے وفات پائی تو اس کا بیٹا سلطان محمد عراق کا حکمران بنا۔ آل جلائر کا یہ آخری حکمران ہے جس پر تیمور نے حملہ کیا اور سلطان محمد مقابلے کی تاب نہ لا کر مصر میں پناہ گزین ہو گیا اور بقیہ عمر اپنی مملکت حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر ۸۱۳ھ مطابق ۱۴۱۰ء میں وہ بغداد فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن جب اس نے آذربائیجان پر لشکر کشی کی تو اس نے قراقویونلو ترکمانوں کے ہاتھوں شکست کھائی اور اس کی سلطنت پر قراقویونلو کا قبضہ ہو گیا۔

۲ ۔ آل مظفر

(۷۱۳ تا ۷۹۵ھ مطابق ۱۳۱۳ تا ۱۳۹۳ء)

آل مظفر کی حکومت کا مؤسس امیر مبارزالدین تھا۔ یہ حکومت جنوبی ایران میں قائم ہوئی۔ امیر مبارزالدین کا دادا غیاث الدین خواف

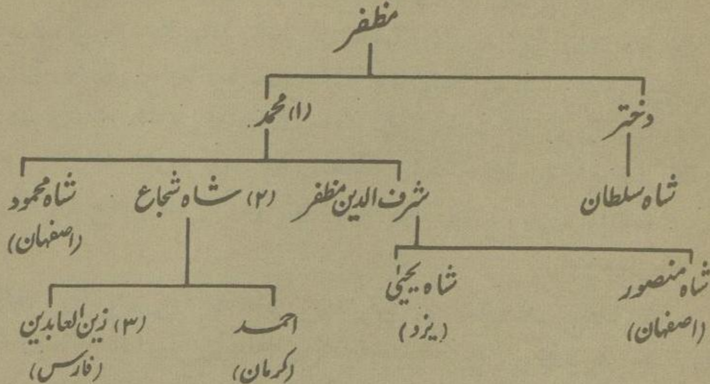
کے امرا میں سے تھا - امیر مبارزالدین کے والد شرف الدین مظفر کو غازان خاں اور الجائیتو خدا بندہ کے درباروں میں بڑا اقتدار حاصل تھا اور یزد کی حکومت اس کے سپرد کی گئی تھی- ۷۱۳ھ مطابق ۱۳۱۳ع میں وہ فوت ہوا تو اس کا بیٹا مبارزالدین ابو سعید کی توجہ کا مرکز بنا اور باپ کا منصب اسے حاصل ہو گیا - ابو سعید کی وفات کے بعد جب ایلخانیوں کا آفتاب اقبال رو بزوال تھا تو مبارزالدین کو خود مختار ہونے کا خیال آیا چناں چہ اس نے ۷۴۱ھ مطابق ۱۳۴۰ع میں کرمان کو فتح کیا - ۷۵۴ھ مطابق ۱۳۵۳ع میں شیراز کو مسخر کرکے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور شیخ ابو اسحاق کو ، جو حاکم شیراز تھا ، اسیر کرکے قتل کر دیا - اسی کے متعلق حافظ شیرازی نے* لکھا تھا :

راستی خاتم فیروزہ بو اسحاق خوش درخشید ولی دولت مستعجل بود

شیراز کے بعد مبارزالدین نے اصفہان کا رخ کیا اور اسے بھی مسخر کرکے اپنی مملکت میں شامل کر لیا - اب اس کی سلطنت میں یزد ، اصفہان اور شیراز سے لے کر لرستان تک کا علاقہ شامل تھا - مبارزالدین انتہا پسند مذہبی آدمی تھا اور شریعت اسلام کی سختی سے پابندی کراتا تھا یہاں تک کہ لوگ اسے ''محتسب'' کہنے لگے تھے - اولاد کے معاملے میں بھی وہ بہت سخت گیر تھا ، آخر اس کے دو بیٹوں ، شاہ شجاع اور شاہ محمود نے اس کے خلاف سازش کی اور اسیر کرکے اس کی آنکھوں میں دہکتی ہوئی سلائی پھیر دی اور اس کی کشور کشائی کی تمنا کو خاک میں ملا دیا - اس بے بسی کی حالت میں وہ ۷۶۰ھ مطابق ۱۳۵۸ع میں دار فانی کو خیرباد کہہ گیا -

مبارزالدین کے بعد شاہ شجاع نے حکومت سنبھالی یہ وسیع مشرب ، سخی اور خوش خلق حکمران تھا - لیکن اس کے بھائی شاہ محمود نے علم مخالفت بلند کیا اور جنگ تک نوبت آئی جس میں شاہ شجاع کو شکست ہوئی اور شیراز میں شاہ محمود کی حکومت قائم ہوگئی- لیکن ایک ہی سال حکومت کر پایا تھا کہ داعئی اجل کا پیغام آ پہنچا - شاہ شجاع شیراز واپس آ گیا اور شیراز و اصفہان میں اپنی حکومت قائم کر لی - آذربائیجان میں اس کے بھتیجے ، یحییٰ کی حکومت تھی جو

آل مظفر



مظفر
(۱) محمد
دختر
شاه محمود
(اصفهان)
(۲) شاه شجاع
شرف الدین مظفر
شاه سلطان
(۳) زین العابدین
(فارس)
احمد
(کرمان)
شاه یحیی
(یزد)
شاه منصور
(اصفهان)

خود شیراز پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا تھا - شاہ شجاع کو اس کے ارادے کا علم ہوا تو آذربائیجان پر لشکر کشی کی - یحیی نے عافیت اسی میں دیکھی کہ سر تسلیم خم کر دے - شاہ شجاع نے اس کی خطا سے درگزر کی - شاہ شجاع کے دوسرے بھتیجے ، شاہ منصور نے جو شوستر کا حاکم تھا ، اظہار اطاعت کیا اور مورد عنایات ہوا - ۷۷۶ھ مطابق ۱۳۷۴ع میں کچھ عرصہ بیمار رہ کر شاہ شجاع دار فانی کو خیرباد کہہ گیا -

شاہ شجاع نے وفات سے پہلے اپنی سلطنت اپنے بیٹے اور بھائیوں میں تقسیم کر دی - اپنے بیٹے سلطان زین العابدین کو اپنا جانشین نامزد کیا ، اصفہان کی حکومت اپنے بھائی ابو یزید کو سونپی اور کرمان کی حکومت اپنے دوسرے بھائی احمد کے سپرد کی -

آخر آل مظفر کی حکومت امیر تیمور کے ہاتھوں ختم ہوئی ، جس کا ذکر بعد میں آئے گا -

۳ - سربداران

بیہق کے امرا میں سے ایک شخص شہاب الدین فضل اللہ تھا جس کا حسب نسب باپ کی طرف سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ماں کی طرف سے یحیی بن خالد برمکی تک پہنچتا تھا - اس کے پانچ بیٹے تھے جن میں سے ایک عبدالرزاق تھا - یہی وہ شخص ہے ، جو سربداروں کی حکومت کا موسس ہے -

عبدالرزاق نے ابو سعید ایلخانی کی وفات کے بعد تھوڑی ہی مدت میں فوجی جمعیت فراہم کرکے حاکم خراسان ، علاءالدین محمد پر غلبہ پا لیا اور ۷۳۸ھ مطابق ۱۳۳۷ع میں سبزوار فتح کرکے وہاں اپنا پرچم لہرایا - کہا جاتا ہے کہ عبدالرزاق اپنے پیرووں سے کہا کرتا تھا کہ ''تختہ' دار[۱] کی طرف قدم بڑھانا بے عزتی کی زندگی بسر کرنے سے بہتر ہے - اسی وجہ سے اس کی جمعیت ''سر بداروں کے نام سے موسوم ہوئی -''

---

۱ - عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۳۲۵

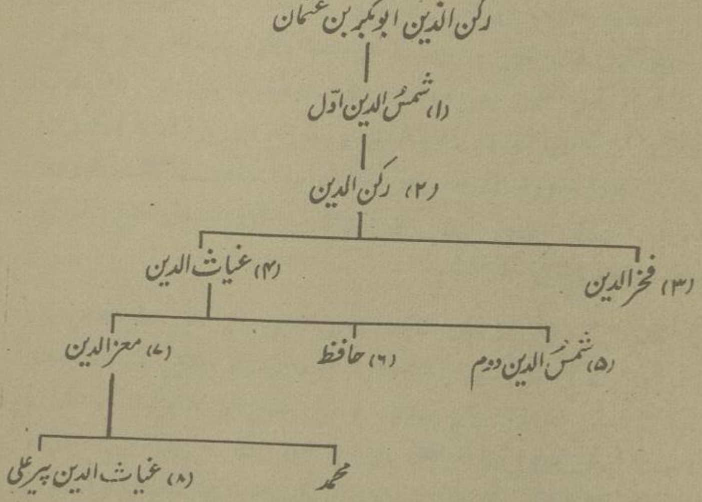
اس خاندان کے امیر عبدالرزاق ، امیر مسعود اور خواجہ علی یکے بعد دیگرے حکمران ہوئے ہیں ۔ امیر عبدالرزاق لوگوں میں عسکری روح پھونکنے میں تو ضرور کامیاب ہوا لیکن اس کے مزاج میں بہت درشتی تھی جو کبھی کبھی بد اخلاق کی صورت اختیار کر لیتی تھی ۔ آخر درشتیٔ مزاج ہی کی وجہ سے وہ اپنے بھائی امیر مسعود کے ہاتھوں مارا گیا ۔

امیر مسعود شجاع اور نڈر شخص تھا ۔ اس نے ایک مذہبی رہنما شیخ حسن کو جس کے ہزاروں مرید تھے ، اپنا ہمنوا بنا کر نیشاپور فتح کر لیا ۔ پھر ہرات کا رخ کیا لیکن اسے اپنے ارادوں میں کامیابی نہ ہو سکی ۔ اسی عرصے میں سربداروں میں سے کسی شخص نے شیخ حسن کو ۷۴۳ھ مطابق ۱۳۴۲ع میں قتل کر دیا جس سے امیر مسعود کی جمعیت میں بگاڑ پیدا ہو گیا ۔ اسی دوران میں طغا تیمور ایلخانی کے بھائی شیخ علی اور سر بداروں کے مابین تصادم ہو گیا جس میں شیخ علی مارا گیا ۔ امیر مسعود وہاں سے نکل کر استر آباد آیا پھر ماژندران کا رخ کیا لیکن وہیں اسیر ہو کر قتل کر دیا گیا ۔

امیر مسعود کے باپ کے غلاموں میں ایک شخص محمد تیمور تھا جسے امیر مسعود نے سبزوار میں اپنا نائب مقرر کیا ہوا تھا ۔ اس نے مسعود کے قتل کی خبر سنی تو وہاں کی حکومت خود سنبھال لی ۔ لوگوں کے ساتھ اس کا سلوک اچھا تھا اس لیے اہل سبزوار اس کی طرف مائل ہوگئے ۔ لیکن ایک شخص شمس‌الدین علی نے جو درویشی کا دم بھرتا تھا ، شیخ حسن جوری کے مریدوں کو اپنا ہمنوا بنا کر محمد تیمور کو حکومت سے الگ کرکے اسے قتل کر دیا ۔ اس کے بعد سبزوار کی حکومت دست بدست ہوتی ہوئی ۷۷۳ھ مطابق ۱۳۶۸ع میں خواجہ علی کو ملی ۔

آخر امیر تیمور جب ایران پر حملہ آور ہوا تو خواجہ علی نے اس کا خیرمقدم کرکے اظہار اطاعت کیا اور سبزوار تیمور کی قلم رو میں شامل ہوگیا ۔ سر بدار اہل تشیع تھے اور شیعہ مذہب کی ترویج و اشاعت کے لیے کوشاں رہے ۔

آل کرت



رکن الدین ابوبکر بن عثمان
(۱) شمس الدین اول
(۲) رکن الدین
(۳) فخر الدین
(۴) غیاث الدین
(۵) شمس الدین دوم
(۶) حافظ
(۷) معز الدین
محمد
(۸) غیاث الدین پیر علی

۴ - امرائے کرت (۶۴۳ تا ۷۹۱ھ مطابق ۱۲۴۵ تا ۱۳۸۹ع)

اس سلسلے کا بانی امیر ملک شمس‌الدین محمد ابوبکر کرت تھا جس کا حسب نسب ماں کی طرف سے امرائے غور سے ملتا تھا ۔ اسے منگوقاآن نے ہرات کی حکومت دی تھی ۔ اس نے غرجستان اور سیستان کے علاقے فتح کرکے سلطنت کو اور بھی وسعت دی ۔ وہ فوت ہوا تو اباقا خان نے اس کے بیٹے رکن‌الدین کو ۷۰۷ھ مطابق ۱۳۰۷ع میں ہرات کا حکمران مقرر کیا جو شمس‌الدین خورد کے نام سے مشہور ہوا ۔ اس نے کاشت‌کاروں کی حوصلہ افزائی کرکے کھیتی باڑی کو فروغ دیا اور قندھار فتح کرکے اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا ۔

غازان خاں کے زمانے میں ملک شمس‌الدین کے بیٹے فخرالدین کی حمایت امیر نوروز نے کی اور اسے ہرات اور آس پاس کے علاقے کی حکومت مل گئی ، لیکن امیر نوروز کے ساتھ محسن کشی کا سلوک کیا گیا ۔ غازان خاں جب امیر نوروز پر ناراض ہوا تو اس نے غازان کے خوف سے ہرات پہنچ کر فخرالدین کے ہاں پناہ لی ، لیکن اس نے احسان فراموشی کرکے اسے غازان کے حوالے کر دیا ۔

الجائتو خدا بندہ نے حکومت سنبھالی تو اس نے ہرات پر لشکر کشی کرنے کے لیے دانش مند بہادر کو لشکر کثیر دے کر بھیجا ۔ کیوں کہ فخرالدین نے تاج پوشی کے موقع پر حاضر ہو کر اظہار اطاعت نہیں کیا تھا ۔ فخرالدین قلعہ خیسار میں پناہ‌گزین ہو گیا اور بظاہر سیاسی امور سے کنارہ‌کشی اختیار کر لی ۔ اب ہرات کی زمام اختیار جلال الدین محمد سام کے ہاتھوں میں تھی ۔ اس نے اگرچہ دانش مند بہادر سے مصالحانہ رویہ اختیار کیا ، لیکن در پردہ موقع پا کر اسے قتل کرا دیا ۔ (۷۰۶ھ مطابق ۱۳۰۶ع) الجائتو ، محمد سام کے اس بے باکانہ اقدام سے سخت غضب ناک ہوا اور اسے کیفر کردار کو پہنچانے کے لیے اپنا لشکر بھیجا ۔ اس عرصے میں فخرالدین نے قلعہ خیسار میں وفات پائی ۔ ایلخانی لشکر نے ہرات کا محاصرہ کر لیا ۔ اہل ہرات کی رسد رسانی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور لوگ بھوکے مرنے لگے ۔ محمد سام کے لیے ہتھیار ڈالنے کے سوا اب

کوئی چارۂ کار نہ تھا - وہ ہرات سے باہر نکل آیا اور اہل لشکر نے اسے اسیر کر کے قتل کر دیا -

اب الجائتو نے ہرات کی حکومت غیاث الدین بن ملک شمس الدین خورد کے سپرد کی - اس نے چند فتوحات حاصل کرنے کے بعد ۷۲۹ھ مطابق ۱۳۲۸ع میں وفات پائی۔ اس کا جانشین شمس الدین بن ملک غیاث الدین بنا اور دس ماہ حکومت کرنے کے بعد فوت ہو گیا - اس کے بعد ہرات کی حکومت ملک حافظ بن غیاث الدین کو ملی - اس کے زمانے میں ہرات کی حکومت میں غوریوں کو غیر معمولی عمل دخل ہو گیا - آخر غوریوں کے ہاتھوں وہ ۷۳۲ھ مطابق ۱۳۳۱ع میں مارا گیا -

اس کے بعد اس علاقے کی حکومت معزالدین حسین بن غیاث الدین امیر کو سونپی گئی اور جب ابو سعید نے وفات پائی اور منگولوں کا آفتاب اقبال رو بزوال ہوا تو معزالدین حسین کو ایک عادل اور مدبر حکمران کی حیثیت میں شہرت حاصل ہوئی - امرا اور رؤسا نے اس کے دربار کا رخ کیا جس سے اس کا اثر و اقتدار اور بڑھ گیا - اس زمانے میں ایلخانی حکمران طغا تیمور تھا - اس کے ساتھ بھی اگرچہ معزالدین حسین کے مراسم وفادارانہ تھے ، لیکن مسجدوں میں خطبہ خود اسی کے نام کا پڑھا جاتا تھا - اس کے زمانے میں امیر وجیہ الدین مسعود سر بداری نے ہرات پر حملے کا ارادہ کیا لیکن پیش قدمی نہ کر سکا - معزالدین بڑی نام وری کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد ۷۷۲ھ مطابق ۱۳۷۰ع میں فوت ہوا -

معزالدین حسین کے بعد زمام اختیار اس کے بیٹے پیر علی نے سنبھالی - پیر علی کے زمانۂ حکومت میں امیر تیمور کی ایران میں یلغاریں شروع ہوئیں - پیر علی نے اظہار اطاعت کیا اور سبزوار اور آس پاس کا علاقہ اس کے زیر حکومت تیموری مملکت میں شامل ہو گیا -

۵ - اتابکان لرستان

ایلخانی دور میں امرائے لرستان نے بھی حکومت کا ایک سلسلہ قائم کیا - یہ حکمران اتابک کہلائے - اتابک کا لقب سلجوق بادشاہوں کی

طرف سے ان لوگوں کو ملتا تھا جو شہزادوں کی تربیت پر مامور ہوتے تھے - یہ لقب اس سلسلے کے مؤسس ابو طاہر نے صرف اس بنا پر اختیار کیا کہ وہ چنگیزی شہزادہ اتابک سنقر کی ملازمت میں تھا - اس نے شہزادہ کے لیے نمایاں خدمات سرانجام دیں - آخر اس نے لرستان کو فتح کرنے کی اجازت چاہی - اتابک سنقر نے اسے لشکر دے کر بھیجا - اس مہم میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اس نے لرستان پر قبضہ جما لیا اور اتابک کا لقب اختیار کرکے خود مختاری کا دم بھرنے لگا - وہ فوت ہوا تو اس کے بیٹے نصرۃالدین ''ہزار اسپ'' نے لرستان کی امارت سنبھالی اور عدل و انصاف سے حکومت کی - اس کے بعد اس کا بیٹا تکلہ بن ہزار اسپ لرستان کا امیر ہوا - اس نے چند مرتبہ اتابک سعد بن زنگی کے خلاف جنگ کی اور اس کا کچھ علاقہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا - آخر ہلاکوخان نے اسے قتل کرا دیا اور اس کے بھائی الپ ارغون بن ہزار اسپ کو لرستان کی حکومت سونپ دی - اس نے اہل لرستان کی خوش حالی کے لیے مقدور بھر کوشش کی - اس کے بعد اباقا خان کے حکم سے الپ ارغون کا بیٹا یوسف شاہ لرستان کا امیر مقرر ہوا اور خوزستان اور آس پاس کے علاقے بھی اس کے زیر تسلط آ گئے - ارغون کے عہد میں بھی یہ منصب اسی کے پاس تھا - اس کے بعد اس کا بیٹا افراسیاب بن یوسف شاہ ارغون کے حکم سے امیر لرستان مقرر ہوا - ارغون کی وفات کے بعد اس نے خود مختار ہونے کا دعویٰ کیا اور منگولوں کے خلاف جنگ بھی کی - آخر یہ غازان خان کے زمانے میں ۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۵ع میں مارا گیا اور احمد بن الپ ارغون نے لرستان کی حکومت سنبھالی - اس کے بعد اس کا بیٹا یوسف شاہ اور پھر افراسیاب بن یوسف شاہ امیر لرستان مقرر ہوا - یہاں تک کہ امیر تیمور نے یہ علاقہ فتح کرکے اپنی مملکت میں شامل کر لیا اور لرستان کے اتابکوں کی حکومت ختم ہو گئی -

۶ - امرائے چوپانی

امرائے چوپانی کا سلسلہ دو امیروں پر مشتمل ہے جن کے نام شیخ حسن کوچک اور ملک اشرف ہیں - یہ دونوں امیر تیمور تاش پسر

امیر چوپان کے بیٹے تھے - حسن کوچک آذربائیجان اور ایران کا خود مختار حکمران تھا - اس کی حکومت ساڑھے چار سال تک قائم رہی - اس کے بعد ملک اشرف نے آذر بائیجان کی حکومت سنبھالی - اس نے چودہ سال تک یعنی ۷۴۴ تا ۷۵۸ھ مطابق ۱۳۴۳ تا ۱۳۵۶ع حکومت کی اور یہ سلسلہ ختم ہو گیا -

چنگیزی اور ایلخانی دور کا علم و ادب

چنگیز خاں سے ایلخانی حکمرانوں تک کے زمانے میں ہر قسم کے علم و ادب نے نشو و نما پائی - نظم میں عطار ، رومی اور سعدی ایسے عظیم شاعروں نے اپنے افکار اور شاہکار پیش کیے - بہترین تاریخیں اسی دور میں مرتب ہوئیں - فلسفہ ، حکمت اور علم ہیئت کی بعض مشہور کتابیں اسی دور کی یادگار ہیں - اس بات سے تعجب ہوتا ہے کہ وحشت و بربریت کے اس دور میں ایران میں علم و ادب کی پرورش کیوں کر ہوئی لیکن اس کی وجوہ بآسانی سمجھ میں آ جاتی ہیں - صوفیانہ اور اخلاقی شاعری کی ضرورت تو واضح ہے کیوں کہ زمانے کے مزاج شناس شاعروں نے ضروری سمجھا کہ جفاجو اور کینہ پرور حکمرانوں کو اخلاق و تصوف کا درس دے کر نرم دلی اور نیک خوئی کی طرف مائل کیا جائے - نیز مظلوم اور بے بس لوگوں کو صبر و تحمل اور رضائے خداوندی پر شاکر رہنے کی تلقین کی جائے - تاریخ نویسی پر علما کی توجہ اس لیے ہوئی کہ حکمران جانتے تھے کہ وہ غیر مہذب ہونے کی وجہ سے اپنی انفرادیت کو برقرار نہیں رکھ سکیں گے اور زود یا بدیر رعایا کا تمدن انھیں قبول کرنا پڑے گا اس لیے وہ چاہتے تھے کہ ان کے کارنامے منضبط ہو کر یادگار رہ جائیں - چنانچہ انھوں نے علم تاریخ کی طرف توجہ دی اور علما کو تاریخیں لکھنے پر مامور کیا - حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں جو تاریخیں لکھی گئیں وہ علمائے تاریخ کے عظیم کارنامے ہیں - تاتاری حکمرانوں کو نجوم سے بھی علاقہ مندی تھی اس لیے نجوم اور اس سے متعلق علوم کی طرف بھی علما کی توجہ ہوئی - مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے علم و ادب پر سرسری سی نظر ڈال لی جائے تاکہ اس زمانے کی علمی سطح کا کچھ اندازہ ہو جائے -

نظم

خواجہ فریدالدین عطار (وفات ۶۲۷ھ مطابق ۱۲۲۹ع)

آپ کا آبائی پیشہ عطاری تھا اس لیے عطار کے لقب سے مشہور ہوئے۔ وحدت الوجودی نظریے کی وضاحت کے لیے مثنوی ''منطق الطیر'' لکھی۔ پند و موعظت کے موضوع پر قصاید بھی لکھے۔

کمال الدین اصفہانی (وفات ۶۴۰ھ مطابق ۱۲۴۲ع)

اس نے قصائد میں نئے مضامین اور دقیق معانی تخلیق کرنے میں نام پایا اس لیے ''خلاق معانی'' کے لقب سے مشہور ہوا۔

مولانا جلال الدین رومی (۶۰۴ تا ۶۷۲ھ مطابق ۱۲۰۷ تا ۱۲۷۳ع)

مولانا کے والد بلخ کے رہنے والے تھے۔ ناموافق حالات کی وجہ سے ترک وطن کرکے ایشیاے کوچک (یعنی روم) چلے گئے اور قونیا میں مستقل سکونت اختیار کی، اسی نسبت سے مولانا جلال الدین نے رومی تخلص کیا۔ آپ پاک باطن صوفی، بلند فکر فلسفی اور فقیدالمثال شاعر تھے۔ ''مثنوی معنوی'' آپ کی شہرۂ آفاق یادگار ہے جس میں صوفیانہ مسائل اور قرآنی مطالب بڑی شرح و بسط سے پیش کیے گئے ہیں۔ آپ کے افکار عالیہ سے نہ صرف ایشیا بلکہ یورپ کے علما بھی متاثر ہوئے۔

فخرالدین عراقی (وفات ۶۸۸ھ مطابق ۱۲۸۹ع)

آپ مشہور عارف باللہ تھے۔ قلندرانہ شیوہ اختیار کرکے سیاحت اختیار کی۔ ہندوستان آئے اور ملتان میں قیام کرکے شیخ بہاءالدین زکریا کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر مسافرت اختیار کی اور شام و مصر گئے اور دمشق میں وفات پائی۔ متعدد عارفانہ غزلیں آپ کی یادگار ہیں۔ ایک مشہور کتاب ''لمعات'' بھی لکھی جس کی شرح مولانا جامی نے کی۔ ''مثنوی عشاق نامہ'' بھی آپ کی یادگار ہے۔

مشرف الدین بن مصلح الدین سعدی (وفات ۶۵۰ھ مطابق ۱۲۵۲ع)

آپ وہ عظیم شاعر ہیں جنھوں نے مولاناے روم کے فوراً بعد ہی عالمگیر حیثیت حاصل کی۔ آپ بنیادی طور پر معلم اخلاق تھے۔ چنانچہ اخلاقیات کی تعلیم دینے کے لیے نظم و نثر کو ذریعۂ اظہار بنایا اور

دونوں میں یکتائے روزگار ہوئے۔ اخلاقیات جیسا خشک موضوع آپ نے ایسے دل چسپ انداز میں پیش کیا ہے کہ بوڑھے، جوان اور بچے کے دل نشین ہو جاتا ہے اور جزو زندگی بن کر ساتھ ساتھ نشو و نما پاتا ہے۔ نظم میں ''بوستان'' اور نثر میں ''گلستان'' آپ کی زندۂ جاوید یادگاریں ہیں۔

خواجو کرمانی (۶۷۹ تا ۷۵۳ھ مطابق ۱۲۸۰ تا ۱۳۵۲ع)

اس نے مثنوی میں نظامی گنجوی، قصیدے میں انوری اور غزل میں سعدی کی پیروی کی لیکن شعر و فلسفہ کے امتزاج سے شاعری میں نئی روایت بھی قائم کی۔ پانچ مثنویاں، ہما و ہمایوں، گل نوروز، روضۃالانوار، کمال نامہ اور گوہر نامہ اس کی یادگار ہیں۔

ابن یمین (۶۸۵ تا ۷۶۹ھ مطابق ۱۲۸۶ تا ۱۳۶۷ع)

آپ شاعر اخلاقیات تھے۔ ہلاکو کے جانشینوں کی تباہ کاریوں سے متاثر ہوئے اور لوگوں کو اپنے قطعات کے ذریعے عجز و انکسار، قناعت پسندی اور رضائے حق تعالیٰ پر صابر و شاکر رہنے کی تلقین کی۔ قطعات کا ایک دیوان آپ کی یادگار ہے۔

ان عظیم شاعروں کے علاوہ بعض اور شاعر بھی قابل ذکر ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں: امامی ہروی، مجدالدین ہمگر، اوحد الدین کرمانی، اوحدی مراغئی، ہمام تبریزی، محمود شبستری (مصنف گلشن راز) نزاری قہستانی، سلمان ساوجی۔

اس زمانے میں بعض شعرانے امرا اور حکمرانوں کے حالات و اطوار پر طنزیہ انداز میں اظہار خیال کیا۔ ان میں عبید زاکانی کا نام خاص طور سے بہت ممتاز ہے۔

مورخین و تذکرہ نویس

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ منگول اگرچہ غیر مہذب تھے لیکن یہ خیال انہیں ضرور تھا کہ ان کے عہد حکومت کے واقعات تاریخ میں محفوظ رہ جائیں۔ چناںچہ انہوں نے تاریخ نویسوں کی بڑی حوصلہ افزائی کی اور ایران کی مشہور ترین تاریخیں اسی دور میں لکھی گئیں۔



آرام گاه سعدی - شیراز

عطا ملک جوینی (وفات ۶۸۱ھ مطابق ۱۲۸۲ع)

مشہور و معروف "تاریخ جہانکشای جوینی" کا مولف ہے اس کی تین جلدیں ہیں۔ پہلی جلد میں منگولوں کے حالات درج ہیں۔ دوسری جلد خوارزم شاہوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ تیسری جلد میں اسماعیلیوں کا ذکر ہے۔

منہاج سراج (پیدائش ۵۸۹ھ مطابق ۱۱۹۳ع)

جوزجان کا رہنے والا تھا۔ وطن سے نکل کر کچھ عرصہ غوریوں کے دربار سے وابستہ رہا پھر ہندوستان آیا اور دربار دہلی سے منسلک ہوا اور سلاطین ہند کی تاریخ "طبقات ناصری" لکھ کر شمس‌الدین التتمش کے نام منسوب کی۔

وصاف

شرف‌الدین عبداللہ بن فضل‌اللہ شیرازی (پیدائش ۶۶۳ھ مطابق ۱۲۶۴ع) وصاف کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس نے ہلاکو اور اس کے جانشینوں کے حالات پر پانچ جلدوں میں مفصل تاریخ لکھی۔ جو مشکل اور دقیق ہونے کی وجہ سے فنی نثر کا کامل نمونہ ہے۔

رشیدالدین فضل اللہ (پیدائش ۶۴۵ھ مطابق ۱۲۴۷ع)

اس عظیم مورخ کا مفصل ذکر پہلے آ چکا ہے۔ جامع التواریخ اس کی اہم تاریخ ہے جو انبیا، خلفائے راشدین اور شاہان قدیم سے مؤلف کے زمانے تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ عہد منگول کے حالات خاص طور سے بڑی شرح و بسط سے لکھے گئے ہیں۔ اسے ایلخانی عہد کا عظیم کارنامہ سمجھنا چاہیے۔

حمداللہ مستوفی

حمداللہ مستوفی مشہور و معروف "تاریخ گزیدہ" کا مؤلف ہے۔ یہ تاریخ پیغمبران کبار، زمانہ قبل از تاریخ کے بادشاہوں، رسول اکرمؐ اور خلفائے راشدینؓ، عہد معاویہ، سامانیہ، دیالمہ اور سلاجقہ کے حالات پر مشتمل ہے۔ آخری ابواب اماموں، مجتہدوں، محدثوں، صوفیوں اور شاعروں نیز قزوین کے تاریخی اور جغرافیائی حالات پر مشتمل ہیں۔ سال تالیف ۷۳۰ھ مطابق ۱۳۲۹ع ہے۔

بیضاوی

مشہور مفسر قرآن نصیرالدین بیضاوی نے تخلیق آدم سے لے کر اپنے زمانے تک کے حالات پر تاریخ لکھی ، جو ''نظام التواریخ'' کے نام سے موسوم ہے - اس کا سال تالیف ۶۷۴ھ مطابق ۱۲۷۵ع ہے -

بناکتی

ابو سلیمان داؤد بناکتی نے ۷۱۷ھ مطابق ۱۳۱۷ع میں ''تاریخ بناکتی'' کے نام سے ایک تاریخ لکھی جس کا اصل نام ''روضۃ الالباب فی تواریخ الاکابر والا نساب'' ہے - یہ تاریخ انبیائے قدیم ، شاہان قدیم ایران ، رسول اکرمؐ ، خلفائے راشدینؓ ،خلفائے بنوامیہ، خلفائے عباسیہ، یہودیوں ، عیسائیوں، فرنگیوں ، ہندیوں، چینیوں اور منگولوں کے حالات پر مشتمل ہے -

فضل اللہ حسینی

فضل اللہ حسینی ''تاریخ معجم فی آثار ملوک عجم'' کا مؤلف ہے - یہ ایران قدیم سے لے کر ساسانی عہد تک کی تاریخ ہے -

تذکرہ نویس

اس عہد میں تاریخوں کے علاوہ شعر و ادب کے دو مشہور تذکرے بھی لکھے گئے جن کے مؤلف محمد عوفی اور شمس الدین محمد قیس رازی ہیں -

محمد عوفی

یہ چھٹی صدی ہجری کے آخر اور ساتویں صدی ہجری کے اوائل کا مشہور ادیب تھا - منگولوں کی یلغاروں میں ایران کو خیر باد کہہ کر ہند آگیا اور ۶۱۷ھ مطابق ۱۲۲۰ع میں ناصرالدین قباچہ سے وابستہ ہوا، پھر ۶۲۵ھ مطابق ۱۲۲۷ع میں التتمش کے دربار میں آگیا - تذکرہ ''لباب الالباب'' اور ''جامع الحکایات'' دو مشہور کتابیں تالیف کیں -

شمس الدین محمد قیس رازی

شمس الدین کی مشہور تالیف ''المعجم فی معائیر اشعارالعجم'' ہے - مؤلف نے پہلے یہ کتاب عربی میں لکھی تھی - اتابک سعد بن زنگی کے

دربار سے وابستہ ہوا تو خود ہی اس کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ المعجم علم عروض اور تنقید شعری کا ایک مستند تذکرہ ہے۔

عربی نویس ایرانی علما

منگولوں کے دور کے عربی نویس علما شہاب الدین سہروردی، نجم‌الدین رازی، خواجہ نصیرالدین طوسی، قاضی بیضاوی، زکریا قزوینی اور قطب شیرازی ہیں۔

چھٹا باب

تیمور اور اس کے جانشین

(۷۸۲ تا ۸۷۲ھ مطابق ۱۳۸۰ تا ۱۴۶۷ع)

گزشتہ باب میں ذکر آچکا ہے کہ ایلخانی حکومت کے ضعف و زوال کی وجہ سے ایران میں حکومتوں کے کئی نئے سلسلے قائم ہوئے اور حکومت کی وحدت اور مرکزیت ختم ہو کر رہ گئی ۔ ان نئی حکومتوں کے مابین مغائرت تھی ۔ باہمی رقابت کی وجہ سے ان میں جنگ چھڑی رہتی تھی ۔ نہ انھیں سکون میسر آتا نہ رعایا کی بہبودی کی طرف توجہ ہوتی جس سے ایران کی حالت خراب سے خراب تر ہو رہی تھی ۔ چناں چہ امیر تیمور نے جب ایران پر حملہ کیا تو کوئی مضبوط حکومت ایسی نہ تھی جو اس سیل بے پناہ کا راستہ روک سکتی ۔ اس لیے ایران کی وسیع سر زمین پر اس کا بآسانی تسلط ہو گیا ۔ ایران کی خود مختار حکومتوں نے عافیت اسی میں دیکھی کہ سر تسلیم خم کر دیا جائے ۔ سربداروں اور آل کرت نے امیر تیمور کا خیر مقدم کیا ۔ آل مظفر نے شیراز میں دوستی کے دروازے اس کے لیے کھول دیے ۔

تیمور کی ابتدائی زندگی

تیمور ۷۳۶ھ مطابق ۱۳۳۶ع میں ماوراءالنہر کے شہر کیش میں پیدا ہوا ۔ اس کے باپ کا نام ترغائی اور دادا کا نام الغائی ہے ۔ مورخین اس کا سلسلۂ نسب قراچار خاں سے ملاتے ہیں ، جو چغتائی کا وزیر تھا اور اس کے قرابتداروں میں تھا ۔ تیمور کا باپ ترغائی برلاسوں کی شاخ گور خاں کا امیر تھا ۔ چچا اس کا حاجی برلاس تھا ۔ تیمور کو بچپن میں ایک شکاری کی حیثیت سے شہرت ملی اور جوانی میں جنگ جو سپاہی ہونے کی وجہ سے ناموری حاصل ہوئی ۔



امیر تیمور

تغلق تیمور کی اطاعت

تیمور کا باپ فوت ہوا تو اس کے قبیلے کے لوگوں نے تیمور کو اپنا سردار بنایا۔ تیمور نے اس وقت مناسب سمجھا کہ تغلق تیمور کی، جو جتہ کا خان تھا، اطاعت اختیار کر لے۔ اس اطاعت کا صلہ اسے یہ ملا کہ تغلق تیمور نے اسے ماوراءالنہر کی حکومت دے دی۔ دو ہی سال گزرے تھے کہ جتہ قبائل کے خان نے سمرقند پر حملہ کرکے اسے مسخر کر لیا اور ماوراءالنہر کی حکومت اپنے بیٹے خوجہ الیاس کو دے دی۔ اگرچہ تیمور کو اس نے اپنا مشیر بنا لیا لیکن بالآخر اسے وہاں سے نکلنا پڑا۔ خان کے فوجی دستوں نے تیمور کا تعاقب کیا لیکن وہ لڑتا بھڑتا ان کی دسترس سے باہر ہو گیا۔

تیمور کی پریشانی

امیر تیمور نے اب اپنے چند جاں نثاروں کو ساتھ لے کر اپنے بہنوئی امیر حسین کی تلاش کرنی چاہی جسے تغلق تیمور نے نکال باہر کیا تھااور اب وہ صحرا میں مارا مارا پھر رہاتھا۔ آخر دونوں ایک دوسرے سے مل گئے اور خوارزم کی طرف روانہ ہوئے، جہاں کے حکمران نے چالاکی سے انہیں گرفتار کرنا چاہا، لیکن یہ آوارۂ وطن وہاں سے بھاگ کر پھر صحرا میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ یہاں انہوں نے بڑی پریشانی میں وقت گزارا۔ تیمور اور اس کی بیوی ایک مرتبہ ترکمانوں کے ہاتھوں اسیر ہو گئے جہاں سے بڑی مشکلوں سے چھٹکارا ہوا۔

تیمور سیستان میں

اس بے بسی کے زمانے میں وہ ۷۶۴ھ مطابق ۱۳۶۳ع میں جنوبی افغانستان میں مارے مارے پھر رہے تھے کہ سیستان کے کیانی شہزادہ، جلال الدین محمود نے ان سے مدد مانگی کیوں کہ رعایا نے اس کے خلاف بغاوت کردی تھی۔ امیر تیمور اور اس کے نسبتی بھائی امیرحسین اسے مدد دینے پر آمادہ ہو گئے اور اپنے جاں نثاروں کی مدد سے باغیوں سے چار قلعے واپس لے لیے۔ باغیوں نے اب اسی میں عافیت دیکھی کہ اپنے حکمران سے اظہار اطاعت کریں چناں چہ وہ اظہار اطاعت کے لیے جلال الدین محمود کے پاس گئے اور کہا اگر امیر تیمور نے باقی قلعے بھی فتح کر لیے

تو وہ خود سیستان پر قابض ہو جائے گا۔ یہ حقیقت بھی تھی۔ چناں چہ اسے تیمور اور حسین کی طرف سے خدشہ لاحق ہوا اور فوج منظم کرکے اپنے اتحادیوں کے خلاف صف آرا ہو گیا۔ مقامی فوج کے کچھ دستے، جو اتحادیوں کے ساتھ مل کر لڑ رہے تھے، ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ تیمور، سیستانی فوج کے مرکزی حصے کو پسپا کرنے میں تو کامیاب ہو گیا لیکن اسے تیروں کے دو نہایت گھرے زخم لگے، ایک بازو میں اور دوسرا پاؤں میں۔ پاؤں کا زخم تو اتنا شدید تھا کہ اس سے وہ ہمیشہ کے لیے لنگڑا ہو گیا اور اسی سبب سے تاریخ میں تیمور لنگ کے نام سے مشہور ہوا۔

خوجہ الیاس کے خلاف مہم

سیستان کی مہم کے بعد دونوں ساتھی اپنے جان نثاروں کو لیے ہوئے ۷۶۵ھ مطابق ۱۳۶۳ء میں جتہ کے لشکر کے عقب میں آ پہنچے اور لشکر کو ہراساں کرنے کی یہ تدبیر سوچی کہ لکڑیاں اور گھاس پھوس جمع کرکے اسے آگ لگا دی۔ آگ کے شعلے بلند ہوئے ہی تھے کہ لشکر سراسیمہ ہو گیا۔ تیمور نے لشکر کے عقب پر حملہ کرکے اسے تباہ و برباد کر دیا اور کیش کو، جو اس کا آبائی وطن تھا، دوبارہ حاصل کر لیا۔ آس پاس کے رہنے والے ہزاروں کی تعداد میں اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ اس عرصے میں تغلق تیمور فوت ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا خوجہ الیاس تاج پوشی کی غرض سے لشکر لیے آ رہا تھا کہ امیر تیمور اور امیر حسین نے اس پر حملہ کر دیا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد خوجہ الیاس نے شکست کھائی اور وہ سمرقند کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن دوسرے ہی سال یعنی ۷۶۶ھ مطابق ۱۳۶۴ء میں خوجہ الیاس نے تازہ دم لشکر فراہم کرکے دونوں حریفوں کو شکست دی اور سمرقند کا محاصرہ بھی کیا، لیکن اس کے گھوڑے دفعۃً کسی بیماری سے مرنے لگے اور وہ محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔

تیمور اور حسین کا بگاڑ

تیمور اور حسین نے قبائل جتہ پر فتح پانے کے بعد چنگیز خانی خاندان کا احترام کرتے ہوئے تغلق تیمور کا جانشین قابل شاہ اوغلان

کو بنایا لیکن حکومت کا اختیار خود اپنے پاس رکھا ۔ وہ دو اتحادی جنھیں غربت اور پریشانیوں نے ایک کیا ہوا تھا ، اب کچھ اقتدار حاصل ہونے پر حرص و طمع کے باعث الگ الگ ہو گئے یہاں تک کہ کھلی دشمنی شروع ہو گئی ۔ شروع شروع میں تیمور کو امیر حسین کے مقابلے میں کچھ ناکامی ہوئی ۔ لیکن ایک جنگی چال نے اس کی ناکامی کو کامیابی میں بدل دیا ۔ کش کے جنوب مغرب میں چند میل کے فاصلے پر ''قرشی'' گاؤں امیر حسین نے فتح کر لیا تھا ۔ غیرت کا تقاضا تھا کہ تیمور اسے واپس لیتا ، لیکن کھلم کھلا حملہ کرنے کے لیے فوج اس کے پاس بہت کم تھی اور امیر حسین کے پاس بہت بڑا لشکر تھا ، اس پر حملہ کرنا ممکن نہ تھا ۔ تیمور نے یہ ظاہر کرکے کہ وہ خراسان کو جا رہا ہے ، دریائے جیحوں کو عبور کیا ۔ اسے جب یقین ہو گیا کہ دشمن اب غافل ہوگا تو بڑی تیزی سے مسافت طے کرتا ہوا واپس آیا اور قلعے کی دیوار توڑ کر پاسبانوں کا قلع قمع کر دیا اور اس طرح بگل بجائے کہ امیر حسین کا لشکر ہراساں ہو گیا ۔ یہ جنگی چال چلنے والے صرف ۲۴۳ افراد تھے ۔ غافل لشکر اب ہوشیار ہو کر مقابلے کو آیا لیکن تیمور نے کچھ اس طرح پے بہ پے اور پردلی سے حملے کیے کہ امیر حسین کے لشکر نے فرار اختیار کیا ۔ امیر حسین نے شکست کھانے کے بعد بلخ کا رخ کیا ، جہاں اسے قتل کر دیا گیا ۔

تیمور کے ایران پر حملے

ماوراءالنہر میں اقتدار قائم کرنے کے بعد امیر تیمور نے لشکر فراہم کرکے اسے منظم اور مسلح کیا اور ۷۸۲ھ مطابق ۱۳۸۰ع میں ایران کی مہموں کا آغاز کیا اور پہلے حملے میں سرخس ، خواف اور یوشنج کو فتح کیا ۔ جہاں کسی نے مدافعت کرنے کی کوشش کی وہاں اس نے قتل عام کرایا ۔ اب تیمور نے ہرات کا رخ کیا ، جہاں کا حکمران پیر علی کرت تھا ۔ اس نے عافیت اسی میں دیکھی کہ تیمور کے آگے سر تسلیم خم کرے ، چناں چہ ہرات بھی تیمور کی قلمرو میں شامل ہو گیا ۔ اب طوس ، اسفرائن اور کلات کی باری آئی ؛ یہ شہر بھی اس خون ریز فاتح نے زیر و زبر کیے ۔ ان فتوحات کے بعد وہ سمرقند واپس چلا گیا

اور موسم سرما وہاں بسر کیا۔

تیمور پھر ایران میں

۷۸۴ھ مطابق ۱۳۸۲ع میں اس نے پھر ایران کا رخ کیا۔ کچھ عرصہ ہرات میں ٹھہرا، وہاں سے چل کر ترشیز آیا۔ یہاں مظفری حکمران شاہ شجاع نے امیر تیمور کے پاس اپنا سفیر بھیج کر خیر سگالی کا اظہار کیا۔ یہیں ماژندران کا امیر ولی آیا اور اظہار اطاعت کیا۔ ۷۸۵ھ مطابق ۱۳۸۳ع میں اس نے سیستان کا رخ کیا۔ راستے میں سبزوار کے قلعے کو تباہ و برباد کیا اور دو ہزار افراد کو گرفتار کرکے چونے اور مٹی میں زندہ گاڑ دیا اور ان پر منارے کھڑے کرائے۔ اسی سال سیستان کو فتح کرکے آباد گھروں کو ویرانوں میں تبدیل کیا۔ یہاں اس نے کٹے ہوئے سروں کے مینار بنائے۔ اس کے بعد قندھار پر چڑھائی کی اور وہاں بھی انسانوں کا خون بہا کر سمرقند کو واپسی اختیار کی۔

شمالی ایران میں تیمور کی فتوحات

۷۸۶ھ مطابق ۱۳۸۴ع میں امیر تیمور نے دریائے جیحوں کو عبور کیا اور گرگان کی وادی میں پہنچ کر استر آباد میں ڈیرے ڈالے۔ یہاں کے حکمران نے، جو پہلے اطاعت اختیار کر چکا تھا لیکن اب اس کی وفاداری سے روگردانی کی تھی، ایک ماہ تک مدافعت کی لیکن جب کامیابی کی کوئی امید نہ رہی تو وادی کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی۔ پھر تیمور نے ماژندران کو فتح کیا اور ری اور سلطانیہ کی طرف بڑھا اور یہ شہر جو کسی زمانے میں ایرانی بادشاہوں کے دارالسلطنت رہ چکے تھے، فتح کر کے سمرقند واپس ہو لیا۔

آذر بائیجان، گرجستان اور فارس کی مہم

امیر تیمور کی یہ مہم نسبتاً طویل تھی اور ۷۸۸ تا ۷۹۰ھ مطابق ۱۳۸۶ تا ۱۳۸۸ع جاری رہی؛ اس عرصے میں اس نے آذربائیجان فتح کیا۔ پھر دریائے ارس کو عبور کرکے گرجستان کو تہ و بالا کیا۔ یہاں گیلان اور شروان کے حکمران امیر تیمور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سرِ اطاعت خم کیا۔ اس کا دوسرا ہدف اب وان تھا جو قویونلو

خاندان کی نئی ابھرتی ہوئی حکومت کا صدر مقام تھا۔ وان پر حملہ ہوا تو وہاں کے حکمران قرا یوسف نے راہ فرار اختیار کی ۔

فارس میں آل مظفر کی حکومت تھی ، جس میں اصفہان بھی شامل تھا ۔ وہاں اب شاہ شجاع کا بیٹا زین‌العابدین حکمران تھا ۔ اس کے پاس تیمور نے اپنا ایلچی بھیجا ۔ بجائے اس کے کہ وہ بھی اپنے باپ کی طرح خیرسگالی کا اظہار کرتا ، ایلچی کو اسیر کر لیا ۔ اس کا نتیجہ نہایت خوفناک نکلا ۔ امیر تیمور نے اصفہان پر حملہ کرنے کا حکم دیا ۔ اہل شہر نے ہتھیار ڈال دیے ۔ لیکن جب تیموری لشکر کے سپاہی اصفہان کے گلی کوچوں میں خراج وصول کرنے کے لیے داخل ہوئے تو انھوں نے اہل اصفہان سے سنگ دلی کا سلوک کیا ۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ دفعۃً نقارے پر چوٹ پڑی اور اصفہانیوں کا مسلح ہجوم برآمد ہوا اور تین ہزار تاتاریوں کو تہ تیغ کر دیا ۔ تیمور نے اہل شہر کی اس جسارت کا انتقام بڑے خوفناک طریقے سے لیا ۔ صرف ایک دن میں پچاس ہزار اصفہانیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر ان کے سروں کا مینار کھڑا کیا ۔

امیر تیمور نے اب شیراز کا رخ کیا جہاں کے حکمران نے اس کی فہمائش کو درخور اعتنا نہ سمجھا تھا ۔ زین العابدین نے تیمور کی آمد کی خبر سنی تو راہ فرار اختیار کر کے شوستر پہنچ گیا ، جہاں اس کے چچا کے بیٹے منصور بن مظفر کی حکومت تھی ۔ شاہ منصور نے پذیرائی کرنے کے بجائے اسے زندان میں ڈال دیا ۔ تیمور شہر میں داخل ہوا تو وہاں شیراز، کرمان اور آس پاس کے علاقوں کے مظفری حکمران اس کے خیرمقدم کو آ جمع ہوئے ۔ تیمور نے ان کے اظہار دوستی کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھا اور سب کی حکومتوں کی توثیق کر دی اور خود سمرقند واپس چلا گیا ۔

تیمور کی واپسی کی خبر شاہ منصور کو ملی تو اس نے شیراز پر لشکر کشی کی اور اپنے بھائی یحییٰ کو جو شیراز کا حکمران تھا ، حکومت سے الگ کر کے وہاں کی حکومت خود سنبھال لی ۔ حافظ علیہ‌الرحمۃ کا یہ شعر اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے :

پیا کہ رایت منصور بادشاہ رسید   نوید فتح و بشارت بمہر و ماہ رسید

فارس اور عراق کی مہم

تیمور کو خبر ملی کہ اس کے مقرر کردہ حکمران یحییٰ کو منصور نے شیراز سے نکال باہر کیا ہے تو ۷۹۴ھ مطابق ۱۳۹۱ع میں تیس ہزار ترکوں کا لشکر لے کر ایران آیا ۔ اس مرتبہ اس نے استر آباد اور آمل کا راستہ اختیار کیا اور متعدد قلعے فتح کیے ، جہاں تک ابھی وہ نہیں پہنچا تھا ۔ اسماعیلیوں کے بعض مراکز بھی تباہ کیے جو ہلاکو کے ہاتھوں سے بچ رہے تھے ۔ خرم آباد اور شوستر بھی گیا اور قلعۂ سفید کو مسخر کیا جس کے ساتھ مشہور جرنیل رستم کی یادیں وابستہ ہیں ۔ آخر میں اس نے شیراز کا رخ کیا ۔ تیموری لشکر شیراز سے ابھی چند فرسنگ کے فاصلے پر تھا کہ منصور خود اپنے چار ہزار چیدہ جوانوں کا لشکر لیے ہوئے مقابلے کو آیا ۔ شرف الدین مصنف ''ظفر نامہ'' جو خود تیموری لشکر کے ساتھ تھا ، لکھتا ہے : ''شاہ منصور[1] ایک غضب ناک شیر کی طرح فوج لیے ہوئے پیش قدمی کر رہا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جمعہ کی نماز کے وقت اس نے پٹیلہ کے مقام پر تیس ہزار ترکوں کے لشکر پر حملہ کیا جو اپنے وقت کے چنے ہوئے بہادر تھے ۔ اس نے بے جگری سے حملہ کرتے ہوئے تیموری فوج کے دستوں کو درہم برہم کر دیا ۔ خود صفوں کو چیرتا ہوا قلب لشکر تک جا پہنچا ۔ پھر افعی کی طرح بل کھا کر مڑا ۔ معلوم ہوتا تھا اپنی جان دینے کے لیے جنگ کر رہا ہے ۔ تیمور حیران کھڑا سوچ رہا تھا کہ اتنا قوی اور بے باک شہزادہ کون ہو سکتا ہے جو خود اسی پر حملہ کرنے بڑھتا آ رہا ہے ۔ تیمور اسے دیکھ کر آگے بڑھا ۔ اپنا نیزہ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا ، لیکن نیزہ نہ ملا کیوں کہ نیزہ بردار پولاد منصور کی ضرب کھا کر بھاگ نکلا تھا ۔ تیمور جس کے اردگرد چودہ یا پندرہ نوجوان تھے ، اپنی جگہ پر جما رہا ۔ منصور تلواروں کے وار روکتا سیدھا آگے آیا ۔ دو مرتبہ تیمور پر تلوار کا ہاتھ مارا لیکن دونوں مرتبہ وار اوچھا پڑا اور وہ چٹان کی طرح اپنی جگہ پر جما رہا ۔ آخر ترکوں نے منصور کو گھیرے میں لے لیا اور تیمور کے بیٹے شاہ رخ

---

۱ ۔ ظفر نامہ شرف الدین ، احوال شاہ منصور ۔

مرزا نے بڑھ کر ایسا تلوار کا ہاتھ مارا کہ منصور کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ سر اٹھا کر اس نے تیمور کے قدموں پر لا ڈالا ۔ اس مقابلے سے تیمور نے یہ قیاس کیا کہ آل مظفر اس کے لیے پھر بھی کبھی خطرے کا موجب بن سکتی ہے۔ اس لیے یہ دیکھے بغیر کہ اطاعت گزار کون ہے اور نافرمان کون ، اس نے آل مظفر کے سب نوجوانوں کو تہ تیغ کر دیا اور اس طرح اس نامور خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا ۔

تیمور کی خارجی مہمیں

تیمور کی خارجی مہمیں اگرچہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں لیکن اس کی فاتحانہ عظمت کا تقاضا ہے کہ ان کا بھی ضمناً ذکر کر دیا جائے۔

۷۹۷ھ مطابق ۱۳۹۴ع میں تیمور نے لشکر جرار لے کر دشت قبچاق کو عبور کیا اور ماسکو میں لوٹ مار کی ۔ دوسرے سال توقاتمش کے علاقے کو تباہ و برباد کیا جس نے شروان پر حملہ کرنے کی جرأت کی تھی ، اور اس طرح کاکیشیا میں اپنی گرفت کو مضبوط کر لیا ۔

۸۰۰ھ مطابق ۱۳۹۸ع میں امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا ۔ ایک فوج کابل کی طرف سے ملتان پر حملہ کرنے کے لیے اور دوسری پنجاب پر یلغار کرنے کے لیے بھیجی ۔ فوج کے کچھ دستے خود لے کر دہلی کی طرف آیا ۔ ہر جگہ اسے کامیابی ہوئی اور ہندوستان کی گراں بہا دولت سمیٹ کر واپس ہوا ۔

۸۰۳ھ مطابق ۱۴۰۱ع میں شام ، حلب اور دمشق کو فتح کیا ۔ پھر مشرق کی جانب قدم بڑھائے اور بغداد کو مسخر کر کے اسے تہ و بالا کیا ۔ ان فتوحات سے فارغ ہو کر تبریز کی طرف کوچ کیا اور یہاں کچھ عرصہ آرام کرنے کے لیے ٹھہر گیا ۔ اس وقت تیمور کی عمر ستر سال تھی ۔

آخری مہم امیر تیمور نے ۸۰۴ھ مطابق ۱۴۰۲ع میں عثمانی ترک بادشاہ بایزید کے خلاف شروع کی ۔ یہ اس کی سب سے بڑی مہم تھی ۔ وسط ایشیا ، ایران اور ہندوستان میں اسے کسی طاقت ور حکومت سے سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اور آسانی سے فتوحات حاصل ہو گئی تھیں ، اب اس کا سامنا عثمانی ترکوں سے تھا ۔ ترکوں نے اس کا قدم قدم پر بے جگری سے مقابلہ

کیا جس میں تیمور کو بہت جانی نقصان اٹھانا پڑا - آخر انگورہ کے مقام پر ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں سلطان بایزید کو شکست ہوئی اور اسے گرفتار کر لیا گیا - قید سے نکلنے کی کوشش کی تو اس کے پاؤں میں بھاری زنجیر ڈال دی گئی - اس فتح سے سارے ایشیائے کوچک پر تیمور کا قبضہ ہو گیا اور بروسا ، نکائی اور سمرنا کی بندرگاہیں بھی اس کے تصرف میں آ گئیں -

انگلستان کے ہنری چہارم کے نام مراسلہ

ترکوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد تیمور نے انگلستان کے بادشاہ کے نام مراسلہ بھیجا - اس میں یہ پیشکش کی کہ انگریز تاجر اس کی مملکت میں آزادانہ تجارت کر سکیں گے - انگلستان کے بادشاہ نے جواب میں شکریہ ادا کیا اور ترکوں پر عظیم فتح پانے پر مبارک باد بھی پیش کی -

ہسپانیہ کا ایلچی دربار سمرقند میں

ہسپانیہ کے بادشاہ ہنری سوم نے سیاسی روابط استوار کرنے کے لیے کلیویجو کی سرکردگی میں جس نے سفارت و سفر کے حالات قلم بند کیے ہیں ، سمرقند میں اپنے سفیر بھیجے - کلیویجو کی یادداشتیں اس زمانے کا قدیمی ماخذ ہیں - ان کا ملخص بحوالہ سرپرسی سائیکس ذیل میں پیش کیا جاتا ہے[1] : ''تبریز کی خوب صورت مساجد کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی دیواروں پر نیلی اور سنہری پچی کاری کا کام کیا گیا ہے - یہاں کے مکان دو لاکھ اور آبادی دس لاکھ ہوگی - اس شہر کو مملکت میں مرکزی حیثیت حاصل ہے - گیلان کے متعلق اس نے سنے سنائے حالات پر اکتفا کیا ہے - سفارت کے بعض اراکین جو متواتر سواری کرنے اور دھوپ کھانے کی وجہ سے بیمار ہو گئے تھے ، نیشاپور پہنچ کر راہی ملک عدم ہوئے - مشہد میں سفیروں نے اجازت حاصل کرکے حضرت امام رضا کا روضہ بھی دیکھا -'' مزار کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ ''اس کے اوپر چاندی کا خول چڑھا ہوا ہے -'' اس کے بعد یہ مرو کی

---

۱ - A History of Persia : جلد دوم ، صفحہ ۳۳ ، ۳۴ -

جانب روانہ ہوئے۔ راستے میں صحرا پڑتا تھا جہاں یہ پیاس کی شدت سے مرتے مرتے بچے، آخر مرغاب پہنچے ۔ دریائے جیحوں کی خوب صورتی سے متاثر ہو کر لکھا ہے : ''معلوم ہوتا ہے یہ دریا جنت کے دریاؤں میں سے ایک ہے۔''

ترمذ کے قریب ایک لکڑی کے پل کو عبور کرکے مشرق دربند سے گزرے اور تیمور کے وطن کش پہنچ گئے ۔ اس شہر کی زینت و زیبائش نے انھیں بہت متاثر کیا ۔ یہاں کے محلات کی چمکدار سنہری اور روپہلی ٹائیلوں کو دیکھ کر ششدر رہ گئے ۔ آخر یہ سفیر سمرقند پہنچے اور آٹھ دن تک انتظار کرنے کے بعد انھیں تیمور کی خدمت میں باریابی حاصل ہوئی ۔ دربار عام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے ۔

''تیمور بیگ ایک خوب صورت محل کے دروازے کے سامنے ایک گنبد کے نیچے فرش پر بیٹھا تھا ۔ اس کے سامنے ایک فوارہ تھا ، جس کا پانی بہت اونچا اٹھتا تھا ۔ اس میں سرخ رنگ کے سیب اچھلتے تھے۔ تیمور آلتی پالتی مارے ریشم کے قالین پر بیٹھا تھا ۔ دائیں بائیں گاؤ تکیے تھے ۔ سلک کی قبا زیب تن تھی ، سر پر سفید رنگ کی اونچی دیوار کا کلاہ تھا جس کی چوٹی پر یاقوت چمکتا تھا ۔ اس کے گرد موتی اور جواہرات ٹنکے تھے ۔ ایلچیوں نے جوں ہی تیمور کو دیکھا ایک گھٹنا فرش پر ٹیک کر سینے پر ہاتھ باندھ لیے ۔ وہاں سے آداب بجا لاتے ہوئے آگے بڑھے ۔ پھر دوسری اور تیسری مرتبہ اسی طرح آداب بجا لائے۔ آخر آداب دربار کے مطابق دو زانو ہوگئے۔ تیمور نے مزید آگے آنے کو کہا تو درباریوں نے ، جو انھیں روکے ہوئے تھے ، آگے جانے کے لیے راستہ دیا ۔ تین دبیر جو تیمور کے سامنے کھڑے تھے ، بازو تھام کر انھیں آگے لائے یہاں تک کہ وہ سب تیمور کے برابر میں کھڑے ہوگئے تاکہ وہ انھیں دیکھ سکے کیوں کہ اس کی نظر کمزور تھی ۔ وہ اس قدر بوڑھا ہو چکا تھا کہ بھنویں ڈھلک کر نیچے کو آ رہی تھیں ۔ تیمور نے ایلچیوں کی مزاج پرسی کی اور کہا میرے فرزند یعنی تمھارے بادشاہ کے مزاج کیسے ہیں ؟ اس کی صحت تو اچھی ہے ؟ ایلچی جواب دے چکے تو تیمور بیگ اردگرد بیٹھے ہوئے امرا کی طرف متوجہ ہو کر

بولا ، دیکھیے ان ایلچیوں کو میرے بیٹے شاہ ہسپانیہ نے میرے پاس بھیجا ہے جو فرنگیوں کا سب سے بڑا بادشاہ ہے اور اس دنیا کے دوسرے کنارے پر مقیم ہے - اہل ہسپانیہ حقیقت میں ایک عظیم قوم ہیں - وہاں کا بادشاہ مجھے بیٹوں کی طرح عزیز ہے - اس کے لیے میری دعائیں ہیں - وہ اپنے سفیروں کو اپنا مراسلہ دے کر بھیج دیتا تو یہی کافی تھا ، تحائف بھیجنے کی بھلا کیا ضرورت تھی - میں اس کی صحت اور اس کی مملکت کی خوش حالی کی خبر سے بہت خوش ہوا ہوں -''

کلیویجو سمرقند کے خوب صورت باغوں اور محلوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے : ''باغوں کے اندر ٹائیلوں کے بنے ہوئے ایوان ہیں جن میں ہماری دعوتیں ہوئیں - وہاں کے عظیم الشان خیموں کو دیکھ کر ہم حیران رہ گئے- ان میں سے ایک خیمہ اتنا وسیع تھا کہ دور سے قلعہ سا دکھائی دیتا تھا - یہ خیمہ عجیب و غریب تھا - اس کی خوب صورتی اظہار و بیان سے بالا ہے'' -

سمرقند کے متعلق کلیویجو مزید لکھتا ہے : ''تیمور[1] کے اس محبوب شہر کے ارد گرد وسیع باغات ہیں - انگوروں کی بیلیں تو جگہ جگہ ہیں - شہر کے رہنے والے بیشتر قیدی ہیں جو مملکت کے ہر ہر حصے سے لا کر یہاں بسائے گئے ہیں - ان کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے - ان میں ترک ، عرب ، حبشی ، عیسائی ، ارمنی ، یونانی اور دوسری اقوام سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں -''

تیمور کی وفات

تیمور جب بایزید کو شکست دینے کے بعد سمرقند واپس آیا تو اس کی عمر اکہتر سال کی تھی لیکن فتوحات کی امنگ ابھی باقی تھی - اس نے اپنے امرا کو بلا کر چین کو فتح کرنے کی تجویز پیش کی کیوں کہ چینی حکمرانوں نے چنگیز خاں کی نسل کے لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کیا تھا اس لیے چین سے جنگ کرنا تیمور کے نزدیک قومی جنگ کا درجہ رکھتا تھا - اس مہم کے لیے دو لاکھ چیدہ نوجوانوں کی فوج تیار ہوئی اور ۸۰۷ھ مطابق ۱۴۰۴ع میں چین کی طرف کوچ کیا -

---

۱ - Tamerlane the Earth Shaker ، صفحہ ۱۷ ، ۱۸ -

انھوں نے دریائے سیحوں کو عبور کیا اور اترار کے مقام پر جا ٹھہرے جہاں چنگیز نے اپنے تاجروں کا انتقام لینے کے لیے چڑھائی کی تھی۔ لیکن تیمور یہاں دفعتاً بیمار ہو گیا - آخر یہ بیماری موت کا پیغام بنی اور اس طرح یہ مہم مکمل نہ ہو سکی -

تیمور کی شہرت

ایشیا کے فاتحین میں سے جس نے ایشیا اور یورپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا ، وہ امیر تیمور ہے - تیمور سے ڈیڑھ سو سال پہلے چنگیز نے فتوحات کا سلسلہ شروع کیا تھا ، لیکن مشرق قریب یا یورپ کے ساتھ اس کا براہ راست کوئی تعلق نہ تھا - اس کی وفات کے بعد البتہ اس کے جانشینوں نے شمال میں روس کا کچھ علاقہ اور ماوراءالنہر فتح کیا تھا۔ لیکن تیمور نے ادھر ایران اور ایشیائے کوچک کو مسخر کیا ، ادھر روس میں داخل ہو کر وولگا کی زیریں وادی کے قبچاقوں پر حملہ کیا اور پھر ماسکو میں لوٹ مار کی - واپس آکر ہندوستان کا رخ کیا ، جو مال و دولت کے ذخائر کی وجہ سے عالمگیر شہرت رکھتا تھا -

ہندوستان میں سکندر تو دریائے بیاس پر ہی پہنچ کر رک گیا تھا اور چنگیز محض سندھ ہی کو عبور کر پایا تھا ، لیکن تیمور سکندر اور چنگیز کی آخری فاتحانہ حدود سے آگے نکل گیا - مغرب کی طرف اس نے دمشق فتح کیا، پھر مملوکوں کی طاقت پر ضرب کاری لگائی - بالآخر انگورہ کے میدان میں سلطان بایزید ایسے عظیم عثمانی بادشاہ کو شکست دی۔ غرض کوئی ایشیائی فاتح تیمور کی فتوحات کو نہیں پہنچ سکا -

ہیرلڈ لیمب لکھتا ہے : ”یورپ[1] کے دروازوں پر جب اس کے گھوڑے ہنہنائے تو وہاں کے حکمرانوں نے تیمور اعظم ، شاہ تاتار کی خدمت میں اپنے سفیر بھیجے - انگلستان نے اس گمنام فاتح کو اس کی فتوحات پر خراج تحسین پیش کیا - بادشاہ فرانس چارلس ششم نے فاتح اعظم تیمور کی مدح سرائی کی - چالاک گینئوس نے قسطنطنیہ کے باہر اپنا جھنڈا گاڑا تو یونانی حکمران نے تیمور ہی سے مدد مانگی۔ لارڈ ڈان کاسٹی لی ہنری سوم نے اپنے مشہور امیر گانزیلس کلیویجو کو سفیر بنا کر تیمور کے پاس سمرقند بھیجا - کلیویجو واپس آیا تو اس نے بالفاظ ذیل تیمور کی فتوحات

---

۱ - Tamerlane the Earth Shaker ، صفحہ ۱۷ ، ۱۸ -

بیان کیں : ''شاہ سمرقند تیمور لنگ نے منگولوں کے تمام علاقے فتح کیے، خوارزم کو زیر نگیں کیا - ایران ، میڈیا ، تبریز اور سلطانیہ کو تہ و بالا کیا - آرمینیہ اور ارض روم کو اطاعت گزار بنایا - کردستان کو مطیع و منقاد کیا - ہندوستان کے بادشاہ کے ساتھ وہ صف آرا ہوا اور اس کی سلطنت کا بیشتر حصہ مسخر کیا - دمشق کو تباہ کیا، حلب پر اپنا علم گاڑا ، بابل و بغداد کو اپنی مملکت کا جزو بنایا - متعدد دوسرے علاقے زیر و زبر کیے اور پھر دنیا کے عظیم بادشاہ بایزید کے خلاف ایشیائے کوچک پر چڑھائی کرکے اس پر فتح پائی اور اسے قید کیا -''

تیمور کی سیرت

تیمور ایشیا کا ایک عظیم فاتح تھا - وہ اپنے غیر معروف قبیلے کا سردار تھا - بہت بہادر ، دانا ، سخی ، تجربہ کار اور متحمل مزاج شخص تھا - پرانے اور نئے فاتحین کی طرح اس نے بھی نوع انسان کا خون بہایا ، لیکن اس کے خون بہانے کی ضرور کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی تھی - بعض دفعہ مفتوحین نے بد عہدی کی تو اس نے ظلم و ستم روا رکھا اور بعض اوقات مصلحت وقت کے خیال سے بھی اس نے خون ریزی کی -

تیمور مسلمان تھا ، علما کی دل سے قدر کرتا تھا - جب کسی ملک پر فتح پاتا تو وہاں کے علما و مشائخ سے ملاقات کرکے ان کی دل جوئی کرتا - اس نے متعدد مسجدیں اور مدرسے تعمیر کرائے اور مؤرخوں کی حوصلہ افزائی کی - وہ خود بھی انشا پرداز تھا - شطرنج کھیلنے اور شکار کرنے کا بہت دل دادہ تھا - صاحب‌الرائے شخص تھا - کسی کی مجال نہ تھی کہ اس سے اپنی مرضی کا کام لے -

وہ ایک غیر معمولی فاتح تھا - اس نے ہر طرف لشکر کشی کی اور کہیں ناکام نہ ہوا - وہ جب فوت ہوا تو روس کی وولگا وادی سے لے کر خلیج فارس تک ، گنگا سے دمشق تک اور اس کے علاوہ ایشیائے کوچک اس کی مملکت میں شامل تھے -

تیمور کا مزار سمرقند میں ہے - آس پاس اس کے عزیزوں کے مقبرے ہیں - اس کو فوت ہوئے ساڑھے پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے لیکن اب بھی اس مقبرہ کو مقبرۂ تیمور کہنے کی بجائے امیر تیمور کہتے ہیں-

چنگیز و تیمور

چنگیز اور اس کے جانشینوں نے کرہ ارض پر جو تباہیاں کیں، ان کا ابھی مداوا نہ ہوا تھا کہ تیمور کے ہاتھوں شہروں کے شہر انسانی خون سے رنگین ہوئے۔ یہاں تک کہ صحراؤں کی ریت اور پہاڑوں کی چوٹیاں بھی انسانی خون سے گلگوں ہوئیں۔ لیکن کہا جا سکتا ہے کہ تیمور کی خوں‌ریزیاں چنگیز کی خوں ریزیوں سے کم تھیں۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ تیمور کا اخلاق اور مذہب، چنگیزی آداب و اخلاق سے مختلف تھا۔ چنگیز بنیادی طور پر خوں‌ریزی کی طرف مائل تھا۔ اکثر مقامات پر اس نے نوع انسان کا خون اس لیے بہایا کہ وہ بہتا ہوا خون دیکھ کر خوش ہوتا تھا، اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ جو لوگ مغلوب ہوچکے ہیں وہ پھر انتقام لینے کے قابل نہ ہو سکیں یا اس کے دشمنوں کے ساتھ مل نہ سکیں۔ مغلوب اقوام پر رحم کرنے کی اس کے نزدیک قطعاً گنجائش نہ تھی۔ لیکن تیمور کو کیا کشور کشائی کے خیال سے اور کیا اخلاق انسانی کے لحاظ سے، چنگیز پر ترجیح حاصل ہے۔ انتقام لینے کا وقت ہوتا تو اگرچہ بے رحمی میں دونوں یکساں تھے لیکن ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا کہ لوگوں نے تیمور کی اطاعت قبول کر لی ہو یا مقابلے میں نہ آئے ہوں تو تیمور نے ان کا قتل عام کرایا ہو۔ اس نے کبھی کسی تاریخی عمارت کو تباہ نہیں کیا۔ وہ ایک خاص ضابطۂ حیات کا پابند اور ایک خاص مسلک کا پیرو تھا۔ مذہباً مسلمان تھا اور کسی مسجد یا مدرسے کو اس نے نقصان نہیں پہنچایا۔ لیکن برعکس اس کے چنگیز بے دین تھا اور زندگی اس کے نزدیک کسی ضابطے کی پابند نہ تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کی مسجد میں داخل ہو گیا۔ گھوڑوں کی لگامیں علما کے ہاتھوں میں دیں اور کلام مجید رکھنے کے صندوقوں میں اس نے گھوڑوں کا چوکھر ڈالا۔ ایک اور واضح فرق ان دونوں کے جانشینوں میں یہ ہے کہ تیمور کے جانشین شاہرخ نے باپ کی تباہ کاریوں کا مداوا کیا۔ ایران کو آباد اور خوش حال بنانے کی کوشش کی۔ ادھر چنگیز کے جانشین جورماغوں اور ہلاکو جیسے خوں خوار انسان تھے جن کے ہاتھ عمل قبیح سے رکتے نہ تھے۔ ہر حالت میں تیمور کے جانشین

زیادہ مہذب اور زیادہ متمدن تھے ۔ ان کے زمانے میں فارسی زبان و ادبیات اور صنعت و حرفت نے ترقی کی اور اکثر شہر آباد و خوش حال ہوئے ۔

امیر تیمور کے جانشین

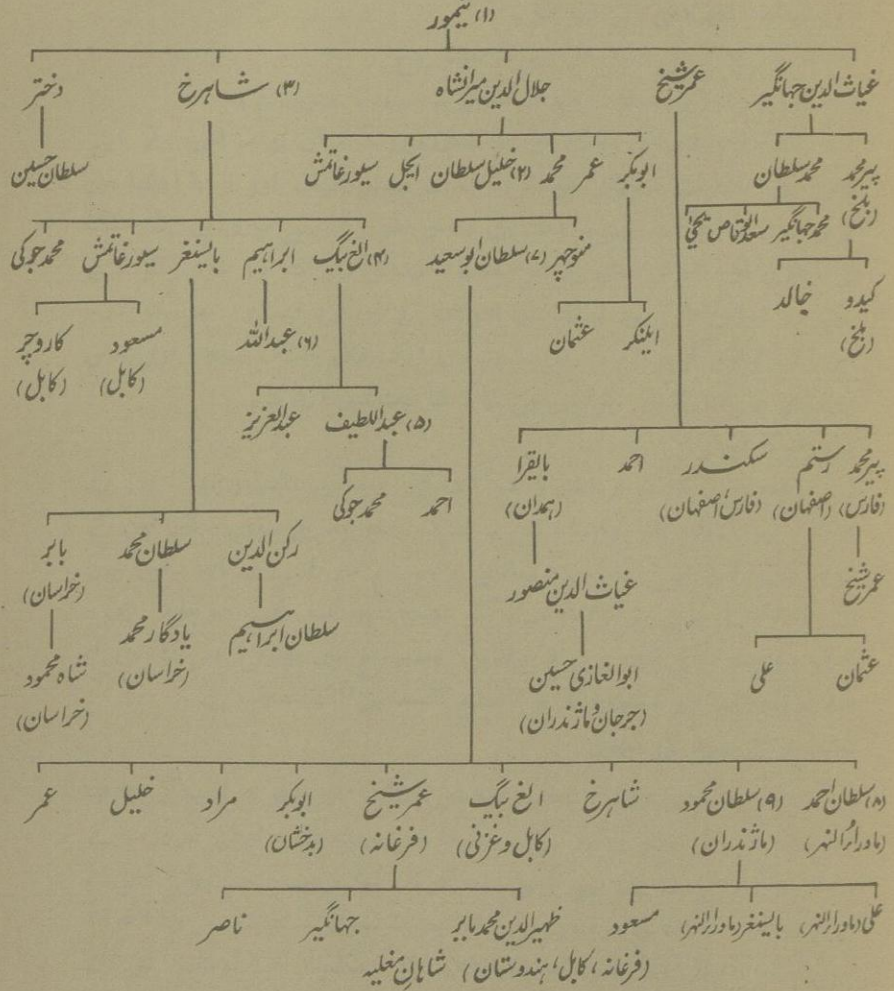
۱ ۔ خلیل سلطان (۸۰۷ھ مطابق ۱۴۰۴ع)

امیر تیمور کے چار بیٹے تھے جن میں جہانگیر اور عمر شیخ مرزا اس کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے ۔ میران شاہ اور شاہرخ بقید حیات تھے ۔ امیر تیمور نے جہانگیر کے بیٹے پیر محمد کو اپنا جانشین بنایا تھا ، لیکن میران شاہ کے بیٹے خلیل سلطان نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اسے تخت و تاج سے محروم کرکے سمرقند پر قابض ہو گیا ۔ نہ صرف یہ بلکہ علی تاز یا پیر علی نے جو پیر محمد کا وزیر رہ چکا تھا، اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ اس وقت شاہرخ ہرات کا حکمران تھا، اسے بھی تخت و تاج حاصل کرنے کا خیال آیا لیکن یہ معلوم کرکے کہ تمام امرا و اشراف خلیل سلطان کے ساتھ ہیں سمرقند جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور خراسان و ماژندران میں اپنی حکومت کو مستحکم بنانے میں مشغول رہا ۔

خلیل سلطان کی سیرت

خلیل سلطان علم دوست حکمران تھا ۔ علما و شعرا کی بہت قدر دانی کرتا تھا ۔ خود بھی شعر کہتا تھا ۔ یہ عاشق مزاج شخص تھا ۔ شاد ملک خاتون سے اسے والہانہ عشق تھا ۔ یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ شاد ملک کی کہی ہوئی کوئی بات پوری نہ ہو ۔ باپ کے جمع کیے ہوئے خزانے کو اس نے بے دریغ لٹایا ۔ اس کی فضول خرچیوں کی وجہ سے اعیان و امرا اس سے متنفر ہو گئے ۔ آخر انھوں نے خلیل سلطان کو معزول کرکے کاشغر میں نظربند کر دیا اور شاہرخ کو ہرات سے بلوا کر حکومت سونپی ۔ اس نے خلیل سلطان سے مروت اور شفقت کا سلوک کیا اور شاد ملک کو اس کے پاس بھیج دیا ۔ اس خاتون نے وفا کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑا ۔ ۸۰۷ھ مطابق ۱۴۰۴ع میں خلیل سلطان فوت ہوا

آلِ تیمور


(۱) تیمور
غیاث الدین جہانگیر
عمر شیخ
جلال الدین میرانشاہ
(۳) شاہرخ
دختر
سلطان حسین
پیر محمد (بلخ)
محمد سلطان
محمد جہانگیر
سعد وقاص
یحییٰ
کیدو (بلخ)
خالد
ابوبکر
عمر
محمد
(۲) خلیل سلطان
ایجل
سیورغاتمش
منوچہر
(۷) سلطان ابوسعید
ایلنکر
عثمان
(۴) الغ بیگ
ابراہیم
بایسنغر
سیورغاتمش
محمد جوکی
مسعود (کابل)
کاروچر (کابل)
(۶) عبداللہ
(۵) عبداللطیف
عبدالعزیز
احمد
محمد جوکی
رکن الدین
سلطان محمد
بابر (خراسان)
سلطان ابراہیم
یادگار محمد (خراسان)
شاہ محمود (خراسان)
پیر محمد (فارس)
رستم (اصفہان)
سکندر (فارس، اصفہان)
احمد
بایقرا (ہمدان)
عمر شیخ
عثمان
علی
غیاث الدین منصور
ابوالغازی حسین (جرجان و ماژندران)
(۸) سلطان احمد (ماوراء النہر)
(۹) سلطان محمود (ماژندران)
شاہرخ
الغ بیگ (کابل و غزنی)
عمر شیخ (فرغانہ)
ابوبکر (بدخشان)
مراد
خلیل
عمر
علی (ماوراء النہر)
بایسنغر (ماوراء النہر)
مسعود
ظہیر الدین محمد بابر (فرغانہ، کابل، ہندوستان) شاہانِ مغلیہ
جہانگیر
ناصر

تو اس نے بھی سینے میں خنجر بھونک کر جان دے دی اور دونوں کو ساتھ ساتھ دفن کر دیا گیا۔

۲ - شاہ رخ

(۸۰۷ تا ۸۵۰ھ مطابق ۱۴۰۴ تا ۱۴۴۶ع)

شاہ رخ باپ کی زندگی میں خراسان میں حکمران تھا۔ اس نے اپنے باپ کی سلطنت سنبھالی تو تقریباً نصف صدی ایران اور وسط ایشیا میں بڑی شان و شوکت سے حکومت کی۔ اس طویل عرصے میں اس نے ملک کی آبادی اور خوش حالی کے لیے جد و جہد کی۔ ہرات اور مرو کو ترقی دینے پر خاص طور سے توجہ دی اور ان کے اردگرد فصیلیں بھی بنوائیں۔ اس کی ملکہ گوہر شاد نے مشہد میں ایک عظیم الشان مسجد اور بعض دوسری عمارات تعمیر کرائیں جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔

شاہ رخ کا دربار

شاہ رخ کا دربار شان و شوکت کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس کے دربار سے متعدد علما وابستہ تھے۔ ممالک[۱] خارجہ کے سفیر اکثر اس کے دربار میں آتے تھے۔ ۸۲۲ھ مطابق ۱۴۱۹ع میں اس نے اپنا سفیر چین کے بادشاہ کے پاس مراسلات دے کر بھیجا جو اب بھی موجود ہیں۔ ایک سفارت دکن میں ۸۴۵ھ مطابق ۱۴۴۲ع میں بھیجی جس کا سربراہ عبدالرزاق تھا جو مشہور تاریخ "مطلع السعدین" کا مصنف ہے۔

شاہ رخ کے عہد کی مہمیں

شاہ رخ علم دوست شخص تھا اور سائنس اور علم و ادب کی طرف اس کی توجہ بہت زیادہ تھی۔ فطرتاً امن پسند تھا، لیکن ضرورت کے وقت جنگ کرنے سے بھی گریز نہ کرتا تھا۔ سب سے پہلے اس نے قراقویونلو خاندان کی طرف رجوع کیا جو تیموری سلطنت پر وقتاً فوقتاً حملے کیا کرتا تھا اور اس خاندان کے حکمران قرا یوسف کو تین مختلف مقامات پر جنگ کرکے فیصلہ کن شکست دی۔ قرا یوسف فوت ہوا تو اس کے بیٹے سکندر کو جو آذربائیجان کا حکمران تھا ۸۲۳ھ مطابق ۱۴۲۰ع میں اپنا باج گزار بنایا۔ پھر کرمان میں پیش قدمی کرکے وہاں

---

۱ - Asiatic Miscellanies, vol 1, Calcutta 1785.

کے حکمران اویس برلاس کو مطیع و منقاد کیا جس نے خراج ادا کرنا بند کر دیا تھا ۔

۸۳۰ھ مطابق ۱۴۲۶ع میں احمد نام ایک شخص نے جو لرکہ کے لقب سے مشہور تھا اور حروفی مذہب کے بانی فضل اللہ کا مرید تھا ، ہرات میں شاہ رخ پر قاتلانہ حملہ کیا جس سے وہ بال بال بچا ۔ حملہ آور کو پکڑ کر لوگوں نے وہیں ہلاک کر دیا ۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگوں کو بھی جو اس کے ہمنوا تھے موت کے گھاٹ اتارا گیا ۔

شاہ رخ کی سیرت

شاہ رخ نام ور حکمران تھا ۔ مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ نہایت عادل ، دین دار اور خدا ترس شخص تھا۔ وہ خود عالم تھا اور علم و معرفت کو بہت عزیز رکھتا تھا ۔ صناعوں کی حوصلہ افزائی کرتا تھا ۔ فن کاروں کو طرح طرح سے نوازتا تھا ۔ عبدالقادر اور یوسف اندکانی اس کے دربار کے مشہور موسیقار تھے ۔ قوام الدین معمار اور مولانا خلیل نقاش اپنے اپنے فن میں یکتا تھے ۔

شہزادہ بایسنغر

بایسنغر ، جو شاہ رخ کا بیٹا تھا ، بہت علم دوست اور ہنرمند شہزادہ تھا ۔ اس کا صدر مقام استر آباد تھا ، جہاں اس کی حوصلہ افزائی اور قدر دانی کی وجہ سے ارباب فضل و کمال کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ شاعر، صنعت گر ، نقاش ، خوش نویس آذربائیجان ، عراق اور فارس وغیرہ سے آ آ کر دربار استر آباد سے وابستہ ہوگئے تھے۔ شاہنامۂ فردوسی کا دیباچہ جو دیباچۂ بایسنغری کہلاتا ہے ، اسی کے زمانے میں لکھا گیا اور اسی شہزادہ کے نام منسوب ہوا ۔ بایسنغر ، شراب و خمر کا دلدادہ تھا ، آخر کثرت مے نوشی کی وجہ سے بیمار ہو گیا اور ۳۷ سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہوا ۔

شاہ رخ کی ایک تلخ یاد

شاہ رخ کا نام جہاں عدل و انصاف اور علم و فن کی قدر دانی کی وجہ سے مشہور ہے ، وہاں اس کے نام کے ساتھ ایک تلخ یاد بھی وابستہ ہے ۔ اس کے آخری ایام میں بایسنغر کے بیٹے محمد نے جو حاکم

فارس تھا ، علم بغاوت بلند کیا ۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں بعض مشہور علما کا بھی ہاتھ تھا ۔ شاہ رخ نے ان علما کو بغاوت کے الزام میں موت کے گھاٹ اتار دیا اور اہل ایران ان کے علم و فضل سے محروم ہو گئے ۔

شاہ رخ نے ۴۳ سال حکومت کرنے کے بعد ۸۵۰ھ مطابق ۱۴۴۶ع میں وفات پائی اور آلغ بیگ نے تخت و تاج سنبھالا ۔

۳ ۔ اُلغ بیگ

(۸۵۰ تا ۸۵۳ھ مطابق ۱۴۴۶ تا ۱۴۴۹ع)

شاہ رخ کے پانچ بیٹے تھے لیکن آلغ بیگ اور علاؤالدولہ کے سوا سب باپ کی زندگی میں وفات پاگئے ۔ آلغ بیگ باپ کے عہد میں ترکستان کا حکمران تھا ۔ اس کی توجہ زیادہ تر ترویج علوم کی طرف تھی۔ ۸۲۴ھ مطابق ۱۴۲۱ع میں اس نے ایک رصد خانہ بنوایا تھا جو "زیج جدید سلطانی" کے نام سے مشہور ہوا ۔ اس کی جدول ملک کے چار مشہور علما قاضی زادہ رومی ، ملا علاؤالدین علی قوشجی ، غیاث‌الدین جمشید کاشانی نے مرتب کی تھی ۔

آلغ بیگ بدنصیب حکمران تھا ۔ خاندانی جھگڑوں نے اسے مہلت ہی نہ دی کہ وہ امور مملکت کی طرف توجہ دے سکے ۔ حکومت سنبھالی ہی تھی کہ بایسنغر کے ایک بیٹے علاؤالدولہ نے جو استر آباد اور قوچان کا حکمران تھا ، علم مخالفت بلند کیا اور ہرات کو مسخر کرلیا ۔ ہرات کا حکمران آلغ بیگ کا بیٹا عبداللطیف تھا ، جسے علاؤالدولہ نے گرفتار بھی کر لیا ۔ لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اس نے آلغ بیگ سے مصالحت کرلی اور عبداللطیف کو آزاد کرکے خود استر آباد اور قوچان کی حکومت پر اکتفا کی ۔ دو سال ہی گزرے تھے کہ وہ پھر آلغ بیگ کے مقابلے میں صف آرا ہوا اور ہرات میں اسے شکست دی ۔ عبداللطیف نے ایک شخص عباس کو آلۂ کار بنا کر باپ کو ۸۵۳ھ مطابق ۱۴۴۹ع میں قتل کرا دیا ۔ الغ بیگ کی تاریخ وفات کسی نے "عباس کشت" (۸۵۳) سے نکالی ۔ عبداللطیف کو اس ناہنجاری سے کچھ حاصل نہ ہوا کیوں کہ ایک شخصِ بابا حسینؔ نے ۸۵۴ھ مطابق ۱۴۵۰ع میں

عبداللطیف کو قتل کر دیا اور تعجب ہے کہ اس کی تاریخ وفات کسی نے ''بابا حسین کشت'' (۸۵۴) سے نکالی۔ اس کے بعد میرزا عبداللہ کو حکومت ملی (۸۵۴ تا ۸۵۵ مطابق ۱۴۵۱ تا ۱۴۵۲ع)۔

۴۔ سلطان ابوسعید

(۸۵۵ تا ۸۷۲ھ مطابق ۱۴۵۲ تا ۱۴۶۷ع)

عبداللطیف کی وفات کے بعد تیموری حکومت بڑی تیزی سے زوال پذیر ہو گئی۔ یہاں تک کہ اس کے جانشین کے متعلق بھی مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن ابراہیم سلطان بن شاہرخ اس کا جانشین بنا، بعض کا خیال ہے کہ عبداللطیف کے بعد میرزا ابوالقاسم بابر بن بایسنغر نے حکومت سنبھالی۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ سلطان ابوسعید جو سلطان محمد بن میران شاہ بن تیمور کا بیٹا ہے، تخت و تاج کا وارث بنا۔

سلطان ابو سعید آغاز جوانی میں الغ بیگ کے پاس رہا تھا اور جب الغ بیگ قتل ہوا تو عبداللطیف نے ابو سعید کو زندان میں ڈال دیا۔ آخر ابو سعید زندان سے فرار ہو کر بخارا پہنچ گیا اور عبداللطیف کے قتل کی خبر سنی تو لشکر فراہم کرکے ترکستان کو مسخر کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے بعد ہرات پر لشکر کشی کی اور وہاں کے حکمران یادگار مرزا کو اسیر کر لیا اور ملکۂ شاہرخ، گوہر شاد کو ۸۶۱ھ مطابق ۱۴۵۶ع میں قتل کرا دیا اور ہرات اور خراسان کی حکومت سنبھال لی۔ ۸۶۲ھ مطابق ۱۴۵۷ع میں قراقویونلو قبیلے کے سردار جہان شاہ نے خراسان میں تاخت و تاراج کی اور ہرات پر قابض ہوگیا لیکن بعد میں ابوسعید سے مصالحت کرکے اس کا اتحادی بن گیا۔

۸۷۲ھ مطابق ۱۴۶۷ع میں جہان شاہ کو آق قویونلو قبیلے کے سردار اوزون حسن نے شکست دے کر قتل کر دیا۔ ابوسعید نے اس نئے دشمن سے مصالحت کرنے کے بجائے اس سے جنگ کی لیکن شکست کھا کر اسیر ہو گیا۔ اوزون حسن نے اسے یادگار مرزا کے سپرد کردیا جس نے اپنی دادی، گوہر شاد کا انتقام لینے کے لیے اسے اسی سال قتل کر دیا۔

اس قضیے کے بعد حکومت کی باگ ڈور آق قویونلو قبیلے کے ہاتھ آ گئی۔ البتہ سلطان احمد پسر ابو سعید نے کچھ عرصہ ماوراءالنہر میں اور

اس کے بھائی سلطان محمود نے بدخشاں، ترمذ اور اس کے اطراف میں حکومت قائم کی ۔ سلطان احمد ۸۹۹ھ مطابق ۱۴۹۳ع میں فوت ہوا اور سلطان محمود ۹۰۵ھ مطابق ۱۴۹۹ع میں شیبک خان آزبک کے ہاتھوں مارا گیا ۔

۵ ۔ سلطان حسین بایقرا

سلطان حسین بن منصور بن بایقرا ایک تیموری شاہزادہ تھا جس کی حکومت استر آباد میں تھی اور بعد میں ہرات اس کی سلطنت میں شامل ہو گیا ۔ آسے ابو سعید نے ۸۶۲ھ مطابق ۱۴۵۷ع میں استر آباد کی حکومت سونپی تھی ۔ اس پر آزبکوں کے سردار شیبانی خاں نے حملہ کیا تو سلطان حسین نے عمر شیخ مرزا کے بیٹے بابر کو مدد کے لیے بلایا ۔ بابر اپنے مختصر سے جاں نثاروں کو لے کر آیا اور شیبانی خان کو پسپا کرنے میں کامیاب ہو گیا ۔

سلطان حسین بایقرا کے متعلق بابر اپنی تزک میں لکھتا ہے : "وہ تفریح پسند اور خوش مزاج شخص تھا ۔ بہت عجلت پسند تھا ۔ اس کے اظہار و بیان میں بھی پوری تیزی تھی ۔ خود تلوار لے کر میدان جنگ میں اترتا تھا ۔ خنجر زنی میں تیموری خاندان میں اس کے پائے کا اور کوئی نہ تھا ۔ شعر گوئی کی طرف قدرتی میلان رکھتا تھا ، شعر اچھے خاصے کہتا تھا ۔ مینڈھے لڑانا ، کبوتر آڑانا اور مرغوں کی لڑائی دیکھنا اس کا مشغلہ تھا ۔"

سلطان حسین بایقرا بہت علم دوست اور علما و شعرا کا قدر دان تھا۔ اس کے دربار میں دانش وروں اور باکمال لوگوں کا مجمع لگا رہتا تھا ۔ شاعروں ، ادیبوں اور فن کاروں کو وظائف ملتے تھے ۔ مشہور شاعر عبدالرحمان جامی ، شہرۂ آفاق مورخ میرآخوند اور معروف نقاش بہزاد اس کے دربار سے وابستہ تھے ۔ اس کی علم پروری کی وجہ سے ہرات علم و فن کا بہت بڑا مرکز بن گیا تھا ۔ ستر سال کی عمر میں اس پر فالج گرا اور ۹۱۱ھ مطابق ۱۵۰۵ع میں وہ جاں بحق ہو گیا ۔

سلطان حسین بایقرا کا وزیر میر علی شیر نوائی تھا ، جو خود ایک عالم شخص تھا ۔ فارسی اور ترکی دونوں زبانوں میں یدطولیٰ رکھتا تھا ۔ اس کی وجہ سے بھی علما ، ادبا اور اہل فن کی قدردانی ہوئی ۔ اس کی وفات ۹۰۶ھ مطابق ۱۵۰۰ع میں ہوئی ۔

قراقویونلو اور آق قویونلو

قراقویونلو ۷۸۰ تا ۸۷۳ھ مطابق ۱۳۷۸ تا ۱۴۶۹ع

قراقویونلو ترکمانوں کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ ان کا اپنا قومی علم تھا، جس پر سیاہ[1] بھیڑ کا نشان ہوتا تھا۔ آٹھویں صدی ہجری مطابق چودھویں صدی عیسوی میں انھوں نے روس کی وادی والگا میں اقتدار حاصل کیا۔ امیر تیمور کے زمانے میں یہ لوگ وطن سے نکل کر آرمینیا اور آذربائیجان میں آبسے۔ پھر ان کے ایک رئیس بیرم خواجہ نے سلطان اویس جلائر کے دربار میں ملازمت اختیار کی جس سے انھیں کچھ استحکام حاصل ہو گیا۔ اویس فوت ہوا تو بیرم خواجہ نے موصل، سنجر اور ارجش کے علاقے فتح کیے۔ آخر ۷۸۲ھ مطابق ۱۳۸۰ع میں اس نے وفات پائی۔

بیرم خواجہ کے بعد اس کے بیٹے قرا محمد نے جلائری سلاطین کی ملازمت جاری رکھی اور سلطان اویس کے بیٹے سلطان احمد کے عہد میں فوجی خدمات پر مامور ہوا۔ لیکن جب سلطان احمد نے شام پر لشکر کشی کی تو قرا محمد لڑتے لڑتے مارا گیا۔ ۷۹۲ھ مطابق ۱۳۸۹ع میں اس کے بیٹے قرا یوسف کو کچھ اقتدار حاصل ہوا تو اس نے آذربائیجان فتح کرکے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی اور خود مختار ہو بیٹھا اور تبریز کو اپنا صدر مقام بنا لیا۔ اس نے کئی مرتبہ تیمور سے مردانہ وار جنگ کی۔ آخر مجبوراً آذربائیجان سے نکل کر ترکیہ پہنچا اور سلطان بایزید عثمانی کے دربار میں پناہ گزیں ہو گیا۔ امیر تیمور نے اپنا آخری حملہ بایزید کے خلاف محض اس لیے کیا تھا کہ اس نے تیمور کے حریف کو اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ قرا یوسف کو عثمانی حکمران کی طرف سے کمک ملی تو اس نے بغداد پر لشکر کشی کرکے اسے فتح کر لیا اور وہاں اپنی حکومت قائم کی، لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ امیر تیمور نے حملہ کرکے اسے بغداد سے نکال باہر کیا۔ اب کی

۱۔ اسی وجہ سے مورخین یورپ انھیں "Black Sheep Dynasty" لکھتے ہیں۔

دفعہ اس نے اپنے ساتھیوں سمیت مصر کا رخ کیا - سلطان مصر نے تیمور کے خوف سے پناہ دینے کے بجائے اسے اسیر کر لیا لیکن تیمور کی وفات کی خبر ملی تو اس نے قرا یوسف کو رہا کر دیا - یہاں سے اس نے دیار بکر پر لشکر کشی کرکے اسے فتح کیا - ۸۰۹ھ مطابق ۱۴۰۶ع میں ابوبکر کو نخجوان کے میدان میں شکست دے کر اپنی شکست کا بدلا چکا لیا - پھر آذربائیجان کی طرف پیش قدمی کی اور وہاں بھی اس کا قبضہ ہو گیا۔ ۸۲۳ھ مطابق ۱۴۲۰ع میں اس نے ساوہ، قزوین اور سلطانیہ بھی یکے بعد دیگرے فتح کر لیے - آخر ۱۴۲۰ع میں وفات پائی -

قرایوسف کی وفات پر امیر سکندر کو باپ کی سلطنت ملی تو شاہرخ نے آذربائیجان پر چڑھائی کی جس میں امیر سکندر کو شکست ہوئی - لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد اس نے آذربائیجان پر حملہ کرکے شاہرخ کے حاکم کو وہاں سے نکال باہر کیا - ۸۲۸ھ مطابق ۱۴۲۴ع میں اس نے اخلاط کے حکمران شمس الدین پر حملہ کرکے اسے شکست دی - ۸۳۰ھ مطابق ۱۴۲۶ع میں سلطان احمد، والی ترکستان کو مغلوب کیا اور شیروان اور سلطانیہ کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا - اس کے باوجود جب ۸۳۲ھ مطابق ۱۴۲۸ع میں شاہرخ سے مقابلہ کیا تو شکست کھائی - اس کا بھائی جہان شاہ اگرچہ شروع میں امیر سکندر کا ہمنوا تھا لیکن آخر شاہرخ سے جا ملا - ۸۳۸ھ مطابق ۱۴۳۴ع میں جب شاہرخ کی پھر آمد آمد ہوئی تو امیر سکندر کے لیے سوائے فرار کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا - شاہرخ نے اس کے مقبوضات اس کے بھائی جہانشاہ اور اس کے بھتیجے شاہ علی داد کے سپرد کر دیے - سکندر نے سنبھل کر شاہ رخ سے دو دو ہاتھ کرنے چاہے لیکن وہ اپنے ہی بیٹے قباد کے ہاتھوں ۸۳۹ھ مطابق ۱۴۳۵ع میں مارا گیا -

جہان شاہ اپنی مملکت کو وسیع کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا رہا - ۸۵۶ھ مطابق ۱۴۵۲ع میں اس نے اصفہان فتح کیا، پھر فارس اور کرمان پر بھی اس کا تسلط ہوا - حکومت کچھ مستحکم ہوئی تو ۸۶۷ھ مطابق ۱۴۶۲ع میں خراسان کو مسخر کرنے کا منصوبہ بنایا اور ہرات پہنچ کر اپنی رسم تاجپوشی ادا کی - ابو سعید بھی دشمن کی تیاریوں سے

غافل نہ تھا ، اس نے جہان شاہ کے بیٹے حسن کو جو آذربائیجان کے زندان میں دن کاٹ رہا تھا ، آزاد کر دیا اور جہان شاہ کے خلاف اسے کمک بہم پہنچائی - اس نے اپنے باپ کے خلاف علم مخالفت بلند کیا - اب جہان شاہ نے یہی بہتر سمجھا کہ سلطان ابو سعید سے مصالحت کرلے- چناں چہ خراسان میں پیش قدمی کا ارادہ ترک کرکے آذربائیجان کی طرف واپسی اختیار کی اور اپنے بیٹے کو بغاوت کی پاداش میں قتل کر دیا - حسن کے فتنے کو دور کرنے کے بعد اس نے دوسرے بیٹے پیر بداق کی طرف رجوع کیا اور اصفہان کی حکومت اس سے لے کر بغداد کی حکومت اسے سونپ دی - بغداد میں حکومت مستحکم کرنے کے بعد پیر بداق نے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا - جہان شاہ نے اسے بغاوت کا مزہ چکھانے کے لیے بغداد کا رخ کیا- بغداد کا محاصرہ کرکے اس نے پیر بداق کو ہلاک کر دیا - اب خراسان کے علاوہ بحیرۂ خزر کے علاقے اور عراق عرب اس کی مملکت میں شامل تھے- لیکن کشور کشائی کی ہوس نے اسے چین نہ لینے دیا اور دیاربکر کا رخ کیا جو آق قویونلو قبیلے کے سردار اوزون حسن (حسن بیگ یا حسن پائندری) کے تسلط میں تھا - سردار اوزون حسن سے جنگ کرتے ہوئے وہ (۸۷۲ھ مطابق ۱۴۶۷ع) میں مارا گیا - اس پر قراقویونلو قبیلے کی حکمرانی کا خاتمہ ہو گیا -

آق قویونلو (۷۸۰ تا ۹۰۸ھ مطابق ۱۳۷۸ تا ۱۵۰۲ع)

قراقویونلو قبیلے کی طرح یہ بھی ترکمانوں ہی کا ایک قبیلہ تھا- اس کا الگ اپنا جھنڈا تھا ، جس پر سفید بھیڑ کا نشان ہوتا تھا[1] - اس قبیلے کے اقتدار کا زمانہ بھی کم و بیش وہی ہے جو قراقویونلو کا تھا - اس قبیلے کا سب سے پہلا شخص جسے شہرت حاصل ہوئی ، بہاءالدین قرا عثمان تھا - اس نے شام اور ایشیائے کوچک کی فتوحات میں مغلوں کو مدد دی تھی جس کے صلے میں امیر تیمور نے اسے دیار بکر کی حکومت دے دی - قرا عثمان کے بعد اس کا بیٹا علی بیگ ۸۳۸ھ مطابق ۱۴۳۴ع میں

---

۱ - آق قویونلو : سفید بھیڑ -

اس کا جانشین ہوا لیکن اس کے بھائی حمزہ نے اس کے خلاف بغاوت کر کے اسے فرار ہونے پر مجبور کر دیا - آخر اس نے سلطان مراد عثمانی کے دربار میں پناہ لی -

اوزون حسن

علی بیگ کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر دیاربکر اور آس پاس کے علاقے کا حکمران بنا - پھر اس کے بھائی حسن بیگ نے جو اوزون حسن کے نام سے مشہور ہوا ، دیاربکر کی حکومت سنبھالی - جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ قراقویونلو قبیلے کا آخری حکمران حسن علی ، اوزون حسن کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور یہ بھی ذکر آ چکا ہے کہ ابو سعید نے جب آذربائیجان پر حملہ کیا تو وہ اوزون حسن کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تھا - آخر اوزون حسن ایران کا بادشاہ بنا - اس کی وفات ۸۸۳ھ مطابق ۱۴۷۸ع میں ہوئی -

اوزون حسن کے جانشین

اوزون حسن کے بعد اس کے بیٹے خلیل نے چھ ماہ حکومت کی - اوزون حسن کے بھائی یعقوب نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور خوی کے قریب خلیل کو قتل کر دیا - یعقوب نے سترہ سال حکومت کی - اس کے عہد کا یہ اہم واقعہ ہے کہ شاہ اسماعیل صفوی کا باپ شیخ حیدر قتل ہوا تھا - یعقوب ۷۹۶ھ مطابق ۱۳۹۳ع میں فوت ہوا -

یعقوب کے بعد اس کے بیٹے بایسنغر نے حکومت سنبھالی لیکن وہ ایک سال اور آٹھ ماہ حکومت کر پایا تھا کہ اس کے چچا زاد بھائی رستم بن مقصود نے اسے شکست دے کر حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی - آخر خانگی عداوتوں کی وجہ سے اس کی حکومت کمزور پڑ گئی اور صفویوں کی حکومت کے لیے راستہ ہموار ہو گیا - آق قویونلو خاندان کی حکومت کے خاتمے کا ذکر صفوی عہد سے متعلق ہے اس لیے اس کی تفصیل صفوی عہد ہی میں پیش کی جائے گی -

فن و ثقافت تیموری دور میں

تیموری مغلوں کے زمانے کی معماری چنگیزیوں سے چنداں مختلف

نہ تھی - البتہ تیمور اور اس کے جانشینوں نے گنبد دار مسجدوں کی تعمیر پر بہت زیادہ توجہ دی - اس قسم کی مساجد کا کامل نمونہ تبریز کی ایک مسجد ہے جو ''مسجد کبود'' کے نام سے موسوم ہے - یہ مسجد قراقویونلو قبیلے کے زمانے کی یادگار ہے - اس کا گنبد بہت اونچا اور وسیع ہے - اس مسجد کی کاشی کاری نسبتاً جدید معلوم ہوتی ہے - جدید ان معنوں میں کہ پہلے کاشی کی ٹائیلوں کے کناروں پر میناکاری ہوتی تھی اور وہ ٹائیلیں عمارت کی اندرونی دیواروں میں استعمال ہوتی تھیں - اب ایرانی صنعت گروں نے کاشی کی ٹائیلوں کے اوپر الگ سے تصویریں بنانا شروع کیں- اس قسم کی ٹائیلیں مسجد تبریز کی اندرونی دیواروں پر لگائی گئی ہیں - ان ٹائیلوں سے زینت میں تو اضافہ ہوتا تھا لیکن ٹائیلوں کی تصویریں یا قطعات بہت دیرپا نہیں ہوتے تھے- چنانچہ نویں اور دسویں صدی ہجری کی ٹائیلیں ضائع ہو گئیں لیکن قدیم کاشی کاری کے نمونے بدستور باقی ہیں -

عمارتیں

تیموری دور کی بعض عمارتیں مذکورہ ذیل ہیں :

۱ - مسجد گوہر شاد

شاہ رخ کی ملکہ گوہرشاد نے حضرت امام رضا کے مقبرے کی آرائش میں بڑی فیاضی سے دولت صرف کی - ایک عالی شان مسجد بھی اس عفیفہ کی یادگار ہے جو ''مسجد گوہرشاد'' کے نام سے مشہور ہے - تیموری دور کے فن تعمیر کا یہ نہایت عمدہ نمونہ ہے - شمال مغربی سمت ایک نیلگوں گنبد ہے جو ''ایوان مقصورہ'' کے نام سے موسوم ہے - ایوان کے اندر خوب‌صورت ٹائیلوں اور چمکدار پلستر کا کام ہوا ہے - یہ مسجد بہت وسیع اور بلند ہے - خوب‌صورتی ، فن کی ہم آہنگی اور عمدہ کاشی کاری کی وجہ سے وسط ایشیا کی خوش نما ترین مسجد ہے - اس کے عظیم‌الشان ایوان کے سامنے گہری نیلی سطح پر سفید الفاظ میں ایک کتبہ ہے جس کا مفہوم یہ ہے ''اس مسجد کو پاک نفس عفیفہ گوہر شاد نے تعمیر کرایا ہے - خدا کرے کہ اس کی عظمت ہمیشہ برقرار رہے! خدا اس کی خدمت کو قبول کرے

جو اس نے ثواب دارین کی خاطر اپنی ذاتی ملکیت سے مسجد بنوا کر سر انجام دی - یہ مسجد خدا کی خوشنودی کے لیے بادشاہ عرب و عجم شاہ رخ کے عہد میں ، کہ خدا اس کی سلطنت کو ہمیشہ قائم رکھے ، تعمیر ہوئی !''

یہ کتبہ بایسنغر پسر شاہ رخ پسر تیمور گورگانی نے ۸۲۱ھ مطابق ۱۴۱۸ع میں نصب کیا -

۲ - مسجد ضعیفہ

مسجد گوہر شاد کے پہلو میں ایک اور مسجد ہے - کہا جاتا ہے کہ گوہر شاد نے مسجد کی تعمیر کے لیے جو زمین لی اس کے ساتھ ایک بڑھیا کی زمین بھی ملحق تھی - بڑھیا اپنے قطعۂ زمین کو کسی قیمت پر فروخت نہیں کرنا چاہتی تھی - اسے وہ صرف ایک شرط پر دینے کو آمادہ تھی کہ اس جگہ پر اس کے نام کی ایک مسجد تعمیر کرائی جائے - چنانچہ اس قطعۂ زمین پر ایک اور مسجد تعمیر ہوئی جو ''مسجد ضعیفہ'' کے نام سے موسوم ہے -

۳ - مدرسہ خرگرد

خواف کے نزدیک ایران اور افغانستان کی سرحد پر ایک مدرسہ ہے جو شاہرخ نے بنوایا تھا - یہ مدرسہ مستطیل رقبے میں ہے - اس کی اندرونی دیواروں پر گہرے نیلے رنگ کی ٹائیلیں لگی ہیں - ان میں ہلکے نیلے ، سفید اور سنہرے پھول ہیں - صدر دروازہ پر ایک گنبد ہے جس پر نہایت خوب صورت اور رنگین پلستر ہوا ہے - یہ عمارت ۸۴۸ھ مطابق ۱۴۴۵ع میں مکمل ہوئی تھی - اب اس کی حالت خستہ سی ہے -

۴ - مقبرہ شاہ نعمت‌اللہ

کرمان کے قریب ماہن کے مقام پر سید نورالدین کا مقبرہ ہے جو شاہ نعمت‌اللہ ولی کے نام سے مشہور ہیں - یہ بزرگ ، تیمور اور شاہ رخ کے عہد میں ہوئے ہیں - مقبرے کا صدر دروازہ عظیم‌الشان ہے - اس کے دو کونوں پر دو مینار ہیں - مقبرے کا رنگ نیلگوں سبز ہے - اس پر بھی کاشی کاری

ہوئی ہے - مقبرے کا صحن اور صدر دروازہ محمد شاہ قاچار نے تعمیر کرایا تھا - مقبرے کی عمارت کے وسط میں ایک ایوان ہے جس کے ساتھ گیلریاں ہیں جو نہایت موزوں اور متناسب ہیں - مغربی سمت کی گیلری شاہ عباس صفوی نے ۹۹۹ھ مطابق ۱۵۹۰ء میں تعمیر کرائی تھی - دیواروں کے اندرونی حصوں پر کاشی کاری میں گلکاری ہوئی ہے -

مزار زرد سنگ مرمر کے ٹکڑوں کا بنا ہے جو گنبد کے عین نیچے ہے - یہ مزار ۸۴۰ھ مطابق ۱۴۳۶ء میں بنا تھا - اس کے دروازے صندل کی لکڑی کے ہیں جن کی حالت اب کچھ خستہ سی ہے - مقبرے کی ٹائلیں نہایت دلکش ہیں - مقبرے کے اردگرد سبزہ ہی سبزہ ہے - قریب ہی پانی کا چشمہ ہے جس میں نیلگوں آسمان کا عکس عجیب دل ربا منظر پیش کرتا ہے - اس کی خوب صورتی مسافروں کے دلوں پر گہرا نقش چھوڑتی ہے اور اہل فن اس سے متاثر ہو کر اس کی تقلید کرتے رہے ہیں - اس کی تصویروں میں مغلوں کے اولین عہد کی نقاشی کے نمونے ملتے ہیں جن میں عہد ایلخانی سے پہلے کے اسلامی اور چینی فن کا امتزاج پایا جاتا ہے - چینی نقاشوں ، چینیوں کے موقلم ، رنگ آمیزی اور ان کی ترکیب خطوط کا جہاں اثر ہوا وہاں بعض افسانوی حیوانات جن کا رواج اسلامی عہد کی نقاشی میں نہ تھا ، ایرانی نقاشی کا جزو بن گئے - چینی اور ایرانی فن نقاشی کا یہی امتزاج ہمیں تیموریوں کے عہد میں اپنے عروج پر نظر آتا ہے -

صنعت و حرفت

اہل ایران نے اس دور کے صنعتی آثار پر بہت کم توجہ دی ہے - اس لیے علم الآثار کے ماہرین نے منگول عہد کے مصنوعات پر تحقیقات نہیں کی - بعض اشیا جو فراہم ہوئی ہیں اور اب یورپ اور امریکہ کے عجائب خانوں میں موجود ہیں ، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد مغول میں صنعت کاری پر بھی توجہ دی جاتی تھی - ان نمونوں سے اس دور کی ایرانی صنعت کے آثار نمایاں ہیں - کاشی کاری ، مٹی کے پیالے بنانے ، چاندی ، تانبے اور لکڑی میں منبت کاری کرنے ، زربفت کا عمدہ کپڑا بننے اور اسلحہ بنانے کی صنعتیں عام تھیں -

قیمتی کپڑا بننے کا رواج منگولوں کے غلبے سے بہت پہلے بھی تھا، لیکن ایلخانی عہد میں اسے اور ترقی ہوئی، کیوں کہ امرا، وزرا اور حکام کو ہر سال ایلخانی حکمرانوں کے لیے تحائف بھیجنے پڑتے تھے، اس لیے زربفت کی صنعت نے بہت ترقی پائی - اس کے لیے تبریز، گرجستان، بغداد مرو، طوس، شوستر، شیراز اور نیشاپور میں کارخانے قائم کیے گئے۔ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، فتح تبریز کے بعد وہاں کے رہنے والوں نے اوکتائی قاآن کو پیش کرنے کے لیے اطلس، سمور اور سنجاب کا ایک گراں بہا خیمہ تیار کیا تھا جو اس دور کی کاریگری کا عمدہ نمونہ تھا -

عطا ملک جوینی کے دور حکومت میں بغداد میں اعلیٰ کپڑے بننے کے کارخانے قائم ہوئے جن کا بنا ہوا کپڑا اطراف عالم میں پسند کیا جاتا تھا - عطا ملک کو بھی ہر سال گراں بہا تحائف ایلخانیوں کے دربار میں بھیجنے پڑتے تھے اس لیے وہ زربفت کی صنعت کو زیادہ سے زیادہ ترقی دینے کے لیے کوشاں رہتا تھا -

قالین سازی

قالین سازی کی صنعت قدیم زمانے سے قائم ہے اور دنیا بھر میں مشہور ہے - حقیقت میں ایران کی سب سے بڑی برآمد قدیم زمانے میں قالین ہی تھے - تاجر لوگ قالین خلیج بنگال کے راستے ہندوستان اور یورپ کی منڈیوں میں لے جاتے تھے - لیکن قالینوں کے ایسے نمونے نہیں ملتے جنھیں خاص منگولوں کے دور سے مخصوص کیا جا سکے -

معماری

چنگیز اور اس کے جانشینوں کی فتوحات کے بعد ایرانی اور چینی معماروں اور فن کاروں کے مابین ارتباط پیدا ہوا جس سے ایرانی فن تعمیر بالخصوص کاشی کاری میں بڑی تبدیلیاں پیدا ہوئیں - گنبد جو سلجوق دور میں بنائے جاتے تھے، وہ اس دور میں بھی بنے لیکن فن گنبد سازی نے اس دور میں اور ترقی پائی - اس دور کے گنبد اندر سے بیضوی ہیں اور انھیں اندرونی سطح پر کاشی کاری سے زینت دی گئی ہے - اس دور کی اہم ترین عمارت الجائتو خدا بندہ کا مقبرہ ہے - اس پر بہت بڑا گنبد ہے - احاطہ اس کا آٹھ گوشہ ہے - اس کے اطراف میں تین درگاہیں ہیں - درمیانی

درگاہ سب سے زیادہ وسیع ہے - اس کے چار کونوں پر اونچے اونچے مینار ہیں -

تیموری دور کے شعرا و ادبا

محمد حافظ شیرازی (وفات ۷۹۱ھ مطابق ۱۳۸۸ع)

آپ سر زمین ایران کے وہ عظیم شاعر ہیں جنھوں نے شعر و فکر کے امتزاج سے فارسی شاعری کو ایسی بلندیوں تک پہنچایا کہ کوئی انھیں چھو بھی نہ سکا - آپ کے شاعرانہ افکار نے مشرق و مغرب دونوں سے خراج تحسین وصول کیا - جرمن شاعر گوئٹے نے تو آپ کی تقلید میں جرمن زبان میں غزلیں کہیں - تیمور کے ہاتھوں ایران میں جو بربادی ہوئی اس سے حافظ بہت متاثر تھے - ان کے کلام میں اس زمانے کی سیاست اور معاشرے کی کیفیت صاف جھلکتی نظر آتی ہے - دیوان حافظ ان کی عظیم یادگار ہے -

نورالدین عبدالرحمان جامی (۸۱۷ تا ۸۹۸ھ مطابق ۱۴۱۴ تا ۱۴۹۲ع)

ایران کے مشہور شعرا میں انھیں بھی امتیازی حیثیت حاصل ہے - نظم میں دیوان ، مثنویات ہفت اورنگ (سات مثنویوں کا مجموعہ) آپ کی یادگاریں ہیں -

نثر نویس

خواجہ نورالدین لطف اللہ

حافظ آبرو کے لقب سے مشہور ہوا - امیر تیمور کے مقربین میں سے تھا - ''زبدۃ التواریخ'' اس کی یادگار ہے جو ۸۲۹ھ مطابق ۱۴۲۵ع میں پایۂ تکمیل کو پہنچی - یہ تاریخ چار جلدوں میں ہے - تیسری اور چوتھی جلد جو بعد از اسلام کے واقعات سے متعلق ہے ، اب ناپید ہے -

عبدالرزاق سمرقندی

''مطلع السعدین'' کا مؤلف ہے - اس تاریخ میں ابو سعید ایلخانی سے ابو سعید تیموری تک (۷۰۴ تا ۹۷۲ھ مطابق ۱۳۰۴ تا ۱۵۶۴ع) کے حالات درج ہیں -



آرام گاه حافظ ـ شیراز

فصیحی خوافی

تیموری دور کا مشہور مؤرخ تھا ۔ اس نے ''مجمل فصیحی'' کے نام سے تاریخ لکھی جو ابتدائے آفرینش سے نویں صدی ہجری کے وسط تک کے حالات پر مشتمل ہے ۔

نظام الدین شامی

یہ امیر تیمور کا معاصر تھا ۔ اسے امیر تیمور نے ظفرنامہ لکھنے کی خدمت پر مامور کیا ۔ اس تاریخ میں تیمور کی پیدائش سے لے کر ۸۰۶ھ مطابق ۱۴۰۳ع تک کے حالات ہیں ۔

شرف الدین علی یزدی

عہد تیمور کے مشہور علما میں سے تھا ۔ ''ظفرنامۂ تیموری'' اس کی یادگار ہے جو ۸۲۸ھ مطابق ۱۴۲۴ع میں لکھا گیا ۔

محمد بن خاوند شاہ میر خواند (۸۳۸ تا ۹۰۳ھ مطابق ۱۴۳۴ تا ۱۴۹۷ع)

تیموری دور کا مشہور مؤرخ ہوا ہے ۔ ایک ضخیم تاریخ ''روضۃ الصفا'' چھ جلدوں میں لکھی ۔ یہ تاریخ حالات قبل از اسلام سے تیمور اور اس کے جانشینوں کے حالات پر مشتمل ہے ۔ ساتویں جلد اس کے بھانجے خواند میر نے لکھ کر اپنے زمانے تک کے حالات اس میں شامل کیے ۔

دولت شاہ سمرقندی (وفات ۹۰۰ھ مطابق ۱۴۹۴ع)

اس کا شمار مشہور تذکرہ نویسوں میں ہوتا ہے ۔ ''تذکرۃ الشعرا'' اس کی مشہور یادگار ہے ۔ یہ تذکرہ ۸۹۲ھ مطابق ۱۴۸۶ع میں مکمل ہوا ۔

جلال الدین دوانی

کازرون کے قریب قصبہ دوان میں پیدا ہوئے ۔ سال پیدائش ۸۳۰ھ مطابق ۱۴۲۶ع ہے ۔ صوبہ فارس میں قاضی کے منصب پر فائز رہے ۔ شیراز کے مدرسہ دارالایتام میں درس بھی دیتے رہے ۔ ''اخلاق جلالی'' (لوامۃالاشراق فی مکارم الاخلاق) آپ کی مشہور تالیف ہے جو اوزون حسن آق قویونلو کے نام منسوب ہوئی ۔

حسین واعظ کاشفی

انوار سہیلی ، روضۃ الشہدا اور مواہب علیہ (تفسیر قرآن) کے مولف ہیں ۔ تفسیر قرآن دراصل وہ امیر علی شیر نوائی کے لیے بعنوان

"جواہر التفسیر لتحفۃالامیر" چار جلدوں میں لکھنا چاہتے تھے لیکن ایک ہی جلد لکھنے کے بعد انھوں نے ارادہ بدل دیا اور مواہب علیہ کے نام سے ایک مختصر تفسیر تالیف کی۔

نثر کی بعض اور کتابیں

تیموری دور کے مشہور شعرا نے نثر کی بھی بعض کتابیں تالیف کیں جن کے نام درج ذیل ہیں۔

اخلاق الاشراف ، ریش نامہ ، رسالہ صد پند ، تعریفات ، رسالہ دلکشا عربی و فارسی مؤلفہ عبید زاکانی۔ اشعۃاللمعات (شرح لمعات عراق) اور نفحات الانس (احوال صوفیا) مؤلفہ مولانا عبدالرحمان جامی۔ ان کے علاوہ سلطان حسین بایقرا نے ۹۰۸ھ مطابق ۱۵۰۲ع میں صوفیا کے حالات پر مجالس العشاق تالیف کی۔

ایرانی ادیبوں کے آثار عربی زبان میں

تفتا زانی

سعدالدین مسعود بن عمر تفتازان (خراسان میں نسا کے قریب) میں پیدا ہوئے۔ سال پیدائش ۷۲۲ھ مطابق ۱۳۲۲ع ہے۔ امیر تیمور نے انھیں سرخس میں صدر مدرس مقرر کیا تھا۔ ان کے علم و فضل کی شہرت ہوئی تو انھیں سمرقند بلا لیا گیا۔ ۷۹۱ تا ۷۹۷ھ مطابق ۱۳۸۸ تا ۱۳۹۴ع کے مابین وفات پائی۔ "مطول" ان کی ایک اہم تصنیف ہے جو صرف و نحو ، منطق ، تفسیر ، معانی و بیان پر مشتمل ہے۔

علی بن محمد السید الشریف جرجانی

علی بن محمد گرگان کے دانش ور تھے۔ ۷۴۰ھ مطابق ۱۳۳۹ع میں پیدا ہوئے اور سعدالدین تفتازانی کے توسط سے شیراز کے دارالشفا میں معلم مقرر ہوئے۔ "الکبریٰ فی المنطق" ان کی مشہور تصنیف ہے۔ سال وفات ۸۱۶ھ مطابق ۱۴۱۳ع ہے۔

عضدالدین ایجی

عضدالدین شافعی مذہبوں کے قاضی تھے۔ فلسفہ ، دین اور اخلاقیات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ فارسی میں بھی ایک کتاب "مواقف" کے نام سے لکھی۔ ۷۵۶ھ مطابق ۱۳۵۵ع میں وفات ہوئی۔

فیروز آبادی

ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادیؒ اپنے زمانے کے مشہور دانش وروں میں سے تھے - ۷۲۹ھ مطابق ۱۳۲۸ع میں فیروز آباد میں پیدا ہوئے - بین النہرین اور دمشق میں تعلیم پائی - یمن میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز ہوئے - ایک مالکی مسلک کا مدرسہ قائم کیا - ۸۱۷ھ مطابق ۱۴۱۴ع میں وفات ہوئی - عربی کی ایک مشہور لغات ''قاموس'' کے نام سے مرتب کی -

ساتواں باب

عہد صفویہ سے عہد زندیہ تک

ساسانیوں کے بعد جس نے مذہبی بنیاد پر آزاد ملکی حکومت قائم کی اور سرزمین ایران کو ملی وحدت بنادیا ، وہ صوبہ گیلان کے شہر اردبیل کا صفوی خاندان تھا ۔ اس مذہبی اور ملی تحریک کا مؤسس شاہ اسماعیل صفوی ہے ۔ اس نے اثنا عشریہ مذہب کو سرکاری مذہب قرار دے کر اہل ایران کو متفق و متحد کر دیا ۔

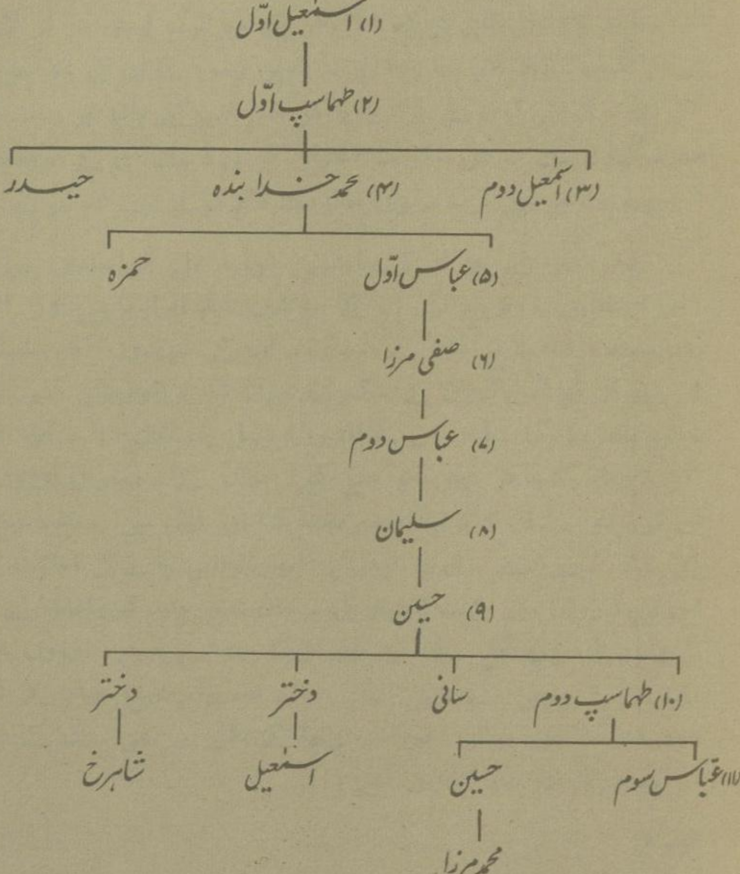
صفوی خاندان

صفویوں کا حسب نسب حضرت موسیٰ کاظمؒ سے ملتا ہے جو ساتویں امام تھے۔ ان کی سکونت گیلان کے شہر اردبیل میں تھی۔ درس و تدریس ان کا پیشہ تھا ۔ لوگ جوق در جوق اس خاندان کے بزرگوں کے ہاتھ پر بیعت کرنے آتے اور کسب فیض کرتے تھے ۔ شیخ صفی الدین بالخصوص تعلیم و ارشاد کی بدولت مرجع انام بنے ہوئے تھے ۔ یہی وہ بزرگ ہیں جن کے نام کی مناسبت سے صفوی عہد کی بنیاد قائم ہوئی ۔

شیخ صفی الدین ۶۵۰ھ مطابق ۱۲۵۲ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے شیخ زاہد گیلانی کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ شیخ زاہد کو اپنے مرید کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ اپنی بیٹی فاطمہ کے ساتھ ان کا عقد کر دیا ۔ شیخ زاہد فوت ہوئے تو صفی الدین نے مرشد کی مسند ارشاد سنبھالی ۔ آپ کے مریدوں کا سلسلہ رفتہ رفتہ وسیع ہوتا گیا یہاں تک کہ ایشیائے کوچک میں بھی آپ کے عقیدت مند پھیل گئے ۔

شیخ صفی الدین ۷۳۵ھ مطابق ۱۳۳۴ء میں فوت ہوئے تو ان کا بیٹا صدرالدین ان کا جانشین ہوا اور ۷۹۴ھ مطابق ۱۳۹۱ء تک بڑے

صفوی حکمران


(۱) اسمٰعیل اوّل
(۲) طہماسپ اوّل
(۳) اسمٰعیل دوم
(۴) محمد خدا بندہ
حیدر
(۵) عباس اوّل
حمزہ
(۶) صفی مرزا
(۷) عباس دوم
(۸) سلیمان
(۹) حسین
(۱۰) طہماسپ دوم
سانی
دختر
دختر
(۱۱) عباس سوم
حسین
اسمٰعیل
شاہرخ
محمد مرزا

ساتواں باب

عہد صفویہ سے عہد زندیہ تک

ساسانیوں کے بعد جس نے مذہبی بنیاد پر آزاد ملکی حکومت قائم کی اور سرزمین ایران کو ملی وحدت بنادیا ، وہ صوبہ گیلان کے شہر اردبیل کا صفوی خاندان تھا ۔ اس مذہبی اور ملی تحریک کا مؤسس شاہ اسماعیل صفوی ہے ۔ اس نے اثنا عشریہ مذہب کو سرکاری مذہب قرار دے کر اہل ایران کو متفق و متحد کر دیا ۔

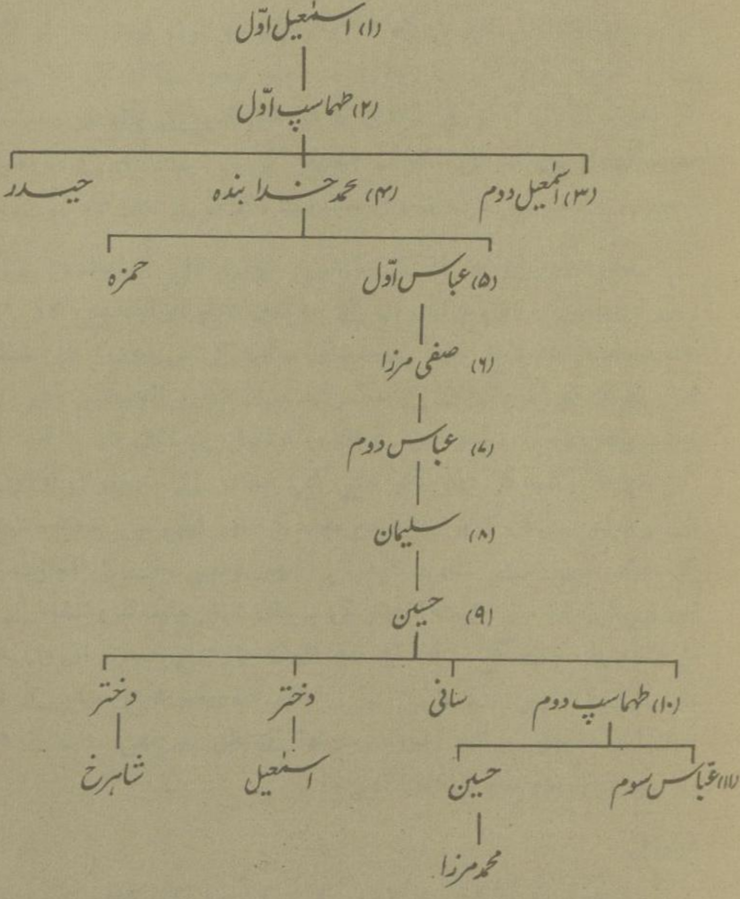
صفوی خاندان

صفویوں کا حسب نسب حضرت موسیٰ کاظمؒ سے ملتا ہے جو ساتویں امام تھے۔ ان کی سکونت گیلان کے شہر اردبیل میں تھی۔ درس و تدریس ان کا پیشہ تھا ۔ لوگ جوق در جوق اس خاندان کے بزرگوں کے ہاتھ پر بیعت کرنے آتے اور کسب فیض کرتے تھے ۔ شیخ صفی‌الدین بالخصوص تعلیم و ارشاد کی بدولت مرجع انام بنے ہوئے تھے ۔ یہی وہ بزرگ ہیں جن کے نام کی مناسبت سے صفوی عہد کی بنیاد قائم ہوئی ۔

شیخ صفی‌الدین ۶۵۰ھ مطابق ۱۲۵۲ع میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے شیخ زاہد گیلانی کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ شیخ زاہد کو اپنے مرید کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ اپنی بیٹی فاطمہ کے ساتھ ان کا عقد کر دیا ۔ شیخ زاہد فوت ہوئے تو صفی‌الدین نے مرشد کی مسند ارشاد سنبھالی ۔ آپ کے مریدوں کا سلسلہ رفتہ رفتہ وسیع ہوتا گیا یہاں تک کہ ایشیائے کوچک میں بھی آپ کے عقیدت مند پھیل گئے ۔

شیخ صفی‌الدین ۷۳۵ھ مطابق ۱۳۳۴ع میں فوت ہوئے تو ان کا بیٹا صدرالدین ان کا جانشین ہوا اور ۷۹۴ھ مطابق ۱۳۹۱ع تک بڑے

صفوی حکمران



(۱) اسمٰعیل اوّل
(۲) طہماسپ اوّل
(۳) اسمٰعیل دوم
(۴) محمد خدا بندہ
حیدر
(۵) عباس اوّل
حمزہ
(۶) صفی مرزا
(۷) عباس دوم
(۸) سلیمان
(۹) حسین
(۱۰) طہماسپ دوم
ثانی
دختر
دختر
(۱۱) عباس سوم
حسین
اسمٰعیل
شاہرخ
محمد مرزا

زہد و تقویٰ سے زندگی گزاری - مشہور شاعر قاسم الانوار آپ کے مریدوں میں سے تھا - صدرالدین کے تقدس کا شہرہ سن کر امیر تیمور ان کے پاس آیا اور پوچھا ، میں آپ کی کیا خدمت بجا لا سکتا ہوں ؟ آپ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ دیاربکر کے جو ترک قیدی بنا کر لائے گئے ہیں ، انہیں آزاد کر دیا جائے - امیر تیمور نے ان کی خواہش پوری کر دی - ان ترکوں نے آزادی پا کر صدرالدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور صوبہ گیلان میں مستقل سکونت اختیار کر لی - یہاں ان کے لواحقین بھی آ بسے - بالآخر یہی ترک صفوی حکومت قائم کرنے میں ممد ہوئے -

صدرالدین کے بعد ان کی جانشینی خواجہ علی کو حاصل ہوئی پھر ۸۳۰ھ مطابق ۱۴۲۶ع میں ان کے جانشین شیخ ابراہیم بنے اور ان کے بعد مسند ارشاد شیخ جنید نے سنبھالی - آپ کے مریدوں کا سلسلہ اور بھی پھیلا تو آذربائیجان کے حکمران جہان شاہ قراقویونلو کو ان سے خطرہ پیدا ہو گیا - آخر اس نے انہیں اردبیل سے نکال دیا - آپ اردبیل کو خیرباد کہہ کر دیار بکر چلے گئے جہاں کے حکمران اوزون حسن آق قویونلو نے ان کا پرتپاک خیرمقدم کیا اور اپنی بہن خدیجہ شیخ جنید کے عقد میں دے دی - اردبیل انہیں واپس جانے کی اجازت نہ تھی اس لیے شروان میں اقامت اختیار کی - یہاں شیخ جنید شروانشاہ کے خلاف لڑتے ہوئے مارے گئے - ان کے بعد ان کا بیٹا شیخ حیدر اوزون حسن کا مقرب ہوا جس نے اپنی بیٹی عالم شاہ بیگم شیخ حیدر کے عقد میں دے دی ، جو یونانی عورت مارتھا کے بطن سے تھی - ان کے دو بیٹے ابراہیم مرزا اور شاہ اسماعیل تھے -

قزلباش

شیخ حیدر نے اپنے پیرؤوں کو حکم دیا کہ کلاہ کے بجائے بارہ کنگروں والی سرخ ترکی ٹوپی پہنیں جو دراصل دوازدہ امام کی عقیدت کا کنایہ تھا - اسی وجہ سے پیرؤوں کی یہ جماعت ''قزلباش'' یعنی ''سرخ سر'' کے نام سے موسوم ہوئی - شیخ حیدر اپنے والد کی طرح شروانشاہ کے خلاف جنگ کرتے ہوئے ۸۹۳ھ مطابق ۱۴۸۷ع میں مارے گئے -

شاہ اسماعیل صفوی

(۹۰۷ تا ۹۳۰ھ مطابق ۱۵۰۱ تا ۱۵۲۴ع)

شاہ اسماعیل ۸۹۲ھ مطابق ۱۴۸۶ع میں پیدا ہوا - جس زمانے میں اس کا والد شروانشاہ کے خلاف جنگ کرتے ہوئے مارا گیا تھا اس وقت شاہ اسماعیل صرف ایک سال کا تھا -

اسماعیل سے مریدوں کی عقیدت

شاہ اسماعیل جوان ہوا تو سلسلۂ صفویہ کے تمام مریدوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی - ارشاد و ہدایت کی مسند تو اسے ورثے میں ملی تھی لیکن فوجی اور سیاسی شعور اسے قدرت نے ودیعت کیا تھا - شاہ اسماعیل نے اپنے مریدوں کے دلوں میں سرفروشی کا جذبہ پیدا کرکے رفتہ رفتہ انہیں مسلح کر دیا- اس طرح ایک ایسی فوج تیار ہوگئی جو شاہ اسماعیل کو روحانی پیشوا سمجھنے کے ساتھ ساتھ فوجی سالار بھی سمجھتی تھی اور جس کے اشارے پر کٹ مرنے کو جزوایمان سمجھتی تھی - اس نے سات ترک قبائل کو اپنا ہمنوا بنا لیا جن کے نام یہ ہیں - استاجلو[۱]، شاملو ، روملو ، وارساق ، ذوالقدر ، قاچار اور افشار - صوفیائے قراباغ نے بھی اس کی اطاعت اختیار کر لی - یہ اتحاد اس بات کا ثبوت تھا کہ ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے -

اسماعیل کی فتوحات

اسماعیل نے اپنے جاں نثاروں کے ساتھ شروان کا رخ کیا - اس کی آمد کی خبر سنتے ہی شام ، دیار بکر اور سیواس سے اس کے مرید آ کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے - اس جمعیت نے شروان شاہ فرخ یسار کے خلاف صف آرائی کی اور اسے شکست دی - بالآخر اسے قتل کرکے اپنے باپ کا انتقام لیا -

اس فتح کے بعد اسماعیل نے آذربائیجان کا رخ کیا اور وہاں کے حکمران الوند بیگ آق قویونلو کو شکست دے کر فاتحانہ تبریز میں

---

۱ - تاریخ مفصل ایران ، عبداللہ رازی ، صفحہ ۳۹۰ -

داخل ہوا اور تاج شاہی زیب سر کرکے ۹۰۷ھ مطابق ۱۵۰۱ع میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

حکومت ایران کا سرکاری مذہب

''شاہ اسماعیل[1] نے شیعہ مذہب کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دینے کا تہیہ کیا تو شیعہ علما نے اسے مشورہ دیا کہ اہل تسنن کی کثرت کی وجہ سے یہ خدشہ ہے کہیں وہ متحد ہو کر مخالفت نہ کریں اس لیے خطبۂ تشیع فی الحال علی الاعلان نہ پڑھا جائے۔ لیکن شاہ اسماعیل نے جواب دیا کہ خدا میرے ساتھ ہے اور ائمۂ معصومین کی حمایت مجھے حاصل ہے، میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ اگر میرے خلاف کوئی آواز بلند کرے گا تو شمشیر نیام سے باہر نکال لوں گا اور کسی کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔''
بہرحال اس نے شیعہ مذہب کو سرکاری مذہب قرار دے دیا۔

اب اسماعیل نے دیار بکر پر لشکر کشی کرکے اسے فتح کر لیا۔ وہ اپنی مہموں میں اس قدر کامیاب ہوا کہ چند سالوں میں آق قویونلو کی وسیع سلطنت مسخر کر لی۔ اس کی فتوحات کا سلسلہ بدستور جاری رہا یہاں تک کہ اس نے شمال میں باکو کو فتح کیا اور پھر شوستر، فارس، کاشان اور استر آباد کے علاقے ایک ایک کرکے زیر نگیں کیے۔ ۹۱۴ھ مطابق ۱۵۰۸ع میں اس نے بغداد کو مسخر کرکے اپنی مملکت میں شامل کیا۔

اُزبکوں کی شکست

شمال مغربی ایران میں مستحکم حکومت قائم کرنے کے بعد شاہ اسماعیل نے خراسان کی طرف پیش قدمی کرنی چاہی جہاں ازبکوں کا تسلط تھا۔ شیبانی خان ان کا سردار تھا۔ یہ چنگیز خاں کے خاندان سے تھا۔ اس نے سمرقند، بخارا، تاشقند اور فرغانہ کے علاقے فتح کرکے ۹۱۱ھ میں خراسان میں تاخت و تاراج شروع کی۔ پھر ۹۱۵ھ میں کرمان میں لوٹ مار کی جو شاہ اسماعیل کی قلمرو میں تھا۔ شاہ اسماعیل نے پیغام بھیجا کہ خراسان پر حملے کرنے سے باز رہے لیکن اس نے شاہ کو نہایت ذلت آمیز جواب دیا اور ساتھ[2] ہی ایک ڈنڈا اور کچکول اسے تحفے کے طور پر بھیجا۔ اس کے جواب میں شاہ اسماعیل نے ایک تکلا اور سوت کی گچھی

۱۔ عبداللہ رازی: تاریخ مفصل ایران، صفحہ ۳۹۱۔
۲۔ سائیکس: ہسٹری آف پرشیا، جلد دوم، صفحہ ۱۴۰۔

شیبانی خاں کو بھیجی جس سے یہ مراد تھی کہ محض الفاظ عورتوں کے حربے ہیں -

آخر ۹۱۶ھ مطابق ۱۵۱۰ع میں شاہ اسماعیل نے مہم کا آغاز کیا اور بڑی تیزی سے خراسان میں پیش قدمی کی - مرو کے مقام پر اس کا آمنا سامنا ازبکوں کے لشکر سے ہوا - اس جنگ میں سترہ ہزار ایرانیوں نے ۲۸ ہزار ازبکوں کو شکست فاش دی - ان کا سردار شیبانی خاں اسیر ہو کر مارا گیا - اس کا سر کاٹ کر فاتح کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کے حکم سے اس کے سر کی کھوپڑی پر سونے کا خول چڑھا دیا گیا تاکہ یہ پیالے کا کام دے سکے - اس فتح کے بعد اسماعیل نے بلخ اور ہرات کو مسخر کیا اور ازبکوں کے حملوں کے سد باب کے لیے فوج مقرر کر کے خود وہاں سے لوٹ آیا -

شاہ اسماعیل اور ظہیرالدین بابر

ازبکوں کو شکست دینے کے بعد مرو سے جو قیدی لائے گئے ان میں ظہیرالدین[1] بابر کی ہمشیرہ بھی تھی جسے عزت و حرمت کے ساتھ بابر کے پاس بھیج دیا گیا - یہ گویا شاہ اسماعیل اور بابر کے اتحاد کا پہلا قدم تھا - بابر نے شیبانی کی موت سے فائدہ اٹھا کر ماوراءالنہر پر حملہ کیا اور ازبکوں کو شکست دی - شاہ اسماعیل نے اسے کمک بھیجی تو اس نے سارا علاقہ اپنے مخالفوں سے پاک کر دیا اور پھر سمرقند میں داخل ہوا جہاں سے اسے شیبانی خاں نے نکالا تھا -

اُزبکوں کے ہاتھوں بابر کی شکست

بابر سے شکست کھانے کے بعد بچے کھچے ازبک ، شیبانی خاں کے جانشین عبیداللہ کے اردگرد جمع ہو گئے - بابر کو پتا چلا تو اس نے عبیداللہ کے خلاف لشکر آرائی کی - ازبک جان پر کھیل کر لڑے اور اب کی دفعہ ۹۱۸ھ مطابق ۱۵۱۲ع میں انھوں نے بابر کو تباہ کن شکست دی - اس شکست کے بعد بابر ایک حصار میں مقیم ہو گیا جو سمرقند کے جنوب مشرق میں تھا -

---

۱ - سائیکس : ہسٹری آف پرشیا ، جلد دوم ، صفحہ ۱۶۰ -

بابر کی آخری شکست

اسی سال پھر بابر نے ایرانی لشکر کی مدد سے سمرقند کی طرف پیش قدمی کی اور بخارا کے شمال میں گجدوان کے مقام پر خون ریز جنگ ہوئی جس میں بابر نے شکست کھائی - یہ بابر کی آخری ناکام مہم تھی جس کے بعد اس نے پھر وسط ایشیا کا رخ نہ کیا - اب ماوراءالنہر پر آزبکوں کا قبضہ ہو گیا -

سلطان سلیم عثمانی کی مہم

عثمانی ترکوں کی حکومت شاہ اسماعیل کی حریف تھی - مذہبی اختلاف کی بنا پر دونوں حکومتوں کے مابین سخت کشیدگی پائی جاتی تھی - ادھر ماوراءالنہر کے آزبک اہل تشیع کے خلاف تھے ، جس کا ثبوت بابر کی شکست تھی کیوں کہ اسے ایران کی شیعہ حکومت کی حمایت حاصل تھی - شاہ اسماعیل جہاں انتہا پسند شیعہ تھا وہاں سلطان سلیم عثمانی بادشاہ ترکیہ انتہا پسند سنی تھا - سلطان سلیم نے ازبکوں کو اہل تشیع کا مخالف پا کر اس نئی ابھرتی ہوئی حکومت کو ختم کرنے کا تہیہ کیا - شاہ اسماعیل بھی غنیم کی تیاریوں سے غافل نہ تھا - آخر ۹۲۰ھ مطابق ۱۵۱۴ع میں چالدران کے مقام پر ترکوں اور ایرانیوں کے مابین سخت خون ریز جنگ ہوئی جس میں ترکوں نے توپخانے کی مدد سے فتح حاصل کی - ایرانیوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا - ترکوں کی فاتح فوج چالدران سے آگے بڑھ کر تبریز میں داخل ہو گئی - ایرانیوں کی شکست شاہ اسماعیل پر سخت گراں گزری - کہا جاتا ہے کہ اس حادثے کے بعد کسی نے شاہ اسماعیل کو ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا - سلطان سلیم واپس ہوا تو شاہ اسماعیل پھر آذربائیجان آیا اور تبریز میں داخل ہونے میں کامیاب ہوا - اب وہ عثمانی ترکوں کے خلاف جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا ، لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا اور ۳۸ سال کی عمر میں جہان فانی کو خیرباد کہہ گیا -

شاہ اسماعیل کی سیرت

شاہ اسماعیل کا شمار ایران کے عظیم بادشاہوں میں ہوتا ہے - اس نے صفوی دور کی بنیاد قائم کی اور آذربائیجان ، عراق ، خراسان ، فارس

کرمان اور خوزستان کے علاقے فتح کرکے اپنی مملکت کو وسیع کیا۔ کچھ عرصے تک دیار بکر اور بلخ کے علاقے بھی اس کے تصرف میں رہے۔ شاہ اسماعیل خوش وضع اور نیک سیرت بادشاہ تھا۔ عدل و انصاف کو اس نے کبھی ہاتھ سے نہ دیا۔ دشمن کے ساتھ اگرچہ اس نے سختی روا رکھی، لیکن بحیثیت مجموعی وہ عادل حکمران تھا۔ لوگ اسے روحانی پیشوا سمجھتے تھے اور بڑی وفاداری سے اس کی مہموں میں شریک ہوتے تھے۔ وہ انتہا پسند شیعہ تھا اور شیعہ مذہب کو اس نے ایران کا رسمی مذہب بنا دیا تھا۔

وفات

شاہ اسماعیل نے ۹۳۰ھ مطابق ۱۵۲۴ع میں وفات پائی۔ طول و عرض ایران میں اس کا ماتم منایا گیا۔ کسی نے اس کی تاریخ وفات لفظ ''ظل'' سے نکالی:

از جہان رفت و ''ظل'' شدش تاریخ　　سایہ تاریخ آفتاب شدہ

شاہ طہماسپ

(۹۳۰ تا ۹۸۴ھ مطابق ۱۵۲۴ تا ۱۵۷۶ع)

شاہ اسماعیل کے بعد اس کا بڑا بیٹا طہماسپ تخت نشین ہوا۔ شاہ طہماسپ کو بھی باپ کی طرح ازبکوں اور عثمانیوں سے عمر بھر سابقہ رہا۔ کچھ داخلی پریشانیوں کا بھی سامنا ہوا۔

ازبک و کلہور کے خلاف مہمیں

طہماسپ اگرچہ جنگ جو حکمران تو نہ تھا لیکن ازبکوں کو ہر آئے دن کے حملوں سے باز رکھنے کے لیے اس نے ۹۳۴ھ مطابق ۱۵۲۷ع میں لشکر کشی کرکے انہیں شکست دی۔ ازبکوں کی مہم میں طہماسپ کو کامیابی ہوئی ہی تھی کہ بغداد میں صفوی حکومت کے خلاف بغاوت ہوئی اور کلہور قبیلے کے سردار نے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ شاہ طہماسپ نے لشکر کشی کرکے اسے شکست دی۔ قبیلے کا سردار اسیر ہو کر مارا گیا۔ ۹۳۷ھ مطابق ۱۵۳۰ع میں ازبکوں نے پھر ایران میں پیش قدمی کی اور ہرات کو محاصرے میں لے لیا۔ محاصرہ



شاه طهماسپ صفوی و همایون
مجلس پذیرائی در قصر چهل ستون - اصفهان

۱۸ ماہ تک جاری رہا - آخر جب طہماسپ خود فوج لے کر آیا تو ازبک پس پا ہو گئے -

سلیمان عثمانی کے حملے

ترک بدستور ایران پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف رہے - انہوں نے ۹۴۰ھ مطابق ۱۵۳۳ع میں مملکت ایران پر حملہ کیا اور بین النہرین کو فتح کرنے کے بعد تبریز پر بھی قبضہ کر لیا اور آگے بڑھے تو شیروان اور گیلان نے سلیمان کی اطاعت اختیار کر لی - پھر سلیمان سلطانیہ تک بڑھ آیا اور زیگروس کا سلسلۂ کوہ عبور کرکے بغداد پہنچا اور بغداد بھی فتح کر لیا - ان فتوحات کے بعد وہ لوٹ گیا - بعد میں آذربائیجان پر یکے بعد دیگرے چار حملے کیے - ان حملوں کے دوران شدت سرما اور کثرت برف و باراں کی وجہ سے بہت نقصان اٹھانا پڑا - ایرانی بہر حال سلیمان کے حملوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے - ان حملوں سے سلیمان کو کوئی قابل ذکر فائدہ نہ ہو سکا -

ازبکوں کی تاخت و تاراج

ترکوں کے علاوہ ازبک بھی صفوی حکومت کے لیے پریشانی کا موجب بنے رہے - شیبانی خاں کے بیٹے عبید خاں نے ایران پر حملے کیے اور طوس ، مشہد اور ہرات میں لوٹ مار کی -

شہنشاہ ہمایوں طہماسپ کے دربار میں

شاہ طہماسپ کے عہد میں ہمسایہ ملک ہند کی مغلیہ حکومت کو شیر شاہ کی وجہ سے سخت پریشانی لاحق تھی - آخر ہمایوں نے شیر شاہ سے شکست کھا کر ایران کا رخ کیا اور شاہ طہماسپ کے دربار میں پناہ لی - طہماسپ نے اپنے اس معزز مہمان کی پوری پوری مدارات کی - بالآخر ۹۵۱ھ مطابق ۱۵۴۴ع میں اس کو اپنا لشکر بھی دیا جس کی مدد سے وہ ہند کا تخت و تاج حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا -

سام و القاص کی بغاوت

طہماسپ کو داخلی شورشوں سے بھی سابقہ پڑا - اس کے تین بھائی سام ، بہرام اور القاص تھے - سام نے تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے

علم مخالفت بلند کیا ، لیکن اسے ناکامی ہوئی اور تھوڑے ہی عرصے میں اسیر ہو کر ۹۵۴ھ مطابق ۱۵۴۷ع میں مارا گیا ۔

القاص دربار عثمانی میں

اسی سال القاص مرزا نے شاہ طہماسپ کے خلاف بغاوت کی ، جو ناکام ہوئی ۔ آخر وہ وطن چھوڑ کر قسطنطنیہ پہنچا اور دربار عثمانی میں پناہ گزیں ہو گیا ۔ سلیمان عثمانی نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اپنا لشکر دے کر اسے ایران واپس بھیجا ۔ القاص نے ترکوں کی مدد سے تبریز اور اصفہان کو فتح کر لیا ۔

ایران و ترکیہ کا معاہدۂ صلح

صفوی عہد کے آغاز ہی سے ایران و ترکیہ کے مابین سخت دشمنی چلی آتی تھی ۔ آخر دونوں حکومتیں باہمی مناقشات سے خود ہی بیزار ہو کر مصالحت کے لیے آمادہ ہوگئیں ۔ ۹۶۱ھ مطابق ۱۵۵۴ع میں حکومت ایران نے ترکیہ میں اپنا سفیر بھیج کر صلح کی پیشکش کی ۔ دوسرے سال پھر اپنا سفیر بھیجا اور یہ خواہش کی کہ ایرانی حاجیوں کو مقدس مقامات پر جانے کی اجازت دے دی جائے ۔ ادھر سرحدی علاقے کے حاکم مکہ اور مدینہ جانے والے زائرین کی حفاظت کریں گے ۔ چنانچہ دونوں حکومتوں کے مابین معاہدہ ہو گیا اور باہمی مناقشات کچھ عرصے کے لیے ختم ہو گئے ۔

بایزید طہماسپ کے دربار میں

سلیمان عثمانی کو اس عرصے میں داخلی خلفشار کا سامنا تھا ۔ اس کے بیٹے بایزید نے علم بغاوت بلند کیا ، لیکن جب اس نے کامیابی کی کوئی صورت نہ دیکھی تو ترکیہ سے نکل کر ایران آ گیا اور شاہ طہماسپ کے دربار میں پناہ لی ۔ شاہ نے اس کا پرتپاک خیرمقدم کیا ، لیکن احتیاط کی غرض سے اس کے فوجی دستوں کو ایرانی رجمنٹوں میں تقسیم کر دیا ۔ ۹۶۹ھ مطابق ۱۵۶۱ع میں بایزید اور اس کے چار بیٹے سلیمان کے سپرد کر دیے گئے ۔ جس نے ان سب کو بغاوت کی پاداش میں قتل کرا دیا[1] ۔

---

۱ ۔ سائیکس A History of Persia ، جلد دوم صفحہ ۱۶۶ ۔

وفات و سیرت

شاہ طہماسپ نے ۹۸۴ھ مطابق ۱۵۷۶ع میں وفات پائی - اس نے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لیے سرگرم کوششیں کیں - دشمنوں کی جنگوں سے فرصت نہ ہو سکنے کی وجہ سے وہ ملکی اصلاحات کی طرف توجہ نہ دے سکا - یہ بادشاہ جنگ جو نہ تھا نہ جنگ کو پسند ہی کرتا تھا - لڑائیاں جو ہوئیں وہ مجبوراً ہوئیں - ہمایوں کے ساتھ جو اس نے سلوک کیا وہ یقیناً اس کے کردار کے قابل قدر رخ پر روشنی ڈالتا ہے -

اسماعیل دوم

(۹۸۴ھ تا ۹۸۵ھ مطابق ۱۵۷۶ تا ۱۵۷۷ع)

طہماسپ کے تین بیٹے ، سلطان محمد خدا بندہ ، حیدر اور اسماعیل تھے- محمد خدا بندہ سب میں بڑا تھا جو خراسان کا حکمران تھا ، لیکن بصارت سے محروم ہونے کی وجہ سے وہ شاہ طہماسپ کا جانشین بننے کا اہل نہ سمجھا گیا - حیدر نے فرصت کو غنیمت سمجھ کر قزوین میں اپنی حکومت قائم کر لی ، لیکن اسماعیل کے کسی طرف دار نے جلد ہی اسے موت کی نیند سلا دیا - آخر چند روز بعد یہی اسماعیل دوم کے لقب سے تخت نشین ہوا - اسماعیل نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اور تخت و تاج کا وارث ہونے کا دعوے دار بنے ، اس لیے خاندان کے بہت سے افراد کو تہ تیغ کرا دیا - خدا بندہ اگرچہ نابینا ہونے کی وجہ سے تخت و تاج کا اہل نہ تھا ، لیکن اس کا بیٹا عباس ضرور سلطنت کا دعوے دار بن سکتا تھا اس لیے اس نے ہرات میں کسی شخص کو دونوں کے ہلاک کر دینے پر مامور کیا ، لیکن ماہ رمضان آ جانے کی وجہ سے اس نے اس فعل شنیع سے ہاتھ روک لیا - اتفاق سے اسی مہینے ۹۸۵ھ مطابق ۱۵۷۷ع میں اسماعیل دوم خود ہی چل بسا - خدا بندہ اور عباس جو آگے چل کر تاریخ میں عباس اعظم کے نام سے مشہور ہوا ، دونوں بچ گئے -

اسماعیل کی وفات کے متعلق تذکرہ نویسوں کی آرا مختلف ہیں - ایک روایت یہ ہے کہ وہ شراب میں افیون گھول کر پینے کا عادی تھا ،

یہ مرکب زیادہ مقدار میں پی لینے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ بعض[1] یہ کہتے ہیں کہ پندرہ آدمیوں نے جو عورتوں کے لباس میں تھے اسے قتل کر دیا۔

سلطان محمد خدا بندہ

(۹۸۵ تا ۹۹۶ھ تا مطابق ۱۵۷۷ تا ۱۵۸۷ع)

اسماعیل دوم کی وفات پر قزلباش امرا سلطان محمد خدا بندہ کو جو نابینا تھا، شیراز سے قزوین لائے اور اس کی رسم تاج پوشی ادا کی۔ تخت و تاج تو اس نے سنبھال لیا، لیکن امور سلطنت کو چلانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ ادھر خراسان کے امرا عباس کو، جو وہاں کا حکمران تھا، بادشاہ بنانے کے حق میں تھے، اس لیے خانہ جنگی شروع ہو گئی۔

ترکوں کے حملے

ترکوں نے ایران کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھانے کے لیے لشکر کشی کی۔ محمد خدا بندہ کے بیٹے حمزہ مرزا نے جو شہزادۂ ولی عہد تھا، انتشار کے اس دور میں گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔ ترکوں کے ہراول دستوں کا کھوئی کے مقام پر قلع قمع کیا۔ ترکوں نے اس تباہی کا انتقام لینے کے لیے ایک اور لشکر بھیجا لیکن حمزہ مرزا کے ہاتھوں اس کا حشر بھی ویسا ہی ہوا۔ ان ناکامیوں کے باوجود ترکوں کا ایک اور حملہ آور لشکر تبریز کی طرف آیا۔ ترکوں نے قزلباش رؤسا کے باہمی اختلاف کی وجہ سے تبریز مسخر کر لیا۔ حمزہ مرزا کو اگر زندگی مہلت دیتی تو اس سے ملک کو بڑی بڑی امیدیں ہو سکتی تھیں، لیکن وہ کسی سازش کا شکار ہو کر ۹۹۵ھ مطابق ۱۵۸۷ع میں قتل ہو گیا۔ اس کی موت سے حملہ آوروں کو تبریز سے نکال باہر کرنے کی امیدیں وقتی طور پر ختم ہو گئیں۔

۱۔ سائیکس: A History of Persia، جلد دوم، صفحہ ۱۷۱۔

شاہ عباس اعظم

(۹۹۶ تا ۱۰۳۸ھ مطابق ۱۵۸۷ تا ۱۶۲۹ع)

محمد خدا بندہ کے چار بیٹے تھے: حمزہ مرزا، عباس، ابوطالب اور طہماسپ۔ حمزہ مرزا اپنے ہی ایک رفیق خداوردی نامی کے ہاتھوں قتل ہوا تو ابوطالب ولی عہد بنا۔ یہ ولی عہدی عباس مرزا کے حامیوں کو سخت ناگوار گزری کیوں کہ حمزہ کے بعد عباس ہی سب بھائیوں میں بڑا تھا اور خراسان کا حکمران تھا۔ عباس استاجلو قبیلے کے ایک رئیس مرشد قلی خاں کے ساتھ قزوین آیا۔ یہاں اس نے حمزہ مرزا کے قاتل کو کیفر کردار تک پہنچایا۔

عباس مرزا کی تخت نشینی

محمد خدا بندہ کو عباس مرزا کے ارادوں کا علم ہوا تو وہ سلطنت سے عباس کے حق میں دست بردار ہو گیا۔ عباس مرزا تاریخ میں شاہ عباس اعظم کے نام سے مشہور ہوا۔ اعظم کا لقب اسے اس لحاظ سے زیب دیتا ہے کہ اس نے ۵۳ سالہ عہد حکومت میں سر زمین ایران کو عظمت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ اہل ایران کے نزدیک اس کا شمار بھی ایران کے عظیم بادشاہوں میں ہوتا ہے۔

ایران کے داخلی و خارجی حالات

شاہ عباس نے اس وقت حکومت کی باگ ڈور سنبھالی، جب ایران داخلی انتشار کا شکار ہو رہا تھا۔ قزلباش رؤسا، خاص طور سے مرشد قلی خاں اور علی قلی خاں من مانی کرتے تھے۔ مغرب کی طرف سے عثمانی ترک اور مشرق کی طرف سے ازبک قبائل ایران کے زرخیز ترین علاقوں میں تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ صفوی حکومت برقرار نہ رہ سکے گی۔

شاہ عباس کی داخلی مہم

شاہ عباس کو علی قلی اور مرشد علی خاں سے سخت خطرہ تھا۔ اس لیے یہ ضروری تھا کہ ان دونوں کو راستے سے ہٹایا جاتا۔ علی قلی خاں خراسان میں ازبکوں سے لڑتا لڑتا مارا گیا۔ گویا شاہ عباس کے راستے

کا ایک کانٹا خود بخود نکل گیا اور جب اسے معلوم ہوا کہ مرشد قلی خاں کے سر میں ایران کا تخت و تاج حاصل کرنے کا سودا سمایا ہوا ہے تو اسے شاہرود کے مقام پر قتل کرا دیا ۔

ترکوں کے حملے

شاہ عباس ابھی داخلی معاملات کو سلجھا نہ پایا تھا کہ عثمانی ترکوں نے سر زمین ایران پر حملے شروع کر دیے جو ۹۹۵ تا ۹۹۸ھ مطابق ۱۵۸۷ تا ۱۵۹۰ع جاری رہے ۔ محمد خدا بندہ کے زمانے میں ترکیہ اور ایران کے مابین صلح کا عہد نامہ ہوا تھا لیکن باہمی چپقلشوں کا پھر آغاز ہو گیا ۔ کیوں کہ ترک قرا باغ کے علاقے کا مطالبہ کرتے تھے لیکن شاہ عباس نے ان کے مطالبے کو ٹھکرا دیا ۔ ۹۹۵ھ مطابق ۱۵۸۷ع میں بغداد کے قریب ایرانیوں اور ترکوں کے مابین جنگ ہوئی ۔ ترکوں کے سپہ سالار فرہاد پاشا نے ایرانیوں کے پندرہ ہزار لشکر کو تین دن کی شدید لڑائی کے بعد شکست دی ۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ تبریز ، عراق عجم ، لورستان اور خوزستان کے علاقے ترکوں کے ہاتھوں میں چلے گئے ۔ پھر شروان کے حاکم کو ساتھ ملا کر فرہاد پاشا نے قرا باغ پر لشکر کشی کی اور اس علاقے کا مشہور شہر گنجہ مسخر کر لیا ۔ حفاظت کی غرض سے شہر کے ارد گرد فصیل تعمیر کرائی اور وہاں تین ہزار ترکوں کا فوجی دستہ متعین کر دیا ۔

ترکوں سے مصالحت

شاہ عباس کو ازبکوں کے آئے دن کے حملوں کی وجہ سے سخت پریشانی تھی ۔ دو دشمنوں سے بیک وقت نمٹنا ممکن نہ تھا اس لیے عباس نے یہ فیصلہ کیا کہ جس قیمت پر بھی ہو عثمانیوں سے مصالحت کر لی جائے ، تاکہ پورے اطمینان کے ساتھ لشکر کو منظم کرکے ازبکوں کا قلع قمع کر سکے ۔ چناں چہ ۹۹۸ھ مطابق ۱۵۹۰ع میں شاہ عباس نے ترکوں کو تبریز ، قارص ، نخجوان ، شماخی ، تفلیس اور لرستان کا کچھ حصہ دے دینے کی پیشکش کی ۔ ترکوں نے یہ پیشکش قبول کر لی اور دو متحارب حکومتوں کے مابین کچھ عرصے کے لیے صلح ہو گئی ۔



شاه عباس اعظم صفوی

ازبکوں کا خراسان پر حملہ

ازبکوں کی حکومت عبیداللہ کی سربراہی میں پورے عروج پر تھی - وہ اپنی مملکت کی سرحدیں ہر طرف پھیلا رہا تھا - مشرق میں فرغانہ ، کاشغر اور ختن کے علاقے مسخر کیے، جنوب میں بلخ ، طخارستان اور بدخشان اس کے سرحدی صوبے بنے ، مغرب میں استر آباد کا علاقہ اس کے زیر نگین آیا - گیلان کے شہزادے کو جو ترکوں کا حلیف تھا ، وہاں سے نکال باہر کیا اور اب ازبکوں کے لشکر نے خراسان کا رخ کیا اور وہاں ادھم مچایا - شاہ عباس نے ان پر حملہ کرنا چاہا لیکن تہران پہنچا تھا کہ بیمار ہوگیا اور ازبکوں تک نہ پہنچ سکا - ازبکوں نے بڑی بے فکری سے مشہد کو غارت کیا - روضہ حضرت امام رضا کے خزانے لوٹے اور متعدد اہل شہر کو قتل کیا - ۱۰۰۲ھ مطابق ۱۵۹۳ع میں سبزوار بھی ان کے ہاتھ آیا اور یہاں بھی انھوں نے لوٹ مار کی - پھر اسفرائن ، طون اور طبس کو لوٹا - اتنے میں ازبکوں کا حکمران عبیداللہ چل بسا اور اس کا بیٹا عبدالمومن بھی اپنے پیروؤں کے ہاتھوں قتل ہوا - ادھر شاہ عباس صحت یاب ہو گیا اور اولین فرصت میں ازبکوں سے دو دو ہاتھ کرنے کی تیاری کی - ازبکوں کا طریق کار یہ تھا کہ جب ایرانی لشکر کی پیش قدمی کا حال سنتے تو اپنے اپنے علاقوں کی راہ لے کر ایرانی لشکر کی زد سے باہر ہو جاتے - لیکن شاہ عباس نے بڑھنے میں اتنی تیزی کی کہ ازبک ایرانی سرحدوں سے نکل نہ سکے اور ۱۰۰۶ھ مطابق ۱۵۹۷ع میں ہرات میں انھیں جا لیا - یہاں کی خوں ریز لڑائی میں ازبکوں کو کچھ ایسا سبق ملا کہ عرصے تک خراسان کی سرزمین ان وحشیوں کی یلغاروں سے محفوظ رہی -

ازبکوں سے شاہ عباس کچھ عرصے کے لیے بے فکر ہو گیا - خود سری کا دم بھرنے والے امرا راستے سے ہٹ گئے - اب شاہ عباس کی نظریں حاکم گیلان کی طرف تھیں ، جو ترکوں کا طرف دار تھا - چناں چہ اس کی بھی گوشمالی کی - اس کے بعد ماژندران اور لرستان کے سرکشوں کو ٹھکانے لگایا -

تخت و تاج سے عارضی دست برداری (۱۰۰۰ھ مطابق ۱۵۹۱ع)

اس عہد میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی مثال تاریخ عالم میں مشکل ہی سے ملے گی - شاہ عباس کو علم ہیئت سے بڑا شغف تھا - اپنی مہموں میں وہ اکثر نجومیوں سے مشورہ کیا کرتا تھا - علم نجوم کے اکثر ماہرین دربار میں جمع رہتے تھے - ایک مرتبہ زائچے کی رو سے سب نجومی اس بات پر متفق تھے کہ آنے والے تین دنوں میں بادشاہ کا ستارہ گردش میں ہوگا - ممکن ہے بادشاہ کی جان خطرے میں پڑ جائے - بادشاہ کو نجومیوں نے بتایا تو وہ سخت فکر مند ہوا اور ان سے تدبیر پوچھی جس سے وہ ستاروں کے نحس اثر سے بچ سکے - انھوں نے یہ تدبیر بتائی کہ بادشاہ عارضی طور پر تخت و تاج سے دست بردار ہو جائے اور ان تین دنوں کے لیے کسی اور کو بادشاہ بنا دیا جائے - اس کے لیے نگہ انتخاب یوسف سراج پر پڑی - یہ شخص قزوین میں گھوڑوں کی زینیں تیار کرنے کا کام کیا کرتا تھا اور اپنی آزاد خیالی کی وجہ سے مشہور تھا - اکثر نوجوان اس کی دوکان پر آ بیٹھتے اور وہ انھیں اپنے دلائل سے ہمنوا بناتا - امرائے دربار کو اس شخص کا وجود سخت ناگوار گزرتا تھا - انھیں یقین تھا کہ یہ شخص امرا کے اقتدار کے خلاف ہے - چناں چہ جب بادشاہ کے دست بردار ہونے کا سوال پیدا ہوا تو تخت نشینی کے لیے امرا نے یوسف شاہ سراج کا نام تجویز کیا اور اسے حکومت سنبھالنے کی پیشکش کی - شروع شروع میں تو وہ اسے محض مذاق سمجھتا رہا لیکن آخر جب اس غرض کے لیے بادشاہ کا پیغام ملا تو وہ دربار میں پہنچ گیا - بادشاہ رسماً تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا اور تاج شاہی خود اپنے ہاتھ سے اس کے سر پر رکھا -

یوسف شاہ نے شاہی محل میں ڈیرا لگایا اور ملکی اصلاحات کی سکیموں پر غور کیا اور امرا کا اقتدار ختم کرنے کے لیے عوام کو ابھارنا چاہا - اس سے امرا میں سرگوشیاں ہوئیں - آخر یوسف شاہ کے خلاف بغاوت ہوئی - فوج نے باغیوں کا ساتھ دیا - بعض نوجوانوں نے یوسف شاہ کا ساتھ دیا ، اس لیے تین دن تک دارالسلطنت قزوین میں سخت خوں ریز لڑائی ہوئی - آخر فوج نے صورت حال پر قابو پا لیا -

یوسف شاہ اور اس کے رفقا اسیر کر لیے گئے ۔ بالآخر انھیں تہ تیغ کر دیا گیا ۔

دوبارہ تاجپوشی

چوتھے دن شاہ عباس کو پوشیدہ مقام سے نکالا گیا ۔ نجومیوں نے حکم لگایا کہ ستاروں کی گردش کا اثر زائل ہو چکا ہے ۔ اب بادشاہ کی جان و مال محفوظ ہے ۔ چناں چہ امرا نے پھر بادشاہ کی رسم تاجپوشی ادا کی اور حکومت کی باگ ڈور شاہ عباس نے سنبھالی ۔ ایران کا مشہور قصہ ''یوسف شاہ سراج'' اسی واقعہ کی یاد میں لکھا گیا تھا ۔

شرلے برادران ایران میں

شاہ عباس کے زمانے میں انگریزوں کی ایک جماعت آئی جس میں دو حقیقی بھائی بھی تھے ۔ ایک کا نام سر انتھونی شرلے اور دوسرے کا سر رابرٹ شرلے تھا ۔ باقی رفقا کی تعداد ۲۶ تھی ۔ ان میں اسلحہ بنانے کے ماہرین بھی تھے جو ہر طرح کی توپیں اور بندوقیں بنا سکتے تھے ۔ یہ سب لوگ ۱۰۰۷ھ مطابق ۱۵۹۸ع میں قزوین پہنچے ۔ جونہی شاہ عباس ازبکوں کی مہم سے کامیاب ہو کر واپس آیا ، انھیں بادشاہ کے دربار میں شرف یاب ہونے کا موقع ملا ۔ تحفے تحائف پیش کیے اور کہا ، بادشاہ کی شہرت ہمیں یہاں لے آئی ہے ۔ ہم شاہی دربار کی خدمت سے وابستہ ہونا چاہتے ہیں ۔ شاہ عباس اس جماعت کے سربراہ کی باتوں سے خوش ہوا اور ان کے تحفوں کے جواب میں تحفے دیے[۱] ۔

ایرانی فوج کی جدید تشکیل

ایران کی سوار فوج ۶۰ ہزار قزلباش سواروں پر مشتمل تھی ۔ یہ سوار اپنے امرا کے ماتحت ہوتے تھے اور انھی کو جواب دہ تھے ۔ بادشاہ براہ راست انھیں کوئی حکم نہ دیتا تھا ۔ اس مشکل کو اس نے اس طرح حل کیا کہ ان امرا کی فوج کو اس نے حکم دے کر نصف کرا دیا اور دس ہزار سوار اور پندرہ ہزار پیادہ فوج منظم کی جسے سرکاری خزانے سے تنخواہ ملتی تھی اور وہ براہ راست بادشاہ کے حکم

---

۱ ۔ سائیکس : A History of Persia ، جلد دوم ، صفحہ ۱۷۵ ۔

کے تابع تھی - یہ سب تفنگچی تھے اور گرجستان اور آرمینیا کے ان لوگوں سے انتخاب کیے گئے تھے جو عیسائیت ترک کرکے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے - اللہ وردی بیگ اس فوج کا سپہ سالار تھا - اس نے لشکر کو نئے سرے سے منظم کرنے اور جدید اسلحہ فراہم کرنے کے سلسلے میں شرلے برادران کی معلومات سے بہت استفادہ کیا - زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ایرانی لشکر جدید اسلحہ سے مسلح ہو گیا - ۶۰ ہزار بندوقیں اور ۵۰۰ توپیں لشکر کے استعمال کے لیے تیار ہو گئیں - اب ایران میں ایسی فوج موجود تھی جو ترکوں کا مقابلہ کر سکے -

شاہ عباس کی شاہ سون

شاہ عباس نے نہ صرف قزلباش امرا کا اثر و رسوخ کم کیا بلکہ مختلف قبیلوں سے نوجوانوں کا انتخاب کرکے ایک خاص فوج بھی ترتیب دی جو ''شاہ سون'' یعنی بادشاہ دوست کہلاتی تھی - شاہ سون گویا ایک نیا وفادار قبیلہ وجود میں آ گیا ، جس میں سب بادشاہ دوست شامل تھے - اس میں ہزاروں نوجوان تھے - اکثر نوجوان اس فوج میں شامل ہونے کے آرزو مند رہتے تھے جو آگے چل کر بہت مفید ثابت ہوئی - لشکر کی اصلاحات سے فارغ ہو کر حکومت ایران اس قابل ہو گئی کہ ایرانی شہروں کو عثمانی ترکوں کے ہاتھوں سے بچا سکے -

شاہ عباس کی ترکوں کے خلاف مہمیں

پندرہ سال کی حکومت کے بعد شاہ عباس اس قابل ہو گیا تھا کہ اپنے پرانے حریفوں ، یعنی ترکوں سے دو دو ہاتھ کرسکے کیوں کہ وہ ایران کے متعدد علاقوں پر مسلط تھے - شاہ عباس کی مہموں کا آغاز ۱۰۱۱ھ مطابق ۱۶۰۲ع میں ہوا اور لگا تار پندرہ سال تک یہ سلسلہ جاری رہا - اس کے لیے فوری صورت خود ترکوں نے پیدا کی - آذربائیجان کے فوجی دستوں نے علی پاشا کی سرکردگی میں اچانک سلماس پر حملہ کر دیا اور معاہدۂ صلح کو توڑنے میں پہل کی - شاہ عباس خود بھی زیادہ دیر معاہدۂ صلح کو برقرار نہ رکھنا چاہتا تھا ، وہ نہایت برق رفتاری سے اصفہان سے آیا اور ترکوں کو شکست دے کر تبریز کی طرف بڑھا اور اسے محاصرے میں لے لیا - ۱۰۱۲ھ مطابق ۱۶۰۳ع

میں تبریز فتح ہو گیا - گویا اٹھارہ سال بعد ایران کا یہ کھویا ہوا علاقہ حکومت ایران کو واپس مل گیا - شاہ عباس نے اب ایروان اور بغداد کی طرف پیش قدمی کی اور چھ ماہ کے عرصے میں انہیں بھی لے لیا - پھر شروان اور قارص کے علاقے فتح کیے - اس عرصے میں ترکی حکمران سلطان محمد سوم فوت ہو گیا اور سلطان احمد اس کا جانشین ہوا - اس نے ایران پر حملہ کرنے کے لیے کثیر تعداد میں فوج جمع کرنی شروع کی -

ترکوں کا حملہ

سلطان احمد نے ایک عثمانی سردار چغالہ زادہ کی سربراہی میں ایک لاکھ فوج ایران پر حملہ کرنے کے لیے بھیجی - ایرانی لشکر جو مقابلے میں آیا ، ۶۲ ہزار تھا - ترک جم غفیر تو ضرور ساتھ لائے تھے لیکن نہ ان میں پہلا سا نظم و ضبط تھا نہ پہلی سی سرفروشی ہی تھی - اس کے مقابلے میں ایرانی فوج میں نیا ولولہ تھا اور نئے ساز و سامان سے آراستہ بھی تھی - ایک بڑا توپ خانہ ساتھ تھا - سلماس کے قریب دونوں لشکر صف آرا ہوئے - سخت خوفناک جنگ ہوئی جس میں بالآخر ترکوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور چغالہ زادہ نے راہ فرار اختیار کی -

اس جنگ میں ۲۰ ہزار عثمانی ترک لقمۂ اجل بنے - چغالہ زادہ دیار بکر میں پناہ‌گزیں ہوا اور یہیں غم و غصہ کے عالم میں جان دی -

اس فیصلہ کن جنگ نے ایران اور صفوی حکومت کے دامن سے یہ دھبا دھو ڈالا کہ ایران ترکوں کے مقابلے میں بہت کمزور ہے -

سلطان محمد عثمانی کے بعد سلطان مراد کے زمانے میں بھی ترکوں اور ایرانیوں کے مابین لڑائیاں ہوئیں لیکن ان کا نتیجہ ایرانیوں ہی کے حق میں تھا - ایرانی فتوحات کی وجہ سے آذربائیجان ، کردستان ، بغداد موصل اور دیار بکر حکومت ایران کو واپس مل گئے - ان کے علاوہ نجف اور کربلا پر بھی ایرانیوں کا قبضہ ہو گیا جس سے نجف و کربلا کے لوگوں کے مذہبی جذبات کی بھی تسکین ہوئی -

ایران و ترکیہ کے مابین معاہدہ

آخر ۱۰۲۱ھ مطابق ۱۶۱۲ع میں ایران و ترکیہ کے مابین پھر

ایک معاہدہ[۱] ہوا جس کی رو سے ایران کی سرحد وہی قبول کر لی گئی ، جو سلطان سلیم کے زمانے میں قائم ہوئی تھی ۔ دوسری طرف شاہ عباس نے سالانہ دو سو سلک کی گانٹھیں حکومت ترکیہ کو بھیجنے کا وعدہ کیا ۔

معاہدہ شکنی

اس معاہدے پر زیادہ تر عمل نہ ہو سکا ۔ شاہ عباس نے معاہدے کے مطابق سلک نہ بھیجی ، ادھر گرجستان پر حملہ بھی کر دیا جو اس زمانے میں ترکوں کے زیر اثر تھا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان ترکیہ نے ۱۰۲۵ھ مطابق ۱۶۱۶ع میں لشکر کثیر حلب سے بھیجا جو ایشیائے کوچک کے فوجی دستوں میں شامل ہو گیا ۔ ترکوں نے ایروان کا محاصرہ کر لیا لیکن نہ صرف وہ ایروان فتح نہ کرسکے ، بلکہ شدت سرما کی وجہ سے سخت جانی نقصان بھی اٹھایا ۔

ایک اور معاہدہ اور معاہدہ شکنی

آخر چند سال بعد پھر مصالحت کی گفت و شنید ہوئی اور ۱۰۲۷ھ مطابق ۱۶۱۸ع میں پھر معاہدہ قرار پایا جس کی رو سے پہلے معاہدہ کی تجدید تو ہوئی لیکن اب کی دفعہ ۲۰۰ گانٹھوں کے بجائے شاہ عباس نے ایک سو گانٹھیں سلک کی بھیجنی منظور کیں ۔ یہ معاہدہ بھی دیرپا ثابت نہ ہوا ۔ سات ہی سال گزرے تھے کہ ترکوں نے لشکر کشی کرکے بغداد کو محاصرے میں لے لیا ، جو چھ ماہ تک جاری رہا ۔ آخر شاہ عباس خود فوج لے کر میدان کار زار میں آیا اور نہایت خوں ریز جنگ ہوئی جس میں طرفین کو سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا ۔ اتنے میں ترکیہ کے بعض علاقوں میں بغاوت ہو گئی جس کی وجہ سے ترکوں کو ناکام لوٹنا پڑا ۔ رسد بھی انھیں میسر نہ آ سکی جس سے ہزاروں ترک بھوک کا شکار ہوگئے ۔

ان مہموں میں اکثر پہل ترکیہ کی طرف سے ہوئی لیکن ہمیشہ انھیں منہ کی کھانی پڑی ، جس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ایران اپنے ایک طاقت ور حریف کے خلاف آپ اپنی حفاظت کر سکتا ہے ۔

---

۱ ۔ سائیکس : اے ہسٹری آف پرشیا ، جلد دوم ، صفحہ ۱۷۹ ۔

خلیج فارس میں مختلف اقوام کی کشمکش

خلیج فارس کی ایک مشہور بندرگاہ ہرمز کو تجارتی لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل تھی ۔ ایک ایرانی محاورہ ہے کہ ''اگر روئے زمین کو ایک انگشتری فرض کر لیا جائے تو ہرمز اس کا نگینہ ہے ۔'' اس پر سولھویں صدی عیسوی کے شروع میں پرتگیزوں نے قبضہ کر لیا تھا ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قبضے کی مختصر سی روداد بیان کر دی جائے ۔

ہرمز پر پرتگیزوں کا بحری حملہ

حکومت پرتگال نے ۱۵۰۷ع میں اپنی بحریہ کے ایک کپتان الفانسو کو ہرمز پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا ۔ وہ سات جہازوں کا بیڑا لیے ہوئے اپنی بندرگاہ سوقوطرا سے روانہ ہوا ۔ ساحل عرب کے ساتھ ساتھ اس نے بحری سفر کیا ۔ راستے میں جو بندرگاہیں آئیں انھیں لوٹا ۔ ان میں مسقط کی بندرگاہ بھی شامل تھی ۔ مرد اور عورتیں جو اس نے قید کیں ، انھیں قتل کر دیا ۔ مقصد خوف و ہراس پیدا کرنا تھا ۔ آخر وہ اس شان سے ہرمز کی بندرگاہ میں پہنچا کہ اس پر پرتگیزی جھنڈے لہرا رہے تھے اور توپوں کے دہانے ساحل سمندر کی طرف تھے ۔ یہاں کے حکمران نے ، جو ابھی لڑکا ہی تھا ، پانچ ہزار پاؤنڈ سالانہ خراج ادا کرنے کے وعدے پر الفانسو سے مصالحت کر لی ۔ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے ، جب ایران میں اسماعیل صفوی کی حکومت تھی ۔ اسماعیل نے اپنا نمائندہ بھیج کر الفانسو سے اس خراج کا مطالبہ کیا جو ہرمز کے حکمران کے ذمے واجب‌الادا تھا ۔ لیکن وہ الفانسو سے تلخ جواب سن کر خاموش ہو گیا اور حکومت ایران نے بھی اپنا مطالبہ دہرانے میں مصلحت نہ سمجھی ۔

پرتگالی مہم کی ناکامی

الفانسو نے چاہا کہ ہرمز میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرے ۔ اس کے لیے بنیادیں بھی کھودی گئیں لیکن جہازوں کے کپتانوں میں اختلاف ہو جانے کی وجہ سے قلعہ کی تعمیر کا کام روک دیا گیا ۔ آخر

الفانسو کو مجبور ہو کر واپس جانا پڑا - اس عرصے میں جزیرے کے حکمران نے شاہ ایران کی اطاعت اختیار کر لی اور بادشاہ کی رضا جوئی کی خاطر شیعہ مذہب اختیار کر لیا -

ہرمز پر پھر پرتگیزوں کا حملہ

مہم کی ناکامی کے سات سال بعد حکومت پرتگال نے الفانسو کو ہندوستان کا وائسرائے بنا کر بھیجا - ہرمز پر قبضہ جمانے کا خیال اسے بدستور تھا چناں چہ اس نے ۱۵۱۵ع میں ایک طاقت ور بیڑے سے ہرمز پر حملہ کیا - وہاں کا حکمران پرتگیزوں کی اطاعت اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا - قلعہ کی تعمیر کا کام ، جو اس نے ۱۵۰۷ع میں ادھورا چھوڑا تھا ، اب مکمل کیا - یہ قلعہ فن تعمیر کا نہایت اعلیٰ نمونہ سمجھا جاتا تھا -

انگریزوں اور ایرانیوں کی ہرمز میں فتح

ہرمز پر پرتگیزوں کا تسلط تقریباً سو سال تک برقرار رہا - تجارتی بندرگاہ ہونے کی وجہ سے ہرمز کو عالم گیر شہرت حاصل تھی - یورپی اقوام تجارتی منڈیاں حاصل کرنے کے لیے ایک دوسری سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہی تھیں - انگریز پرتگیزوں کے بہت بڑے حریف تھے - دونوں کے مابین باقاعدہ دشمنی کا آغاز ہو چکا تھا - انگریزوں نے ایرانی بادشاہوں سے تجارتی تعلقات بڑھائے - آخر اس خیال سے کہ انگریزوں کو تجارتی میدان میں برتری حاصل ہو جائے گی ، پانچ جہازوں کا بیڑا ہرمز پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا - ایرانی فوج نے خلیج فارس کی دوسری بندرگاہ کشم میں اپنی پوزیشن مستحکم کر لی اور پرتگیزوں کے قلعے کو محاصرے میں لے لیا ، لیکن انگریزوں کی مدد کے بغیر ہرمز پر حملہ کرنا ممکن نہ تھا - اس وقت فارس کا حکمران امام قلی خان تھا ، جس نے پرتگیزوں پر حملہ کرنے کے لیے کافی انتظامات کر لیے تھے - انگریز خود بھی پرتگیزوں کا تسلط ختم کرنا چاہتے تھے لیکن حکومت ایران سے اپنی شرائط منوا کر ہی حملے کا کوئی اقدام کرنا چاہتے تھے - آخر مندرجہ ذیل شرائط طے کرکے حملے کی تیاری شروع کی :

۱- مال غنیمت جو ہاتھ لگے گا ، اس میں انگریز اور ایرانی برابر کے شریک ہوں گے -

۲- ہرمز کو فتح کرنے کے بعد محصولات میں دونوں برابر کے حصے دار ہوں گے -

۳ - عیسائی قیدی انگریزوں کے حوالے کیے جائیں گے اور مسلمان قیدی حکومت ایران کے سپرد کیے جائیں گے -

۴ - رسد رسانی کے لیے ایرانی نصف رقم ادا کریں گے -

آخر انگریزوں نے پرتگیزی بیڑے اور ان کے قلعے پر بمباری شروع کردی جس سے پرتگیزوں کے سب سے بڑے جہاز کو آگ لگ گئی - پھر یکے بعد دیگرے سب جہاز تباہ کر دیے گئے - آخر گفت و شنید شروع ہوئی جس کے نتیجے میں پرتگیزوں نے قلعہ انگریزوں کے حوالے کر دیا ، جس کے ذریعے خلیج فارس میں ہند اور یورپ کے مابین تجارت ایک صدی سے پرتگیزوں کے قبضے میں چلی آتی تھی - ہرمز کو ، جسے پرتگیزوں نے کمبرون کا نام دیا تھا ، اب بندر عباس کے نام سے موسوم کیا گیا - پرتگیز بندر عباس کو خالی کر کے مسقط چلے گئے اور اب ان کی تجارت کا انحصار صرف مسقط تک محدود تھا - آخر ۱۶۵۰ع میں مسقط کو عمان کے امام نے فتح کرکے اسے پرتگیزوں سے خالی کرالیا -

ولندیزی میدان تجارت میں

ولندیزی تجارت میں اب پیش پیش تھے - انہوں نے بیس سال کے عرصے میں تجارت میں وہی مقام حاصل کر لیا جو پرتگیزوں کو حاصل تھا - انہوں نے ایران کے دارالسلطنت اصفہان پہنچ کر شاہ عباس سے بندر عباس میں فیکٹری لگانے کا فرمان حاصل کر لیا- ۱۶۲۳ع میں انہوں نے فیکٹری قائم کی اور حکومت ایران سے کچھ مراعات بھی حاصل کر لیں - رفتہ رفتہ وہ خلیج فارس کے ذریعے ہونے والی تجارت کے مالک بن گئے اور انگریزوں کو اس میدان میں ثانوی درجہ ہی حاصل ہوسکا - انہیں اب صرف یہ رعایت تھی کہ ایران کے جس علاقے سے چاہیں سلک خریدیں اور بلا محصول اسے برآمد کرلیں -

فرانسیسی تجارت کے میدان میں

فرانس نے اب بیرونی دنیا سے رابطہ قائم کرنا چاہا ، ایران میں بھی قدم بڑھائے لیکن یہاں فرانسیسیوں کو نمایاں کامیابی نہ ہوئی - آخر ۱۶۶۴ع میں فرانس کا سفیر شاہ عباس دوم کے دربار میں آیا اور شاہی فرمان کے ذریعے حکومت فرانس کو بھی وہ مراعات دے دی گئیں جو دوسری اقوام کو میسر تھیں - ان مراعات کی بدولت انھوں نے بھی بندر عباس اور اصفہان میں فیکٹریاں قائم کر لیں -

عباس اعظم کی وفات

عباس اعظم نے ۱۰۳۸ھ مطابق ۱۶۲۸ع میں ، جب کہ حکومت ایران اپنے دشمنوں پر غلبہ پاکر بین‌الاقوامی حیثیت اختیار کر چکی تھی، فرح آباد (ماژندران) میں وفات پائی -

عباس اعظم کی اصلاحات

شاہ عباس نے سر رابرٹ شرلے کی مدد سے لشکر کو جدید ساز و سامان سے آراستہ کیا - ازبکوں کی سرکوبی کرکے ملکی نظم و نسق کو بہتر بنایا - جگہ جگہ سڑکیں بنوائیں جن سے آمد و رفت میں آسانیاں ہوگئیں - کاروان سرائیں اور پل اتنی تعداد میں تعمیر ہوئے کہ اس سلسلے کی قدیمی عمارتیں بھی شاہ عباس کے نام منسوب ہونے لگیں - گیلان اور ماژندران کے دلدلی علاقوں میں مشہور ''راہ سنگ فرش''[1] تعمیر کرایا جس کی وجہ سے بحیرۂ خزر کے ساحلی علاقوں میں بآسانی آمد و رفت ہونے لگی - شاہ عباس نے قزوین کے بجائے اصفہان کو اپنا دارالسلطنت بنایا - یہاں خوب صورت عمارتیں بنوائیں اور عالی شان باغات لگوائے جو اب بھی سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں - مشرق و مغرب کے اکثر مصنفین نے ان کا ذکر کیا ہے - آرمینیا کی مہم میں جو پانچ ہزار عیسائی قیدی بنائے گئے ، انھیں اصفہان بھیج دیا گیا جہاں سے قریب ہی ایک نیا شہر جلفا تعمیر کراکے انھیں وہاں بسا دیا - یہاں انھوں نے تجارت کا کاروبار اپنے ہاتھوں میں لیا اور ایران کی تجارت کو دوسرے ملکوں

---

۱ - عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۴۰۲ -



روضۂ حضرت امام رضاؓ
جس کے گنبد پر گولیوں کے نشان ہیں

تک بھی پھیلا دیا - یہ رفتہ رفتہ عیسائیوں کا بہت بڑا مرکز بن گیا - یورپ کے سیاح جو ایران آتے ہیں اسی شہر میں قیام کرتے ہیں - اصفہان کے قریب ہی زردشتیوں کے لیے بھی ایک بستی بسائی گئی جہاں انھیں پوری پوری مراعات عطا کی گئیں -

مشہد اہل تشیع کے مرکز کی حیثیت میں

اسماعیل اول نے تو شیعہ مذہب کو رسمی مذہب کا درجہ دیا تھا لیکن شاہ عباس نے مختلف قبائل میں رابطہ استوار کرنے کے لیے مشہد کو مرکزیت دینے کی طرف توجہ دی - اور اس خیال کی اشاعت کی کہ مشہد امام رضا کا مدفن ہونے کی وجہ سے ایک مقدس مقام ہے - حقیقت میں اس نے تمام ایرانیوں کا رخ مشہد کی طرف موڑ کر اسے شیعہ عقیدت کا سب سے بڑا اور اہم مرکز بنا دیا - وہ خود ایک مرتبہ اصفہان سے آٹھ سو میل کا سفر کرکے زیارت کے لیے مشہد آیا - عبداللہ رازی لکھتے ہیں کہ عباس اعظم[1] سال میں دو ہفتے تک روضہ امام رضا میں اپنے ہاتھوں سے جھاڑو دیتا تھا - اس نے ایک مرتبہ اصفہان سے پیادہ پا بھی زیارت کا شرف حاصل کیا - کئی بار اس نے روضہ کی ہزاروں شمعوں کی بتیاں اپنے ہاتھ سے قطع کیں - شاہ عباس نے اپنی جو اشیا روضہ پر نذر کیں ان میں اس کا گراں بہا خزانہ اور اس کی کمان ، جس پر اس کا نام کندہ ہے ، خاص طور سے قابل ذکر ہیں -

زیارت نجف

شاہ عباس اعظم مشہد کے علاوہ زیارت کے لیے نجف بھی جاتا تھا جہاں وہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے مزار کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتا تھا - اس طرح وہ زندگی بھر اہل ایران کی مذہبی عقیدت کو استوار تر کرنے کے لیے ہر طرح سے کوشش کرتا رہا -

اولاد سے ناروا سلوک

شاہ عباس کی زندگی کے روشن پہلوؤں میں تاریک سایہ بھی نظر آتا ہے اور وہ اولاد سے اس کا وحشیانہ سلوک ہے - سائیکس تو یہ بھی لکھتا

---

۱ - عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران صفحہ ۴۰۳ -

ہے کہ عباس[1] اعظم کے بیٹوں کو جوں ہی کہ مقبولیت حاصل ہوئی ، اس کے دل میں حسد پیدا ہوگیا اور تو اور وہ ان شہزادوں کے مشیروں کو بھی اپنا دشمن سمجھنے لگ گیا - کہا نہیں جا سکتا تھا کہ بیٹوں کی طرف سے اس کا خوف بجا تھا یا نہیں ، بہر حال پہلا شکار اس کا بڑا بیٹا صفی مرزا ہوا - یہ بہت دلیر ، مدبر اور سخی تھا - اس کے متعلق کسی نے بادشاہ کے کان میں یہ بات ڈالی کہ وہ بادشاہ کے خلاف سازشیں کر رہا ہے کیوں کہ بادشاہ نے اس کے ایک عزیز مصاحب کو مروا دیا تھا - عباس اعظم نے اپنے ایک معتمد درباری کے ذریعے اسے ہلاک کرا دیا -

شاہ عباس کا دوسرا بیٹا قدرتی موت مرا - تیسرا خدا بندہ تھا جس نے شاہ عباس کی مہموں میں نمایاں کردار ادا کیا تھا - یہ بھی صفی مرزا کی طرح بہادر ، سخی اور پسندیدہ اطوار ہونے کی وجہ سے عوام میں بہت مقبول تھا - لوگوں کا خیال تھا کہ وہ شاہ عباس کا صحیح جانشین ثابت ہوگا - اس کی مقبولیت شاہ عباس کو ناگوار گزرتی تھی - اس نے اپنی کبیدگی ظاہر کرنے کے لیے خدا بندہ کے اتالیق کو قتل کرا دیا - خدا بندہ نے دربار میں حاضر ہو کر شکایت کی تو بادشاہ نے اس کی آنکھوں میں دہکتی ہوئی سلائی پھروا دی - چوتھے بیٹے کی اس نے آنکھیں نکلوا دیں اور اس طرح آخری بیٹے کو بھی تخت و تاج سے محروم کر دیا -

شاہ عباس کی سیرت اور اصلاحات

شاہ عباس کے عہد کے واقعات سے پتا چلتا ہے کہ وہ بہت مدبر اور بہادر شخص تھا - ہر وقت سر گرم کار رہتا تھا - شاہ عباس نہ صرف عظیم فاتح تھا بلکہ پرآشوب ملک میں اس نے امن و امان قائم کیا ، باغیوں کی گوشمالی کی ، سر کشوں کو قرار واقعی سزا دی ، ملک کو خوش حال اور آباد کرنے میں پوری پوری جدوجہد کی - اس کے دور میں لوگ امن و آسائش کی زندگی بسر کرتے تھے - تجارت و صنعت کو فروغ حاصل ہوا . اصفہان میں عالی شان مساجد ، عظیم‌الشان عمارات اور

---

۱ - A History of Persia ، جلد دوم ، صفحہ ۱۸۳ -

وسیع و عریض باغات بنائے گئے جن کی وجہ سے اصفہان کو اتنی زینت حاصل ہوئی کہ اس نے ''اصفہان نصف جہان'' کے نام سے شہرت پائی ، اور اسے دارالسلطنت ہونے کا مرتبہ ملا ۔ اس کے علاوہ ایران کے اکثر شہر مثلاً مشہد ، فرح آباد ، اردبیل ، قزوین ،کاشان ،استر آباد ، تبریز، ہمدان وغیرہ رونق و خوش حالی کے لحاظ سے پورے عروج پر تھے ۔ طول و عرض ایران میں سڑکیں اور کاروان سرائیں بنیں ۔ پانی کے ذخیروں کا انتظام ہوا ۔ کاریزیں کھدوائی گئیں ۔ ''راہ سنگ فرش'' جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے ، ماژندران کے دلدلی علاقے میں تعمیر کرایا ۔ یہ اس کا عظیم کارنامہ ہے ۔

شاہ عباس نے اثنیٰ عشریہ مذہب کی ترویج و اشاعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا ۔ مذہبی علما کے اختلافات کو ، جن سے ملک میں خلل پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ، حسن خلق اور تدبر سے دور کرتا تھا ۔ مجرموں کو کبھی معاف نہیں کرتا تھا ۔ ذرا ذرا سی خطا پر سخت سزا دیتا تھا ۔

اولاد کے ساتھ اس نے انتہائی شقاوت قلبی کا سلوک کیا ۔ لیکن اس کے ہم وطنوں[1] کی رائے یہ ہے کہ شاہ عباس ایسا دانش مند بادشاہ بغیر کسی وجہ کے اور بلا الزام ایسے مجنونانہ اقدام کو روا نہ رکھ سکتا تھا ۔ اس کی وجہ عام نظروں سے پوشیدہ ہے ۔ ورنہ ایسے شخص پر جس نے ہماری مملکت کو اوج رفعت پر پہنچایا اعتراض نہیں کیا جا سکتا ۔ یہ حقیقت ہے کہ صفی مرزا کو قتل کرانے کا شاہ عباس کو انتہائی دکھ ہوا اور اس کی قتل گاہ کو اس نے ''بست'' بنوایا ۔ جن لوگوں نے صفی مرزا کی بدگوئی کی انھیں سخت سزائیں دیں ۔ صفی مرزا کے قتل کے بعد شاہ نے ہمیشہ سادہ لباس پہنا اور اپنے آخری وقت میں وصیت کی کہ صفی کے بیٹے سام مرزا کو تخت و تاج سونپا جائے ۔

علما اور فن کاروں کی حوصلہ افزائی

شاہ عباس اعظم نے ملکی فتوحات کے ساتھ ساتھ علم و فضل کی

---

۱ ۔ عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۴۰۳ ، ۴۰۴ ۔

ترویج کے لیے بھی کوشش کی ۔ اس عظیم بادشاہ کے زمانے میں جو علما اور فن کار خاص طور سے مورد عنایات ہوئے حسب ذیل ہیں: میر محمد داماد ، شیخ بہاؤالدین عاملی (حکمت اور دیگر علوم) محمد حسین تبریزی ، معزی کاشانی (خوشنویس) مظفر علی ، زین العابدین اور صادق بیگ (نقاش) وحشی یزدی (شعر و سخن) مرزا محمد کمانچہ ، استاد محمد مومن ، استاد شہسوار چہارتادی ، استاد معصوم کمانچہ ، استاد سلطان محمد چنگی (موسیقی) حیدر ، محمد خورسند اور فتحی (قصہ خوان) ۔

ظاہر ہے کہ اس زمانے کے دانش ور ، جن پر الطاف خسروانہ ہوئے اور بھی ہوں گے لیکن ان میں سے بعض مشاہیر کا ذکر اس لیے کر دیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ شاہ عباس نے جہاں اپنے ملک کی سرحدوں کو وسیع کیا وہاں ترویج علم و کمال میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا ۔

شاہ صفی

(۱۰۳۸ تا ۱۰۵۲ھ مطابق ۱۶۲۹ تا ۱۶۴۲ع)

شاہ عباس کی وفات پر اس کی وصیت کے مطابق سام مرزا شاہ صفی کا لقب اختیار کرکے تخت نشین ہوا ۔ یہ نو عمر بادشاہ بالکل ناتجربہ‌کار تھا ۔ اس کی پرورش حرم سرا اور خواجہ سراؤں میں ہوئی تھی ۔ شاہزادوں کی حقیقی تربیت سے وہ محروم رہا تھا ۔ اب گویا وہ حرم سرا سے نکل کر سیدھا تخت شاہی پر آ بیٹھا تھا ۔ اس کے قریبی امرا جو کچھ کہتے وہی کرتا تھا، یہاں تک کہ جس کے ساتھ انہیں عناد ہوتا ، بادشاہ سے کہہ کر اسے قتل کرا دیتے ۔ اکثر شاہزادے اور امرا جنھوں نے ملک و ملت کے لیے نمایاں کام سرانجام دیے ، ان بد سگال امرا کے کہنے پر قتل کرا دیے گئے ۔ انھی میں بد نصیب امام قلی خاں حاکم فارس بھی تھا جس نے ایرانی مہموں میں غیر معمولی شجاعت اور قابلیت کا ثبوت دیا تھا اور پھر شاہ عباس کے زمانے میں جزیرۂ ہرمز پرتگیزوں سے آزاد کرایا تھا۔

ازبکوں کا حملہ

ازبک شاہ عباس کے عہد میں خاموش رہے لیکن اب پھر انھوں نے تخریبی سرگرمیاں شروع کیں اور خراسان میں لوٹ مار کرنے لگے ۔

ایرانی سپہ سالار نے وہاں سے نکالا تو انھوں نے قندھار کا رخ کیا جہاں کے ایرانی حاکم نے پامردی سے ان کا مقابلہ کرنے کے بجائے شہر کو خالی کر دیا اور اپنی فوج ساتھ لے کر دہلی چلا گیا اور وہاں اس نے مغلیہ دربار میں ملازمت اختیار کر لی ۔

عثمانی ترکوں کا ایران پر حملہ

ترکیہ کے حکمران مراد چہارم نے ایران کے خلاف جارحانہ سرگرمیاں شروع کیں اور ۱۰۳۹ھ مطابق ۱۶۲۹ع میں ایران پر حملہ کرنے کے لیے اپنا لشکر بھیجا ۔ یہ لشکر موصل سے ہوتا ہوا کردستان پر حملہ آور ہوا اور ایرانی لشکر کو شکست دے کر ہمدان پر قابض ہو گیا ۔ یہاں ترکوں نے متعدد لوگوں کو قتل کیا اور کئی دن تک لوٹ مار کی ۔

بغداد پر ترکوں کا ناکام حملہ

ہمدان کی فتح کے بعد ترکوں کا لشکر بغداد پر حملہ آور ہوا اور شہر پر بری طرح گولے برسائے جس سے شہر کی فصیل مسمار ہو گئی ، لیکن شہر کی حفاظت کے لیے مستحکم انتظامات کیے گئے تھے اور فوج مقابلے کے لیے تیار تھی ۔ چنانچہ ترکوں کو پسپا ہونا پڑا اور ہزاروں ترک موت کے گھاٹ اتار دیے گئے ، جو بچ گئے انھوں نے موصل کا رخ کیا ۔ دوسرے سال پھر ترکوں نے بغداد پر حملے کی تیاری کی ، لیکن اب کی دفعہ وہ داخلی شورش کی وجہ سے اپنے ارادے میں ناکام رہے ۔

ایروان میں ترکوں کی فتح

۱۰۴۵ھ مطابق ۱۶۳۵ع میں شاہ مراد نے ایروان پر لشکر کشی کی اور شہر کو فتح کر لیا ۔ پھر تبریز کا رخ کیا اور یہاں بھی اس کا بلا مقابلہ قبضہ ہو گیا ، لیکن اس کے باوجود اس نے شہر کو تباہ و برباد کیا ۔ تبریز کی فتح کے بعد شاہ مراد فاتحانہ شان سے قسطنطنیہ کو واپس ہوا ۔ شاہ مراد کی عدم موجودگی میں شاہ صفی کو ترک لشکر کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ تو نہ تھا لیکن سلطان کی واپسی پر اس نے ایروان کے ترک حاکم کے خلاف لشکر کشی کی ۔ اسے ترکوں نے مدد پہنچانے

کی کوشش تو کی ، لیکن آخر انھیں ہتھیار ڈالنے پڑے - یہاں چند سال بعد ۱۰۵۲ھ مطابق ۱۶۴۲ع میں شاہ صفی کی وفات ہوئی -

عباس دوم

(۱۰۵۲ تا ۱۰۷۷ھ مطابق ۱۶۴۲ تا ۱۶۶۷ع)

شاہ صفی کی وفات پر اس کا بیٹا عباس دوم دس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا - کم سنی کی وجہ سے حکومت کی باگ ڈور اس کے امرا کے ہاتھوں میں رہی - اس کے عہد میں امرا نے شریعت کے احکام نافذ کرنے میں سختی برتی اور ملک کے میخانے بند کرا دیے - لیکن جونہی کہ عباس بلوغت کو پہنچا، اس نے احکام شریعت کی پابندیوں کو نرم کردیا ، یہاں تک کہ میخانوں کے دروازے بھی کھلوا دیے - وہ خود حد سے زیادہ شراب پیتا تھا اور کثرت مے نوشی میں ایسی حرکات کا مرتکب بھی ہوا جو حکمران کے شایاں نہ تھیں - لیکن تعجب ہے کہ عدل و انصاف کو اس نے کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا - بعض امرا جو زیردستوں پر تعدی کرتے تھے ، انھیں تنبیہ کرکے باز رکھا - وہ وسیع المشرب بادشاہ تھا - تمام مذاہب کا احترام کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ''ایمان[1] ایک امر باطن ہے اور باطن کا حال صرف خدا ہی کو معلوم ہے - میں تو صرف عالم ظاہر کا بادشاہ ہوں -'' اس لیے وہ تمام مذاہب کے پیروؤں سے رواداری کا سلوک کرتا تھا اور تمام لوگوں کو رعایا سمجھ کر مہر و محبت سے پیش آتا تھا - اس کے زمانے میں رعایا مطمئن اور ملک خوش حال تھا -

قندھار کی فتح

شاہ صفی کے زمانے میں ، جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے ، ازبکوں نے حملہ کرکے قندھار فتح کر لیا تھا - عباس دوم نے قندھار پر لشکر کشی کی اور ازبکوں پر فتح حاصل کرکے اسے پھر اپنی مملکت کا جزو بنایا -

ازبک سردار ایرانی دربار میں

شاہ عباس دوم کے عہد میں ایک ازبک سردار امام قلی خاں نے

---

۱ - عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران - صفحہ ۴۰۵ ،

دربار شاہی میں پناہ لی ۔ شاہ عباس نے اس کے احترام میں فرق نہ آنے دیا اور ہر طرح سے مروت کا سلوک کیا ۔

حکمران بلخ دربار ایران میں

بلخ کا حکمران، مغل بادشاہ شاہجہاں کے خوف سے ترک وطن کر کے شاہ عباس کے دربار میں پناہ گزین ہوا ۔ اس کے ساتھ بھی مہر و محبت کا سلوک ہوا ، یہاں تک کہ لشکر دے کر اس کی مدد بھی کی ۔

پہلی روسی سفارت دربار ایران میں

اقوام یورپ کی طرح روسی حکومت نے بھی حکومت ایران کے ساتھ تاجرانہ تعلقات قائم کرنا چاہے ، لیکن جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا وہ نامناسب تھا ۔ ۱۶۶۴ع میں الیگسز[1] بادشاہ روس نے ایک سفارت ایران بھیجی جو آٹھ سو اراکین پر مشتمل تھی۔ حکومت ایران نے ان کا پرتپاک خیرمقدم کیا اور انہیں اصفہان کے عالی شان محل میں ٹھہرایا ۔ لیکن بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ حقیقت میں تاجر تھے جنہیں سفیروں کی حیثیت اختیار کرنے کا مجاز بنایا گیا تھا ۔ سفیروں کی حیثیت انہوں نے اس لیے اختیار کی تھی کہ محصولات سے بچ جائیں ۔ شاہ عباس دوم ان کی چالاکی سے برافروختہ ہوا اور لوگ بھی انہیں نفرت کی نظر سے دیکھنے لگے ۔ بالآخر کوئی فیصلہ کن رسمی جواب دیے بغیر انہیں لوٹا دیا گیا ۔ اس کا بدلہ لینے کے لیے الیگسز نے جنوبی روس کے قزاقوں کو ماژندران پر حملہ کرنے پر اکسایا ۔ قزاقوں نے ماژندران کے صدر مقام فرح آباد پر یلغار کر کے اسے نذر آتش کر دیا ۔ اس کے بعد انہوں نے میاں کلہ کی سرحد پر خندقیں کھود لیں لیکن وہاں سے انہیں نکال باہر کیا گیا ۔ ایرانیوں کے خلاف روسیوں کا یہ پہلا اقدام تھا جو قزاقوں کے ذریعے اٹھایا گیا ۔

شاہ سلیمان

(۱۰۷۷ تا ۱۱۰۵ھ مطابق ۱۶۶۷ تا ۱۶۹۴ع)

شاہ عباس دوم کی وفات ۱۰۷۷ھ میں ہوئی تو اس کا بڑا بیٹا صفی

---

۱ ۔ سرپرسی سائیکس : A History of Persia ، جلد دوم ، صفحہ ۲۱۲ ۔

مرزا شاہ سلیمان کے لقب سے تخت نشین ہوا ۔ ''یہ بادشاہ ضعیف العقل اور ظالم تھا ۔ ہر طرح سے اس نے بے رحمی اور سنگ دلی کا ثبوت دیا ۔ غصے یا مستی کی حالت میں ہوتا تو ہر مصاحب اپنی جان خطرے میں سمجھتا تھا ۔ ہاتھ ، کان یا ناک کٹوا دینا یا آنکھیں نکلوا دینا اس بے رحم بادشاہ کے لیے معمولی بات تھی ۔ جو لوگ اس کے زیادہ مقرب تھے وہ زیادہ مصیبت میں تھے ۔ وہ اپنے مصاحبوں کو نشے کی حالت میں ذرا ذرا سی بات پر سخت اذیت دیتا تھا[1] ۔''

سلیمان نے صفوی دربار کی شان و شوکت میں فرق نہ آنے دیا ۔ اس کے عہد میں داخلی طور پر کوئی بدامنی نہ ہوئی ۔ زندگی کے آخری ایام میں اس کی صحت بگڑ گئی ۔ زیادہ تر وقت وہ حرم سرا ہی میں گزارتا تھا ۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ مکمل طور پر زنان حرم اور خواجہ سراؤں کے اثر میں آ گیا ۔

سلیمان کو جنگ سے سخت گریز تھا ۔ یہی وجہ تھی کہ ولندیزوں نے خلیج فارس کی بندرگاہ کشم پر قبضہ کر لیا تو اسے جنبش تک نہ ہوئی ۔ ازبکوں نے خراسان میں لوٹ مار کی تو وہ ذرہ بھر بے چین نہ ہوا ۔ سلیمان کے طویل عہد میں متعدد ممالک کے سفیر اس کے دربار میں آئے ۔ اس نے مذہبی روایات کو برقرار رکھا ۔ حضرت امام رضا کے مقبرے کے سنہرے گنبد کو زلزلے کی وجہ سے نقصان پہنچا تو سلیمان نے اس کی مرمت کرائی جس کی یاد میں ۱۰۸۶ھ مطابق ۱۶۷۶ع میں ایک کتبہ نصب کیا گیا ۔ مشہد سے باہر مصلیٰ (مقام نماز) اس کے عہد کی یادگار ہے ۔ اس کی محراب نہایت شان دار ہے ۔ اس کی نیلی سطح پر سفید رنگ میں آیات قرآنی رقم کی گئی ہیں ۔ یہ عمارت بڑی دل کش اور جاذب توجہ ہے ۔

۱۱۰۵ھ مطابق ۱۶۹۴ع میں شاہ سلیمان نے وفات پائی اور صفوی عہد کا زوال شروع ہو گیا ۔

---

۱ ۔ عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۴۰۶ ۔

شاہ سلطان حسین

(۱۱۰۵ تا ۱۱۲۵ھ مطابق ۱۶۹۴ تا ۱۷۱۳ع)

شاہ سلیمان کی وفات پر امرائے دولت اور خواجہ سراؤں نے ضعیف النفس اور توہم پرست شہزادہ حسین کو تخت نشین کیا ۔ مقصد یہ تھا کہ حکومت کا کاروبار وہ خود چلائیں گے ۔ سلطان حسین نیک دل تو ضرور تھا لیکن خسروانہ اوصاف سے محروم تھا ۔ اس کے زمانے میں بددیانت امرا کی بن آئی ۔ عالم نما ریاکاروں نے رہنمائی اور پیشوائی کا کام سنبھالا ۔ مدرسوں کو ''بست'' کا درجہ دے دیا گیا تاکہ مجرم یہاں پہنچ کر پناہ لیں تو قانون کی گرفت سے محفوظ ہو جائیں ۔ شراب خانوں کے دروازے بند کر دیے گئے ، خم توڑ دیے گئے ، علما مختلف مذاہب کے پیروؤں کو آزار پہنچانے لگے ۔ شیعہ سنی جھگڑے شروع ہو گئے ۔ صوفی ترک وطن پر مجبور ہو گئے ۔ خانقاہیں ویران ہو گئیں ۔ اراکین سلطنت افسردہ خاطر اور امرا بد دل ہو گئے ۔ ریاکار ملاؤں اور خواجہ سراؤں کو بڑے بڑے منصب عطا ہوئے ۔ اس طرح ملک و ملت کے خلل کے اسباب جمع ہو گئے ۔ دوسری طرف کسی دوسرے ملک سے جنگ نہ ہونے کی وجہ سے لشکر بے فکر ، غافل اور تن پرور ہو گیا ۔ حکمران جنگ جوئی سے گریزاں تھا ۔ یہی وجوہ تھیں کہ جب افغان قندھار سے اٹھے تو بڑی آسانی سے اصفہان تک جا پہنچے ۔

روسی سفیر پھر ایران میں

۱۱۲۰ھ مطابق ۱۷۰۸ع میں روس میں پیٹر اعظم کی حکومت تھی اس نے بھی الیگسز کی طرح دربار اصفہان میں سفارت بھیجی ۔ اس کا سربراہ ایک ارمنی یہودی اوری تھا اور اراکین کی تعداد سات سو تھی ۔ ان میں اکثر تاجر پیشہ لوگ تھے جنھوں نے پہلے کی طرح محصولات سے بچنے کے لیے سفارت میں پناہ لی تھی ۔ سفارت کے اراکین کی کثرت کی وجہ سے اور کچھ پیٹر اعظم کی جارحیت پسندی کے خیال سے اہل اصفہان میں ہراس سا پیدا ہو رہا تھا اور اس قسم کی خبریں پھیل رہی تھیں کہ روس کی نیت میں فرق ہے ۔ وہ گرجستان اور آرمینیا پر قبضہ کرنے کا خواہاں ہے ۔ اس خوف اور شک کی بنا پر سفیر نما تاجروں کا

بادل ناخواستہ خیر مقدم کیا گیا ۔ سلطان حسین میں یہ ہمت نہ تھی کہ وہ شاہ عباس دوم کی طرح روسی سفیروں سے ویسا ہی سلوک کرتا جیسا کہ الیگسز کے سفیر نما تاجروں سے کیا گیا تھا ۔ سات سال بعد ایک اور روسی سفیر آرتیمی والنسکی ایران آیا ۔ یہ سفیر جیسا کہ بعد میں ذکر آئے گا ، پیٹر اعظم کے کسی حملے کے لیے راہ ہموار کرنا چاہتا تھا ۔

ترکوں کا بری اور بحری حملہ

خلیج فارس میں اب ایرانیوں کی پوزیشن کچھ کمزور تھی ۔ ترکیہ کے بادشاہ سلطان بن سیف دوم نے بحری اور بری دونوں راستوں سے ایران پر حملہ کیا ۔ بحرین پر بھی لشکر کشی کی جس کو اس نے مسخر کر لیا ۔ ایرانیوں کے پاس بحری بیڑا نہ تھا اس لیے انہوں نے پرتگیزوں سے مدد مانگی ۔ پرتگیزوں نے مدد دینے پر رضامندی ظاہر کر دی ، لیکن مدد کا پہنچنا آسان نہ تھا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلے تو مسقط پرتگیزوں کے قبضے میں تھا ، اب امام مسقط کا اس پر قبضہ تھا ۔ بہر حال ان کا بیڑا خلیج فارس میں داخل ہوا ، لیکن امام مسقط کے بحری بیڑے نے ان پر حملہ کرکے انھیں شکست دی ۔ اس پر ایرانی جرنیل لطف علی خاں نے ، جو فتح علی خاں وزیر مملکت کا نسبتی بھائی تھا ، محض دفاعی اقدام پر اکتفا کیا اور عمان کو حملوں سے بچانے کے لیے بندر عباس اور دوسری بندرگاہوں پر اپنی فوج بھیج دی ۔

قندھار

شہنشاہ ہمایوں نے شاہ طہماسپ سے فوجی امداد حاصل کرکے ۹۵۲ھ مطابق ۱۵۴۵ء میں قندھار فتح کیا تھا، لیکن شاہ طہماسپ کی مہمان نوازی کے صلے میں قندھار اپنے محسن کو دے دیا ۔ عباس اعظم کے زمانے میں بھی قندھار ایرانی مملکت ہی کا حصہ رہا ، لیکن اس کی وفات پر ازبکوں نے چڑھائی کرکے قندھار پر قبضہ کر لیا ۔ پھر مغل بادشاہ (شاہجہان) نے ۱۰۴۸ھ مطابق ۱۶۳۸ء میں ازبکوں کو قندھار سے مار بھگایا لیکن شاہ عباس دوم نے ۱۰۵۹ھ مطابق ۱۶۴۹ء میں قندھار فتح کر لیا ۔ مغل بادشاہوں نے بار بار قندھار کو واپس لینے کی کوشش کی ۔ اورنگ زیب کے زمانے میں بھی ہندوستانی فوج نے قندھار پر حملہ کیا

لیکن اسے فتح کرنے میں کامیابی نہ ہو سکی - یہاں تک کہ سلطان حسین کے عہد میں بھی قندھار ایرانی سلطنت ہی میں شامل تھا -

قندھار کے غلزئی

قندھار میں غلزئیوں کا قبیلہ بہت طاقت ور سمجھا جاتا تھا - غلزئیوں کے متعلق یہ بھی گمان تھا کہ وہ دربار دہلی سے ساز باز رکھتے ہیں -

گرگین خاں کا قندھار میں تقرر

غلزئیوں پر بے اعتمادی کی وجہ سے حکومت ایران نے گرجستان کے شہزادہ گرگین کو، جو حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا ، قندھار کا حکمران بنا کر بھیجا - گرگین ایرانی لشکر لے کر قندھار آیا - خلاف توقع غلزئیوں نے کوئی مدافعت نہ کی - قندھار کے جن امرا پر دربار دہلی سے سازباز کرنے کا شبہ تھا ، انھیں سزائیں دی گئیں اور تھوڑے ہی عرصے میں ایرانی حکومت قندھار میں اور مضبوط ہو گئی - گرگین نے اپنی حکومت کو مستحکم پا کر اہل قندھار سے سخت سلوک کرنا شروع کیا - اہل شہر نے حکمران کے خلاف صفوی دربار میں شکایت پہنچائی لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی -

میر ویس غلزئی کا اقتدار

گرگین کی سختیوں کے خلاف غلزئی قبیلے کے سردار میر ویس نے آواز اٹھائی تھی ، اسے گرگین نے گرفتار کرکے اصفہان بھجوا دیا اور کہلا بھیجا کہ یہ سازش کرنے والوں کا سرغنہ ہے ، اسے قید میں رکھا جائے - میر ویس ایک دانش مند اور باہوش شخص تھا ، اس نے اپنی دولت اور دانش مندی کے ذریعے اراکین دربار کو متاثر کیا - آخر کچھ عرصے بعد وہ بادشاہ کے مقربین میں شامل ہوگیا -

میر ویس نے اپنے ہم وطنوں میں زیادہ وقار حاصل کرنے کے لیے بیت اللہ کا حج کرنا چاہا ، چنانچہ اسے حج پر جانے کی اجازت مل گئی - واپس آ کر سب سے پہلے اس نے بادشاہ کو گرگین خاں سے بدظن کرنا چاہا اور اسے بتایا کہ روسیوں کا ارادہ آرمینیا اور گرجستان کو مسخر کرنے کا ہے اور گرگین خاں ان کا آلۂ کار بنے گا - آخر سلطان حسین

گرگین سے بدظن ہو گیا اور قندھار کی سرداری میر ویس کے سپرد کر دی لیکن فوج کا انصرام گرگین ہی کے ہاتھوں میں رہا۔ یہ واقعہ ۱۱۲۰ھ مطابق ۱۷۰۸ع کا ہے۔ قندھار پہنچ کر میر ویس نے وہاں کے امرا سے گٹھ جوڑ کیا اور انھیں حکومت ایران کے خلاف اکسایا۔ اس نے بظاہر گرگین سے دوستی میں فرق نہ آنے دیا لیکن آخر ایک مرتبہ اس نے گرگین کو اپنے ہاں دعوت پر بلا کر ۱۱۲۱ھ مطابق ۱۷۰۹ع میں مع اس کے رفقا کے قتل کر دیا۔ پھر گرجستانی اور ایرانی لشکر کے تمام افراد کو جو حدود قندھار میں تھے قتل کرا دیا۔

قندھار پر فوج کشی

سلطان حسین کو میر ویس کی غداری کا علم ہوا تو غیظ و غضب میں محمد جامی اور حاکم ہرات محمد خاں کو قندھار بھیجا کہ میر ویس کو فہمائش کریں لیکن نہ صرف یہ کہ ان کی فہمائش کا کچھ اثر نہ ہوا، انھیں میر ویس نے گرفتار کر لیا۔ اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ قندھار پر فوج کشی کی جاتی۔ چناں چہ سلطان حسین نے گرگین کے بھتیجے خسرو خان کو اس مہم پر مامور کیا۔ اس نے قندھار کا محاصرہ کیا لیکن نہ صرف اسے محاصرہ اٹھانا پڑا بلکہ ایرانی لشکر مغلوب ہو گیا اور خسرو خاں مارا گیا۔ اس کے بعد ایک دوسرے ایرانی لشکر نے محمد رستم کی سرکردگی میں قندھار پر حملہ کیا لیکن اب کی بار بھی ایرانیوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان فتوحات سے میر ویس کا اقتدار بہت بڑھ گیا لیکن زندگی نے وفا نہ کی ورنہ وہ ایران کا رخ کرتا۔

میر ویس کے بیٹے محمود کی ایران میں پیش قدمی

میر ویس کی وفات پر اس کا بھائی میر عبداللہ اس کا جانشین ہوا۔ اس نے حکومت ایران سے مصالحت کرنی چاہی لیکن میر ویس کے بیٹے محمود خاں نے اس کی مخالفت کی بلکہ اسے اسیر کرکے قتل کر دیا۔ اس وقت ایران کے حالات خلل پذیر تھے۔ ادھر کردوں نے اصفہان کے قرب و جوار میں ادھم مچا رکھا تھا ادھر آزاد خاں ابدالی نے ہرات میں علم آزادی بلند کیا اور صفی قلی خاں کو شکست دی، جو اس کے مقابلے

پر مامور ہوا تھا - ابدالیوں کی اس فتح سے ایران کی مشرقی سرحد پر ابدالیوں کی خود مختار ریاست قائم ہو گئی - ادھر عمان کے عربوں نے خلیج فارس کے جزائر میں لوٹ مار شروع کی - محمود اس صورت حال کا بغور مطالعہ کر رہا تھا - آخر اس نے ارادہ کیا کہ ایران پر حملہ کرکے وہاں اپنی حکومت قائم کرے - اسی ارادے سے وہ سیستان آیا اور صحرائے لوط کو عبور کرکے کرمان پہنچا - وہاں کی زردشتی آبادی کی مدد سے اس نے کرمان فتح کر لیا لیکن ایران کا ایک نامور سردار لطف علی خاں کسی بڑے لشکر کا انتظار کیے بغیر اپنے فوجی دستے لیے آگے بڑھا اور افغانوں کو شکست دے کر قندھار واپس جانے پر مجبور کر دیا - یہاں سے لطف علی خاں شیراز پہنچا اور اس خیال سے کہ افغانوں کو ایران پر پھر حملے کا حوصلہ نہ پڑے گا ، قندھار پر یلغار کرنے کے لیے لشکر فراہم کرنے لگا - لیکن دربار شاہی میں سازشوں کا زور تھا ، کسی نمایاں خدمت بجا لانے والے کو پسند نہیں کیا جاتا تھا - چناں چہ کسی امیر نے لطف علی خاں کے نسبتی بھائی فتح علی خاں ، جو وزیر مملکت تھا ، کے متعلق یہ خبر اڑا دی کہ وہ بادشاہ کو قتل کرنے کی سازش کر رہا ہے - اس پر اسے وزارت سے معزول کرکے اس کی آنکھیں نکلوا دی گئیں اور لطف علی خاں کو اس کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ملازمت سے الگ کر دیا گیا -

تعجب کی بات ہے کہ سلطان حسین کے دور میں جس نے بھی ملک کی حفاظت کے لیے کوئی اقدام کرنا چاہا ، اسے کوئی نہ کوئی حیلہ کرکے بادشاہ کی نظروں سے گرا دیا گیا - اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ والیِ گرجستان نے شورش پسند لزگیوں کی سرکوبی کرنی چاہی تو امرا کے اشارے پر سلطان حسین نے حکم بھیجا کہ لزگیوں کے امور میں دخل اندازی نہ کی جائے - اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ والئی گرجستان نے قسم کھائی کہ جب تک یہ بادشاہ تخت پر ہے وہ مملکت کی حفاظت کے لیے کبھی تلوار نہیں اٹھائے گا - چناں چہ لزگیوں نے شروان کے دارالحکومت شماخی کو فتح کر لیا - طرح طرح کے حادثات جو پیش آ رہے تھے ، ان کے سدباب کے لیے بجائے اس کے کہ فوجی تدابیر

کی جاتیں ، ملاؤں کی خدمات حاصل کی گئیں ، جنھوں نے توبہ و استغفار پر زور دیا تاکہ خدا ان کے گناہ معاف کرے ۔ ملکی بلاؤں کو ٹالنے کے لیے شراب خانے بند کرا دینے کا مشورہ دیا گیا اور اخلاق بہتر بنانے کی تلقین کی گئی ۔ لیکن ان تدبیروں سے ایران پر ہونے والے حملے رک نہ سکتے تھے ۔

ایران کے خلاف محمود خاں کی دوسری مہم

لطف علی خاں سے شکست کھانے پر افغانوں کے حوصلے تو پست ہوئے لیکن اسے فوج سے الگ کیے جانے کی خبر سے محمود خاں نے پھر مہم شروع کی اور افغانوں اور بلوچوں کا پچیس ہزار لشکر لے کر سیستان کا رخ کیا اور حملہ کرکے اسے فتح کر لیا ، اگرچہ وہاں کا قلعہ سر نہ ہو سکا ۔ محمود نے اب یزد پر حملہ کیا لیکن یہ بھی فتح نہ ہو سکا ۔ پھر ۱۱۳۵ھ مطابق ۱۷۲۲ع میں وہ دارالحکومت اصفہان کی طرف بڑھا تو سلطان نے چاہا کہ تیس ہزار پاؤنڈ کا نذرانہ دے کر اسے لوٹا دے ۔ محمود نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا ۔ اس سے اسے صفوی حکومت کی کمزوری کا پتا چل گیا اور اصفہان سے گیارہ میل کے فاصلے پر گلنا باد آ کر ڈیرے ڈال دیے ۔

دارالسلطنت میں جنگ کے مسئلے پر غور کرنے کے لیے مجلس مشاورت طلب کی گئی ۔ اکثر امرا کی یہ رائے تھی کہ محض دفاعی تدابیر اختیار کرنا مناسب ہو گا لیکن ایک عرب سردار نے جو امیر لشکر تھا ، جارحانہ حملہ کرنے پر زور دیا ۔ آخر سلطان حسین نے عرب سردار کی رائے سے اتفاق کیا اور پچاس ہزار لشکر اور ۲۴ توپیں دے کر اسے محمود خاں کے مقابلے میں بھیجا ۔ ایرانی لشکر اس شان و شوکت سے روانہ ہوا کہ سوار لباس فاخرہ میں ملبوس تھے ۔ گھوڑوں کی لگامیں زریں تھیں ۔ راحت و آرام کے تمام اسباب انھیں مہیا کیے گئے تھے ۔ ان کے مقابلے میں افغانوں کے لباس پھٹے ہوئے اور ان کے گھوڑے لاغر تھے ۔

افغانوں اور ایرانیوں کی یہ پہلی جنگ تھی جس نے صفویوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا - افغان لشکر کی تعداد بیس ہزار سے چالیس ہزار تک تھی - اس کے علاوہ زردشتیوں نے جو عالم نما ملاؤں کے ظلم و جور سے تنگ آئے ہوئے تھے، ان کا ساتھ دیا - ادھر صفوی لشکر کے امرا میں اختلاف اور لشکر میں بد نظمی تھی- آخر گلنا باد کی خوں ریز جنگ میں افغانوں کو فتح ہوئی - ایرانی لشکر دو ہزار جوانوں کی قربانی دے کر افراتفری کے عالم میں بھاگ کھڑا ہوا - صفویوں کی شکست نے ثابت کر دیا کہ اہل ایران اب ملکی مدافعت نہیں کر سکتے تھے -

فرح آباد اور جلفا کی تسخیر

گلنا باد کی فتح کے بعد محمود خاں نے فرح آباد کو بلا مقابلہ مسخر کر لیا - وہاں سے وہ عیسائیوں کے شہر جلفا آیا جو زاینده رود کے دائیں کنارے واقع ہے - یہاں کے ارمنیوں نے کچھ دیر افغانوں کا جم کر مقابلہ کیا ، آخر انھیں ہتھیار ڈالنے پڑے - یہاں کے لوگوں سے محمود خاں نے ایک لاکھ چالیس ہزار پاؤنڈ بطور تاوان جنگ وصول کیے -

محاصرۂ اصفہان

ان فتوحات سے محمود کا حوصلہ بہت بڑھ چکا تھا - اب اس کا ہدف صفوی دارالحکومت اصفہان تھا - زاینده رود کے پلوں کے سامنے افغانوں نے ڈیرے ڈال دیے اور صفوی بادشاہوں کے عالی شان محلات اور باغات پر ، جو اصفہان سے باہر واقع تھے، قبضہ کر لیا - اب شہر کی طرف پیش قدمی کرنے میں ایک پل حائل تھا - محمود نے اس پل پر سے گزرنے کی کوشش کی لیکن احمد آغا خواجہ سرا نے فوجی دستے ساتھ لے کر اسے روک دیا - محمود کو پل پار کرنے میں ناکامی ہوئی - اسے اب یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اصفہان کو فتح نہیں کر سکے گا اس لیے اس نے صلح کی پیشکش کرتے ہوئے ذیل کی شرائط پیش کیں :

۱ - قندھار ، خراسان اور کرمان کے علاقوں میں افغانوں کی خود مختار حکومت تسلیم کر لی جائے۔

۲ - ایک لاکھ پاؤنڈ بطور تاوان دیے جائیں -

صفوی تاجدار سلطان حسین کے حوصلے اگرچہ پست ہو چکے تھے لیکن یہ شرطیں اس کے لیے قابل قبول نہ تھیں ، چناں چہ انہیں مسترد کر دیا گیا - محمود نے اصفہان پر براہ راست حملہ کرنے کا ارادہ کچھ دیر کے لیے ملتوی کر دیا اور آس پاس کے علاقوں میں لوٹ مار کرنے اور رسد فراہم کرنے کی طرف توجہ مبذول کی - لوٹ مار کرنے کے بعد محمود نے پھر پل پر سے گزرنا چاہا - اب کی بار وہ پورے جوش و خروش سے یلغار کر کے پل کو عبور کر گیا اور دارالحکومت کو محاصرے میں لے لیا - ''محاصرے نے طول پکڑا - اس عرصے میں آس پاس کے دیہات تباہ ہوئے ، سرسبز باغوں میں خاک اڑی ، شہر میں رسد ختم ہو گئی جس سے سخت قحط پڑ گیا - گھوڑوں اور خچروں تک کا گوشت اہل شہر کو کھانے کے لیے میسر نہ تھا ، درختوں کے پتے ، جو کچھ عرصہ کھا کر گزارا کرتے رہے ، اب وہ بھی ناپید تھے - بھوک سے مرنے والوں کے جنازوں پر جنازے نکل رہے تھے - گلی کوچوں میں شور و شیون بپا تھا[۱]'' - محمود کا خیال تھا کہ گلنا باد کی طرح یہاں بھی اسے بآسانی فتح حاصل ہو جائے گی لیکن ایک تو محاصرہ طویل ہوا دوسرا اصفہان کے قریب کے ایک قصبہ اصفہانک سے ایک جمعیت افغانوں پر ٹوٹ پڑی اور بہت سے افغانوں کو تہ تیغ کر دیا اور محمود کے چچا اور چچا کے دو بیٹوں کو اسیر کرکے ہلاک کر دیا - اس لیے محمود اب بیم و امید کے عالم میں تھا -

سیستان کے حکمران محمود سیستانی کو صفوی دارالحکومت کے گھر جانے کا علم ہوا تو دس ہزار کا لشکر لیے ہوئے صفوی حکومت کی مدد کو آ گیا - محمود افغانی نے محمود سیستانی کو مقابلے سے باز رکھنے کے لیے یہ لالچ دیا کہ اصفہان فتح کر لینے کے بعد خراسان کی حکومت اسے دے دی جائے گی - اس کے علاوہ گراں قدر تحفے تحائف

---

۱ - عبداللہ : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۱۰۴ - تہران ۱۳۳۵ -

بھی اسے دے۔ محمود افغانی کا حربہ کامیاب ہوا اور محمود سیستانی نے اصفہان کی مدافعت کا ارادہ ترک کر دیا ۔

سقوط اصفہان

اصفہان میں قحط شدت اختیار کرتا جاتا تھا - اہل شہر بادشاہ وقت کو جنگ پر آمادہ کرتے تھے - ہر طرف چیخ و پکار کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں - اس پر سلطان حسین نے محمود کی پیش کردہ شرائط پر صلح کرنے کی پیشکش کی لیکن محمود نے کہلا بھیجا کہ اب وقت گزر چکا ہے ، حالات بدل گئے ہیں ، اب غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے کے سوا اور کوئی صورت باقی نہیں ۔

صفوی تاج افغان محمود کے سر پر

''سلطان حسین[1] کے لیے اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ صفوی تاج اپنے حریف کی نذر کر دے - آخر بصد حسرت و یاس تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا اور ماتمی لباس پہن کر امرا کی معیت میں شہر سے باہر نکلا اور افغانوں کے لشکر میں پہنچ کر محمود سے جا ملا اور اسے بہ طور فرزند خطاب کرتے ہوئے صفوی تاج اس کے سر پر رکھ کر حکومت اس کے سپرد کر دی'' - افغان فاتحانہ دارالحکومت میں داخل ہو گئے - اس طرح سات ماہ کا محاصرہ ختم ہو گیا - یہ حادثہ ۱۱۳۵ھ مطابق ۱۷۲۲ع کا ہے -

صفوی عہد کا اختتام

عظیم صفوی خاندان کا اختتام نہایت ندامت خیز طور پر ہوا - یہ وہی صفوی تھے جنہوں نے ایلخانیوں کی حکومت کو ختم کر کے ایک عظیم عہد کی بنیاد رکھی تھی - اس عہد کا مؤسس اسماعیل صفوی ایک عظیم بادشاہ تھا جس نے پوری قوم کو ایک مرکز پر مجتمع کیا - اس خاندان کا دوسرا عظیم بادشاہ شاہ عباس اعظم تھا جس نے نہ صرف ایران کی حکومت کو مستحکم کیا بلکہ غیر ممالک میں بھی اپنا نام بلند کیا - لیکن بقول سائیکس[2] ''صفوی کشور کشا نہ تھے - انہوں نے قدیم ایرانی

---

۱ - عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۴۱۱ -

۲ - A History of Persia ، جلد دوم ، صفحہ ۲۳۰ -

سلطنت کی وسعتوں پر نظر نہیں رکھی ؛ نہ اسے حاصل کرنے کی کوشش کی - ایران کی مغربی سرحد پر صوبہ آذربائیجان اور بعض دوسرے علاقے ترکوں کے تسلط میں تھے ، صفوی حکمرانوں کی تمنا تو تھی کہ ان علاقوں کو واپس لیں لیکن ترکیہ پر حملہ کرنے کی انھوں نے کوشش نہ کی - ازبکوں کے خلاف البتہ انھوں نے ضرور اقدامات کیے لیکن اس خیال سے نہیں کہ وسط ایشیا پر مستقل قبضہ جمائیں بلکہ صرف اس لیے کہ ان کی تاخت و تاراج سے خراسان کو بچایا جائے - جنوب میں قندھار انھوں نے مغلیہ حکومت کے حوالے کر دیا - اس لیے صفوی بادشاہوں کا شمار ہخامنشی اور ساسانی بادشاہوں کی صف میں نہیں ہو سکتا کیوں کہ وہ صرف اپنی سرحدوں کو محفوظ کرنے پر مطمئن رہے - بہر حال مذہبی اور قومی نقطۂ نظر سے صفوی خاندان کا وقار ایرانیوں کی نظر میں بہت بلند ہے -"

افغانوں کا رویہ

محمود خاں نے اصفہان پر غیر معمولی فتح پانے کے بعد چاہا کہ عوام کی ہر ممکن طریقے سے دل جوئی کرے ، چنانچہ امن و سکون بحال کرنے کے لیے اس نے کوشش کی - ایک دیانت دار متدین افغان کو قاضی القضاۃ کا منصب سونپا - امور مملکت میں افغانوں کے ساتھ ایرانیوں کو بھی شریک کیا تاکہ ایرانی دانش وروں سے استفادہ کیا جا سکے - اہل یورپ سے بھی اس نے فیاضانہ سلوک کیا - شروع شروع میں اس کے رویے سے امید بندھی کہ ایران پھر سکون و خوش حالی کی نعمت سے ہم کنار ہو سکے گا لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حملہ آور کی وحشیانہ جبلت پھر عود کر آئی -

حالات ایران

ایران میں افغانوں کا پائیدار حکومت قائم کرنا آسان نہ تھا - محمود کو متعدد دشواریوں کا سامنا ہوا - اسے خبر ملی کہ تین لاکھ پاؤنڈ کا خزانہ جو اس نے لشکر بھرتی کرنے کے لیے قندھار بھیجا تھا ایک سیستانی سردار نے راستے میں لوٹ لیا ہے - ایرانیوں نے اس کی حکومت کو دل سے قبول نہیں کیا تھا اس لیے وہ انتقام لینے کے لیے درپردہ

کوششیں کر رہے تھے - ادھر ترک اور روسی ایران کی پریشان حالی کی وجہ سے اس فکر میں تھے کہ اپنی سرحدوں سے ملتے ہوئے علاقوں پر قبضہ کر لیں - چنانچہ بادشاہ روس پیٹراعظم نے پیادہ اور سوار فوج داغستان کے علاقے میں بھیجی - ظاہر تو یہ کیا کہ یہ فوج شاہ حسین کے بیٹے طہماسپ کو جس نے ماژندران کے شہر فرح آباد میں اپنی بادشاہت کا اعلان کیا تھا ، افغانوں کے ہاتھوں سے بچانا چاہتی ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی - روسیوں نے داغستانی فوج کو شکست دے کر دربند پر قبضہ کر لیا - اسی سال روسیوں نے رشت اور باکو پر بھی تسلط جما لیا - ادھر اہل قزوین ۱۱۳۶ھ مطابق ۱۷۲۳ع میں افغان لشکر پر ٹوٹ پڑے اور دو ہزار افغانوں کو تہ تیغ کر دیا - محمود خاں کے چچا کا بیٹا اشرف ، جو اس لیے دل میں کینہ رکھتا تھا کہ محمود نے اس کے باپ میر عبداللہ کو قتل کیا تھا ، ایران چھوڑ کر قندھار روانہ ہوا اور بچے کھچے افغان اصفہان آ گئے -

اصفہان میں قتل عام

قزوین کی بغاوت سے محمود سخت برافروختہ ہوا اور اصفہان پر اپنی گرفت مضبوط کرنی چاہی مبادا اہل اصفہان بھی شورش بپا نہ کر دیں اس لیے خوف و ہراس پیدا کرنے کے لیے اس نے اہل اصفہان پر دست ستم دراز کیا - ایرانی امرا کو اپنے پاس بلا کر قتل کیا - ان کے دو سو معصوم بچوں کو شہر سے باہر نکال کر خاک و خون میں لوٹایا - حفاظتی دستے کے تین ہزار ایرانی تہ تیغ کر دیے - اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ ہر اس ایرانی کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے جو شاہ حسین کی ملازمت سے وابستہ تھا - یہ قتل عام پندرہ دن تک جاری رہا - اب وہ مطمئن ہو گیا کہ افغانوں کی حکومت کے خلاف آواز اٹھانے کا ایرانیوں کو حوصلہ نہ ہو سکے گا - اصفہان سے فارغ ہو کر اس نے جلفا کے آرمینیوں کی طرف رجوع کیا اور ان سے تاوان وصول کرنے پر اکتفا کیا - اسی عرصے میں اس نے ولندیزوں اور انگریزوں کے ساتھ بھی سخت سلوک کیا اور جبراً ان سے دولت اگلوائی -

شیراز میں قتل عام

اس بربریت سے فارغ ہو کر ایک افغان سردار کو شیراز پر

لشکر کشی کے لیے بھیجا - شیراز فتح ہوا تو محمود کے حکم سے اہل شیراز کا بھی قتل عام کرایا گیا-

افغان لشکر میں بد دلی

افغان لشکر کو یزد پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا گیا تو یزد کے میدان میں اکثر افغان مارے گئے اور باقی لشکر محمود سے دل برداشتہ ہو گیا اور شورش کے آثار بھی نظر آنے لگے - علی الاعلان محمود کے خلاف چہ می گوئیاں ہونے لگیں - افغان امرا نے اشرف کو قندھار سے بلانے کا مطالبہ کیا آخر عوامی مطالبے پر اشرف کو ایران بلا لیا گیا -

محمود کی وفات

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے ، محمود نے اشرف کے باپ میر عبداللہ کو قتل کیا تھا اس لیے اشرف در پردہ محمود سے نفرت کرتا تھا - محمود خود بھی اس سے خوف زدہ تھا اور پھر اشرف کو مجبوراً امرا کے مطالبے پر بلایا گیا تھا اس لیے وہ سخت پیچ و تاب میں تھا - پھر لوگوں کی توجہ اشرف کی طرف دیکھی تو اور بھی زیادہ بےچین ہوا - اس اضطراب اور سراسیمگی کی کیفیت کو ہلکا کرنے کے لیے اس نے چودہ دن تک گوشہ نشینی اختیار کی - غذا کم کر دی اور اکثر وقت ریاضت میں گزارنے لگا - لیکن اس سے اس کی وحشت میں اور اضافہ ہوا اور شاہی خاندان کو ہدف بنانا چاہا ، جو اب تک محفوظ تھا - کسی غلط افواہ پر کہ شاہ حسین کا بیٹا صفی مرزا اصفہان سے نکل بھاگا ہے ، اس نے شاہی خاندان کے افراد کو بے دریغ قتل کرایا - چنانچہ اکتیس افراد موت کے گھاٹ اتارے گئے - صرف بدنصیب شاہ حسین کو لواحقین کے بے گناہ خون پر آنسو بہانے کے لیے زندہ چھوڑ دیا گیا - اس بربریت سے بھی اس کی تسکین نہ ہوئی - اس کے جنون میں اور شدت آئی تو امرا نے اشرف کو اس کا جانشین بنا دیا - اس کے تھوڑی دیر بعد محمود ۱۱۳۷ھ مطابق ۱۷۲۵ء میں فوت ہو گیا - کہا جاتا ہے کہ اسے اشرف کے حکم سے مروا دیا گیا تھا -

ایران میں ترکوں اور روسیوں کی سرگرمیاں

ایران کی بد امنی سے ادھر ترکوں نے فائدہ اٹھانا چاہا اور ادھر

روسیوں نے ایران میں پاؤں پھیلانے کی تیاری کی ۔ عثمانی ترک شروان کی طرف بڑھے کیوں کہ شروان میں اہل سنت کی تعداد زیادہ تھی اور شاہ حسین نے وہاں کے لوگوں کے ساتھ سخت سلوک کیا تھا ۔ ترکوں نے شروان کو مسخر کرکے وہاں اپنا حاکم مقرر کر دیا ۔ ۱۱۳۵ھ مطابق ۱۷۲۳ع میں ترکوں نے فوجی دستے گرجستان میں داخل کردیے اور روسیوں نے بحیرۂ خزر کے علاقوں میں مہم شروع کی ۔

روس ترکیہ کا معاہدہ

آخر روس اور ترکیہ کی حکومتوں کے مابین مذاکرہ ہوا جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ بحیرۂ خزر کے تمام ساحلی علاقے روس اپنے تصرف میں لے لے اور ایران اور ترکیہ کی نئی سرحد کے علاقے یعنی تبریز ، ہمدان، کرمان شاہ اور اردبیل پر ترکیہ کا حق، تسلیم کر لیا جائے۔ اگر طہماسپ اس تقسیم کو قبول کرے تو اسے صفوی تاج و تخت حاصل کرنے میں مدد دی جائے ورنہ کسی اور مناسب حق دار کے لیے کوشش کی جائے ۔

مغربی ایران میں ترکوں کی فتوحات

۱۱۳۶ھ مطابق ۱۷۲۴ع میں ترکوں اور روسیوں کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا اس کی رو سے روس کے مجوزہ علاقے تو پہلے ہی ان کے تسلط میں آگئے تھے ، اب ترکوں نے تقسیم کے مطابق اپنے علاقے لینے تھے ۔ انھوں نے ہمدان سے اپنی مہم کا آغاز کیا جسے مختصر سے محاصرے کے بعد انھوں نے ۱۱۳۶ھ مطابق ۱۷۲۴ع میں مسخر کر لیا ۔ پھر ایروان کا رخ کیا ۔ اس قلعہ کو فتح کرنے میں انھیں بیس ہزار ترکوں کی قربانی دینی پڑی ۔ آخر ۱۱۳۷ھ مطابق ۱۷۲۴ع میں یہ قلعہ بھی ان کے قبضے میں آگیا ۔ اب انھوں نے تبریز کا رخ کیا ۔ تبریز کو بچانے کے لیے تیس ہزار تبریزیوں نے اپنی عزیز جانیں نثار کیں ، لیکن پیشتر اس کے کہ وہ تبریز کو خالی کرتے بیس ہزار ترکوں کی جانیں لیں ۔ آخر یہ طے ہوا کہ وہ مع ساز و سامان اور اعزہ و اقارب تبریز سے صحیح و سلامت نکل جائیں اور شہر ترکوں کے حوالے کر دیں ۔

حکومت کے استحکام میں اشرف کی جد و جہد

۱۱۳۸ھ مطابق ۱۷۲٦ع میں اشرف کے زیر تسلط اصفہان ، شیراز اور جنوبی ایران تو ضرور تھا ، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پورے ملک پر اس کی حکومت تھی - جس فوج پر اشرف پوری طرح بھروسا کر سکتا تھا وہ اسے ایران میں مہیا نہیں آسکتی تھی - قندھار سے ایسی فوج ضرور حاصل ہو سکتی تھی لیکن وہاں محمود خاں کا بھائی حسین حکمران تھا جس سے تعاون کی امید نہ تھی - اس لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنی ہی فوج کو منظم کرکے حکومت کو مستحکم کر لے اور صرف دفاعی تدابیر پر اکتفا کرے - اس کے لیے اب یہ بھی بہت بڑی پریشانی تھی کہ طہماسپ جس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا تھا ، ماژندران کے شہر فرح آباد میں مقیم تھا - اس کی حیثیت اگرچہ محض نمائشی تھی لیکن اسے قاچار قبیلے کے سردار فتح علی خاں کی حمایت حاصل ہو گئی تھی اور کچھ فوج بھی انھوں نے منظم کر لی تھی -

ترکوں سے سازباز کی کوشش

اشرف کو یہ معلوم تھا کہ روسی اور ترک افغانوں کو ایران سے نکالنے پر متفق ہو چکے ہیں اور ممکن ہے طہماسپ کو ایران کا بادشاہ بنا دیں اس لیے اس نے ترکوں کی طرف رجوع کیا اور استنبول میں اپنا سفیر بھیج کر سلطان ترکیہ کو کہلایا کہ ایران میں اہل تشیع کی حکومت کا افغانوں نے خاتمہ کیا ہے ، اب اگر عثمانی ترکوں کی حکومت ہمسایہ سنی حکومت پر حملہ کرنے کے لیے غیر اسلامی ملک یعنی روس سے اتحاد کر لے تو یہ صریحاً خلاف شریعت ہوگا - اہل تشیع کے خلاف کچھ جذبہ تو اب بھی موجود تھا لیکن حکومت نے سفیر کی گفتگو پر توجہ دیے بغیر اسے لوٹا دیا -

ترکوں کا ایران پر حملہ اور شکست

سفیر کو ناکام لوٹانے کے بعد ترکوں کا لشکر ایران پر حملہ آور ہوا اور مراغہ و قزوین کو فتح کرتے ہوئے اصفہان کی طرف بڑھا - اب اشرف نے پھر وہی سیاسی حربہ استعمال کیا اور ترک جرنیل احمد پاشا کے پاس چار ملاؤں کو بھیج کر سنی حکومت پر حملہ کرنے سے

روکنے کی کوشش کی - آخر ملاؤں کی بات کارگر ہوئی اور احمد پاشا کے لشکر میں اختلاف پیدا ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کردوں کی جمعیت فوج سے الگ ہو گئی - اس کے باوجود ترکوں نے افغانوں کے ساتھ جنگ کی جس میں ترک بھاری جانی نقصان اٹھا کر پسپا ہو گئے - اشرف نے شکست خوردہ ترک فوج کا تعاقب نہ کیا، نہ ان کا مال و اسباب لوٹا، بلکہ وہ ترک جو لڑائی میں قید ہوئے، حکومت ترکیہ کو غیر مشروط طور پر لوٹا دیے - یہ بھی ایک سیاسی چال تھی جو اس نے ترکوں کی دوستی حاصل کرنے کے لیے چلی -

افغانوں اور ترکوں کا معاہدہ

اشرف کے اس سیاسی تدبر کا حکومت ترکیہ پر خاطر خواہ اثر ہوا- آخر دونوں حکومتوں کے مابین ۱۱۴۰ھ مطابق ۱۷۲۷ع میں معاہدہ طے پایا جس کی رو سے اشرف نے سلطان ترکیہ کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا - جواب میں سلطان نے خیر سگالی کے طور پر اشرف کی حکومت پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور ایران کے وہ علاقے جن کا ترکیہ سے الحاق ہو چکا تھا، اشرف کے حوالے کر دیے - بعد میں دونوں حکومتوں نے ایران اور ترکیہ کے مابین مشترکہ حد قائم کر لی -

نادر قلی افق سیاست پر

۱۱۳۹ھ مطابق ۱۷۲۷ع میں حکومت ترکیہ کا مسئلہ خوش اسلوبی سے طے کرکے اب اشرف کو یقین تھا کہ وہ امن و امان سے حکومت کرے گا لیکن ''ای بسا آرزو کہ خاک شدہ'' ایک محب وطن، دانش مند اور بہادر شخص نادِر قلی افشار افق سیاست پر نمودار ہوا اور افغانوں کی آرزوئیں خاک میں ملا دیں بلکہ ہند کے دارالسلطنت دہلی تک بھی جا پہنچا - پیشتر اس کے کہ افغانوں کی طرف رجوع کیا جائے، مناسب معلوم ہوگا کہ اس دلیر اور مدبر انسان کے ابتدائی حالات پر نظر ڈال لی جائے-

نادر شاہ افشار، جس کا شمار ایران کے عظیم بادشاہوں میں ہوتا ہے خراسان کے ایک قصبہ ابیورد میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش پائی - اس کا نام نادر قلی ہے - اس کا باپ امام قلی تھا جو ایک معمولی قبیلہ قرقلو

سے تعلق رکھتا تھا جو بہت کمزور تھا اس لیے اس نے ایک طاقت ور قبیلہ افشار سے الحاق کر لیا ۔ امام قلی نے بھیڑیں پال رکھی تھیں اور پوستین بنا کر بیچا کرتا تھا ۔ گرمیوں کے موسم میں اپنے گاؤں میں رہتا اور سردیوں میں نسبتاً کم سرد میدانوں کی طرف نکل جاتا ۔ ایک مرتبہ امام قلی اپنی بیوی اور قبیلے کے ہمراہ ''اللہ اکبر'' سلسلۂ کوہ سے ابیورد کی طرف آ رہا تھا کہ راستے میں محمد آباد کے قریب اپنے خیمے لگائے ۔ یہاں ایران کا ہونے والا نادر قلی پیدا ہوا ۔

اسیری اور فرار

نادر قلی کا بچپن ریوڑ چراتے گزرا ۔ باپ کی وفات پر وہ گدھے اور اونٹ پر ایندھن بھی لا کر بیچا کرتا تھا ۔ اٹھارہ سال کا ہوا تھا کہ ازبکوں کا ایک چھاپہ مار گروہ نادر قلی اور اس کی والدہ کو اسیر کر کے خوارزم لے گیا اور وہاں کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا ۔ چار سال تک انہوں نے غلامی کی زندگی بسر کی ۔ نادر کی والدہ نے غلامی کی حالت میں وفات پائی ۔ اس کے بعد نادر وہاں سے نکل بھاگا اور جوں توں کر کے خراسان پہنچ گیا ۔ یہاں اسے ابیورد کے حاکم بابا علی بیگ احمدلو افشار کے دربار میں ملازمت مل گئی اور اس طرح اسے ترقی کے پہلے زینے پر قدم رکھنے کا موقع ملا ۔

ابیورد میں نادر قلی کی حکومت

محمود سیستانی جب اصفہان سے لوٹ کر آیا ، جیسا کہ محمود خاں کی فتح اصفہان کے سلسلے میں ذکر آ چکا ہے ، تو اس نے مشہد کو فتح کر لیا ۔ یہاں کا وہ خود مختار حکمران بن بیٹھا اور سوار اور پیادہ فوج منظم کرنے کے ساتھ ساتھ توپ خانہ بھی مہیا کر لیا ۔ ابیورد کا حاکم بابا علی بیگ مشہد کے حکمران کے ماتحت تھا ۔ ایک مرتبہ بابا علی بیگ کی عدم موجودگی میں محمود سیستانی کا ایک کارندہ ابیورد آیا اور بابا علی بیگ کے خاندان سے ناروا سلوک کیا ۔ نادر قلی آقا کے گھرانے کی بے حرمتی گوارا نہ کر سکا اور محمود کے کارندے کو ہلاک کر دیا ۔ بابا علی بیگ واپس آیا تو صورت حال معلوم کر کے سخت مضطرب ہوا ۔ اس پر نادر قلی بولا کہ مجھے مشہد بھیج دیا جائے ، میں خود جواب دہی

کروں گا - چنانچہ نادر مشہد پہنچ گیا اور دربار میں حاضر ہو کر محمود کے کارندے کو قتل کرنے کا اعتراف کیا اور کہا کہ ایک وفادار ملازم کی حیثیت میں میرا یہ فرض تھا کہ کارندے کی گستاخی کی سزا دیتا - میں اپنے قصور کا خود ذمے دار ہوں - محمود کو نادر قلی کی جرأت اور فرض شناسی کا بیان سن کر خوشی ہوئی اور نہ صرف اس کی خطا سے درگزر کیا بلکہ خلعت دے کر اسے سرفراز کیا - اس کے فوراً بعد بابا علی نے اپنی بیٹی نادر قلی کے عقد میں دے دی جس سے رضا قلی پیدا ہوا - بابا علی فوت ہوا تو ابیورد کی حکومت نادر قلی کو سونپ دی گئی -

نادر پر محمود سیستانی کا عتاب

ملک کے حالات ابتر ہوں تو ایک ذہین اور بے باک شخص کے لیے ترقی کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے - چناں چہ ازبکوں کی سرکوبی کے لیے ، جو ہر آئے دن خراسان میں لوٹ مار کرتے رہتے تھے ، محمود کی نگۂ انتخاب نادر قلی پر پڑی - اس نے ازبکوں کو قرار واقعی سزا دی - محمود اس کی کامیابی سے بہت خوش ہوا لیکن جب صلے کا وقت آیا اور نادر قلی نے خواہش ظاہر کی کہ اسے خراسان کا نائب السلطنت بنایا جائے تو محمود کو سخت غصہ آیا اور اسے زد و کوب کرکے دربار سے نکال باہر کیا -

نادر ایک راہ زن کی حیثیت میں

حکومت کا اقتدار چھننے پر نادر ادھر اُدھر مارا مارا پھرا آخر برگشتہ نصیبی نے اسے رہزن بنا دیا - آنے جانے والوں کو لوٹنا اور کاروانوں پر ڈاکے ڈالنا اس کا مشغلہ بن گیا - رہزنی کی بدولت جب کچھ دولت جمع ہو گئی تو اس نے بعض جاں نثار نوجوانوں کو ملازم رکھ لیا - انھی ملازموں نے نادر کے لشکر کی حیثیت اختیار کی - رفتہ رفتہ اس کا لشکر تین ہزار نوجوانوں پر مشتمل ہو گیا - اصفہان میں جب اشرف نے حکومت مستحکم کر لی تھی تو اس وقت نادر کے لشکر میں اور اضافہ ہو چکا تھا - اس نے اب جبراً خراسان کے لوگوں سے محصول وصول کرنا شروع کیا - آخر اس نے قلعہ کلات پر بزور قبضہ کر لیا جو اس کے نام کی مناسبت سے ''کلات نادری'' کہلایا -

نیشاپور پر قبضہ

نادر اب محض ڈاکوؤں کا سردار نہ تھا بلکہ اس کی حیثیت ایک حکمران کی سی ہو رہی تھی اور اطراف خراسان میں اس کا چرچا تھا ۔ کلات کو فتح کرتے ہی اس نے نیشاپور پر حملہ کیا جو محمود سیستانی کے ماتحت تھا ۔ اس نے مامورین کی پوری جمعیت کو تہ تیغ کیا تو اہل نیشاپور نے اس کے لیے شہر کے دروازے کھول دیے ۔ یہاں اس نے شاہ طہماسپ صفوی کے نام پر حکومت قائم کی جس کی ملازمت اس نے بعد میں اختیار کی ۔

نادر قلی ، طہماسپ اور فتح علی

کہا جا سکتا ہے کہ سلطان حسین کے زمانے میں صفوی حکومت ختم ہو گئی تھی لیکن سلطان حسین کا بیٹا طہماسپ جو نام کا بادشاہ تھا فرح آباد (ماژندران) میں مقیم تھا ۔ اس نے اپنا دربار بھی قائم کر رکھا تھا ۔ فتح علی قاچار کی اسے حمایت حاصل تھی ۔ تین ہزار کے قریب فوج بھی تھی ۔ صفوی نام میں ابھی کشش باقی تھی کہ دفعتاً طالع آزما نادر قلی طہماسپ سے آ ملا ۔ پانچ ہزار آزمودہ کار افشار اور کرد اس کے ہمراہ تھے ۔ اب کل جمعیت آٹھ ہزار ہو گئی ۔

خراسان پر حملہ

نادر قلی کو محمود سیستانی سے دلی رنجش تھی ، وہاں وہ کچھ فتوحات بھی حاصل کر چکا تھا ، اس لیے شاہ طہماسپ کو خراسان میں پیش قدمی کرنے پر آمادہ کیا ۔ نادر قلی نے مہم کا آغاز کیا ، لیکن فتح علی قاچار اس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا کیوں کہ نائب السلطنت حقیقت میں وہی تھا اور طہماسپ پر اس کا بڑا اثر تھا ۔ راستے میں موقع پا کر اس نے فتح علی کو ٹھکانے لگا دیا اور اس طرح اپنا راستہ صاف کر لیا ۔ طہماسپ نے نادر قلی کے اس فعل کو دل پر پتھر رکھ کر گوارا کر لیا اور اسے لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا ۔ اب بڑھ کر نادر نے مشہد کا محاصرہ کیا اور مشہد فتح کر لیا ۔ محمود اسیر ہو کر مارا گیا ۔ نادر کو بتدریج اقتدار حاصل ہوتا گیا ، یہاں تک کہ محمود کے علاقوں کی حکومت شاہ طہماسپ نے اسی کو سونپ

دی اور سلطان حسین کی ایک لڑکی اس کے بیٹے رضا قلی کے عقد میں دے دی۔

دامغان کی فتح

خراسان میں نادر کی پیش قدمی کی خبر سن کر اشرف سخت مضطرب ہوا اور خراسان آیا کہ نادر کی سر کوبی کرے۔ دامغان کے قریب دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اور ۱۱۴۱ھ مطابق ۱۷۲۹ع میں نہایت خوں ریز جنگ ہوئی جس میں افغانوں کو بری طرح شکست ہوئی اور وہ اس طرح سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے کہ دو سو میل کا فاصلہ دو دن میں طے کرکے اصفہان پہنچ گئے۔

افغانوں کی دوسری شکست

اشرف نے اصفہان پہنچ کر تمام کنبوں کو مع ساز و سامان قلعے میں جمع کر لیا اور اصفہان سے ۳٦ میل کے فاصلے پر خرت میں مورچے قائم کیے۔ نادر شاہ، طہماسپ کو دامغان میں ٹھہرا کر اصفہان کی طرف آیا۔ اسے اب اہل ایران نجات دہندہ سمجھنے لگے تھے۔ جدھر سے اس کا گزر ہوتا، نوجوان اپنی خدمات پیش کرتے اور فوج میں شامل ہو جاتے۔ صفویوں کے لیے اب غیرت اور نسلی وقار کا سوال اور افغانوں کے لیے زندگی و موت کا مسئلہ تھا۔ نادر کو خبر ملی کہ افغانوں کا لشکر خرت میں ڈیرے ڈالے پڑا ہے تو سیدھا وہیں پہنچا۔ یہاں افغان بڑی بے جگری سے لڑے لیکن آخر چار ہزار نوجوانوں کی قربانی دے کر پسپا ہو گئے اور اصفہان کی راہ لی۔ اصفہان پہنچے ہی تھے کہ یہاں سے بھی نکلنے کی تیاری کرنے لگے۔ صبح کا سورج طلوع ہوا تو تمام افغان کنبوں سمیت کاروان کی صورت میں شیراز کو روانہ ہوئے۔ اصفہان سے چلتے وقت شاہ حسین کو قتل کر دیا تاکہ وہ یہ نہ دیکھ سکے کہ اس کا تخت و تاج چھیننے والے موت سے بچنے کے لیے پناہ گاہ ڈھونڈ رہے ہیں۔

صفوی حکمران پھر اصفہان میں

خرت کی فتح کے تین دن بعد نادر فاتحانہ اصفہان میں داخل ہوا اور سب سے پہلے اس نے محمود خاں کے مقبرے کو نابود کیا تاکہ

افغانوں کی فتح کا یہ نشان باقی نہ رہے ۔ شاہ طہماسپ جو ایک ایرانی لشکر لیے تہران کی طرف آ رہا تھا ، اب فتح کی خبر سن کر اس نے اصفہان کا رخ کیا اور نادر قلی کے تھوڑی دیر بعد اصفہان میں داخل ہوا ۔ ایرانی مؤرخین کا بیان ہے کہ جب اس نے صفویوں کے بنائے ہوئے محلات کو شکستہ حالت میں دیکھا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ گئے ۔ یہاں اپنی والدہ کو بقید حیات دیکھ کر اس کی حیرت اور خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی ۔

افغانوں کی آخری شکست

اصفہان سے نکلنے کے بعد افغان حکمرانوں کا کاروان فرسنگ بہ فرسنگ بڑھتا ہوا شیراز پہنچا ۔ یہاں انہیں لشکر کو منظم کرنے میں کافی وقت مل گیا ۔ طہماسپ نے چاہا کہ فوراً افغانوں کا تعاقب کیا جائے لیکن نادر نے تعاقب کرنے سے پہلے ملک میں محصولات عاید کرنے کا اختیار لینا چاہا ۔ یہ اختیار گویا دوسرے لفظوں میں حکومت کا مکمل اختیار تھا لیکن نادر کا یہ مطالبہ ماننے کے سوا اب اور کوئی چارہ بھی نہ تھا ۔ اس اختیار کے بعد نادر نے شیراز کی مہم کے لیے کوچ کا نقارہ بجایا ۔ فتح کے نشے میں سرشار یہ لشکر شیراز کے قرب و جوار میں پہنچا ۔ اشرف نے شیراز سے بیس میل دور استخر کے مشہور مقام کے قریب مورچے بنائے تھے ، نادر قلی سیدھا وہیں پہنچا ۔ یہاں افغانوں کو تباہ کن شکست ہوئی ۔ بیس ہزار افغانوں کے لشکر نے راہ فرار اختیار کی ۔ اپنے چھوٹے بچوں اور عورتوں کو انہوں نے خود ہی آخری نیند سلا دیا کہ دشمن کے ہاتھوں میں نہ پڑ جائیں ۔ لشکر کے بیشتر نوجوان قتل ہوئے ، متعدد صحرا کی نذر ہوئے اور جو باقی بچے انہوں نے قندھار کی راہ لی ۔

اشرف کی موت

لار کے بلوچوں نے راستے میں اشرف کا خزانہ لوٹ لیا ۔ صحرائے لوط میں اشرف کو اس کے دو ہمراہیوں کے ساتھ دیکھا تو انہیں وہیں ہلاک کر دیا اور اشرف کا سر کاٹ کر شاہ طہماسپ کے پاس بھیج دیا ۔ پس اس طرح افغانوں کی آٹھ سالہ حکومت کا خاتمہ ہو گیا ۔

افغانوں کو ایران بدر کرنے کا صلہ

افغانوں کی حکومت کو ختم کرنا اور ان کے ایک ایک فرد کو ایران بدر کرنا صفوی دور کا یا دوسرے لفظوں میں نادر قلی کا عظیم کارنامہ تھا۔ اس کا صلہ دینا طہماسپ کے لیے آسان نہ تھا۔ بہر حال خراسان، سیستان، کرمان اور ماژندران کے علاقوں کی حکومت اسے دے دی اور سلطان کے خطاب سے نوازا۔ نادر قلی کو اگرچہ سلطان ہی کا منصب ملا تھا، لیکن اس نے اپنے نام کے سکے بھی چلائے اور اپنی فوجوں کو تنخواہیں بھی وہ خود ہی دیتا، جو صرف ایک خود مختار حکمران ہی کر سکتا ہے۔

ترکوں کے خلاف نادر قلی کی مہم

افغانوں کے خیال سے آسودہ ہو کر نادر قلی نے ترکوں کی طرف توجہ کی جو ایران کی آزادی کے لیے خطرہ بنے ہوئے تھے۔ اس نے ترکوں کو ہمدان کے قریب شکست دے کر وہاں سے نکالا۔ اس کے بعد آذربائیجان کی طرف رجوع کیا اور وہاں کا بھی بیشتر علاقہ ان سے خالی کرایا۔ پھر ایروان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اتنے میں اسے خراسان میں افغانوں کی تاخت و تاراج کی خبر ملی تو ایروان کا خیال چھوڑ کر خراسان کی طرف آیا اور افغانوں کے آشوب سے خراسان کو پاک کر کے ۱۱۴۳ھ مطابق ۱۷۳۰ع میں ہرات کو بھی فتح کر لیا۔

ترکوں کے خلاف طہماسپ کی ناکام مہم

نادر قلی کی پے بہ پے کامیابیوں نے طہماسپ کے حوصلے بلند کر دیے تھے۔ اس نے ایروان میں ترکوں کے خلاف تنہا مہم شروع کر دی، لیکن بری طرح شکست کھائی اور ایک ہی مہینے میں اس نے وہ سب کچھ کھو دیا جو نادر قلی نے حاصل کیا تھا۔ اگلے سال اس نے ترکوں سے معاہدہ کر لیا جس کی رو سے دریائے ارس، ایران اور ترکیہ کی مشترکہ حد مقرر کی گئی اور گنجہ، تفلیس، ایروان، نخجوان، شماخہ، داغستان، اردلان، کرمان شاہ، ہمدان اور لورستان کے علاقوں پر ترکیہ کا حق تسلیم کر لیا گیا۔

شاہ طہماسپ کی معزولی

نادر قلی کو یہ خبر ملی تو وہ سخت برافروختہ ہوا اور اس معاہدے کے خلاف پرزور احتجاج کیا - مختلف صوبوں کے حکمرانوں کے نام مراسلے بھیج کر اس معاہدے پر اظہار ناراضی کیا - پھر سلطان ترکیہ محمد خامس کے پاس قسطنطنیہ میں اپنے سفیر کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ اس معاہدے کو باطل قرار دیا جائے اور وہ علاقے چھوڑ دیے جائیں جو اس معاہدہ کی رو سے ترکوں کے ہاتھ آئے ہیں ، ورنہ حکومت ایران ان سے جنگ کرے گی - شاہ طہماسپ کے خلاف رائے عامہ کو مشتعل کرکے اس نے اصفہان کا رخ کیا - یہاں اس نے شاہ طہماسپ کو اسیر کر لیا اور خراسان بھجوا دیا ، لیکن ابھی وہ اپنے آپ کو اس قابل نہ سمجھتا تھا کہ اپنی بادشاہت کا اعلان کرے - چنانچہ یہی مناسب سمجھا کہ شاہ طہماسپ کے بیٹے عباس سوم کی بادشاہت کا اعلان کر دے - ۱۱۴۵ھ مطابق ۱۷۳۲ع میں خود ریجنٹ بن کر اس نے امور مملکت اپنے ہاتھوں میں لے لیے -

معرکۂ کرکوک

شاہ طہماسپ کا قضیہ نمٹا کر اس نے سرزمین ایران کو ترکوں سے پاک کرنا چاہا - چنانچہ ۱۱۴۶ھ مطابق ۱۷۳۳ع میں بغداد کا رخ کیا - احمد پاشا بغداد کا حکمران تھا - اس نے بغداد کی مدافعت کی - نادر قلی نے بغداد کا محاصرہ کر لیا - اتنے میں ایک ترک سردار توپال اپنا لشکر لیے ہوئے آ پہنچا - نادر نے اپنی فوج کو دو حصوں میں منقسم کیا ، لشکر کا ایک حصہ بغداد کے محاصرے میں مصروف رہا ، باقی لشکر لے کر اس نے توپال پر حملہ کیا - کرکوک کے میدان میں بہت خوں ریز جنگ ہوئی جس میں خلاف امید نادر کو شکست ہوئی - بغداد کا محاصرہ اٹھا لیا گیا اور نادر کا لشکر منتشر ہو گیا -

شکست کے بعد نادر قلی ہمدان چلا آیا - اس کے بجائے کوئی اور ہوتا تو شاید اس کی ہمت جواب دے جاتی لیکن اس شکست نے شکست کا انتقام لینے کے لیے اسے اور بھی مشتعل کیا - اس نے لشکر کی مذمت نہ کی بلکہ یہ کہہ کر ان کی حوصلہ افزائی کی کہ آزمائش کے میدان میں

کبھی کبھی جواں مردوں کو شکست کا منہ بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ جواں مرد کہلانے کے وہی مستحق ہیں جو شکست کا بدلہ میدان میں چکائیں۔ اس نے مرنے والوں کے لواحقین کو مالی امداد دی۔ جن کو نقصان اٹھانا پڑا تھا، ان کے نقصان کی تلافی کی۔ زخمیوں کی دل داری کی اور جس طرح بھی ہوا ہزیمت کا احساس دور کیا۔ اس کی شخصیت اتنی عظیم اور اس کی شجاعت اور ہمدردی کا شہرہ اتنا عام تھا کہ ایران کے ہر ہر صوبے سے نوجوان اس کی فوج میں شامل ہونے کے لیے بڑھے چلے آتے تھے۔ اس طرح تین ماہ کے عرصے میں ایک تازہ دم فوج تیار ہو گئی جسے اس نے پوری طرح مسلح اور منظم کیا۔

نادر کا انتقام اور توقل عثمان کی شکست (۱۱۴۶ھ مطابق ۱۷۳۳ع)

انتقام کی آگ نادر قلی کے دل میں بھڑک رہی تھی۔ اب پھر وہ نئے ساز و سامان کے ساتھ دجلہ کے کنارے کرکوک آیا اور لیلان کے میدان میں ترکوں کو للکارا۔ توقل عثمان نے سوار فوج آگے بڑھائی۔ اب کی دفعہ نادر کی فوج پہلے کی نسبت زیادہ تھی۔ دونوں فوجیں نہایت دلیری سے لڑیں لیکن ترک سواروں کے پاؤں اکھڑ گئے اور پیدل فوج بھی ہمت ہار گئی۔ توقل عثمان لڑتا لڑتا مارا گیا۔ جرنیل کی وفات پر ترکی فوج نے راہ فرار اختیار کی۔

بغداد سے نادر کی واپسی

بہادروں کی طرح شکست کا داغ دور کرکے نادر نے بغداد کا رخ کیا۔ جونہی کہ وہ بغداد پہنچا اسے فارس میں بغاوت کی اطلاع ملی۔ اب اس نے والیِ بغداد احمد پاشا سے مصالحت کر لی اور فارس کا رخ کیا۔ یہاں نادر نے باغی لیڈر مرزا محمد تقی خاں بلوچ کو شکست دے کر گرفتار کر لیا اور شیراز لے آیا، جہاں اس نے خود کشی کر لی۔

بغاوند میں ترکوں کی شکست (۱۱۴۸ھ مطابق ۱۷۳۵ع)

احمد پاشا کے معاہدۂ صلح کی خبر قسطنطنیہ پہنچی تو سلطان ترکیہ سخت برہم ہوا۔ معاہدۂ صلح کو اس نے مسترد کر دیا اور ایرانیوں سے

دو دو ہاتھ کرنے کے لیے ایک تازہ دم لشکر امیر عبداللہ کی کمان میں گرجستان بھیجا ۔ ترکوں کے ارادے کی خبر نادر کو ملی تو وہ فوراً ان کے مقابلے کے لیے آیا اور تفلیس اور ایروان کا محاصرہ کر لیا تاکہ ترکی سپہ سالار کہیں کھلے میدان میں نکلنے پر مجبور ہو جائے ۔ آخر امیر عبداللہ فوج لیے ہوئے ایروان کے میدان میں اترا اور ایرانیوں پر حملہ آور ہوا جو بغاوند کے میدان میں صف آرا تھے ۔ ایرانی فوج اگرچہ تعداد میں نسبتاً کم تھی لیکن میدان جنگ کا فیصلہ ایرانیوں کے حق میں ہوا ۔ ترکی لشکر بھاری نقصان اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا ۔ امیر عبداللہ میدان جنگ میں مارا گیا ۔ ترکوں کو اس شکست سے تفلیس، گنجہ اور ایروان سے ہاتھ دھونے پڑے ۔ آخر سلطان ترکی نے اس تلخ تجربے کے بعد اس معاہدے کو منظور کر لیا جو بغداد میں احمد پاشا نے نادر قلی سے کیا تھا اور ایران و ترکیہ کے مابین وہی حد تسلیم کر لی گئی جو افغانوں کے حملے سے پہلے تھی ۔

بحیرۂ خزر کے علاقوں سے روسیوں کا اخراج

پیٹر اعظم جب تک زندہ رہا اس نے ایران کے خلاف جارحانہ طریق کار جاری رکھا ۔ اس کے بعد ملکہ اینی تخت نشین ہوئی تو اس کے مشیروں نے ایران کی مستحکم صورت حال دیکھ کر یہ مشورہ دیا کہ بحیرۂ خزر کے ساحلی علاقوں کو خالی کر دیا جائے، چناں چہ یہ سب علاقے حکومت ایران کو واپس مل گئے ۔

باکو اور دربند سے روسیوں کی واپسی

۱۷۳۵ع میں بحیرۂ خزر کے علاقوں کو خالی کیے ہوئے تین سال گزرے تھے کہ روسی اور ترک آپس میں الجھ پڑے اور جنگ ناگزیر ہو گئی ۔ اس صورت حال سے نادر قلی نے فائدہ اٹھانا چاہا اور اپنا سفیر بھیج کر روسیوں سے باکو اور دربند کی واپسی کا مطالبہ کیا اور یہ بھی دھمکی دی کہ اگر یہ مقامات واپس نہ کئے گئے تو حکومت ایران ترکوں کا ساتھ دے گی ۔ اس دھمکی سے مرعوب ہو کر حکومت روس نے بادل ناخواستہ یہ علاقے بھی حکومت ایران کو واپس دے دیے ۔ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۱۴۸ھ مطابق ۱۷۳۵ع میں نادر قلی نے سرزمین ایران کو عثمانیوں، روسیوں اور افغانوں سے یکسر خالی کرا لیا ۔

نادر قلی کی تخت نشینی

۱۱۴۸ھ مطابق ۱۷۳۵ع میں اب نادر قلی ایران کا مختار کل حکمران تھا - خارجی حریفوں کو نیچا دکھا چکا تھا - داخلی شورشیں ختم ہو چکی تھیں - قبائل کا حوصلہ نہ پڑتا تھا کہ ایران میں داخل ہو کر لوٹ مار کر سکیں - صفوی خاندان میں اب کوئی تخت و تاج کا وارث ایسا نہ تھا جس سے نادر قلی کو خطرہ لاحق ہو سکے - اتفاق سے ننھا صفوی شہزادہ عباس سوم ، جسے نادر قلی نے ایران کا بادشاہ بنایا تھا ، فوت ہو گیا تو اسے اپنی بادشاہت کا اعلان کرنے میں کوئی امر مانع نظر نہ آیا - بہر حال اس نے مغان داد کے صحرا میں سر کردہ امرا کی مجلس میں ملکی سیاست پر تقریر کی - آئندہ خطرات سے آگاہ کیا - صفوی خاندان کا کوئی لائق وارث نہ ہونے کا ذکر کیا - قومی حکومت کو مستحکم بنانے کی ضرورت کا احساس دلایا - آخر انہیں کسی ایسے شخص کو اپنا بادشاہ نامزد کرنے کو کہا ، جو ایران کی عظمت کو بحال کر سکے - امرا نے ، جیسا کہ اسے امید تھی نادر قلی کو حکومت سنبھالنے کی استدعا کی - اس نے کچھ عرصہ پس و پیش کیا آخر امرا کے اصرار پر اس بار گراں کو قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا - لیکن اس نے مذکورہ ذیل شرائط پیش کیں :

۱ - حکومت اس کے خاندان میں موروثی ہوگی -

۲ - کوئی شخص صفوی خاندان کے کسی فرد کو تخت و تاج حاصل کرنے میں مدد نہیں کرے گا -

۳ - اہل ایران سنی مذہب قبول کر لیں اور سب حنفی ، شافعی مالکی اور حنبلی مسلک اختیار کرنے کے بجائے حضرت امام جعفر صادق کی پیروی کریں جو شیعہ اور سنی دونوں کے نزدیک قابل احترام ہیں - امرا نے نادر قلی کی بادشاہت کو تو دل و جان سے قبول کر لیا لیکن نہ مذہبی تبدیلی کو دل سے مانا ، نہ حکومت کے موروثی ہونے کو تسلیم کیا - بہر حال یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس وقت نادر قلی کے علاوہ کوئی اور شخص ملک و ملت کو بچانے کا اہل نہیں ، رسماً باقی دونوں شرطوں کو بھی مان لیا -

نادر قلی کی تاج پوشی

تاج پوشی کی رسم ادا کرنے کے لیے ایک خاص ایوان تعمیر کرایا گیا اور اس تقریب کے لیے نجومیوں نے وقت اور دن مقرر کیا ۔ ایران کی عظیم روایات کے مطابق نادر قلی کے سر پر تاج شاہی رکھا گیا اور نادر قلی ، نادر شاہ کے لقب سے سر زمین ایران کا بادشاہ بن گیا ۔ اس نے ہیروں اور جواہرات کے تخت پر بیٹھ کر رعایا کا خراج عقیدت قبول کیا۔ اس تقریب کی یادگار میں سکے ڈھالے گئے اور اس طرح افشار قبیلے کا ایک چرواہا ، جو ایران کو افغانوں ، ترکوں ، روسیوں اور قبائلی حملہ آوروں سے نجات دلانے کا موجب بنا ، اپنے عظیم ارادوں میں کامیاب ہوگیا ۔

نادر شاہ کی فتوحات

بختیاریوں کے خلاف مہم

نادر شاہ کو ابھی اور بھی مسائل درپیش تھے ۔ بختیاری قبائل نے وہاں کے حاکم کو جسے نادر شاہ نے مقرر کیا تھا ، قتل کر دیا ۔ اس سرتابی کی وجہ سے نادر شاہ نے حملہ کرکے انہیں تباہ و برباد کیا ۔ بختیاری وسیع و عریض پہاڑی علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے اس لیے جب تک ان کی جمعیت قائم تھی ، ان سے خدشہ لاحق تھا ۔ چنانچہ اس خدشے کو دور کرنے کے لیے اس نے بختیاریوں کے تین ہزار کنبوں کو ان کے آبائی گھروں سے نکال کر خراسان میں بسایا ۔ لیکن اس عرصے میں نادر شاہ نے یہ بھی محسوس کیا کہ بختیاری قبائل کو معاش کے معقول وسائل مہیا نہیں ۔ ان کے پاس اتنی زمینیں بھی نہیں کہ سال بھر کا غلہ حاصل ہو سکے ، اس لیے وہ مجبوراً لوٹ مار کرتے ہیں ۔ نادر شاہ نے ان کی معاشی حالت بہتر بنانے کے لیے انہیں زیادہ بہتر زمینوں پر آباد کیا تاکہ وہ کھیتی باڑی کی طرف توجہ دے سکیں ۔ بختیاریوں کو اس نے فوج میں بھی بھرتی کیا ۔ ان کی وجہ سے بختیاریوں کے بعض خاندانوں کا حکومت کے ساتھ براہ راست رابطہ قائم ہو گیا ۔

افغانوں کے خلاف مہم (۱۱۵۰—۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۳۷—۱۷۳۸ع)

نادر شاہ جانتا تھا کہ اصفہان کو فتح کرنے والے افغان قندھار سے اٹھے تھے ، انہیں ایسا خیال پھر بھی آسکتا تھا ، اس لیے اس نے



نادر شاه افشار

قندھار کو فتح کرنے کی تیاری کی اور اسی ہزار کا لشکر جراو لے کر قندھار پر چڑھائی کرنے کے لیے آیا - قندھار کا حکمران حسین تھا ، جو محمود خاں فاتح اصفہان کا بھائی تھا - حسین اس لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اس لیے دفاعی تدابیر اختیار کرنی چاہیں - اس نے قلعے میں اقامت اختیار کرکے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا - اس وقت قندھار کے دفاع کی حالت یہ تھی کہ قلعے کی حفاظت کے لیے جاں‌باز افغانوں کی فوج متعین تھی - رسد اتنی فراہم کر لی گئی تھی کہ اگر قندھار دوسرے علاقوں سے کٹ بھی جائے تو خوراک کی کمی نہیں ہو سکتی تھی - ادھر نادر شاہ نے یہ محسوس کیا کہ قندھار کے قلعے کو بھاری توپوں کے بغیر فتح نہیں کیا جا سکتا ، جو اس کے پاس نہ تھیں اس لیے اس نے قندھار کا محاصرہ کرنا ہی مناسب سمجھا - محاصرے کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے یہ اہتمام ہوا کہ قندھار کے اردگرد ۲۸ میل کے محیط میں برج تعمیر کرائے گئے اور ہر برج میں گولہ بارود سے مسلح سپاہی متعین کیے گئے - نتیجہ یہ ہوا کہ قندھار دوسرے علاقوں سے کٹ گیا - محاصرہ سال بھر جاری رہا - آخر بختیاریوں نے جان پر کھیل کر قندھار کے اہم برج پر قبضہ کر لیا - اسی طرح رفتہ رفتہ اور برج بھی ایرانیوں کے قبضے میں آ گئے- ان برجوں پر توپیں چڑھا دی گئیں لیکن بیشتر اس کے کہ شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو جائے ، افغانوں نے ہتھیار ڈال دیے- نادر شاہ نے افغانوں کے اس اہم مرکز کو فتح کرنے کے بعد لوگوں سے رواداری کا سلوک کیا - بہت سے افغان اپنی فوج میں بھرتی کر لیے جو بالآخر نادر شاہ کے جاں نثار ثابت ہوئے - حسین موقع پاکر فرار ہو گیا لیکن آخر نادر شاہ کے آدمیوں نے اسے اسیر کر لیا اور بعد میں اسے ماژندران بھیج کر نظر بند کر دیا گیا -

رضا قلی کی بلخ میں پیش قدمی

حسین نے بلخ کے حکمران کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی جس نے اسے مدد دینے کا وعدہ کیا تھا - اس لیے نادر شاہ نے خراسان سے اپنے بیٹے رضا قلی مرزا کو بلخ پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا - بلخ اس وقت آم‌البلاد کا درجہ رکھتا تھا لیکن تین دن کی جنگ کے بعد یہ

فتح ہو گیا - وہاں سے رضا قلی نے دریائے جیحون کو عبور کیا اور ازبکوں کو تباہ و برباد کیا جو اکثر خراسان پر یلغاریں کرتے رہتے تھے - اب اس کا ارادہ بخارا پر حملہ کرنے کا تھا - نادر شاہ نے مناسب نہ سمجھا کہ وہ اور زیادہ وقت مصروف جنگ رہے اس لیے اسے واپس بلا لیا -

ہندوستان پر حملہ

قندھار فتح ہوا تو بہت سے غزنوی بھاگ کر ہندوستان چلے گئے تھے - نادر شاہ کو خدشہ تھا کہ یہ لوگ وہاں رہ کر اس کے لیے فتنہ کھڑا کر سکتے ہیں - اس لیے اس نے اپنا ایک ایلچی دربار دہلی میں بھیج کر خواہش کی کہ ان لوگوں کو اپنے ہاں آباد نہ ہونے دیں - لیکن محمد شاہ نے کوئی خاطر خواہ جواب نہ دیا بلکہ مختلف حیلوں بہانوں سے سفیر کو روکے رکھا - اتنے میں قندھار سے آنے والے لوگ غزنی اور کابل کے علاقوں میں پھیل گئے جو اس وقت مغلیہ حکومت کے تحت تھے - اس وجہ سے نادر شاہ نے کابل پر لشکر کشی کی اور اسے مسخر کر لیا - پھر حکومت ایران رضا قلی کو سپرد کرکے خود ہندوستان کا رخ کیا - ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۳۸ء میں اس نے پشاور کو فتح کرکے اٹک کے مقام سے دریائے سندھ کو عبور کیا -

کرنال کی جنگ (۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۳۸ء)

ہندوستان کا بادشاہ محمد شاہ تھا جو بہت آرام پسند شخص تھا - اس لیے وہ محمد شاہ رنگیلا کے نام سے مشہور ہوا - ''ہنوز دلی دور است'' کہنے والا بادشاہ بھی یہی تھا - اس نے بہر حال لوگوں کے کہنے سننے پر دریائے جمنا کے کنارے کرنال کے مقام پر خندقیں کھدوا کر اپنا کیمپ لگوایا - یہاں پہلی بار نادر شاہ کو ہاتھیوں کا سامنا ہوا لیکن آگ کے گولے چھوڑ چھوڑ کر ایرانیوں نے انہیں ڈرا دیا - پوری فوجیں ابھی آمنے سامنے آئیں بھی نہ تھیں کہ صرف دو گھنٹے کی جنگ کے بعد ہندی فوج ہزیمت کھا گئی - بیس ہزار ہندوستانی اس مختصر سی جنگ میں مارے گئے - محمد شاہ نے پہلے نظام الملک کو نادر شاہ کے پاس معذرت کے لیے بھیجا، پھر دوسرے دن خود امرا کی معیت میں نادر شاہ کے پاس

آیا ۔ نادر شاہ نے اس کا پورا پورا احترام کیا اور فتح کیے ہوئے علاقے کمال مروت و مردانگی سے اسے لوٹا دیے۔

نادر شاہ دہلی میں

نادر شاہ بادشاہ ہند کی دعوت پر دہلی آیا ۔ یہاں محمد شاہ نے اس کا شاہانہ استقبال کیا اور اپنے معزز مہمان کو آبا و اجداد کے جمع کیے ہوئے جواہرات نذرانے کے طور پر پیش کیے ۔ ان میں مشہور و معروف ہیرے دریائے نور اور کوہ نور بھی تھے ۔ غنیمت کے مال میں تخت طاؤس بھی شامل تھا جس کی لفظی تصویر ٹیورنئر (Tavernier) نے یوں کھینچی ہے[1] :

''یہ ایک بہت بڑا تخت شاہی ہے جو ایوان کے پہلے ہال کمرے میں نصب ہے ۔ شکل میں یہ ایک چارپائی کے پھیلاؤ کی مانند ہے ۔ چھ فٹ لمبا اور چار فٹ چوڑا ہے ۔ نچلے حصے کا تکیہ گول اور اطراف کے تکیے چوڑے ہیں ۔ چھتر کے نچلے حصے میں ہیرے جواہرات کا جڑاؤ کام ہے ، جس کے گرد موتیوں کا حاشیہ سا ہے ۔ چھتر کی بالائی سطح قوس نما ہے جس کے چار شطرنجی خانے ہیں ۔ اس کے اوپر ایک مور چنور کیے ہوئے ہے ۔ دم کے پر نیلم اور رنگارنگ قیمتی پتھروں کے بنے ہیں اور اس کا جسم سونے کے پتروں سے بنا ہے جن میں متعدد ہیرے نصب ہیں ۔ اس کی چھاتی پر ایک بڑا یاقوت رمانی اور اس کے ساتھ ایک ہیرا آویزاں ہے جس کا وزن پچاس کیرٹ ہے ۔ مور کے دائیں اور بائیں دو گل دستے ہیں جو اونچائی میں پرندوں کے برابر ہیں ۔ ان میں سونے کے پتروں کے بنے ہوئے متعدد پھول رکھے ہیں ۔ پھولوں پر میناکاری کام ہوا ہے ۔ بادشاہ جب تخت پر بیٹھتا ہے تو اس کی آنکھوں کے برابر میں ایک شفاف ہیرا آویزاں ہوتا ہے جس کے ساتھ ۸۰ یا ۹۰ کیرٹ کا الماس ملحق ہے اور اردگرد اس کے یاقوت اور زبرجد جڑے ہوئے ہیں ۔ بارہ ستونوں پر جن کے اوپر چھتر ہے ، گول ،

---

۱ ۔ بحوالہ سر پرسی سائیکس: A History of Persia جلد دوم ، صفحہ ۲۶۱ ۔

عمدہ ، آب و تاب والے ہیرے قطاروں کی صورت میں جڑے ہیں ۔ ہر ہیرے کا وزن چھ سے دس کیرٹ کا ہے ۔ یہ وہ شہرۂ آفاق تخت ہے جسے امیر تیمور نے شروع کرایا اور شاہجہان نے اس کی تکمیل کی ۔"

نادر شاہ کو جو مال و دولت دہلی سے ملا اس کی قیمت کا اندازہ ۸۷,۵۰۰,۰۰۰ پاؤنڈ لگایا گیا ہے ۔

دہلی میں قتل عام

بادشاہ ایران کے ورود دہلی کی تقریب بڑی خوش اسلوبی سے ہوئی ۔ چند روز بعد ایک افسوس ناک واقعہ رونما ہوا جس کے نتیجے میں دہلی کے گلی کوچے انسانی خون سے رنگین ہوئے ۔ اس کی مختصر سی سرگذشت یہ ہے کہ نادر شاہ کے لشکری شہر میں گھس کر لوٹ مار کرنے لگے ۔ بعض لوگوں نے انھیں روکنے کی کوشش کی لیکن وہ باز نہ آئے ۔ اس پر انھوں نے حملہ کرکے لوٹ مار کرنے والوں کو ہلاک کر دیا جس سے شہر میں بہت شور و غوغا ہوا ۔ نادر شاہ نہیں چاہتا تھا کہ اس خوش گوار فضا میں کسی قسم کی بدمزگی پیدا ہو اس لیے اس نے اس افسوس ناک واقعہ کو دبانا چاہا ۔ اتنے میں کسی فتنہ پرور شخص نے یہ خبر اڑا دی کہ نادر شاہ مار دیا گیا ہے ۔ اس سے اہل دہلی نادر شاہی لشکر پر ٹوٹ پڑے ۔ نادر شاہ کو بھی اپنے لشکر کو کھلی چھٹی دینی پڑی چناں چہ انھوں نے شہر بھر میں قتل عام کیا ۔ گھروں کے گھر جلائے اور لوٹے ۔ آخر محمد شاہ کی استدعا پر نادر شاہ نے لشکر کو ہاتھ روک لینے کا حکم دیا لیکن اس حکم پر عمل اس وقت ہوا جب شہر کا کچھ حصہ نذر آتش ہو چکا تھا ۔ جس دروازے سے قتل عام شروع ہوا "خونی دروازہ" کے نام سے موسوم ہے ۔

نصراللہ کی شادی

دونوں حکومتوں کے روابط مستحکم کرنے کی غرض سے محمد شاہ نے اپنی ایک بیٹی نادر شاہ کے بیٹے نصراللہ کے عقد میں دے دی ۔ جب[1] نصراللہ سے سات پشتوں کا شجرۂ نسب پوچھا گیا تو اس نے قدرے

---

۱ ۔ سائیکس : A History of Persia ، جلد دوم، صفحہ ۲۶۲

تندی سے جواب دیا : ”نصراللہ بن نادر شاہ بن شمشیر بن شمشیر بن شمشیر......“

ہندوستان کی مہم کے نتائج

نادر شاہ کو ہندوستان سے بے اندازہ دولت حاصل ہوئی اور محمد شاہ کو اس کا تخت و تاج واپس دے کر اس کی شہرت اطراف عالم میں پھیلی - اس کا یہ اقدام بڑی دور اندیشی پر مبنی تھا چوں کہ اسے معلوم تھا کہ وہ خود ہندوستان میں پائیدار حکومت قائم نہیں کر سکتا - بہر حال دریائے سندھ کے دائیں کنارے کے جو علاقے کسی زمانے میں ایرانی سلطنت کا حصہ تھے وہ نادر شاہ نے اپنی سلطنت میں شامل کرلیے - ان علاقوں کو تین صوبوں میں منقسم کرکے وہاں اپنی طرف سے حاکم مقرر کیے اور خود پیشین اور قندھار سے ہوتا ہوا ایران واپس چلا گیا -

بخارا پر لشکر کشی (۱۱۵۳ھ مطابق ۱۷۴۰ع)

ہندوستان کی مہم سے فارغ ہو کر نادر شاہ نے ۱۱۵۳ھ مطابق ۱۷۴۰ع میں ازبکوں کی سر کوبی کرنی چاہی - ازبک قبائل نے دریائے جیحوں سے پار چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر رکھی تھیں - سب حکمران آپس میں قرابت دار تھے - بخارا اور خوارزم ان کے بہت بڑے مرکز تھے - ازبک ان علاقوں سے اٹھ اٹھ کر خراسان میں لوٹ مار کیا کرتے تھے - ازبکوں کے خلاف لشکر کشی کا آغاز بلخ سے ہوا - یہاں سے اس نے بخارا کا رخ کیا جہاں کا حکمران ابوالفیض خاں تھا - اس نے مقابلے کی تاب نہ پا کر اطاعت اختیار کی اور خود چل کر نادر شاہ کے کیمپ میں آیا - نادر شاہ نے اس کا پرتپاک خیرمقدم کیا اور بخارا کی حکومت اسی کو سونپ دی -

خوارزم کی تسخیر

بخارا کے بعد نادر شاہ نے خوارزم یا خیوہ کا رخ کیا - ترکمانوں نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا لیکن آخر وہ پسپا ہو گئے -

نادر شاہ کا عروج

بخارا اور خوارزم کی مہموں سے فارغ ہو کر نادر شاہ قلعۂ کلات

کو روانہ ہوا جو اس کی محبوب جگہ تھی - یہاں اس نے ایک شاہی محل تعمیر کرایا اور اپنا خزانہ اس میں محفوظ کر دیا - پھر وہ مشہد آیا اور وہاں اپنی فتوحات کی یاد منانے کے لیے جشن عظیم بپا کیا - اہل شہر نے والہانہ طور پر خوشیاں منائیں - یہ زمانہ نادر شاہ کے عروج کا تھا - اس نے صرف پانچ سال کے مختصر سے عرصے میں زندگی کی بڑی بڑی مہمیں سر کر لیں - اشرف پر فتح پا کر ایران سے افغانوں کی حکومت کا خاتمہ کیا - حسین اور غلزئی سرداروں کو مغلوب کر کے قندھار فتح کیا - دہلی کی فتح اور محمد شاہ کو حکومت دہلی کی واپسی اس کا عظیم کارنامہ تھی - قدیمی حریف ترکوں کو دو بار شکست دے کر دیرینہ کھوئے ہوئے علاقے واپس لیے - نادر شاہ کے زمانے میں ایرانی مملکت یقیناً صفویوں کے زمانے سے کہیں زیادہ وسیع تھی -

فتوحات نے نادر شاہ کو بہت مغرور بنا دیا - آخری ایام میں اس نے ظلم و ستم کا ہاتھ کچھ اس طرح دراز کیا کہ اس کے اعمال نامے میں فتوحات کے ساتھ ظلم و ستم کا اضافہ ہوگیا - اس لیے وہ لوگ جنھیں اس نے افغانوں سے رہائی دلائی تھی ، اس سے نفرت کرنے لگے - اس کے اسباب کا ذیل کے واقعات سے پتا چلے گا -

آخری ایام کے تلخ تجربات

نادر شاہ جب ہندوستان کی مہم میں مصروف تھا تو اس کا بھائی لزکیوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا - بھائی کا انتقام لینے کے لیے اس نے ۱۱۵۴ھ مطابق ۱۷۴۱ع میں داغستان پر حملہ کیا جہاں یہ قوم آباد تھی اور شروان اور آس پاس کے علاقوں میں لوٹ مار کیا کرتی تھی - لزکیوں نے اپنی پوری جمعیت سے نادر شاہ کی فوج پر حملہ کیا ، یہاں تک کہ وہ نادر شاہ کے کیمپ تک پہنچ گئے اور کچھ عورتوں کو جواہرات سمیت اٹھا لے گئے - نادر شاہ سخت برافروختہ ہوا اور نہایت پر جوش حملہ کیا - لیکن وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا ممکن نہ ہوا کیوں کہ رسد نہ پہنچ سکی تھی - اس لیے نہایت مایوسی کی حالت میں اسے دربند کی طرف پسپا ہونا پڑا - یہ وہ تلخ تجربہ تھا جس نے نادر شاہ کو احساس دلایا کہ ملک کا بحری بیڑا بھی ہونا چاہیے - نادر شاہ کی یہ پہلی شکست تھی

جس کی وجہ سے وہ سخت پریشان ہوا اور اس کا سر ندامت سے جھک گیا -

رضا قلی مرزا پر عتاب

نادر شاہ زندگی کے آخری ایام میں استرآباد اور ماژندران سے ہوتا ہوا شروان کو جا رہا تھا کہ دو افغانوں نے اچانک اس پر حملہ کر دیا - ایک گولی اس کے دائیں ہاتھ سے ہوتے ہوئے اس کے گھوڑے کے سر میں جا لگی - افغان بھاگ کر کہیں چھپ گئے اور نادر شاہ کی دسترس سے باہر ہو گئے - نادر شاہ کو شبہ ہوا کہ اس میں رضا قلی مرزا کا ہاتھ ہے چناں چہ اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اسے بصارت سے محروم کر دیا - نادر شاہ کے اس شبہے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب دہلی میں یہ افواہ اڑی کہ نادر شاہ مارا گیا ہے تو رضا قلی مرزا نے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا - دہلی سے واپس آ کر وہ رضا قلی پر سخت برہم ہوا - اب اسے یہ خیال گزرا کہ ممکن ہے اسی نے افغانوں کو حملہ کرنے پر مامور کیا ہو - بہر حال وہ بعد میں اپنے اس اقدام پر سخت نادم ہوا اور کہا جاتا ہے کہ رضا قلی کی آنکھیں نکلواتے وقت جو لوگ موجود تھے ، ان سب کو نادر شاہ نے اس لیے مروا دیا کہ انھوں نے اسے اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کیوں نہ کی -

ایران میں بغاوتوں کا دور

لزکیوں سے نادر شاہ کے شکست کھانے کی وجہ سے بغاوتوں کا دور شروع ہوا جو ۱۱۵۶ تا ۱۱۵۷ھ مطابق ۱۷۴۳ تا ۱۷۴۴ع جاری رہا - پہلی بغاوت شروان میں ہوئی جس میں لزکیوں نے باغیوں کا ساتھ دیا اور نادر شاہ کا دو ہزار کا لشکر تہ تیغ کر دیا - یہ سن کر نادر شاہ غیظ و غضب سے بھڑک اٹھا اور باغیوں کی سرکوبی کے لیے ۲۵ ہزار فوج بھیج دی جس نے شروان میں قتل عام کیا اور لاشوں اور سروں کے مینار کھڑے کیے گئے -

دوسری بغاوت شیراز میں ہوئی - اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے آٹھ ہزار کا لشکر بھیجا گیا جس نے بغاوت فرو کر دی - تقی خاں

جو بغاوت کا سرغنہ تھا ، اسیر ہوا ۔ نادر شاہ نے اس کی ایک آنکھ نکلوا دی اور اس کے تمام لواحقین کو قتل کرا دیا ۔ تیسری بغاوت استر آباد میں ہوئی ۔ یہ بغاوت فرو ہوئی تو پورے صوبے کو تباہ و برباد کیا گیا ۔

ترکوں کے خلاف آخری مہم

عثمانی ترک پانچ سال تو خاموش بیٹھے رہے ، اب ایران کی داخلی شورشوں کی خبر ملی تو انھیں حکومت ایران سے طاقت آزمائی کا پھر خیال آیا ۔ ۱۱۵۸ھ مطابق ۱۷۴۵ع میں یقان محمد پاشا ترکوں کا لشکر لے کر ایرانی سرحد پر حملہ آور ہوا ۔ اس کے لشکر میں ایک لاکھ سوار اور چالیس ہزار پیادہ فوج تھی ۔ ادھر نادر شاہ اپنا جم غفیر لے کر مقابلے میں آیا ۔ چار دن تک نہایت خوں ریز لڑائی ہوتی رہی ۔ آخر ترک شکست کھا گئے اور بھاری توپخانہ اور اسلحہ کے ذخائر چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی ۔ یہ آخری فتح تھی جو نادر شاہ نے اپنی وفات سے پہلے حاصل کی ۔

بحری بیڑا بنانے کا منصوبہ

لزکیوں سے شکست کھانے کے بعد نادر شاہ کو بحری بیڑا بنانے کا خیال آیا تھا، اتفاق سے ایک انگریز جہاز ران جان ایلٹان تجارتی روابط پیدا کرنے کے لیے ۱۷۳۹ع میں ایران آیا تو یہیں مستقل قیام اختیار کر کے اس نے نادر شاہ کی ملازمت اختیار کر لی ۔ نادر شاہ نے بحری بیڑا بنانے کا کام اس کے سپرد کر دیا ۔ مقصد یہ تھا کہ بحری بیڑے کے ذریعے ترکمان بحری قزاقوں پر قابو پایا جا سکے اور لزکیوں کے خلاف بحری بیڑے کے ذریعے رسد اور کمک پہنچائی جا سکے ۔ کچھ یہ مقصد بھی تھا کہ بحیرۂ خزر میں تجارت کی سہولت حاصل کر سکے ۔ جان ایلٹان نے جہاز بنانے کا تمام سامان فراہم کیا ۔ آخر جہاز بنا کر بحیرۂ خزر میں ڈال دیا ۔ لیکن نادر شاہ کے قتل کے بعد یہ منصوبہ تکمیل نہ پا سکا ۔

خلیج فارس میں بھی نادر شاہ نے بیس چھوٹے جہازوں کا بیڑا جمع کیا تھا جو ایران کی قوت میں اضافہ کرنے کا موجب بنا ، لیکن بحری قوت میں مزید اضافہ نہ ہو سکا ۔

نادر شاہ کا قتل

نادر شاہ نے آخری عمر میں ظلم و ستم کی انتہا کر دی ۔ جہاں کہیں بغاوت کے آثار نمودار ہوئے وہاں لاشوں کے ڈھیر اور سروں کے مینار کھڑے کرا دیے ۔ اس کے باوجود بغاوت کا مواد پکتا رہا ۔ سیستان میں شورش ہوئی تو اسے فرو کرنے کے لیے نادر شاہ نے اپنے بھتیجے علی قلی خاں کو بھیجا لیکن اس نے اہل سیستان کو ساتھ ملا کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا ۔ ادھر قوچان کے کردوں نے علم بغاوت بلند کیا تو نادر شاہ نے خود ان کے خلاف چڑھائی کی لیکن سات آٹھ میل کی مسافت طے کی ہوگی کہ اس کے قبیلے کے بعض افراد نے کیمپ میں داخل ہو کر اسے قتل کر دیا ۔ یہ واقعہ ۱۱۶۰ھ مطابق ۱۷۴۷ع کا ہے ۔

سیرت و کردار

نادر شاہ کی زندگی کے سرسری مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ پیدائشی لیڈر تھا ۔ اس نے زور بازو سے اپنا راستہ بنایا ۔ وہ بہت بہادر اور آہنی عزم کا مالک تھا ۔ جس بات کا ارادہ کر لیتا ، دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہ سکتی تھی ۔ شروع شروع میں اس نے بہت فیاضی اختیار کی ۔ رہزنی سے حاصل کی ہوئی دولت سے ساتھیوں کی تن پروری کی ۔ فیاضی ہی کی بدولت اس نے ایک جاں نثار فوج منظم کی ۔ لوگوں کی چھوٹی چھوٹی خطاؤں سے در گزر کرتا تھا ۔ لیکن بعد میں جب ہندوستان کی بے اندازہ دولت حاصل ہوئی اور جواہرات سے خزانہ پر ہو گیا تو اس کی فیاضی بخل میں اور وسیع الظرفی شقاوت قلبی میں تبدیل ہو گئی ۔

اس نے بہر حال حسن تدبر اور ضرب شمشیر سے قلیل عرصے میں ملک کو افغانوں کی حکومت سے نجات دلائی ۔ ترکی اور روس کے تسلط سے ملک کو آزاد کرایا ۔ ہندوستان کی طرف رجوع کیا تو اس میں قصور محمد شاہ ہی کا تھا کہ اس نے افغانوں کو اپنے ملک میں جگہ دی ۔ نادر شاہ نے ان کے خلاف احتجاج کیا تو اس کے احتجاجی مراسلوں کا جواب تک نہ دیا گیا۔ ہندوستان کے بعض علاقوں کو فتح کرتے ہوئے بھی

نادر شاہ نے احتیاط کو پیش نظر رکھا ۔ وہ جانتا تھا کہ ہند کی وسیع سلطنت کو قابو میں رکھنا اور ایسے ملک میں ، جہاں مختلف قومیں آباد ہیں ، جہاں کے لوگوں کی زبانیں الگ الگ ہیں ، جہاں زندگی کے آداب جدا جدا ہیں ، پائیدار حکومت قائم کرنا ممکن نہیں ۔ اس لیے اس نے صرف یہی کوشش کی کہ اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لے لے ۔ دوسروں کا ملک حاصل کرنے کی اسے طمع نہ تھی ۔ اپنی کوئی لڑائی اس نے محض جنگ جوئی کی غرض سے نہیں کی ۔ کسی پر حملہ اس نے بلا سبب نہیں کیا ۔ افغانوں سے جنگ کی تو ملک کو حکومت غیر سے نجات دلانے کے لیے ۔ عثمانیوں سے نبرد آزما ہوا تو ایرانی علاقے واپس لینے کے لیے ۔ قبائلیوں پر لشکر کشی کی تو روز روز کے حملوں سے ملک کو بچانے کی خاطر ۔ امیر بخارا اور والی خوارزم سے جنگ کی تو اپنی حدود کو محفوظ رکھنے کے لیے ۔ نادر شاہ نے حتی‌الوسع قتل و خوں ریزی سے پرہیز کیا ۔ دہلی میں قتل عام ہوا تو محض اہل دہلی کی انگیخت کی وجہ سے ہوا ۔

کشور کشائی کے زمانے میں اس نے بڑی دانش مندی ، انصاف اور تدبر سے حکومت کی ؛ البتہ زندگی کے آخری ایام میں کچھ ایسا انقلاب آیا کہ اس نے مروت و رواداری کو بالائے طاق رکھ دیا ۔ اس کی رحم دلی پر سنگ دلی غالب آئی اور مہر و محبت ظلم و ستم میں بدل گئی ۔ مرزا مہدی استر آبادی[۱] لکھتا ہے کہ لزکیوں سے شکست کھانے اور رضا قلی کی آنکھیں نکلوانے کے بعد اس کی ساری انسانی خصلتیں بدل گئیں اور درندگی و بربریت کو اس نے شیوہ بنا لیا ۔

صفویوں کے زمانے میں ایران کا سرکاری مذہب شیعہ تھا ۔ ترکوں اور ایرانیوں کے مابین لڑائیوں کی اصل وجہ بھی یہی تھی ۔ نادر شاہ نے مذہب کا حکومت سے تعلق ختم کرکے اسلامی دنیا کو ملا کر ایک کرنا چاہا ۔ چنانچہ اہل تشیع اور اہل تسنن کے بین بین حضرت امام جعفر کے نام پر مذہب جعفریہ کی ترویج کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں اسے کامیابی نہ ہوئی ۔

---

۱ ۔ بحوالہ عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۴۲۰ ۔

ذکر احمد خاں درانی

سنگ دلی اور سفاکی کی بنا پر اکثر امرا نے نادر شاہ کے قتل کی خبر سن کر اطمینان کا سانس لیا ، لیکن اس کے ایک جان نثار احمد خاں درانی کو ، جو افغانوں اور ازبکوں کے متحدہ دستوں کا سپہ سالار تھا ، سخت رنج ہوا - اس نے دس ہزار فوج سے حملہ کرکے امرا سے انتقام لینا چاہا ، لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی - بالآخر اس نے فوجی دستوں سمیت قندھار کی راہ لی - مال و دولت سے وہ بے نیاز تھا کیوں کہ دولت دہلی کا کچھ حصہ اس کے ہاتھ بھی آیا تھا - اسی[1] میں مشہور ہیرا کوہ نور بھی تھا ، جو آج کل انگلستان کے شاہی تاج کی زینت ہے - احمد خاں درانی نے افغانستان کو مطیع و منقاد کیا ، ہرات اور مشہد پر فتح پائی - پھر پے بہ پے حملے کرکے کشمیر ، سندھ اور پنجاب کا کچھ حصہ اپنی مملکت میں شامل کیا - دہلی پر بھی اس نے کچھ عرصہ اپنا تسلط قائم رکھا - مرہٹوں کو اس نے ۱۷۶۱ع میں پانی پت کے میدان میں شکست دی -

نادر شاہ کے جانشین

عادل شاہ (۱۱۶۰ تا ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۷ تا ۱۷۴۸ع)

نادر شاہ کی وفات پر اس کا بھتیجا علی قلی خاں ''عادل شاہ'' کے لقب سے تخت نشیں ہوا اور اس وقت یہ راز کھلا کہ نادر شاہ کا قاتل کون تھا کیوں کہ اس نے خود ہی ظاہر کر دیا کہ عوام نادر شاہ کے ظلم و ستم سے نالاں تھے ، اس لیے اس کے قتل کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا - اپنے چچا کو تو اس نے ظلم و ستم کے خلاف احتجاج کے طور پر قتل کرایا تھا ، لیکن خود کچھ کم سفاک نہ تھا - اس نے کلات پر حملہ کرکے بادشاہ کے لواحقین کے خون سے ہاتھ رنگین کیے - صرف رضا قلی مرزا کا چودہ سالہ بیٹا بچ سکا ، جس کی ماں صفوی

---

۱ - سائیکس : A History of Persia ، جلد دوم صفحہ ۲۷۵ -

بادشاہ شاہ حسین کی بیٹی تھی - عادل شاہ نے کلات نادری سے وہ خزانے سمیٹے جو نادر شاہ نے جمع کیے تھے -

عادل شاہ ایک ہی سال حکومت کر پایا تھا کہ اس کے بھائی ابراہیم خاں نے اس کے خلاف بغاوت کی اور اسے معزول کرکے اس کی آنکھیں نکلوا دیں - ابراہیم شاہ خود بھی کسی لشکری کے ہاتھوں مارا گیا -

شاہ رخ

ابراہیم کے بعد شاہ رخ نے ، کہ ماں کی طرف سے اس کا حسب نسب سلطان حسین سے ملتا تھا ، تخت و تاج سنبھالا لیکن مشہد کے مجتہد کا بیٹا مرزا سید محمد تخت و تاج کا دعوے دار بنا کیوں کہ اس مجتہد نے شاہ حسین کی بہن سے شادی کی ہوئی تھی اور سید محمد اس کے بطن سے تھا - سید محمد نے عوام کو یہ کہہ کر اپنا طرف دار بنایا کہ وہ شیعہ مسلک کو پھر سرکاری مذہب بنائے گا - لوگ جوق در جوق آ کر اس سے عقیدت کا اظہار کرنے لگے - تھوڑے ہی عرصے میں اس نے فوج منظم کر لی اور شاہ رخ کو شکست دے کر نہ صرف تخت و تاج حاصل کیا بلکہ اس کی آنکھیں بھی نکلوا دیں -

شاہ رخ کا انتقام

شاہ رخ کے ساتھ جو یہ سلوک ہوا ، اس کے سپہ سالار کی عدم موجودگی میں ہوا - وہ جب مشہد پہنچا تو مرزا سید محمد کو جو ''سلیمان'' کے لقب سے تخت نشین ہوا تھا ، اسیر کر لیا اور اس کی آنکھیں نکلوا کر شاہ رخ کا انتقام لیا -

شاہ رخ کو پھر تخت پر بٹھا دیاگیا اور یوسف علی اس کا سپہ سالار مقرر ہوا ہی تھا کہ ادھر عالم خاں عربوں کا اور ادھر جعفر خاں کردوں کا لشکر لیے ہوئے آیا - دونوں نے مل کر یوسف علی کو شکست دی اور اسیر کرکے اس کی آنکھیں نکلوا دیں اور شاہ رخ کو زندان میں ڈال دیا - اقتدار حاصل ہونے تک ان دونوں سرداروں میں اتحاد تھا ، لیکن ان کی یک جہتی زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی اور وہ ایک دوسرے سے

برسرپیکار ہو گئے - اس لڑائی میں عالم خاں کو فتح ہوئی اور جعفر خاں کا وہی حشر ہوا جو یوسف خاں کا ہو چکا تھا -

حکومت ایران کے چار اسیدوار

پریشان حالی کے دور میں حکومت ایران کے مندرجہ ذیل چار امیدوار میدان سیاست میں آئے :

۱ - محمد حسن قاچار - ۲ - آزاد خاں افغان -
۳ - علی مردان خاں بختیاری - ۴ - کریم خاں زند -

محمد حسن قاچار

نادر شاہ نے جب طہماسپ کے نائب السلطنت فتح علی خاں کو قتل کیا تو اس کا بیٹا محمد حسن قاچار بھاگ کر ترکمانوں کے پاس چلا گیا اور ان کی مدد سے استرآباد میں اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا - نادر شاہ کے قتل کے بعد وہ ایران کا تخت و تاج حاصل کرنے کی تگ و دو کرنے لگا -

آزاد خاں افغان

آزاد خاں افغان ، نادر شاہ کا مشہور سالار تھا جس نے نادر شاہ کی وفات کے بعد آذربائیجان میں خود مختار حکومت قائم کر لی تھی - اب اس نے گرجستان کے حکمران کے خلاف فوج کشی کی ، لیکن بالآخر دونوں کے مابین معاہدۂ صلح ہوگیا جس کی رو سے دریائے ارس آذربائیجان اور گرجستان کی مشترکہ حد مقرر ہوئی - آزاد خاں اب ایران کا تخت و تاج حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا -

علی مردان خاں بختیاری

وسطی ایران میں ایک بختیاری سردار ، علی مردان خاں نے ایک صفوی شہزادہ اسماعیل کے نام پر علم آزادی اٹھایا اور اصفہان پر قبضہ کرکے اسے تخت نشین کیا - اس کا مقصد بھی حکومت ایران حاصل کرنا تھا -

کریم خاں زند

ایران کے تخت و تاج کا چوتھا امیدوار کریم خاں زند تھا جو زند

قبیلے سے تعلق رکھتا تھا ۔ اس قبیلے کے لوگ ملائر کے آس پاس کے علاقے میں رہتے تھے ۔ نادر شاہ نے ان کے کچھ کنبوں کو وہاں سے اٹھا کر خراسان میں بسایا تھا ۔ کریم خاں نادر شاہ کی فوج میں معمولی سپاہی کی حیثیت میں شامل ہوا ، لیکن ترقی کرتے کرتے سالار کے عہدے تک پہنچا ۔ اس نے نادر شاہ کی وفات کے بعد کوشش کرکے پھر ان کنبوں کو اپنے اصلی وطن پہنچا دیا ۔ اسے بھی تخت و تاج حاصل کرنے کا خیال آیا ۔ آخر قسمت نے یاوری کی اور وہ ایران کی حکومت حاصل کرنے یں کامیاب ہو گیا ۔ اس کی مختصر سی روداد درج ذیل ہے ۔

علی مردان خاں کا قتل

علی مردان خاں نے جب صفوی شہزادہ اسماعیل کے نام پر علم آزادی بلند کرکے اصفہان پر قبضہ کیا تو کریم خاں نے اس کی حمایت کی تھی ، لیکن جب علی مردان خاں کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہوا تو اس نے کریم خاں زند کو ٹھکانے لگانا چاہا ۔ کریم خاں کو اس کے ارادے کا علم ہوا تو اپنی جمعیت لے کر اصفہان سے نکل گیا اور موقع پا کر علی مردان پر حملہ کرکے اسے کیفر کردار کو پہنچایا اور جنوبی ایران میں اپنی حکومت قائم کر لی ۔

آزاد خاں افغان کی شکست

کریم خاں زند کے دو بڑے طاقت ور دشمن ابھی باقی تھے : آزاد خاں اور محمد حسن قاچار ۔ کریم خاں اور آزاد خاں کے مابین قزوین کے قریب جنگ ہوئی جس میں آزاد خاں کو شکست ہوئی اور اس کے لشکر کے بیشتر آدمی مارے گئے ۔ اب اس نے والیٔ بغداد اور حاکم گرجستان سے مدد مانگی ، لیکن وہ مدد پر آمادہ نہ ہوئے ۔ آخر بے بسی کے عالم میں اس نے اپنے حریف ہی سے پناہ مانگی ۔ کریم خاں زند نے اسے پناہ دینا منظور کرکے اپنے دشمن سے کمال مروت کا سلوک کیا ۔ جس کی وجہ سے آزاد خاں ہمیشہ کے لیے اس کا جاں نثار بن گیا ۔

محمد حسن قاچار

کریم خاں زند کا سب سے بڑا حریف محمد حسن قاچار ابھی باقی تھا

جس پر آخری فتح پانے سے پہلے کریم خاں کو متعدد بار شکست کا منہ بھی دیکھنا پڑا - محمد حسن سے اس کی پہلی جنگ ماژندر ان کی سرحد پر ہوئی جس میں اسے شکست ہوئی - محمد حسن قاچار نے اس کا تعاقب کرنا خلاف مصلحت سمجھا جس کی وجہ سے کریم خاں زیادہ نقصان اٹھائے بغیر اصفہان پہنچ گیا - یہاں اس نے کچھ تازہ دم لشکر منظم کیا اور ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۷۵۲ع میں پھر محمد حسن پر حملہ کیا اور پھر شکست کھائی - اب کی دفعہ محمد حسن نے اصفہان اور شیراز تک اس کا پیچھا کیا -

محمد حسن قاچار کا شیراز پر ناکام حملہ

۱۱۷۱ھ مطابق ۱۷۵۷ع میں محمد حسن قاچار نے لشکر کثیر لے کر شیراز کی طرف پیش قدمی کی - کریم خاں میدان میں نکل کر اس کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے قلعہ میں محفوظ ہو کر دفاعی تدابیر اختیار کرنی چاہیں - اس عرصے میں اس نے قاچاری سرداروں کو روپے پیسے کا لالچ دے کر انھیں محمد حسن قاچار سے منحرف کرنا چاہا جس میں اسے کامیابی ہوئی - رفتہ رفتہ متعدد فوجی دستے اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور محمد حسن لڑائی کیے بغیر پسپا ہونے پر مجبور ہو گیا - آخر زندی لشکر کے ایک عرب سردار شیخ علی خاں نے دفعتاً یلغار کرکے اسے ہلاک کر ڈالا اور اس کا سر کاٹ کر کریم خاں زند کے پاس بھیج دیا- ''محمد حسن[1] کا قاتل جب اس کا سر توبڑے میں رکھ کر کریم خاں کے سامنے لایا تو اس نے پوچھا کیا لائے ہو ؟ وہ بولا محمد حسن قاچاری کا سر حضور میں پیش کرنے کے لیے لایا ہوں - کریم خاں یہ سن کر مسند سے اٹھا ، سر کو توبڑے سے نکالا اور پانی منگوا کر اسے دھویا ، اس کے بالوں کو سنوارا ، ان پر گلاب چھڑکا ، پھر حکم دیا کہ سر کو دھڑ کے ساتھ سی کر دفن کر دیا جائے -'' کریم خاں کی وفات کے بعد ماژندران ، گیلان اور آذربائیجان کے علاقے کریم خاں کی قلم رو میں شامل ہو گئے -

---

۱ - سعید نفیسی : تاریخ اجتماعی و سیاسی ایران، جلد اول، صفحہ ۳۸ -

عہد زند

کریم خاں زند

کریم خاں زند کی حکومت کا زمانہ ۱۱۶۳ تا ۱۱۹۳ھ مطابق ۱۷۵۰ تا ۱۷۷۹ع ہے - اس عرصے میں آخری بیس سال وہ ایران کا مختار کل حکمران رہا، لیکن بادشاہ کا لقب اس نے اختیار نہ کیا۔ ایران کا کٹھ پتلی بادشاہ قصبہ آبدہ میں نظر بند تھا ، اس لیے کریم خاں نے اپنے لیے ''وکیل الرعایا'' کا لقب اختیار کرنا ہی مناسب سمجھا - شیراز اس کا دارالسلطنت تھا - یہاں اس نے متعدد عالی شان عمارتیں بنوائیں ، جنھیں دیکھنے کے لیے اب بھی لوگ کھنچے چلے آتے ہیں -

قاچاریوں سے سلوک

قاچاری اس کے سب سے بڑے دشمن تھے ، لیکن ان کی تالیف قلوب کی اس نے بہت کوشش کی - محمد حسن قاچار کے بڑے بیٹے حسین قلی خاں کو اس نے دامغان کا حکمران مقرر کیا اور یہ بھی چاہا کہ محمد حسن خاں کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لے کر الفت و محبت کا رشتہ استوار کرے - حسین قلی خاں نے احسان فراموشی کرتے ہوئے علم مخالفت بلند کیا - کریم خاں نے زکی خاں کو اس کے مقابلے کے لیے بھیجا - حسین قلی کو سوائے فرار کے اور کوئی تدبیر نہ سوجھی ، آخر بھاگ کر ترکمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوا اور مارا گیا -

حسین قلی خاں کے بھائی

محمد خاں قاچار[۱] کو ، جو آگے چل کر ایران کے قاچاری عہد کا بانی ہوا ، حکام نے گرفتار کر لیا تھا اور نہایت بے رحمی سے اسے خصی کر دیا تھا اور اب وہ کریم خاں زند کے پاس بہ طور یرغمال ٹھہرا ہوا تھا -

فتح بصرہ

کریم خاں زند کے زمانے کا یہ بھی ایک مشہور واقعہ ہے کہ خلیج فارس کے ساحل پر جو ترک مقیم تھے ، انھوں نے شورش بپا کی - کریم خاں زند نے اپنے بھائی صادق خاں کو ان کی گوشمالی کے لیے

---

۱ - سعید نفیسی: تاریخ اجتماعی و سیاسی ایران، حصۂ اول۔ صفحہ ۴۶ ، ۵۳

بھیجا ۔ اس نے تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ بصرہ کا محاصرہ کر لیا جو تیرہ ماہ جاری رہا ۔ آخر بصرہ کے والی سلیمان آغا نے مجبور ہو کر ۱۱۹۰ھ مطابق ۱۷۷٦ء میں شہر کو صادق خاں کے حوالے کر دیا ۔ اس نے اہل شہر کے ساتھ بڑی نرمی اور مہربانی کا سلوک کیا ۔ کریم خاں کی زندگی میں ترکوں کو بصرہ واپس لینے کی ہمت نہ پڑی ۔ اس کی (وفات ۱۱۹۳ھ مطابق ۱۷۷۹ء) پر البتہ ایرانیوں نے خود ہی اسے خالی کر دیا ۔

سیرت و کردار

کریم خاں نے نہایت عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی ۔ رعایا کی ہر طرح سے دل جوئی کی ۔ امن و آسائش کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کی ۔ کریم خاں جاہ و جلال کا فریفتہ نہ تھا ۔ محض ظاہری شان و شوکت کی خاطر اس نے کوئی ایسا اقدام نہ کیا جس سے اس کی جواں مردی اور شرافت نفس پر حرف آئے ۔ اس نے لوگوں کی بہبودی کا ہمیشہ خیال رکھا یہاں تک کہ ایران کے ارمنی اور عیسائی[1] بھی اس کے مداح تھے ۔ وہ بڑا راست گو اور راست باز شخص تھا ۔ راستی کو کبھی اس نے ملوکانہ سیاست پر قربان نہیں ہونے دیا ۔ یہاں تک کہ دشمن بھی اس کے قول و قرار پر اعتماد رکھتے اور اس کی پناہ میں امن و عافیت کی زندگی بسر کرتے تھے ۔ اس کے ایک دشمن آزاد خاں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر جب کریم خاں کے پاس پناہ لینی چاہی تو بہ کمال شفقت اسے پناہ دی ۔ اسی مروت کا نتیجہ تھا کہ آزاد خاں آخری دم تک اس کا وفادار رہا ۔ خوں ریزی سے اسے نفرت تھی ۔ اس نے ہمیشہ اپنے مغلوب دشمن سے شفقت کا سلوک کیا ۔ اس کا نصب العین رعایا کو مطمئن اور خوش حال بنانا تھا ۔ اس کی پسندیدہ صفات ہی اس کی کامیابی کا اصل راز تھیں ۔

بوشہر میں انگریزوں کی فیکٹری کی تنصیب

افغانوں کے حملوں نے ایران میں کچھ ایسی افراتفری پھیلا دی تھی کہ یہاں اہل یورپ کو بیشتر جگہوں پر نصب کی ہوئیں فیکٹریاں بند کرنی پڑیں ۔ بندر عباس کی فیکٹری انھوں نے حاکم لار کی سختیوں

---

۱ ۔ عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۴۲۷ ۔

کی وجہ سے ۱۷۶۱ع میں بند کی - آخر حالات کچھ سازگار ہوئے تو ۱۷۶۳ع میں شیراز کی مشہور بندر گاہ بوشہر کو انھوں نے تجارت کا مرکز بنایا اور وہاں ایک فیکٹری نصب کی - کریم خاں زند برطانیہ سے تجارتی تعلقات قائم کرنے کے حق میں تھا - چنانچہ تجارت کے لیے جو اس نے فرمان جاری کیا ، وہ انگریزوں کے لیے بہت موافق تھا - تجارت شروع شروع میں بہت محدود پیمانے پر ہوئی کیوں کہ بمبئی سے سال بھر میں صرف ایک جہاز آتا جاتا تھا - ۱۷۹۰ع تک سودا کچھ خسارے کا تھا لیکن بعد میں منفعت کا پہلو بھی نکل آیا -

آقا محمد خاں کی رہائی

آقا محمد خاں قاچار ، جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے ، کریم خاں زند کے پاس بہ طور یرغمال شیراز میں ٹھہرا ہوا تھا اور اس کی وفات کا منتظر رہتا تھا - آخر اس کی وفات کی خبر ملی تو وہیں سے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اصفہان کا رخ کیا - وہاں سے رامین آیا اور بالآخر ماژندران پہنچ گیا اور بعض قاچار امرا کو ساتھ ملا کر زند حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور حکومت ایران حاصل کرنے کا دعوے دار بنا -

کریم خاں کے جانشین

کریم خاں زند کی وفات کے فوراً بعد اس کے خاندان میں رقابتیں شروع ہو گئیں جن کی وجہ سے زندی خاندان کی جمعیت قائم نہ رہ سکی - ادھر قاچاریوں نے اپنی حکومت قائم کرنے کے لیے جد و جہد شروع کر دی - زندیوں اور قاچاریوں کے مابین لڑائیاں ہوئیں جن کا سلسلہ خاصہ طویل ہوا - آخر قاچاریوں کو فتح ہوئی اور وہ پورے ایران کے حکمران بنے -

زندی تخت و تاج کے دعوے دار

جیسا کہ پہلے ذکر آیا ہے ، ایک طرف تخت و تاج کا دعوے دار آقا محمد خاں قاچار تھا جو کریم خاں کے محلات شاہی سے نکل کر ماژندران پہنچ چکا تھا - کریم خاں زند کا بیٹا ابوالفتح اگرچہ بہت کم سن تھا بہر حال وارث تخت و تاج تھا - تیسرا دعوے دار زکی خاں تھا ، جو

کریم خاں زند کا بھائی تھا - حکومت کا چوتھا دعوے دار کریم خاں زند کا بھائی صادق خاں تھا - گویا تین دعوے دار زند خاندان کے تھے اور ایک قاچار خاندان کا -

زکی خاں

کریم خاں کی وفات پر حکومت ایران زکی خاں نے سنبھالی ، جو ماں کی طرف سے کریم خاں کا بھائی تھا - زکی خاں جنگ جو اور سفاک شخص تھا - کریم خاں کی زندگی میں اس نے علم بغاوت بلند کیا تھا ، لیکن اس پر بہت جلد قابو پا لیا گیا - کریم خاں نے اس کی خطا سے درگزر کرکے اسے معاف کر دیا اور پھر جب حسین قلی خاں قاچار (فتح علی شاہ کا باپ) نے دامغان میں علم بغاوت بلند کیا تو اس کی سرکوبی کے لیے زکی خاں کو بھیجا گیا - اس نے بغاوت کو فرو کرنے میں نہایت سختی کی - جو لوگ اس مہم میں قید ہوئے ، انھیں زکی خاں نے سروں کے بل زمین میں زندہ گڑوا دیا - اسی طرح کا سلوک اس نے بعض اور مقامات پر بھی کیا جس کی وجہ سے لوگ اس سے خوف زدہ تھے اور اس سے انتہائی نفرت بھی کرتے تھے -

زکی خاں نے حکومت تو سنبھال لی لیکن بعض زند سرداروں نے شیراز پر قبضہ کرکے کریم خاں زند کے نو عمر بیٹے ابوالفتح کی بادشاہت کا اعلان کر دیا - ناچار زکی خاں نے بھی مصلحتاً اس کی اطاعت اختیار کر لی -

صادق خاں

صادق خاں بھی کریم خاں زند کا بھائی تھا جو بصرہ کا حکمران تھا - اس نے بھائی کی وفات کی خبر سنی تو تخت و تاج حاصل کرنے کے خیال میں اپنا لشکر لیے ہوئے شیراز آیا - زکی خاں کو یقین تھا کہ وہ جنگ کے ارادے سے آیا ہے - اس نے صادق خاں کو کہلا بھیجا کہ اگر وہ جنگ کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے تمام لواحقین کو ، جو شیراز میں مقیم ہیں، قتل کر دیا جائے گا - اس کے باوجود شاید صادق خاں کچھ کر گزرتا ، لیکن اس کے لشکر کا بیشتر حصہ کریم خاں زند کے بیٹے ابوالفتح کے خلاف تلوار اٹھانا نہیں چاہتا تھا - چنانچہ صادق خاں نے

حملے کا ارادہ ترک کرکے کرمان کا رخ کیا اور قلعہ بام میں مقیم ہو گیا ۔

علی مراد کی بغاوت اور زکی کا قتل

صادق خاں سے بے فکر ہو کر زکی خاں نے ، جو زمام حکومت سنبھالے ہوئے تھا ، آقا محمد خاں کی طرف رجوع کرنا چاہا ۔ وہ ماژندران میں جنگی تیاریوں میں مصروف تھا ۔ زکی خاں نے ماژندران پر حملہ کرنے کے لیے اپنے بھتیجے علی مراد کو بھیجا ، لیکن وہ زکی خاں سے عناد رکھتا تھا ، اس لیے وہ خود علم بغاوت بلند کرکے اصفہان پر قابض ہو گیا اور ابوالفتح کے نام پر اپنی حکومت قائم کرلی ۔ زکی خاں نے فوراً ہی فوج جمع کرکے اصفہان کا رخ کیا ، لیکن یزد خواست کے مقام پر پہنچا ہی تھا کہ رات کے وقت سوتے میں وہ اپنے آدمیوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا ۔

ابوالفتح ، علی مراد اور صادق

صادق خاں کو زکی خاں کے قتل کی خبر ملی تو قلعہ بام سے نکل کر شیراز کا رخ کیا اور شیراز پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گیا ۔ ابوالفتح کو اس نے اسیر کرکے اندھا کر دیا ۔ اب صادق خاں نے اپنے بیٹے علی نقی کو اصفہان پر فوج کشی کے لیے بھیجا جہاں علی مراد نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی ۔ علی نقی نے علی مراد کو شکست دے کر اصفہان پر قبضہ کر لیا اور فتح کے نشے میں سرشار ہو کر اصفہان کے محلات شاہی میں بے کار وقت کھو دیا ۔ لیکن علی مراد اس عرصے میں اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے جنگی تیاریوں میں مصروف رہا ۔ آخر اس نے ہمدان کے مقام پر علی نقی کو شکست فاش دے کر اپنا انتقام لیا ۔ اب اس نے شیراز کی طرف پیش قدمی کی اور شہر کا محاصرہ کر لیا ۔ آٹھ ماہ کے محاصرے کے بعد اس نے شیراز کو بھی فتح کر لیا اور ۱۱۹۵ھ مطابق ۱۷۸۱ع میں صادق خاں کو مع اس کے بیٹوں کے موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ اس کا صرف ایک بیٹا جعفر کسی طرح بچ نکلا ۔

علی مراد کی حکومت

علی مراد نے ۱۱۹۶ھ مطابق ۱۷۸۲ء میں تخت و تاج سنبھالا اور اصفہان کو اپنا دارالسلطنت بنایا ۔ قاچاریوں کو وہ بھی اپنا حریف سمجھتا تھا اس لیے ان کے خلاف مہم جاری کی ۔ شروع میں اس کے بیٹے اویس نے قاچاریوں کے خلاف لشکر کشی کی اور قاچاری سردار کو پسپا کرکے ان کے شہر ''ساری'' کو فتح کر لیا ، لیکن قاچاریوں کا تعاقب کرتے ہوئے اس کا تعاقبی دستہ دلدل میں پھنس کر تباہ ہو گیا ۔ ان کے انجام کا حال سن کر پوری فوج پر خوف و ہراس طاری ہو گیا اور افراتفری کی حالت میں انھوں نے ''ساری'' اور ماژندران کے علاقے خالی کر دیے ۔

علی مراد نے بھگوڑے لشکر کو اذیت ناک سزائیں دیں اور ایک نیا لشکر منظم کرکے خود اس مہم پر روانہ ہوا ، لیکن ۱۱۹۹ھ مطابق ۱۷۸۵ء میں راستے ہی میں مارا گیا ۔

صادق خاں کے بیٹے جعفر کی حکومت

جعفر نے ۱۱۹۹ھ مطابق ۱۷۸۵ء میں یہ بہانہ کرکے کہ وہ علی مراد کے بیٹے اویس کو تخت نشین کرنے میں مدد دے گا ، اسے اصفہان بلایا ۔ یہ سادہ لوح شہزادہ ، جس کے باپ نے جعفر کے باپ کو قتل کیا تھا ، اس کے فریب میں آ گیا اور اپنی فوج کے ساتھ وارد اصفہان ہوا جہاں جعفر نے اسے گرفتار کرکے اندھا کر دیا ۔

آقا محمد خاں قاچار میدان کارزار میں

اب حکومت کا حریف آقا محمد خاں تھا ، یہ اپنی فوج لیے ہوئے کاشان تک بڑھ آیا ۔ جعفر نے اس کا راستہ روکنے کے لیے فوج بھیجی ۔ آقا محمد خاں نے اسے شکست دی اور اب اس نے اصفہان کا رخ کیا ۔ بزدل جعفر نے جنگ کیے بغیر راہ فرار اختیار کی اور شیراز آ پہنچا ۔ آقا محمد خاں نے یہاں بھی اس کا تعاقب کیا ، لیکن شیراز کو فتح کرنے میں ناکام رہ کر اصفہان کو لوٹ گیا ۔ جعفر کو ایک شخص حاجی ابراہیم نے کمال وفاداری سے مدد دی تھی جس کے صلے میں فارس کی وزارت اسے سونپ دی گئی ۔ جعفر کے زمانے میں آقا محمد خاں کے قدم

بدستور آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ عراق عجم پر اس کا قبضہ ہو گیا ۔ جعفر کی بزدلی کی وجہ سے جگہ جگہ فتنے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ آخر بعض امرا نے سازش کرکے ۱۲۰۳ھ مطابق ۱۷۸۹ع میں اس کا قصہ پاک کر دیا ۔

لطف علی خاں کی تخت نشینی

جعفر کی وفات پر اس کا بیٹا لطف علی خاں تخت نشین ہوا ۔ تخت نشینی سے پہلے اس نے بغاوتوں کو فرو کرنے میں بڑا نام پیدا کیا تھا ، کچھ اس کی نیک نامی کا بھی شہرہ تھا ، لیکن تخت نشین ہوتے ہی وہ مغرور ہو گیا ۔ اقتدار سنبھالتے ہی حاجی ابراہیم کے ایک قدیمی دوست مرزا مہدی کو موت کے گھاٹ اتار دیا جس پر الزام یہ تھا کہ اس نے لطف علی خاں کے باپ جعفر کو قتل کیا تھا ۔ حاجی ابراہیم نے برگشتہ خاطر ہو کر لطف علی خاں کا ساتھ چھوڑ دیا ۔

حاجی ابراہیم کا شیراز پر قبضہ

لطف علی خاں ۱۲۰۵ھ مطابق ۱۷۹۰ع میں لشکر لیے ہوئے آقا محمد خاں قاچار سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے اصفہان کی طرف بڑھا ۔ اتنے میں حاجی ابراہیم نے موقع پا کر لطف علی خاں کے بعض حامی امرا کو اسیر کرکے موت کے گھاٹ اتار دیا اور شہرداروں کی فوج منظم کرکے شیراز پر قبضہ کر لیا ۔ ادھر اپنے بھائی کو جو لطف علی کی فوج سے وابستہ تھا ، انتشار پیدا کرنے پر آمادہ کیا ۔ لطف علی نے حالات ناسازگار دیکھے تو سیدھے خلیج فارس کا رخ کیا ۔ اس کو امید تھی کہ جس طرح شیخ بوشہر نے اسے شیراز کا تخت و تاج حاصل کرنے میں مدد دی تھی اب بھی مدد دے گا لیکن وہ شیخ فوت ہو چکا تھا اور اس کے جانشین کو لطف علی خاں سے کوئی ہمدردی نہ تھی ۔ بہرحال اس نے ہمت نہ ہاری اور ادھر ادھر بکھری ہوئی فوج کو جمع کرکے پہلے شیخ بوشہر پر حملہ کرکے لوٹ مار کی ، پھر رضا قلی خاں کو شکست دے کر شیراز کی طرف بڑھا ۔

آقا محمد خاں کو شیراز پر حملہ کرنے کی دعوت

حاجی ابراہیم نے انھی سرگرمیوں پر اکتفا نہ کیا بلکہ آقا محمد خاں قاچار کو شیراز پر قبضہ کرنے کی ترغیب دلائی ۔ شیرازیوں کی دفاعی

قوت کا اندازہ کرنے کے لیے کچھ فوجی دستے مصطفیٰ قلی خاں قاچار کے زیر کمان بھیجے لیکن لطف علی خاں نے انھیں مار بھگایا - اب آقا محمد خاں خود پوری جمعیت لے کر شیراز آیا -

میدان شیراز

لطف علی خاں کو آقا محمد خاں کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو وہ اپنا لشکر لے کر، جو صرف ایک ہزار جوانوں پر مشتمل تھا ، مقابلے میں آیا - لطف علی اتنا ہی جاں باز اور بہادر تھا ، جتنا کہ اس کا باپ جعفر گریزپا اور بزدل تھا - اس نے اور اس کے جاں نثاروں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر لشکر کثیر کا مقابلہ کیا - زندیوں کا لشکر طوفانی موجوں کی طرح آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ دشمن کے لشکر کے وسط تک جا پہنچا- گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز اور شور و شیون کی صداؤں سے فضا گونجنے لگی - قاچاریوں کے لشکر پر خوف و ہراس طاری تھا - کچھ ہراول دستے پسپا بھی ہوئے- شام کے سائے بڑھنے لگے - لطف علی خاں یلغار کرتا ہوا آقا محمد خاں کے کیمپ تک جا پہنچا - رات کی تاریکی میں بہت کچھ ہو جاتا لیکن نصیبے نے رخ پلٹا - ایک امیر فتح اللہ خاں نے، نہ جانے لا علمی کی وجہ سے یا خیانت کی بنا پر، لطف علی خاں کو یقین دلا دیا کہ آقا محمد خاں میدان جنگ سے فرار ہو چکا ہے - اب بہتر یہی ہے کہ لڑائی ختم کر دی جائے، مبادا قاچاریوں کا خزانہ ضائع ہو جائے - چنانچہ لطف علی خاں نے لڑائی بند کرنے کا حکم دے دیا - رات بھر زندیوں کا لشکر میدان جنگ ہی میں رہا - لیکن صبح کے وقت جب قاچاریوں کے کیمپ سے اذان کی صدا بلند ہوئی تو معلوم ہوا کہ دشمن کا لشکر وہیں موجود ہے - لطف علی خاں کے عرب ساتھی ادھر اُدھر بکھر گئے تھے- صبح کو غنیم کے لشکر کے ساتھ مقابلہ کرنا ، جس کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی ، لطف علی کے بس کی بات نہ تھی ، اس لیے بچے کھچے لشکر کو لے کر اس نے ۱۲۰۶ھ مطابق ۱۷۹۱ء میں کرمان کا رخ کیا - یہاں آ کر وہ فوج فراہم کرنے میں مصروف ہو گیا -

آقا محمد خاں زندیوں کے فرار پر فاتحانہ شیراز میں وارد ہوا اور لطف علی خاں کی سر کوبی کے لیے لشکر مامور کیا جو کرمان آ پہنچا تھا -

لطف علی کا فرار

لطف علی خاں کی دفاعی قوت ایسی نہ تھی کہ وہ حملہ آوروں کے ٹڈی دل لشکر کا مقابلہ کر سکتا - چنانچہ اس نے کرمان سے نکل کر خراسان کا رخ کیا - یہاں طبس کے حاکم نے اسے دو سو نوجوانوں کا دستہ دیا جسے ساتھ لے کر اس نے صحرائے لوط کو عبور کیا اور یزد کی طرف نکل گیا - یزد کا حاکم انھیں حملہ آور سمجھ کر مقابلے کو آیا لیکن ان کے مٹھی بھر جوانوں نے یزدی لشکر کو شکست دی - اب لطف علی خاں نے ابرقوہ کا رخ کیا جو فارس کی سرحد پر واقع ہے - یہاں اس کے اپنے لشکر کے کچھ جاں نثار آ ملے تو انھوں نے دارابجرد کا محاصرہ کیا لیکن قاچاریوں نے مقابلہ کرکے انھیں پسپا کر دیا - اب لطف علی پھر طبس جانے پر مجبور ہو گیا -

ناکام بہادر کے آخری ایام

لطف علی خاں زند اب سخت حیرانی کے عالم میں تھا - تمام راستے مسدود تھے - کہیں سے مدد کی توقع نہ تھی - دفعتاً نرما شیر کے دو سرداروں نے مراسلے بھیج کر اسے مدد دینے کی پیشکش کی جسے اس نے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر فوراً قبول کر لیا - یہاں سے اسے اس قدر فوج مل گئی کہ وہ اپنے حریف سے جنگ کر سکے - چنانچہ نرماشیر کی فوج کو لیے ہوئے لطف علی خاں نے کرمان کی طرف پیش قدمی کی - کرمان اب قاچاریوں کے قبضے میں تھا - قاچاریوں نے آگے بڑھ کر دلیری سے مقابلہ کیا لیکن لطف علی خاں کو فتح ہوئی اور قلعہ کرمان اس کے قبضے میں آ گیا - یہاں اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا - آقا محمد خاں کو یقین تھا کہ اگر حریف کے پاؤں جم گئے تو اس کا مقابلہ کرنا ممکن نہ ہوگا ، اس لیے فوج کی پوری جمعیت فراہم کرکے کرمان پر چڑھائی کی اور شہر کو محاصرے میں لے لیا - لطف علی چار ماہ تک قلعے میں محصور رہا اور غنیم کو قریب نہ آنے دیا - لیکن رسد نے ساتھ نہ دیا - قحط کے آثار پیدا ہو گئے اور لوگ بھوکوں مرنے لگے - اس صورت حال سے تنگ آ کر کچھ محصورین نے غداری کی اور قلعے کے بعضِ برج دشمن کے حوالے کر دیے - آقا محمد کی تین ہزار فوج قلعے میں

داخل ہو گئی۔ لیکن لطف علی خاں اتنی جواں مردی سے لڑا کہ داخل ہونے والی فوج کے بیشتر سپاہی مارے گئے اور باقی قلعے سے باہر نکلنے پر مجبور ہو گئے ۔ اس جواں مردانہ اقدام کے بعد نجف علی خاں نے ، جو لطف علی کا معتمد ساتھی تھا ، غداری کی اور دشمن سے مل کر قلعے کا بڑا دروازہ کھول دیا ۔ آقا محمد خاں کا بارہ ہزار لشکر قلعے میں داخل ہو گیا ۔ باقی لشکر قلعے سے باہر ٹھہرا رہا ۔ اس وقت بھی لطف علی خاں نے جس بے باکی اور شجاعت کا مظاہرہ کیا وہ بیان سے باہر ہے ۔ اس نے غضب ناک شیر کی طرح ان پر حملے کیے ۔ اس کے ساتھیوں نے بھی بہادری کے جوہر دکھائے اور ایک ایک کرکے اپنے قائد پر نثار ہوگئے۔ آقا محمد خاں کی کوشش تھی کہ لطف علی نکلنے نہ پائے لیکن اس حالت میں بھی اس پر قابو پانا آسان نہ تھا ۔ اس نے جب دیکھا کہ دشمن نے سب راستے روک لیے ہیں تو غروب آفتاب تک تلوار چلاتا رہا ۔ آخر رات کے تاریک سائے بڑھے تو وہ اپنے تین ساتھیوں کو ساتھ لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑا اور ان کا حلقہ توڑ کر قلعے سے باہر نکل گیا ۔

اہل کرمان پر آقا محمد خاں کا تشدد

آقا محمد خاں کو لطف علی کے فرار کی خبر ملی تو اس کے غیظ و غضب کے شعلے بھڑک اٹھے ۔ یہاں وہ اپنی تمام قہرمان قوتوں کو بروے کار لایا : اس نے[1] حکم دیا کہ کرمان کے لوگوں کی آنکھوں کے بیس ہزار جوڑے پیش کیے جائیں، اور جب بیس ہزار کرمانیوں کی آنکھیں نکال کر پیش کی گئیں تو اس شقی القلب انسان نے انھیں اپنے سامنے گنوایا؛ تعداد پوری نکلی تو آنکھیں گننے والے سے کہا اگر ایک جوڑا آنکھوں کا کم ہوتا تو تمھاری آنکھیں شامل کرکے تعداد پوری کی جاتی ۔" سائیکس کا یہ بیان کچھ مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے ۔ لیکن ایک جدید مورخ ایران آقاے عبداللہ رازی[2] لکھتے ہیں کہ "اس نے اہل کرمان کی کئی من آنکھیں نکلوائیں ۔"

---

۱ ۔ سر پرسی سائیکس : A History of Persia ، جلد دوم ، صفحہ ۲۸۸ ۔

۲ ۔ تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۴۳۳ ۔

لطف علی کے میزبانوں کی بے وفائی

لطف علی خاں نے قلعہ کرمان سے نکل کر نرماشیر کا رخ کیا۔ وہاں کے حاکم نے اس کی آمد پر تو پرتپاک خیر مقدم کیا لیکن اپنی جان کے لالے پڑتے نظر آئے تو اس سے بے وفائی کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ کسی راز دار نے لطف علی کو صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ اسے یقین تو نہ آتا تھا کہ دنیا میں ایسا فریب بھی ہو سکتا ہے، بہر حال وہاں سے فرار کرنے میں ہی مصلحت دیکھی۔ گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا کہ وہاں کے ایک سردار نے اس پر حملہ کیا، جس سے وہ زخمی ہو کر زمین پر آگرا۔ آخر اس پر قابو پاکر اسے آقا محمد خاں کے پاس بھیج دیا گیا جہاں اس نے خود اپنے ہاتھوں سے لطف علی خاں کی آنکھیں نکالیں اور پھر اسے تہران بھیج دیا۔ یہاں اسے طرح طرح کی ایذائیں دے کر قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۲۰۹ھ مطابق ۱۷۹۴ع کا ہے۔ اس طرح ایران کے ایک بہادر ناکام حکمران کا خاتمہ ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی زندی حکومت بھی ختم ہو گئی۔

لطف علی پر فتح پانے کی یادگار

لطف علی خاں پر فتح پانے کی وحشیانہ یاد منانے کے لیے تین سو قیدیوں کے سر کاٹے گئے۔ ان کی کھوپڑیوں کو نرماشیر لایا گیا اور اس مقام پر جہاں لطف علی خاں کو پکڑا گیا تھا، ان کا مینار کھڑا کیا گیا۔

لطف علی کا کردار

لطف علی خاں نہایت خوش وضع، خلیق اور بہادر شخص تھا۔ اس کی طبیعت میں نرمی اور کردار میں گرمی تھی۔ باپ کے زمانے میں اس کو اکثر دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا جس کی وجہ سے وہ امور جنگ سے خوب آگاہ تھا۔ جواں مردی کی موت کو ہمیشہ ننگ کی زندگی سے بہتر جانا۔ قاچاری دور کے سب مورخین نے اس کی شجاعت کا ذکر کیا ہے۔ یہاں تک کہ آقا محمد خاں قاچار بھی اس کی بہادری کا معترف تھا۔ چنانچہ جب اسے خبر ملی کہ بابا خاں (فتح علی شاہ) کے ہاں بیٹے پیدا ہوئے ہیں

تو بولا: ''کاش[1] ان میں کوئی لطف علی خاں جیسا بھی ہو۔'' لطف علی کی شجاعت کا اس سے بڑا خراج کیا ہو سکتا ہے۔ وہ دشمن کے خلاف نہایت دلیری سے لڑا اور مردانہ‌وار جان دی اور ۱۲۰۹ھ مطابق ۱۷۹۴ع میں ایران کا تخت و تاج قاچاریوں کو مل گیا۔ لطف علی خاں کی موت ہمیں جلال‌الدین خوارزمی کا انجام یاد دلاتی ہے جس نے جگہ جگہ چنگیزیوں کا مقابلہ کیا آخر بہادری کے ساتھ جان دے دی۔

قصیدہ و غزل سے بے اعتنائی

صفوی دور کی مدت دو سو سال ہے۔ اس طویل عرصے پر نظر ڈالنے سے ہمیں نقاشی اور خوش نویسی کا فن عروج پر نظر آتا ہے۔ فن تعمیر کی جو یادگاریں صفوی دور میں وجود میں آئیں وہ آج بھی زائرین سے خراج تحسین حاصل کرتی ہیں، لیکن تعجب کا مقام ہے کہ بادشاہت کے اس تاب ناک دور میں نام ور شعرا اور ادبا نظر نہیں آتے۔ اگر جامی کا نام نکال دیا جائے تو کوئی نام ایسا باقی نہیں رہتا جو قابل ذکر ہو۔

اس دور میں شعر و سخن کی کم مائگی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ صفوی بادشاہوں کے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ پوری قوم کو وحدت ملی بنا دیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے شیعہ مذہب کو رواج دیا اور اسے ایران کا رسمی مذہب بنا دیا۔ اس طرح تمام علاقوں کی حکومتیں ایک مضبوط مرکز کے تحت آ گئیں۔ صفوی حکمرانوں نے شیعہ علما و شعرا کی سرپرستی کی اور انھیں مخصوص دینی مسائل اور مرثیہ گوئی کی طرف راغب کیا تاکہ رسمی مذہب سے لوگوں کی عقیدت اور استوار ہو جائے۔ اس اقدام نے وحدت ملی کو مستحکم کرنے اور شیعہ مذہب کے فروغ کے لیے تو بڑا کام کیا، لیکن علم و ادب کا میدان بہت محدود ہو گیا۔ مشہور ایرانی ادیب علامہ محمد قزوینی[2] نے بھی کچھ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے، جسے بحوالہ پروفیسر ای۔ جی۔ براؤن ذیل میں درج کیا جاتا ہے: ''صفوی عہد میں علم و ادب کی پستی کی بڑی

۱۔ سعید نفیسی: تاریخ اجتماعی و سیاسی ایران، حصہ اول صفحہ ۳۵۔
۲۔ اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا، جلد دوم، صفحہ ۲۶۔

وجہ یہ ہے کہ ترک بادشاہوں کی دشمنی کے باعث صفوی تاج داروں کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اہل ایران میں مذہبی اور فکری یک رنگی پیدا کی جائے۔ اس لیے وہ صرف شیعہ علما ہی کی حوصلہ افزائی کرتے تھے جن کے پیش نظر صرف یہ مقصد تھا کہ ایران کے طول و عرض کو ایک ہی مذہبی رشتے میں منسلک کر دیا جائے اور اس کے ذریعے سیاسی یک جہتی قائم کی جائے۔ آج سارے ایران میں مختلف بولیوں کے بجائے صرف ایک زبان بولی جاتی ہے اور اہل ایران کم و بیش ایک ہی مذہبی عقیدہ رکھتے ہیں، یہ صفوی دور ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔"

صفوی بادشاہ اگرچہ ایک مشہور صوفی بزرگ کی اولاد تھے، لیکن وہ صوفیوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صوفی اہل تسنن تھے۔ صوفیوں کا اثر مریدوں اور عوام پر بہت تھا۔ ان سے یہ خطرہ بھی تھا کہ کہیں وہ رسمی مذہب کے خلاف کوئی اور مذہبی تحریک نہ چلائیں۔ اس لیے انھوں نے مسلک تصوف سے بھی لوگوں کی توجہ ہٹانی چاہی۔ صوفی شاعروں اور نثر نگاروں کا کوئی پرسان حال نہ رہا۔ تصوف جو فکر و سخن کا بہت بڑا مبحث تھا پس پشت چلا گیا۔ غزل، مثنوی اور رباعی جو صوفیانہ موضوعات کے بیان کرنے کا ذریعہ تھی، قصۂ پارینہ بن کر رہ گئی۔ قصیدہ سننا کوئی حکمران گوارا نہ کرتا تھا۔" ڈاکٹر رضا زادہ شفق لکھتے ہیں کہ: "صفوی[1] بادشاہوں، بالخصوص شاہ طہماسپ اور عباس اعظم کا حکم تھا کہ قصیدے صرف ائمہ کے کہے جائیں۔ امرا و رؤسا کی مدح خوانی نہ کی جائے۔" حکومت کی طرف سے صرف مرثیہ گو شعرا کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔ اس لیے شعر و سخن کا دامن سمٹ کر رہ گیا۔ شاعروں کے دنیاوی انعام و اکرام کے وسیلے ختم ہو گئے۔ ادھر ہندوستان میں مغل بادشاہوں اور امرا کے درباروں میں شعر و سخن کے چرچے تھے اور شاعروں کے منہ جواہرات سے بھرے جاتے تھے۔ اس لیے اکثر نام ور علما اور شعرا نے سر زمین ایران کو خیرباد کہہ کر پاکستان و ہند کا رخ کیا۔ گویا ایران کے سرود و نغمہ نے وطن کو خیرباد کہہ کر اسی کو اپنا وطن بنا لیا۔

۱۔ تاریخ ادبیات ایران، صفحہ ۳۶۳

دور صفویہ کے شعرا

بابا فغانی

بابا فغانی یعقوب آق قویونلو کے دربار سے وابستہ ہوا - شراب حد سے زیادہ پیتا تھا - آخر عمر میں تائب ہو کر مشہد میں معتکف ہوگیا - اس کے کلام میں پہلی بار خیال بندی نظر آتی ہے - وفات ۹۲۵ھ مطابق ۱۵۱۹ع میں ہوئی -

امیدی تہرانی

جلال الدین دوانی کا شاگرد تھا - 'ساقی نامہ' اس کی تصنیف ہے - ۹۲۵ یا ۹۳۰ھ مطابق ۱۵۱۹ یا ۱۵۲۳ع میں وفات پائی -

ہاتفی خرجردی

خراسان کے علاقہ خرجرد کا رہنے والا اور مولانا جامی کا بھانجا تھا - نظامی کے طرز پر خمسہ لکھا جو لیلیٰ مجنوں ، شیریں خسرو ، تیمور نامہ ، ہفت منظر اور شاہنامہ (شاہ اسماعیل) پر مشتمل ہے - آخری مثنوی مکمل نہ ہو سکی - سال وفات ۹۲۷ھ مطابق ۱۵۲۰ع ہے -

اہلی شیرازی

اس کے کلام میں فن تجنیس نمایاں ہے - وفات ۹۴۲ھ مطابق ۱۵۳۵ع میں ہوئی -

ہلالی چغتائی

مثنوی ''شاہ و درویش'' اس کی یادگار ہے - ۹۳۹ھ مطابق ۱۵۳۲ع میں وفات ہوئی -

فضولی بغدادی

ترکی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا - ۹۷۰ھ مطابق ۱۵۶۲ع میں وفات پائی -

وحشی بافقی

قصبہ بافق میں پیدا ہوا - یہیں ۹۹۱ھ مطابق ۱۵۸۳ع میں وفات ہوئی - مسمط لکھنے میں اسے خاص ملکہ حاصل تھا - مثنوی ''فرہاد و شیریں''

لکھنی شروع کی تھی ، لیکن اس کی تکمیل نہ ہو سکی ۔ آخر وصال شیرازی نے اسے مکمل کیا ۔

محمود قاری

مزاحیہ نویس شاعر تھا ۔ ایک دیوان غذاؤں پر اور ایک دیوان لباسوں اور آرائشوں کے موضوع پر ہے ۔ ۹۹۳ھ مطابق ۱۵۸۵ع میں وفات پائی ۔

محتشم کاشی

عہد شاہ طہماسپ کا بلند طبع شاعر تھا ۔ پہلے شاہ طہماسپ کے قصیدے کہے ، لیکن شاہ نے قصیدہ لکھنے سے منع کیا اور مرثیہ کی طرف توجہ دلائی ۔ آخر اسی فن میں شہرت پائی ۔ ''ہفت بند کاشی'' اس کا مشہور مرثیہ ہے ۔ کاشان کا رہنے والا تھا ، وہیں ۹۹۶ھ مطابق ۱۵۸۷ع میں وفات پائی ۔

عرفی شیرازی

جمال الدین محمد عرفی شیراز میں پیدا ہوا ۔ مغل بادشاہ اکبر کے زمانے میں ترک وطن کرکے پاکستان و ہند آ گیا اور یہیں ۹۹۹ھ مطابق ۱۵۹۰ع میں وفات پائی ۔ قصائد اس کی شہرت کا سرمایہ ہیں ۔ ایک رسالہ نثر میں بہ عنوان 'نفسیہ'' لکھا ۔

سنجابی استر آبادی

سنجابی کی عمر کا بیشتر حصہ نجف اشرف میں گزرا ۔ ۱۰۱۰ھ مطابق ۱۶۰۱ع میں وفات پائی ۔ متعدد غزلیات اس کی یادگار ہیں ۔

زلالی خوانساری

زلالی چند مثنویوں کا مصنف ہے جن میں سے ''محمود و ایاز'' اور ''میخانہ'' کا پتا چلتا ہے ۔ ۱۰۲۴ھ مطابق ۱۶۱۵ع میں وفات پائی ۔

ظہوری ترشیزی

ترشیز وطن تھا ۔ ترک وطن کرکے ہندوستان کا رخ کیا ۔ دکن کے دربار سے وابستہ ہوا اور نظم و نثر کی بدولت شہرت پائی ۔

طالب آملی

آمل وطن تھا ۔ ہندوستان کے بادشاہوں کی فیاضیوں کے چرچے سن کر ادھر کا رخ کیا ۔ شہنشاہ جہانگیر کی توجہ ہوئی تو ملک الشعرا کے خطاب سے سرفراز ہوا ۔ آخر ایران واپس چلا گیا اور وہیں ۱۰۳۶ھ مطابق ۱۶۲۶ع میں وفات پائی ۔

ابو طالب کلیم

ہمدان میں پیدا ہوا ۔ کچھ وقت کاشان میں گزرا پھر ہندوستان کا رخ کیا ۔ شاہجہان کے دربار سے وابستہ ہوا تو ملک الشعرا کا خطاب پایا ۔ ۱۰۶۱ھ میں رحلت ہوئی ۔

صائب

مرزا محمد علی صائب عباس آباد اصفہان میں پیدا ہوا ۔ اصفہان کے ایک تبریزی گھرانے سے تعلق تھا ۔ اس لیے بعض اسے تبریزی بھی کہتے ہیں ۔ عالم جوانی میں پاکستان و ہند آیا اور کچھ عرصہ بعد یہاں سے واپسی ہوئی تو اسے شاہ عباس ثانی نے دربار کا ملک الشعرا بنایا ۔ ۱۰۸۰ھ میں رحلت ہوئی ۔

ہاتف اصفہانی

سید احمد ہاتف اصفہانی فارسی اور عربی میں ید طولیٰ رکھتا تھا ۔ شاعری میں ترجیع بندوں کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی ۔ ۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۳ع میں رحلت ہوئی ۔

دور صفویہ کے علما و حکما

شیخ بہائی

شیخ بہاؤالدین محمد بن حسین عاملی شام کے شہر بعلبک میں ۹۵۳ھ مطابق ۱۵۴۶ع میں پیدا ہوا ۔ باپ کی وفات کے بعد ایران آ گیا اور یہاں تحصیل علوم میں مشغول رہا ۔ علم و فضل میں شہرت حاصل ہوئی تو حکومت صفویہ نے اسے شیخ الاسلام کے منصب پر فائز کیا ۔ سال وفات ۱۰۳۱ھ مطابق ۱۶۲۱ع ہے ۔ جامع عباسی، تشریح الافلاک ، خلاصۃالحساب اور کشکول اس کی تصنیفات ہیں ۔

شفائی

حکیم شرف الدین حسن نام اور شفائی تخلص تھا ۔ شاہ عباس اعظم کے دربار کا مشہور طبیب تھا ۔ شعرگوئی کا بھی ذوق تھا ۔ چنانچہ ''نمکدان و حقیقت'' ایک مثنوی بھی تصنیف کی ۔ وفات ۱۰۳۷ھ مطابق ۱۶۲۷ع میں ہوئی ۔

میر داماد

میر محمد باقر استرآبادی کا شمار اپنے زمانے کے مشہور علما میں ہوتا تھا ۔ شعر بھی کہتے تھے ۔ تخلص اشراق تھا ۔ اکثر عمر اصفہان میں گزاری ۔ شاہ عباس اعظم کے مقبول نظر رہے ۔ ۱۰۴۱ھ مطابق ۱۶۳۱ع میں وفات پائی ۔

میر ابوالقاسم فندرسکی

میر ابوالقاسم فندرسکی صوفی مشرب حکما میں سے تھے ۔ کچھ عرصہ ہندوستان میں بھی گزارا ۔ ۱۰۵۰ھ مطابق ۱۶۴۰ع میں اصفہان میں رحلت ہوئی ۔ شعر گوئی کا بھی ذوق تھا ۔

ملا صدرالدین شیرازی

آپ بہت بلند مرتبہ طبیب اور فلسفی تھے ۔ کچھ عرصہ شیخ بہائی اور میر داماد سے تحصیل علم کے بعد علم و حکمت میں نام وری حاصل کی ۔ ۱۰۵۰ھ میں وفات ہوئی ۔ آپ کی تصنیفات عربی میں ہیں جن کے نام یہ ہیں : اسفار اربعہ ، شواہدالربوبیہ ، شرح اصول کافی ، کتاب الہدایہ ، شرح حکمت الاشراق ، کتاب الواردات القلبیہ اور کسرالاصنام الجاہلیتہ وغیرہ ۔

ملا محسن فیض کاشانی

محمد بن مرتضیٰ نام ہے ، محسن کے لقب سے مشہور ہوئے ۔ تخلص فیض ہے ۔ فلسفہ و حکمت میں گہرا مطالعہ تھا ۔ متعدد کتابیں تصنیف کیں ۔ وفات ۱۰۹۱ھ مطابق ۱۶۸۰ع میں ہوئی ۔

عبدالرزاق لاہیجی

ملا صدرا کا شاگرد تھا اور فیاض تخلص کرتا تھا ۔ فلسفہ کے

موضوع پر ایک مختصر مگر مفید کتاب ''گوہر مراد'' تالیف کی ۔ ۱۰۷۰ھ
مطابق ۱۶۴۹ع میں وفات ہوئی ۔

ملا محمد باقر مجلسی

ملا محمد تقی کے فرزند تھے ۔ ان کا شمار اس زمانے کے مشہور علما میں ہوتا تھا ۔ عربی میں ایک کتاب بحارالانوار کے نام سے تالیف کی ۔ فارسی کتابیں مشکواۃالانوار ، عین‌الحیات ، حلیۃالمتقین ، حیات‌القلوب ، تحفۃالزائرین ، جلاءالعیون وغیرہ تصنیف کیں ۔ وفات ۱۱۱۱ھ مطابق ۱۶۹۹ع میں ہوئی ۔

مورخین و تذکرہ نویس

خواند میر

خواند میر ، میر خواند مؤلف ''روضۃالصفا'' کا بھانجا اور میر علی شیرنوائی کے مقربین میں سے تھا ۔ تاریخ کے موضوع پر ''حبیب‌السیر'' اس مشہور تالیف (۹۲۹ھ مطابق ۱۵۲۲ع) شاہ اسماعیل صفوی کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے ۔ اس لحاظ سے یہ تاریخ بہت مستند ہے کہ مصنف شاہ اسماعیل صفوی کا ہم عصر تھا ۔ مغل بادشاہ ہمایوں کے عہد کی تاریخ ''ہمایوں نامہ'' بھی اس کی یادگار ہے ۔ اس کی وفات ۹۴۱ھ مطابق ۱۵۳۴ع میں ہوئی ۔

حسن روملو

حسن روملو ''احسن التواریخ'' کا مؤلف ہے جو ۹۸۵ھ مطابق ۱۵۷۷ع میں مکمل ہوئی ۔

سکندر منشی

سکندر ، شاہ عباس اعظم کا دبیر تھا ۔ ''عالم آرای عباسی'' اس کی مشہور تاریخ ہے ۔ اس میں شاہ عباس کے جانشین شاہ صفی تک صفوی عہد کے حالات و واقعات قلم بند کیے گئے ہیں ۔ یہ تاریخ ۱۰۲۵ھ مطابق ۱۶۱۶ع میں مکمل ہوئی ۔

سام مرزا

سام مرزا شاہ اسماعیل اعظم کا بیٹا ہے ۔ ''تحفۃالسامی'' اس کی مشہور تصنیف ہے ۔ اس میں نویں اور دسویں صدی ہجری کے شعرا کے حالات لکھے گئے ہیں ۔

سید نوراللہ شوستری

آپ کی تصنیف ''مجالس المؤمنین'' ہے جو اثنا عشری علما کے حالات پر مشتمل ہے - یہ کتاب گیارہویں صدی ہجری میں پاکستان و ہند میں تکمیل پذیر ہوئی -

امین احمد رازی

یہ ایک مشہور تذکرہ ''ہفت اقلیم'' کے مؤلف ہیں - جو شاہ طہماسپ کے عہد میں لکھا گیا -

شیخ علی حزین

اپنے زمانے کے مشہور علما میں سے تھے - ۱۱۰۳ھ مطابق ۱۶۹۱ع میں اصفہان میں تولد ہوئے - افغانوں کی یلغار کے زمانے میں اہل ایران کی بد حالی سے بہت متاثر تھے چنانچہ اپنی کتاب ''تذکرۃ الاحوال'' میں اس کا مجملاً ذکر کیا ہے - آپ ترک وطن کرکے پاکستان و ہند چلے آئے اور یہیں انتقال کیا - آپ کی دوسری تصنیف ''تذکرۃ المعاصرین'' ہے -

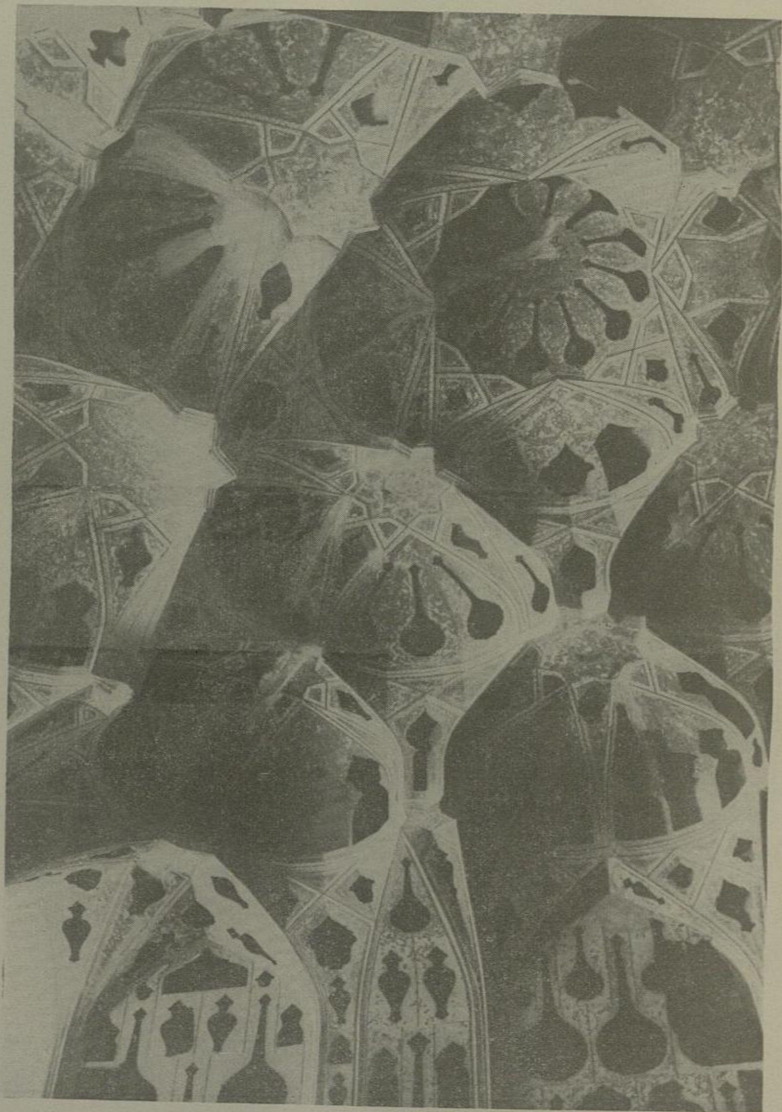
لطف علی بیگ آذر

آپ اپنے زمانے کے مشہور تذکرہ نویس تھے - ۱۱۲۳ھ مطابق ۱۷۱۱ع میں اصفہان میں پیدا ہوئے - شعر و سخن میں بھی اپنا خاص مقام رکھتے تھے - ''آتشکدہ'' آپ کی مشہور تصنیف ہے جو قدیمی شعرا سے مصنف کے ہم عصر شعرا تک کے حالات پر مشتمل ہے -

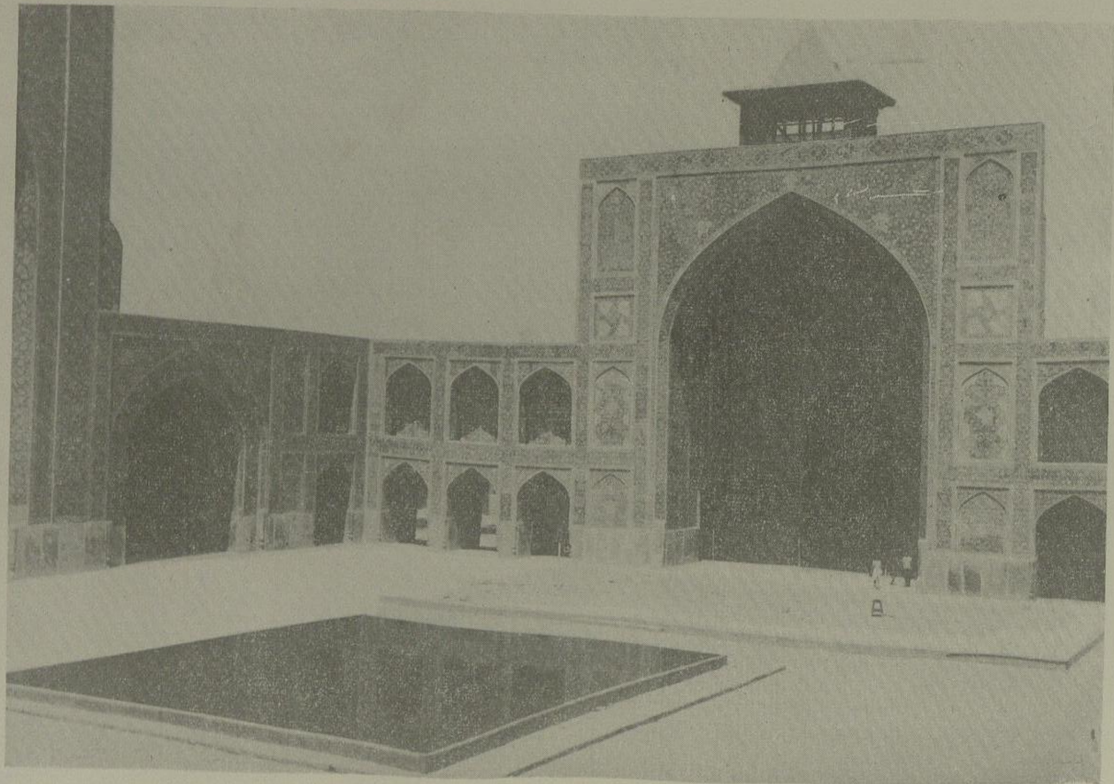
مرزا مہدی خان

مرزا مہدی ، محمد نصیر استرآبادی کا بیٹا ہے - یہ نادر شاہ افشار کا مشہور دبیر تھا - اکثر اس کی مہموں میں ہم رکاب رہا - ''جہانکشای نادری'' اس کی مشہور تالیف ہے - اس کی دوسری کتاب ''درہ نادرہ'' ہے - یہ ایک تاریخی رسالہ ہے جس میں عبارت آرائی، نکتہ پردازی اور تصنع سے کام لیا گیا ہے -

صفوی عہد کے ایرانی علما نے بعض اور تاریخیں بھی لکھیں جن کا تعلق شاہان مغلیہ سے ہے -



عالی قاپو اصفهان



کاشی کاری سقف دالان مسجد شاه اصفهان

صنعت و فن دور صفویہ میں

اصفہان جسے کبھی ''نصف جہان'' کہتے تھے ، صفویوں کا دارالسلطنت تھا ۔ اصفہان کو شاہ عباس اعظم نے از سر نو بسایا تھا ۔ بادشاہ کی دل چسپی اور حوصلہ افزائی کی وجہ سے اس کے عہد حکومت میں فن اور ہنرمندی کے چھپے ہوئے جوہر ظاہر ہوئے ۔ کاشی کاری ، تصویر کشی اور فن تعمیر کے وہ وہ نمونے وجود میں آئے جو کسی دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آتے ۔ وسط شہر میں ایک وسیع میدان ہے جسے ''میدان شاہ'' کہتے ہیں ۔ یہ میدان دو فرلانگ لمبا اور ایک فرلانگ چوڑا ہے ۔ اس کے ارد گرد شاہ عباس اعظم نے حسین عمارتیں تعمیر کرائیں ۔ میدان کے وسط میں ایک وسیع اور خوش نما باغ ہے جو سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنا رہتا ہے ۔ اس میدان کے شمال میں ایک وسیع دروازہ ہے جس سے بازار خیاطاں میں داخل ہوتے ہیں ۔ مشرق میں مسجد شیخ لطف اللہ اور مغرب میں علی قاپو ہے جس کا دروازہ میدان کی جنوبی سمت مسجد شاہ کی طرف کھلتا ہے ۔ یہ اور بعض دوسری عمارتیں نادرۂ روزگار ہیں ، اس لیے چند ایک کا ذکر ذیل میں کیا جائے گا ۔

علی قاپو

علی قاپو ایک مشہور عمارت ہے ۔ اسے شاہ عباس اعظم نے بنوایا تھا ۔ یہ عمارت ایک دروازے کا کام دیتی تھی ۔ یہاں سے شاہی محلات کو راستہ جاتا تھا ، جو تین میل تک پھیلے ہوئے تھے ۔ مشہور عمارت ''چہل ستون'' جس کا ذکر بعد میں آئے گا ، انھی محلات کا حصہ تھی ۔ علی قاپو سے ملحق باغ ، شہ نشین اور دیوان تھے ۔ صفوی بادشاہ غیر ملکی مہمانوں کا استقبال ''علی قاپو'' ہی میں کرتے تھے اور پولو میچ یہیں بیٹھ کر دیکھا کرتے تھے ۔ اس کے بالا خانے کا برآمدہ تقریباً ۲۳ گز لمبا ۲۰ گز چوڑا اور ۱۵ گز اونچا ہے ۔ اس کے ستون نہایت نازک اور خوب صورت ہیں ۔ بالائی برآمدے پر ایک حوض ہے جو سنگ مرمر کا بنا ہے ۔ اس حوض میں تین فوارے ہیں ۔ کبھی یہ حوض پانی سے بھرا رہتا تھا ۔ پانی ایک وسیع ذخیرۂ آب سے آتا تھا جو موجودہ ہوائی اڈے کے پاس بنا ہوا تھا ۔

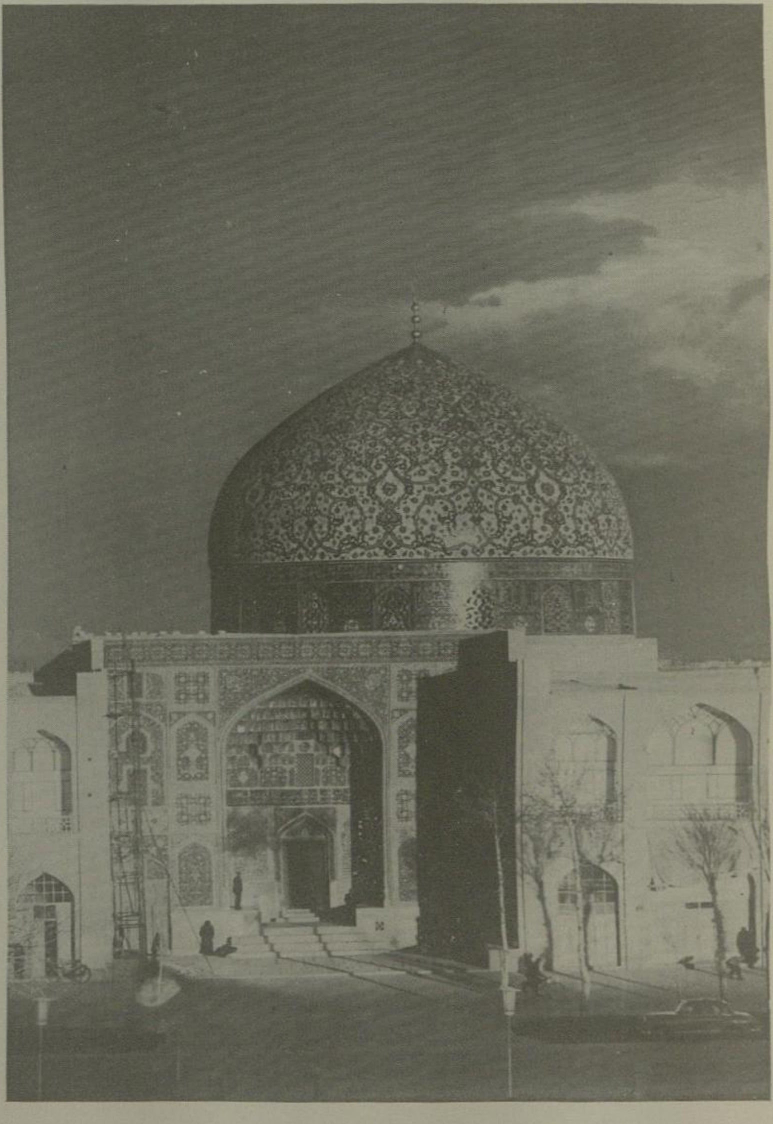
علی قاپو کی عمارت ساٹھ گز اونچی ہے - اس کی سات منزلیں ہیں ؛ ہر منزل کے در و دیوار پر نقاشی کے نادر نمونے نظر آتے ہیں -

مسجد شاہ

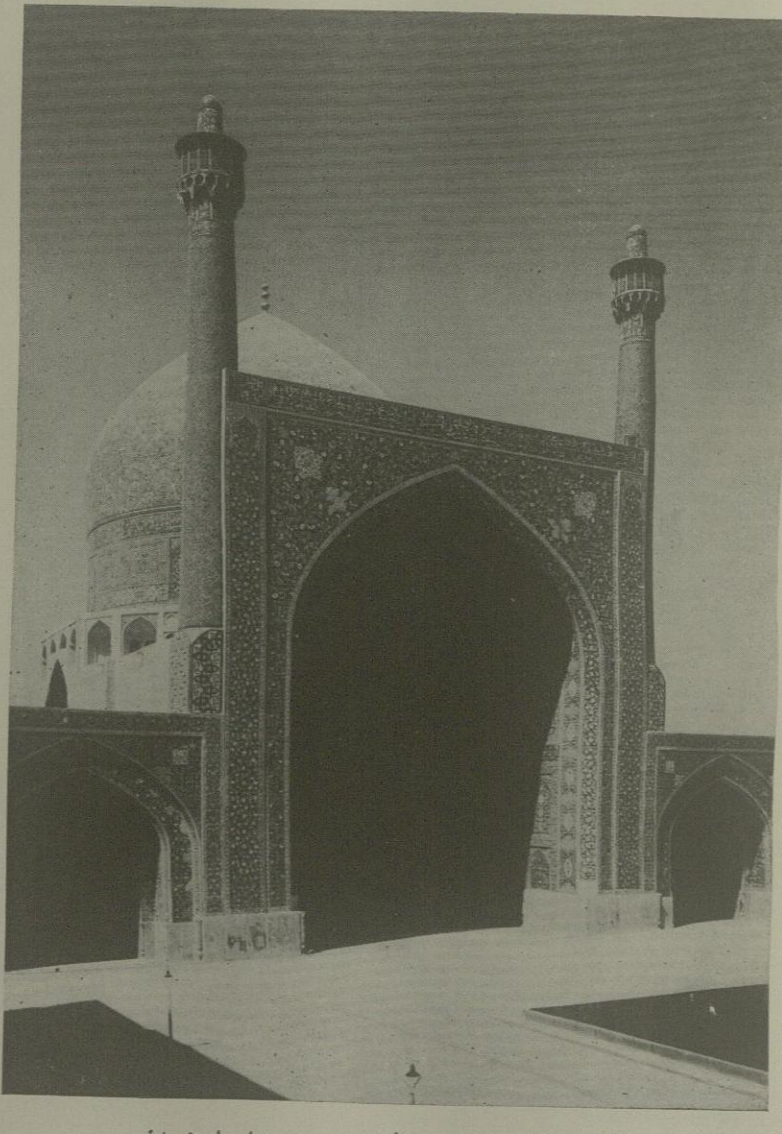
علی قاپو کی دائیں سمت "مسجد شاہ" ہے - یہ مسجد ۱۰۲۱ھ مطابق ۱۶۱۲ع میں شروع ہوئی اور اس کے مکمل ہونے میں اٹھارہ سال صرف ہوئے - یہ مسجد بھی شاہ عباس اعظم نے بنوائی تھی - اس کا شمار دنیا کی حسین ترین مساجد میں ہوتا ہے - مسجد کے در و دیوار کاشی کاری کا نہایت عمدہ نمونہ ہیں - دیواروں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹائلوں میں گل و گلزار کھلے ہیں - اس کے وسط میں ایک آٹھ گوشہ حوض ہے - اس میں سفید سنگ مرمر کی سلیں لگی ہیں - اندرونی حصے کی سلیں اتنی شفاف ہیں کہ ان میں سے چہرہ دکھائی دیتا ہے - دیواروں کے مینار ۶۰ فٹ اونچے اور گنبد کے مینار ۶۶ فٹ اونچے ہیں - نماز ادا کرنے کے لیے کئی وسیع و عریض کمرے ہیں -

مسجد شیخ لطف اللہ

مسجد شاہ کی دائیں طرف اور علی قاپو کے بالمقابل ایک اور عظیم مسجد ہے جو مسجد شیخ لطف اللہ کے نام سے موسوم ہے - اس کا کوئی مینار نہیں - اس پر بھی یہ مسجد صنعت‌گری کا بے مثال نمونہ ہے - لطف کی بات یہ ہے کہ اس مسجد کی کوئی بنیاد نہیں - حقیقت یہ ہے کہ اس مسجد کی نچلی دیوار انڈے کی طرح بیضوی ہے ، اس پر پوری مسجد کی عمارت اٹھائی گئی ہے- اندرونی حصے میں جو ٹائلیں لگی ہیں ، فن کا بہترین نمونہ ہیں - جگہ جگہ کتبے نظر آتے ہیں - یہ کتبے خطاطی کے اتنے خوب صورت نمونے ہیں کہ فن شناس لوگ عش عش کر اٹھتے ہیں - گنبد کا اندرونی حصہ اتنا شفاف اور مزین ہے کہ دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے- مسجد کے نچلے حصے میں ایک تہ خانہ ہے جو خاصہ روشن ہے - اس کی دیواریں بھی ویسی ہی مزین و منقش ہیں جیسی اوپر کی منزل کی ہیں - مسجد کے کئی محراب اور نماز ادا کرنے کے متعدد کمرے ہیں - دروازوں کی دیواروں میں موتیا رنگ کا سنگ مرمر لگا ہے اور دائیں بائیں چبوترے بھی اسی سنگ مرمر کے بنے ہیں -



سر در مسجد شیخ لطف الله اصفهان



کاشی کاری سقف دالان مسجد شاه اصفهان



کاخ چهل ستون ـ اصفهان

چہل ستون

یہ شاہی محلات کے سلسلے کی ایک عمارت ہے - اسے بھی شاہ عباس اعظم نے بنوایا تھا - اس عمارت کے ستون نہایت نازک اور لکڑی کے بنے ہوئے ہیں - یوں تو یہ ستون تعداد میں بیس ہیں لیکن اس کے سامنے جو وسیع حوض ہے اس میں ان ستونوں کا عکس بھی دکھائی دیتا ہے ، اس لیے اس عمارت کا نام چہل ستون ہو گیا - حوض کی شمالی طرف ایک سالم پتھر کا مجسمہ ہے - چاروں طرف چار لڑکیوں کی شبیہیں کندہ ہیں - لڑکیوں نے کندھوں پر برتن اٹھا رکھے ہیں - چاروں کے برتن ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں - ان برتنوں کے دہن شیروں کے منہ کی طرح ہیں - چہل ستون کے دروازے سے گزریں تو دائیں بائیں اور آگے بڑے بڑے کمرے ہیں جو تصویروں سے مزین ہیں - سامنے کے بڑے کمرے میں ایک تصویر میں شاہ عباس کا دربار آراستہ ہے - ایک یورپین سفیر آداب بجا لا رہا ہے - ایک اور تصویر میں میدان جنگ کا نقشہ نظر آتا ہے - شاہ اسماعیل اور سلطان سلیمان عثمانی کی فوجیں آمنے سامنے صف باندھے کھڑی ہیں - اس کے بالمقابل ایک بڑی تصویر ہے ، یہ اس زمانے کی یادگار ہے جب شہنشاہ ہمایوں اپنے حریف شیر شاہ کے ہاتھوں شکست کھا کر ایران آیا تھا - ایک طرف شاہ طہماسپ بیٹھا ہے ، اس کی دائیں سمت مغل بادشاہ ہمایوں تخت نشین ہے - نیچے چوب دار کھڑے ہیں - پاس ہی شکاری صف باندھے ہوئے ہیں ، ہاتھوں پر شہباز بٹھا رکھے ہیں - وسط میں بخارا کی دو رقاصائیں اپنا فن پیش کر رہی ہیں - یہ تمام تصویریں بڑے سائز کی ہیں -

چہار باغ

اصفہان کا چہار باغ بھی بڑی شہرت رکھتا ہے - اسے ''مدرسہ سلطانی'' بھی کہتے ہیں - یہ صفوی بادشاہوں کی آخری عمارت ہے جو سترھویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی اور آخری صفوی بادشاہ سلطان حسین کے عہد میں مکمل ہوئی - اس کے ایک سو ساٹھ کمرے ہیں - یہی وہ بدنصیب عمارت ہے جس کے ایک کمرے میں اس کا بنانے والا بادشاہ سلطان حسین قتل ہوا تھا - یہ عمارت مذہبی تعلیم کے لیے تعمیر ہوئی

تھی - اس میں طلبہ اور معلمین کی اقامت کا بھی انتظام تھا - آج کل بھی یہ عمارت اسی غرض کے لیے استعمال ہوتی ہے - اس کے وسط میں ایک حوض ہے - زاینده رود ندی چہار باغ کے بیچوں بیچ گزرتی ہے - یہ مدرسہ اسلامی طرز تعمیر کا نہایت عمدہ نمونہ ہے - دیواروں میں خوب صورت نیلے رنگ کی ٹائلیں لگی ہیں - سامنے ایک بہت بڑا پیالہ ہے جو سالم پتھر کے ٹکڑے کو تراش کر بنایا گیا ہے -

پل خواجو

زاینده رود ندی پر ایک پل شاہ عباس نے بنوایا تھا جو ''پل خواجو'' کہلاتا ہے - اس کی لمبائی ۱۵۴ گز اور چوڑائی ۲۴ فٹ ہے - پل ۲۴ محرابوں پر بنایا گیا ہے - اس کے کناروں پر آٹھ گوشہ کمرے ہیں - دو کمرے پل کے دونوں طرف وسط میں بھی ہیں ، جو قدرے بڑے ہیں - پل کے اوپر کی سڑک پر سے موٹریں گزرتی ہیں - دائیں بائیں پیدل چلنے کے لیے راستے ہیں ، جن کے اوپر چھت ہے - پل کے ہر محراب کے اوپر ایک کھڑکی ہے جو ندی کی طرف کھلتی ہے - ہر محراب کے دونوں طرف سیڑھیاں ہیں جو ندی تک بڑھتی چلی گئی ہیں -

پل علی وردی خان

یہ پل بھی زاینده رود ندی کا ہے - اس کی بناوٹ بھی ویسی ہی ہے جیسی پل خواجو کی ، لیکن اس کی لمبائی ۳۸۸ گز اور چوڑائی ۱۰ فٹ ہے -

ماژندران کا اشرف محل

شاہ عباس اصفہان کو نیا روپ دے کر بھی مطمئن نہ تھا - چنانچہ ۱۰۲۲ھ مطابق ۱۶۱۳ع میں ماژندران کے علاقے کے شہر اشرف میں ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا - یہ محل ایک وسیع پارک میں واقع ہے جو ''باغ شاہ'' کے نام سے موسوم ہے - یہاں چہل ستون کی طرح کی بھی عمارت ہے - ہر سیاح جو وہاں پہنچتا ہے اس کی تعریف و توصیف کرتا ہے - ماژندران کے پہاڑ قریب ہی ہیں اس لیے فوارے اور چشمے وغیرہ بنانے میں فن کاروں کو خاصی آسانیاں میسر آئیں - یہاں کا باغ جنت نظارہ کا سامان مہیا کرتا ہے -



سی و سه پل - اصفهان

صنعت و حرفت

کاشی کاری

کاشی کاری ایران کی بڑی قدیمی صنعت ہے۔ اس کا پتا ہمیں ہخامنشی دور میں بھی چلتا ہے۔ لیکن یہ صنعت عہد بہ عہد ترقی کرتی رہی۔ آخر صفوی دور میں اس نے عروج پایا۔ صفوی دور سے پہلے کاشی کاری کے لیے صاف مٹی کو لعاب کے ساتھ یک جان کر دینا کافی سمجھا جاتا تھا، لیکن صفوی دور میں 'سیلیس' کو بھی اس میں شامل کیا گیا۔ اب جو چمک دمک کاشی کاری میں نظر آتی ہے اسی کی بدولت ہے۔ کاشی کاری متعدد صورتوں میں نظر آتی ہے۔ کاشی کا دل فریب نمونہ وہ ٹائلیں ہیں جو اکثر عمارتوں کی اندرونی دیواروں پر چڑھائی جاتی ہیں۔ پھولوں یا انسانوں کی تصویریں کاشی کے ذریعے متعدد ٹائلوں پر پھیلائی جاتی ہیں۔ گویا کئی ٹائلیں مل کر ایک پوری تصویر کو ظاہر کرتی ہیں۔

صفوی دور میں قدیمی کاشی کاری کی جگہ 'سیلسی' کاشی کاری نے لے لی۔ مختلف قسم کے برتن مثلاً گل دان، پلیٹیں، پرچ پیالے بھی کاشی کے بننے لگے۔ ان برتنوں کا رنگ اور رنگوں کا امتزاج اور تصاویر، صنعت کاروں کی مہارت اور خوش ذوقی کا پتا دیتی ہیں۔

فن کاشی کاری کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایرانیوں ہی کا خاص فن ہے۔ ہخامنشی دور میں اس فن کے نمونے ظاہر ہوئے اور صنعت گروں کی مہارت کا پتا چلا۔ سکندر اعظم کا ایران پر تسلط قائم ہوا تو اس فن کو ایران سے دیس نکالا ملا۔ ہلاکو خاں کے زمانے میں یہ فن پھر وطن واپس آیا۔ چنگیزیوں اور تیموریوں کے دور میں اس فن نے تکمیل پائی۔ آخر صفویوں کے عہد میں اس فن نے خوبصورتی کی آخری حدوں کو چھو لیا۔

برتنوں پر میناکاری

شیشے کے برتنوں پر مینا کاری بھی ایران ہی کی خاص صنعت ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی میں یورپ میں جو آبگینہ سازی شروع ہوئی، وہ ایرانیوں ہی کی تقلید کا نتیجہ تھی۔

نقاشی

صفوی دور میں نقاشی نے بھی ترقی کی - شاہ اسماعیل کے عہد میں بہزاد نے مصوری میں ایک نئے مکتب فن کی بنیاد رکھی - اس سے پہلے مصور جو تصویریں بناتے تھے، ان میں خواہ وہ کتنا ہی کمال پیدا کرتے، صرف نظریں ہی حظ پاتی تھیں - بہزاد نے حسن فطرت کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا - اس نے فطرت کے مجموعی کیف و لطف کو اپنے موقلم سے ظاہر کیا - بہزاد کی اکثر تصویروں میں وہی عرفانی روح نظر آتی ہے جو عظیم صوفی شاعروں کے کلام میں دکھائی دیتی ہے - مجلس شکار، مجلس لیلیٰ مجنوں وغیرہ اس کی شاہکار تصویریں ہیں -

اسی دور کا ایک اور مصور جہانگیر ہے - سعدی اور حافظ کے کلام کو مصور کرنے میں جہانگیر نے اپنے فن کا کمال ظاہر کیا - مانی (ثانی) شاہ عباس اعظم کے زمانے کا مشہور مصور ہوا ہے - یہ بھی مصوری میں ایک نئے مکتب فن کا بانی تھا - اس کی شاہکار تصنیف ''آدم و حوا'' ہے - اس میں آدم و حوا کے متعلق خالصتاً ایرانی تصورات کی عکاسی کی گئی ہے - مانی کی پیروی اکثر مصوروں نے کی جن میں سے تیمور شجاع الدولہ، علی رضا عباسی، اسداللہ شیرازی، ابراہیم ثانی، محمود ہندی، مرزا کوچک اصفہانی خاص طور سے قابل ذکر ہیں - صفوی دور میں فن خطاطی میں جن لوگوں نے نام وری حاصل کی، مرزا احمد تبریزی اور میر عماد قزوینی ہیں -

قالین بافی

ایران کی قالین بافی بے مثال ہے - یہ صنعت بہت قدیم زمانے سے ایران کی خصوصیت چلی آتی ہے - یہاں تک کہ حضرت مسیح کی پیدائش سے پہلے بھی ایران میں گراں قدر قالین بنتے تھے - جوں جوں وقت گزرتا گیا تقاضۂ وقت کے مطابق اس صنعت میں تبدیلی آتی رہی - صفوی دور میں بھی قالین بافی پر خاص توجہ ہوئی - اس عہد میں قالینوں کی تصویروں کو نمایاں کرنے کے لیے سنہری تار بھی استعمال میں آنے لگے - مخملیں قالین بھی بنے گئے - رنگوں کے استعمال میں کاریگروں نے جدت پیدا کی - جس قسم کی تصویریں بنائی جاتیں، اسی طرح کے قدرتی رنگ استعمال



دروازه قرآن - شیراز

کیے جاتے ۔ اس دور کے قالینوں میں درخت ، پھول اور پھل اپنے قدرتی رنگوں میں نظر آتے ہیں ۔ ان میں تناسب اور مشابہت کا خاص طور سے خیال رکھا گیا ہے ۔

دھات کی صنعت

دھات کی صنعت میں ایران کو بڑی شہرت حاصل ہوئی ۔ آرائشی سامان بنانے میں کاریگروں نے کمال حاصل کیا ۔ اسلحہ سازی میں دھات کا استعمال اپنا جواب آپ تھا ۔

آٹھواں باب

قاچاری عہد

ایران میں زندی خاندان کی حکومت ۱۱۶۳ تا ۱۲۰۸ھ مطابق ۱۷۵۰ تا ۱۷۹۴ع قائم رہی - آخر آقا محمد خان نے اپنے قبیلے کو منظم کرکے زندی حکمرانوں کے خلاف پے در پے فتوحات حاصل کیں اور آخری زندی حکمران لطف علی پر غلبہ حاصل کرکے زندی حکومت کا خاتمہ کر دیا - آقا محمد خان قبیلہ قاچار سے تعلق رکھتا تھا - دور قاچار کی تاریخ لکھنے سے پہلے قبیلہ قاچار کا مختصر حال بیان کر دینا نامناسب نہ ہوگا -

قبیلہ قاچار

قبیلہ قاچار ، ترکوں کی ایک شاخ ہے ، جو چوتھی صدی ہجری میں دریائے جیحوں کے آس پاس کے علاقوں میں آباد تھا - ترک رفتہ رفتہ جنوب کی طرف بڑھے اور خوارزم و گرگان کے قدیمی باشندوں کو نکال کر خود وہاں آباد ہو گئے - اہل ایران ان کو ''ترکمان'' کہتے تھے - انھی ترکوں کا ایک قبیلہ سلجوق تھا جنھوں نے ایران اور ترکیہ میں سلجوقی حکومتیں قائم کی تھیں -

ترک بحیرۂ خزر کے کناروں پر آباد ہو کر دو حصوں میں بٹ گئے - مشرق علاقے میں جو آباد ہوئے، وہ مشرق ترک کہلائے اور جو مغرب میں آباد ہوئے، وہ مغربی ترکوں کے نام سے موسوم ہوئے - مشرق ترکوں کا ایک قبیلہ آزبک خاص طور سے بہت مشہور ہوا - یہ قبیلہ ماوراءالنہر میں آباد تھا - اس تاریخ کے پچھلے صفحات میں ان کا بار بار ذکر آیا ہے -

مشرق ترک ماوراءالنہر ہی میں رکے رہے، البتہ مغربی ترک قفقاز کے دروں سے گزرتے ہوئے ایران اور مغربی ایشیا میں پھیلتے رہے - قبیلہ قاچار جو ہمارے اس باب کا موضوع ہے ، اس کا تعلق انھی مغربی ترکوں سے ہے -

قاچاریوں کا حسب نسب

قاچاری عہد[1] کے بعض مورخین انھیں مغلوں کی نسل سے بتاتے ہیں اور ان کا سلسلۂ نسب قاچارنویان پسر سرتاق نویان تک پہنچاتے ہیں لیکن اس کے متعلق انھوں نے کوئی سند نہیں پیش کی - اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مؤرخین نے محض قاچاری بادشاہوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کا شجرۂ نسب مغلوں سے ملایا ہوگا - اکثر ایسا ہوا ہے کہ ترکوں کے بعض قبائل نے اپنے آپ کو چنگیز اور اس کے لواحقین کی نسل سے ظاہر کیا ہے - چنانچہ قاچاری حکمرانوں نے بھی اپنے آپ کو مغل ظاہر کیا ہے - پہلے اپنا حسب نسب تیموریوں سے ملایا پھر ان کے توسط سے ایلخانیوں سے جا ملے اور چنگیز و ہلاکو کی فتوحات کو اپنی فتوحات سمجھا -

قاچاریوں کے اس دعوے کو ان کے ہم عصر مورخین نے اور ہوا دی - ان مورخوں کا بیان ہے کہ قبیلہ قاچار (جو نسلاً مغل تھے) ہلاکو خاں کے ہمراہ ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۸ع میں ایران آئے اور دریائے جیحوں کے کنارے کے ساتھ ساتھ دشت موقان تک پھیل گئے - پھر ۷۳۶ھ مطابق ۱۳۳۵ع میں جب ہلاکو خاں اور اس کے جانشینوں، یعنی ایلخانیوں کی حکومت ختم ہوئی تو اس قبیلے کے لوگ اپنے آپ کو محفوظ نہ پاتے ہوئے ایران کو خیر باد کہہ کر شام چلے گئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی - امیر تیمور ۸۰۳ھ مطابق ۱۴۲۹ع میں شام پہنچا تو قاچاریوں کو اپنے لشکر میں شامل کرکے اپنے ہمراہ ایران لے آیا -

ان مورخوں کے بیان کی تردید میں آقائی سعید نفیسی[2] نے جو دلائل دیے ہیں ، ان کا ملخص حسب ذیل ہے :

---

۱ - عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۴۵۳ -

۲ - تاریخ اجتماعی و سیاسی ایران ، جلد اول ، صفحہ ۱۳ -

''ممکن ہے قاچاری قبیلے کے لوگ ایلخانی حکومت کے خاتمے پر ایران چھوڑ کر شام چلے گئے ہوں اور پھر تیمور انہیں اپنے ساتھ ایران لے آیا ہو ، جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے ، لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا کہ قاچاری، مغل نسل سے تعلق بھی رکھتے تھے۔ ان کی نسل وہی ہے جو مغربی ترکوں کی تھی ۔''

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے ۔ مغربی ترک بحیرۂ خزر کے مغربی ساحل پر آباد ہو گئے تھے لیکن شمال کی طرف سے جب سلاوی باشندے مغرب کی طرف بڑھے تو انہوں نے مغربی ترکوں کی زندگی اجیرن کر دی ۔ آخر وہ اپنے ٹھکانوں کو چھوڑنے پر مجبور ہوگئے اور یہاں سے چل کر شام میں مقیم ہو ئے۔ بعد میں نویں صدی کے شروع میں امیر تیمور انہیں اپنے ہمراہ ایران لے آیا ۔

آقائی نفیسی[1] یہ بھی لکھتے ہیں کہ قاچاری نہ تو مغلوں کی نسل سے تھے ، نہ مشرق ترکوں کی نسل سے ، بلکہ ان کا حسب نسب ''سالور'' قبیلے سے ملتا ہے ، جن کا تعلق یقیناً ترکان قفقازی سے ہے ۔

قاچاریوں کا ذکر صفوی عہد میں

قاچاریوں کا ذکر صفوی عہد میں کچھ اس طرح آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس دور میں کافی اہمیت حاصل تھی ۔ شاہ اسماعیل صفوی نے قاچاری ترکوں میں سے ان افراد کو ساتھ ملا لیا تھا جو اس کے باپ کے مرید تھے ۔ انھی کی مدد سے وہ اپنی آزاد حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوا ۔ اس قبیلے کی تین شاخیں تھیں ۔ قاچاری ، افشاری اور بیاتی ۔ صفوی دور کے مشہور شاہسون[2] بھی انھی میں سے چنے جاتے تھے ۔ پھر اس قبیلے کے ایک سردار کا ذکر شاہ حسین صفوی کے بیٹے شاہ طہماسپ دوم کے سلسلے میں آیا ہے جب کہ صفوی حکومت خاتمے پر پہنچی ہوئی تھی ۔

---

۱ ۔ تاریخ اجتماعی و سیاسی ایران جلد اول ، صفحہ ۱۵ ۔

۲ ۔ شاہ عباس اعظم نے مختلف قبائل کے چیدہ نوجوانوں پر مشتمل ایک الگ لشکر منظم کیا تھا جو شاہسون (دوستان شاہ) کہلاتا تھا ۔

فتح علی خاں

اس قبیلے کے ایک شخص فتح علی خاں کی حمایت حاصل کر کے اسے طہماسپ دوم نے اپنا نائب السلطنت بنا لیا تھا ، جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے - اسی اثنا میں نادر شاہ افشار افق سیاست پر نمودار ہوا - وہ طہماسپ کو آلۂ کار بنانے کے لیے اس سے آ ملا - اس نے یہ سمجھ کر کہ طہماسپ ، فتح علی خاں کے زیر اثر ہے ، اسے قتل کر کے اپنا راستہ ہموار کر لیا -

آغا محمد خان

فتح علی خاں کے دو بیٹے محمد حسین خاں اور محمد حسن خاں تھے - محمد حسن خاں نے نادر شاہ کے خوف سے مشرق ترکوں کے ہاں پناہ لی - حاکم ماژندران عادل شاہ نے جو نادر شاہ کا بھتیجا تھا اور بعد میں اس کا جانشین بنا ، محمد حسن خاں کے دونوں بیٹوں کو بلا کر اسیر کر لیا جن میں محمد خاں بھی تھا - محمد خاں کو اس نے سفاکانہ حکم دے کر خصی کرا دیا جس پر وہ ''آغا'' کے لقب سے مشہور ہوا کیوں کہ شاہی حرم کے بڑے خواجہ سرا کو آغا کہتے تھے[1] -

آغا محمد خاں قاچار

(۱۲۱۰ تا ۱۲۱۱ھ مطابق ۱۷۹۶ تا ۱۷۹۷ع)

ایران جب طوائف الملوکی کا شکار ہو رہا تھا تو اس وقت خاندان قاچار کے آغا محمد خاں نے حکومت قائم کر کے اسے مرکزی حیثیت دی ، جس کے ساتھ نہایت تلخ یادیں وابستہ ہیں -

ایران کے خود مختار صوبے

کرمان میں سروں کے مینار کھڑے کرنے کے بعد ، جس کا ذکر پچھلے باب میں آ چکا ہے ، آغا محمد خاں زندی حکومت کو ختم کرنے میں

---

۱ - سعید نفیسی : تاریخ سیاسی و اجتماعی ایران ، جلد اول صفحہ ۲۴ - قاچاریوں کے زمانے میں بعض لوگوں نے آقا محمد خاں کو اس کے خصی ہونے کی وجہ سے آغا محمد خاں لکھنا شروع کیا کیونکہ آغا مخنث کو بھی کہتے ہیں لیکن یہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ ترکی زبان میں ''آغا'' اور آقا دونوں ایک ہی معنی میں آتے ہیں -

تو کامیاب ہو گیا تھا لیکن ابھی اصفہان ، کردستان اور خراسان کے حاکم خود مختار بنے بیٹھے تھے -

آغا محمد خاں نے فوج جمع کر کے اصفہان کا رخ کیا جہاں جعفر خاں کی حکومت تھی- جعفر خاں غنیم کے آنے کی خبر پاتے ہی وہاں سے نکل بھاگا اور محمد خاں نے اصفہان کی حکومت سنبھال لی - فتح اصفہان کے بعد کردستان ، عراق عجم اور آذربائیجان کے طاقتور سردار سب آغا محمد خاں کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے -

علی خاں افشار کا قتل

آذربائیجان میں افشار قبیلے کا سردار علی خاں خود ایران کا تخت و تاج حاصل کرنے کا متمنی تھا - چنانچہ اس نے فوجی جمعیت بھی منظم کر لی تھی - آغا محمد خاں نے بجائے اس کے کہ اسے اپنا دشمن سمجھ کر اس کے خلاف لشکر کشی کرتا ، اس کے پاس اپنا ایلچی بھیجا اور یہ خواہش کی کہ یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہمارے مابین جنگ ہو اور دو ترک قبیلوں کا خون بہے - میری دلی خواہش یہ ہے کہ آپ کی زمینیں آپ ہی کے پاس رہیں - آپ کے سردار حسب سابق آزاد ہوں - میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہم مل کر مشترکہ دشمن یعنی زندی شہزادوں کا قلع قمع کریں- علی خاں اور اس کے پیرو اس پیغام سے متاثر ہو گئے - آخر علی خاں نے آغا محمد خاں کی پیشکش پر اس کے دربار کا امیر اعلیٰ بننا گوارا کر لیا - لیکن آغا محمد خاں کچھ اور سوچ رہا تھا ، اس نے ایک دن علی خاں کو دعوت میں بلایا اور عین اس وقت جب کہ وہ شراب کے نشے میں بدمست تھا ، اس کی آنکھیں نکلوا دیں - اس واقعہ سے افشار قبیلے میں سخت ہراس پھیلا اور علی خاں کی فوجی جمعیت ختم ہو گئی -

آغا محمد خاں کی برادر کشی

آغا محمد خاں کا حقیقی بھائی حسین قلی خاں، ترکمان کے ہاتھوں مارا گیا تھا - اس کے علاوہ اس کے پانچ سوتیلے بھائی مرتضیٰ قلی خاں ، رضا قلی خاں ، جعفر قلی خاں ، مصطفیٰ قلی خاں اور مہدی قلی خاں تھے- ان[1] بھائیوں سے بھی اس نے اپنی عادت کے مطابق نہایت برا سلوک کیا -

---

۱ - عبد اللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۴۵۶ -



آغا محمد شاه قاجار

تین بھائی اس کے خوف سے ملک چھوڑ گئے - مصطفیٰ قلی اور جعفر قلی خان جو اس کے طرف دار تھے اور مہموں میں اس کے شریک کار رہے تھے، ان سے بھی اس نے بے مہری کی۔ مصطفیٰ قلی کی اس نے آنکھیں نکلوا دیں اور جعفر قلی خان کو دربار میں بلا کر قتل کر دیا -

گرجستان پر حملہ

آغا محمد خان کی توجہ اب گرجستان کی طرف لگی ہوئی تھی - اہل گرجستان مذہباً عیسائی تھے - حکومت ایران نے اس علاقے کو داخلی خود مختاری دے رکھی تھی - گرجستان کے حکمرانوں اور شہزادوں کو صفوی دربار میں بڑی عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا - اصفہان کے بعض امرا نے گرجستان کے امرا کے ساتھ رشتے ناطے بھی کیے تھے - گویا ایران اور گرجستان کے مابین یگانگت کے کئی رشتے قائم تھے، جن کی وجہ سے ان میں مکمل اتحاد تھا - صفوی عہد ختم ہوا تو گرجستان کے حکمران خود مختاری کا دم بھرنے لگے اور حکومت روس سے سازباز شروع کر دی جس کی سرحد گرجستان سے ملی ہوئی تھی -

آغا محمد خان کو ایران میں اقتدار حاصل ہوا تو اس وقت گرجستان کا حکمران ہراکلیوس دوازدہم تھا - اس نے ایران کی ملکی حکومت کا غلط اندازہ کرکے روسیوں سے معاہدۂ دوستی کر لیا - آغا محمد خان کو یہ گوارا نہ تھا کہ ملک کے ایک نہایت زرخیز خطہ کے لوگ اغیار کی وفاداری کا دم بھریں - چناں چہ اس نے تہران میں ساٹھ ہزار فوج جمع کی اور ۱۲۰۹ھ مطابق ۱۷۹۵ع میں گرجستان کے شہر تفلیس پہنچ گیا - قاچاری لشکر اتنی تیزی سے آیا تھا کہ ہراکلیوس کو روسیوں سے کمک حاصل کرنے کی مہلت ہی نہ مل سکی - بہر حال ملکی دفاع کے لیے اس نے دس ہزار لشکر فراہم کر لیا لیکن قاچاریوں کے سامنے ان کے پاؤں نہ جم سکے - آخر ہراکلیوس پہاڑوں میں کہیں روپوش ہو گیا اور فوج منتشر ہو گئی -

آغا محمد خان نے شہر میں داخل ہو کر اہل شہر کا قتل عام کرایا، کلیساؤں کو تباہ و برباد کیا اور پادریوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ سعید

نفیسی لکھتے ہیں کہ وہاں[1] سے جو قیدی بنائے گئے ان کی تعداد ۱۶ ہزار تھی - شہر تفلیس کو تباہ و برباد کرنے کے بعد اس نے گنجہ کی طرف پیش قدمی کی اور اسے بھی مسخر کر لیا -

آغا محمد خاں کی تاجپوشی

آغا محمد خاں اگرچہ ایران کے بیشتر علاقے فتح کر چکا تھا لیکن ابھی تک اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان نہیں کیا تھا - اس کے لیے اب کوئی چیز مانع نہ تھی - اس نے مروارید کا تاج تو بنوایا تھا لیکن اسے پہننے سے پہلے اس نے ایک ہجوم کے سامنے کھڑے ہو کر کہا ، تاج شاہی تو میرے پاس موجود ہے لیکن اسے میں اس وقت تک نہ پہنوں گا جب تک آپ حلف اٹھا کر یہ اقرار نہیں کریں گے کہ آپ زندگی بھر اس تاج کے وفادار رہیں گے - سب نے حلف اٹھایا تو آغا محمد نے تاج سر پر رکھا ، شاہ اسماعیل کے مزار پر سے لائی ہوئی تلوار زیب کمر کی - اس طرح اس نے اپنے آپ کو صفویوں کا جانشین اور مذہب شیعہ کا حامی قرار دیا - یہ رسم ۱۲۱۰ھ مطابق ۱۷۹۶ع میں ادا ہوئی -

خراسان کی تسخیر

رسم تاج پوشی ادا ہونے کے بعد اس نے خراسان کو مسخر کرنے کے ارادے سے کوچ کیا - خراسان میں اس وقت شاہرخ کی برائے نام حکومت تھی - حقیقت میں اس صوبے میں کئی سرداروں نے آزاد حکومتیں قائم کر رکھی تھیں جن میں شاہرخ کو کوئی عمل دخل نہ تھا - مشہد میں شاہرخ کے دو بیٹے نصراللہ مرزا اور نادر مرزا اقتدار حاصل کرنے کے لیے باہم دست و گریباں رہتے تھے اور جس کا بس چلتا حضرت امام رضا کے روضے کے خزانے لوٹتا - نصراللہ مرزا فوت ہوا تو ایک سردار ممیش خاں نے مشہد پر قبضہ کر لیا جو پانچ سال تک برقرار رہا - صحرائے لوط کے ایک ضلع پر میر حسن طبسی قابض تھا - نیشاپور میں ایک بیاتی سردار نے حکومت قائم کر رکھی تھی - قائین اور

---

۱ - سعید نفیسی : تاریخ اجتماعی و سیاسی ایران جلد اول ، صفحہ ۵

ترشیز میں عرب سرداروں کی حکومت تھی ۔ اسی طرح قوچان اور سبزوار اور سیستان کے حاکم بھی خود مختار بنے بیٹھے تھے ۔

خراسان پر لشکر کشی کے دوران آغا محمد خاں نے استر آباد میں کچھ عرصہ قیام کیا اور بعض عمارتیں بنوائیں جو اب بھی باقی ہیں ۔ پھر وہ مشہد آیا ۔ یہاں کسی کو اس کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پڑی ۔ اور چھوٹے چھوٹے حکمران سرداروں نے تو فوراً ہی اس کی اطاعت اختیار کر لی ۔ نادر مرزا بھاگ کر افغانستان چلا گیا ۔

اورنگ زیب عالمگیر کا ہیرا

آغا محمد خاں نے شاہرخ سے ، جو اس وقت ساٹھ سال کا تھا ، جواہرات کا مطالبہ کیا ۔ شاہرخ نے لاعلمی ظاہر کی ، آخر جب اسے طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں تو اس نے جواہرات کے ذخیرے کا پتا دے دیا ۔ اس کے پاس[1] اورنگ زیب کا ہیرا تھا ، جس کی شہرت دور دور تھی ۔ وہ اس نے آغا محمد خاں کے حوالے اس وقت کیا جب اس کے سر پر پگھلا ہوا سیسہ ڈالا گیا ، جس سے نادر شاہ افشار کے خاندان کا یہ آخری تاج دار جاں بحق ہو گیا ۔

روسیوں کا حملہ

گرجستان پر آغا محمد خاں کا حملہ کیتھرائن ، ملکۂ روس کو سخت ناگوار گزرا ۔ وہ چاہتی تھی کہ ہر قیمت پر گرجستان میں روسیوں کا اثر و رسوخ برقرار رہے ۔ وہ آغا محمد خاں کے بھائی مرتضیٰ قلی خاں کو اپنا آلۂ کار بنانا چاہتی تھی، جو آغا محمد خاں کے خوف سے ترک وطن کرکے حکومت روس کی پناہ میں آگیا تھا ۔ منصوبہ یہ تھا کہ اسے ایران کا تخت و تاج حاصل کرنے میں مدد دی جائے تاکہ مملکت ایران میں ان کا عمل دخل زیادہ سے زیادہ ہو جائے ۔ چنانچہ روسی سپہ سالار گوداویچ کو ۳۵ ہزار فوج دے کر گرجستان کی طرف بھیجا گیا ۔ روسیوں نے پیش قدمی کرکے دربند ، باکو ، طالش ، شاخی اور گنجہ کے علاقے ایک ہی یلغار میں فتح کر لیے ۔ ان فتوحات کے بعد ایک اور روسی جرنیل ژوباف نے دشت مغان کے میدانوں میں آ کر ڈیرے ڈالے ۔ اب تمام

---

۱ ۔ سائیکس : A History of Persia ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۹۴ ۔

آذربائیجان کا راستہ حملہ آوروں کے لیے کھلا تھا ۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ آذربائیجان کو فتح کرکے تہران پر لشکر کشی کریں ۔

روسیوں کی واپسی

۱۲۱۰ھ مطابق ۱۷۹۵ء میں آغا محمد خاں نے روسیوں کی پیش قدمی کی خبر سنی تو مشہد میں اپنا معتمد حاکم مقرر کرکے روسی حملہ کا جواب دینے کی تیاری شروع کی ۔ ملک کے طول و عرض میں ایرانی سرداروں کو پیغام بھیجے کہ وہ اپنے پیرؤوں کو لے کر روسیوں سے جنگ کرنے کے لیے پہنچ جائیں ۔ یہ مہم یقیناً پورے جوش و خروش سے شروع ہوئی ۔ لیکن کیتھرائن کے انتقال پر ، جب اس کا بیٹا پال اس کا جانشین بنا تو اس نے جارحیت کی پالیسی ختم کرنے کے لیے اپنی تمام فوج واپس بلا لی ۔ اس طرح یہ تصادم ٹل گیا ۔

قلعہ شوشی کی تسخیر

اب آغا محمد خاں نے گرجستان سے توجہ ہٹا کر قلعہ شوشی کی تسخیر کا ارادہ کیا کیوں کہ والی "شیشہ" ابراہیم خلیل نے علم مخالفت بلند کیا تھا اور قاچاری حکمران کی اطاعت پر آمادہ نہ تھا ۔ آغا محمد خاں کی یلغار پر فوراً ہی قلعہ شوشی فتح ہو گیا ۔

آغا محمد خاں کا قتل

قلعہ شوشی کی تسخیر کے تین دن بعد ایک عجیب اتفاق ہوا ، جو آغا محمد خاں کے قتل کا موجب بنا ۔ رات کے وقت اس کے دو محافظوں کے مابین جھگڑا ہو گیا ۔ ان کے شور و غل سے اس تاج ایران کی نیند میں خلل آ گیا جس سے وہ سخت غضب ناک ہوا اور حکم دیا کہ صبح ہوتے ہی انہیں قتل کر دیا جائے لیکن طلوع آفتاب تک وہ بہ دستور اپنا فرض انجام دیتے رہیں ۔ بادشاہ کا حکم اٹل تھا اس لیے محافظوں کو جھگڑا تو بھول گیا اور دونوں نے فیصلہ کیا کہ آغا محمد خاں سو جائے تو اسے ٹھکانے لگا دیں ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور نوع انسان کا یہ دشمن سو کر دوبارہ نہ اٹھ سکا ۔ یہ واقعہ ۱۲۱۱ھ مطابق ۱۷۹۷ء کا ہے ۔

آغا محمد خاں کا ولی عہد

آغا محمد خاں دنیا میں صرف ایک شخص کو اچھا سمجھتا تھا اور وہ

اس کا بھتیجا فتح علی شاہ تھا، چنانچہ اسے اپنی زندگی میں ولی عہد سلطنت نامزد کیا تھا - فتح علی شاہ بہت سلیم الفطرت تھا اور اپنے چچا کے ظلم و ستم سے سخت گھبراتا تھا - اس کی خواہش تھی کہ رعایا کے ساتھ نرمی روا رکھی جائے - ایک مرتبہ جب آغا محمد خاں کچھ خوشی کے عالم میں تھا تو فتح علی شاہ نے اپنے چچا کو یہ کہا کہ حکام کو رعایا کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرنے کا حکم دیں اور ان کی دعائیں لیں - آغا محمد خاں نے اسے مذکورہ ذیل جواب دیا ، جس سے اس کے کردار پر روشنی پڑتی ہے : ''احمق ! تم ناسمجھ ہو - رعایا کے ساتھ ہمیشہ سخت سلوک ہی ہونا چاہیے - تمھاری حکومت صرف اسی صورت میں کامیاب ہو سکے گی - میرا خیال ہے پورے دس گھروں کے پاس صرف ایک دیگچہ ہونا چاہیے ، جس سے وہ کھانا پکانے کا کام لیں - اگر کھانا پکانے میں انھیں آسانی ہوگی تو وہ موٹے ہو کر فارغ البال ہو جائیں گے اور تمھارے خلاف فتنہ کھڑا کرنے سے باز نہ آئیں گے -'' کامیاب حکومت کے متعلق اس کا یہی نظریہ تھا - چنانچہ اس نے ایران کے بہترین افراد کا خون بہا کر حکومت کی بنیاد استوار کی تھی -

آغا محمد خاں کا کردار

میلکم[۱] نے خود آغا محمد خاں کو دیکھا تھا - اس نے بالتفصیل اس کا حلیہ بیان کیا ہے : ''وہ بہت دبلا پتلا شخص تھا - فطرتاً کھودا تھا - چہرے پر جھریاں تھیں - آنکھوں سے غیض و غضب کے آثار نمایاں تھے - اسے اپنی شکل و صورت کا احساس تھا اس لیے وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اس کے چہرے کی طرف دیکھے - اس کے متعلق روایت ہے کہ اسے دورے پڑا کرتے تھے - جب بھی دورہ پڑتا تو وہ گھنٹہ دو گھنٹہ تک بے ہوش پڑا رہتا - ایک مرتبہ وہ کرمان کے نزدیک شکار کھیل رہا تھا کہ ساتھیوں سے بچھڑ گیا - اس کا گھوڑا دلدل میں اتر گیا اور نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا جس کی وجہ سے آغا محمد خاں الگ جا پڑا - اتنے میں اسے دورہ پڑ گیا - اتفاق سے اس کا ایک معتمد خادم

---

۱ - میلکم : ہسٹری آف پرشیا ، جلد دوم ، صفحہ ۱۰۷ -

وہاں آ گیا اور بڑی مشکل سے آقا کو باہر نکالا ۔ ہوش میں آیا تو خادم کو اپنے اوپر جھکے ہوئے دیکھا ۔ پہلے تو وہ کچھ خوف زدہ ہوا لیکن جب اصل ماجرے کا علم ہوا تو اس نے اپنے خادم کا شکریہ ادا کیا اور انعام و اکرام دینے کا وعدہ کیا ۔ یہ خادم اکثر اس کے چہرے کی طرف دیکھا کرتا کہ شاید اسے انعام دینے کا وعدہ یاد آ جائے ۔ آغا محمد خان نے اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا تو اس کی گستاخی پر سخت غضب ناک ہوا اور حکم دیا کہ اس کی آنکھیں نکال دی جائیں ۔ فوراً ہی اس کے حکم کی تعمیل ہوگئی ۔ لیکن بعد میں اپنی احسان ناشاسی کا خیال آیا تو سخت نادم ہوا اور حکم دیا کہ اس کو دوگنی تنخواہ ملتی رہے ۔ اس پر عمل تو ہوا لیکن دوگنی تنخواہ بینائی کا بدل نہ ہو سکتی تھی ۔''

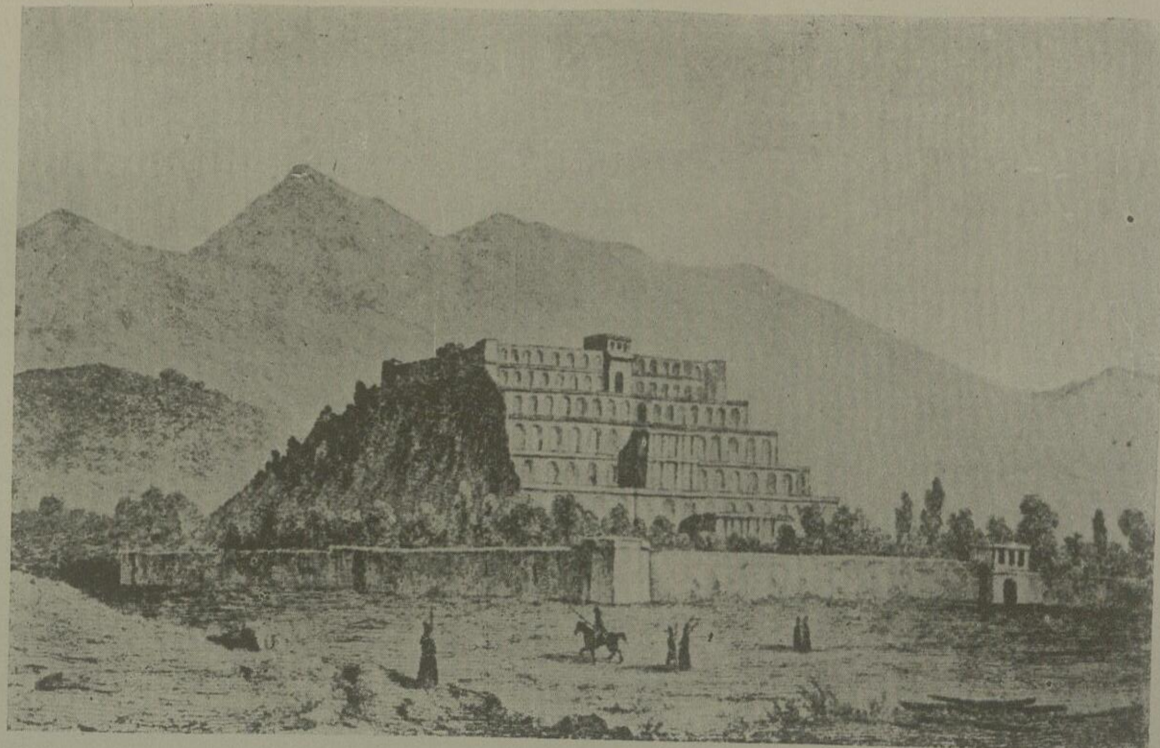
آغا محمد خاں کو کسی سے انتقام لینا ہوتا تو اسے امان دینے کا وعدہ کرتا ، لیکن جب اس پر قابو پا لیتا تو عہد شکنی کرکے اسے ٹھکانے لگا دیتا ۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اس کے سوتیلے بھائی جعفر قلی نے جو اس کی اکثر مہموں میں جواں مردی کے جوہر دکھا چکا تھا، یہ خواہش کی کہ اسے اصفہان کی حکومت دے دی جائے ۔ لیکن آغا محمد خان نے اس کی خواہش کو ٹھکرا دیا اور اسے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا ۔ جعفر قلی ٹال گیا ، جس سے آغا محمد خان کو تشویش ہوئی ۔ جعفر کے خلاف وہ طاقت استعمال کرنے سے گھبراتا تھا لیکن اسے اپنے راستے سے ہٹانا ضرور چاہتا تھا ، اس لیے جعفر قلی کی والدہ یعنی سوتیلی ماں کو کہلا بھیجا کہ جعفر اگر تہران آ کر اپنی نافرمانی کی معافی مانگ لے تو اسے اصفہان کی حکومت دے دی جائے گی ۔ جعفر کو یہ پیغام ملا تو وہ تہران آنے پر رضامند ہو گیا ۔ لیکن تہران پہنچا ہی تھا کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ۔

میلکم نے یہ بھی لکھا ہے کہ[2]: ''اس کی زندگی کے بڑے مقصد تین

---

۱ ۔ سعید نفیسی ، تاریخ اجتماعی و سیاسی ایران ، جلد اول ، صفحہ ۵۴ ۔

۲ ۔ بحوالہ سائیکس : اے ہسٹری آف پرشیا ، جلد دوم، صفحہ ۱۰۸ ۔



قصر آغا محمد خان

تھے : طاقت حاصل کرنا ، دولت سمیٹنا اور دشمن سے انتقام لینا - ان کے علاوہ اس کی یہ خواہش بھی تھی کہ قاچاری حکومت کو مستحکم کرے - چنانچہ قاچاری قبیلے میں یک جہتی اور استحکام پیدا کرنے کے لیے اس نے اپنے باپ کے قاتلوں کو معاف کر دیا - فوجی استحکام کا بھی اسے بڑا خیال تھا اس لیے وہ فوجی معاملات میں عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا -''

امرا کی فروخت

آغا محمد خاں کے امرا و رؤسا بھی بعض اوقات اس کی ہوس زر کا شکار ہو جاتے تھے - انھیں وہ جرمانے کیا کرتا تھا - حاجی ابراہیم سے پہلے اس کا وزیر اعلیٰ محمد شفیع تھا - اس سے بھاری جرمانہ وصول کرنے کے لیے آغا محمد خاں نے اسے اس کے ایک حریف کے ہاتھ فروخت کر دیا اور مقررہ رقم ادا ہونے کے بعد اس کی رہائی ہوئی -

نظم و نسق

عدل و انصاف کا معاملہ ہوتا تو وہ اس پر سختی سے کاربند ہوتا - جو امیر اپنی حدود سے تجاوز کرتا یا کوئی چور چوری کا مرتکب ہوتا یا کوئی حکم عدولی کرتا تو ان سب کی سزا ایک ہی تھی یعنی قتل اس نے اپنی سخت گیری سے شاہراہوں کو محفوظ کر دیا - تاجروں کے مفاد کی ہر طرح حفاظت کی جاتی تھی - اس کی حکومت کے آخری ایام میں ملک کے کونے کونے میں آزادانہ تجارت ہوتی تھی -

سادہ زندگی

آغا محمد خاں[1] بہت سادہ لباس پہنتا تھا - فضول خرچی سے اسے سخت نفرت تھی - بسا اوقات وہ زمین پر مسند بچھا کر بیٹھتا تھا اور سادہ غذا کھاتا تھا - اس نے حکم دے رکھا تھا کہ جب وہ کسی شہر میں داخل ہو تو اس کا استقبال نہ کیا جائے -

سادہ زبان

''زبان[2] کو سادہ اور رواں بنانے کے لیے اس نے حکم دیا تھا کہ

---

۱ - سعید نفیسی : تاریخ اجتماعی و سیاسی ایران ، صفحہ - ۵۴ -

۲ - ایضاً -

جو درخواستیں اور خطوط لکھے جائیں وہ تصنع اور تکلف سے پاک ہوں تاکہ مطلب آسانی سے واضح ہو جائے۔" قاچاری دور کی سادہ اور رواں زبان ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

فتح علی شاہ

(۱۲۱۱ تا ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۷۹۷ تا ۱۸۳۴ع)

آغا محمد خاں نے اگرچہ بغاوتوں کو فرو کیا، ملک کو رہزنوں سے نجات دلائی اور امن و امان قائم کیا لیکن یہ سب کچھ اس کی سخت گیری کی بدولت ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قاچاری حکومت کے دشمن اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابھی آغا محمد خاں کی تجہیز و تکفین بھی نہ ہوئی تھی کہ سراسیمگی اور افراتفری کا عالم پیدا ہو گیا۔ فوج منتشر ہونے لگی اور بد امنی کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ لیکن آغا محمد خاں کا وزیر حاجی ابراہیم ایک با تدبیر شخص تھا۔ اس کے زیر اثر بھی ایک منظم فوج تھی جس نے حالات بگڑنے نہ دیے۔

آغا محمد خاں کے قتل کے وقت اس کا بھتیجا فتح علی شاہ شیراز میں تھا۔ تہران میں وقتی طور پر ایک قاچار سردار نے فتح علی شاہ کے نام پر حکومت سنبھال لی، چنانچہ جب وہ شیراز سے چل کر دارالسلطنت تہران آیا تو اس کا پرجوش استقبال کیا گیا اور اس کی رسم تاج پوشی ادا کر کے اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا۔

سلطنت کا ایک اور قاچاری دعوے دار

آغا محمد خاں اپنے بھتیجے کی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے ایسے تمام اقربا کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا، جو تخت و تاج کے دعوے دار ہو سکتے تھے، لیکن فتح علی شاہ کا چچا صادق خاں شقاق ابھی باقی تھا، جس کے پاس کبھی آغا محمد خاں نے پناہ لی تھی۔ اس نے پندرہ ہزار کردوں کا لشکر فراہم کرکے قزوین پر چڑھائی کی، لیکن فتح علی شاہ کے وزیر حاجی ابراہیم کی فوج نے موقع پر پہنچ کر مقابلہ کیا اور صادق خاں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ اسے فتح علی شاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے صادق خاں شقاق کو ایک کمرے میں محبوس

کر دیا اور حکم دیا کہ اسے کھانے پینے کو کچھ نہ دیا جائے۔ چنانچہ وہ اسی کمرے میں بھوکا پیاسا رہ کر راہیِ ملک بقا ہوا۔

زند دعوے دار

زکی خاں زند کے بیٹے محمد خاں نے آغا محمد خاں کے قتل کی خبر سنی تو اس کے دل میں ایران کا تخت و تاج حاصل کرنے کا خیال آیا اور بصرہ سے چل کر بہبہان آیا، پھر کازرون پہنچا اور پھر اصفہان کی طرف بڑھا۔ اصفہان کو فتح کرکے اس نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا، لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حاجی ابراہیم نے فوج کشی کرکے اسے مار بھگایا۔ وہ ڈزفول پہنچا تھا کہ وہاں کے حکمران حسن خاں نے اسے اندھا کرکے فتح علی شاہ کے پاس بھیج دیا۔

حسین قلی خاں کی بغاوت

فتح علی شاہ کے بھائی حسین قلی خاں نے صادق خاں شقاق کے خلاف قابل قدر خدمات سرانجام دی تھیں۔ چنانچہ فتح علی شاہ نے اسے فارس کی حکومت سونپ دی تھی۔ اس نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ یہاں ایران کا تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے علم بغاوت بلند کیا، لیکن مادر ملکہ نے دونوں بھائیوں میں صلح کرا دی اور حسین قلی خاں نے سر اطاعت خم کر دیا۔ بھائی کے اظہار وفاداری کے بعد فتح علی شاہ نے اپنے بیٹے عباس مرزا کو ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۸ع میں اپنا ولی عہد مقرر کیا۔

نادر مرزا افشار

پچھلے باب میں ذکر آ چکا ہے کہ افشار کے خاندان کا شہزادہ نادر مرزا مشہد کا حکمران تھا، لیکن آغا محمد خاں نے لشکر کشی کی تو وہ بھاگ کر افغانستان چلا گیا تھا۔ اب پھر اس نے افغانوں کا لشکر لے کر مشہد کا رخ کیا اور ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ع میں اس پر قابض ہو گیا۔ فتح علی شاہ نے مشہد پر لشکر کشی کی۔ نادر مرزا نے مقابلے کی تاب نہ لا کر اطاعت اختیار کر لی۔ فتح علی شاہ نے اس کی خطا سے درگزر کرتے ہوئے مشہد کی حکومت اسی کے پاس رہنے دی۔

ہمسایہ حکومتوں کی سرگرمیاں

فتح علی شاہ کو داخلی دشواریوں کے علاوہ خارجی حکومتوں سے بھی پریشانی لاحق تھی ۔ شمالی حد پر روس تھا جو روز بروز طاقت ور ہوتا جاتا تھا اور اپنی سرحدوں کو پھیلا رہا تھا ۔ مغرب میں یورپ کے حکمرانوں نے اتحاد کرکے آل عثمان کی ترکیہ حکومت کو کمزور کر دیا تھا اور اس کے تمام مقبوضات ایک ایک کرکے لے لیے تھے ۔ مشرق میں انگریز تھے ، جنھوں نے ہندوستان میں مضبوطی سے پاؤں جما لیے تھے اور اب وہ اپنے دفاع کو مضبوط بنانے میں مصروف تھے تاکہ کوئی خارجی ملک ایران کے راستے کوہ ہندوکش تک نہ پہنچ سکے ۔ ادھر ہندوستان کی ثروت کے افسانے سن سن کر روس اور فرانس بے تاب تھے کہ انگریزوں کو وہاں سے نکال کر خود ان کی جگہ لے لیں ۔ روس ہندوستان پر چڑھائی کرنے کے لیے یہ بھی ضروری سمجھتا تھا کہ ایران کو کمزور کرے ۔ گویا خارجی ممالک کی مصلحتوں نے ایران کو روسیوں ، فرانسیسیوں اور انگریزوں کی باہمی رقابت کا میدان بنا دیا ۔

روسیوں کی چھیڑ چھاڑ

روسیوں کو تو ایرانی سرحدوں پر حملہ کرنے کا جلد موقع مل گیا ۔ پچھلے باب میں ذکر آچکا ہے کہ آغا محمد خاں قاچار نے محض اس لیے کہ گرجستان کا حکمران روسیوں کا حلیف بنا تھا ، اہل گرجستان کا خون بہایا اور وہاں کے کلیساؤں کو تباہ کیا تھا ، اس لیے روسی قاچاری حکومت کے خلاف موقع کے منتظر تھے اور اب آغا محمد خاں کے سوتیلے بھائی مرتضیٰ قلی خاں نے ، جو روس میں پناہ گزین کی حیثیت میں زندگی گزار رہا تھا ، روسیوں کو بھڑکایا تو انھوں نے دو بڑے حملے کرکے گرجستان کو حکومت ایران سے آزاد کرا لیا ۔

افغانوں کا مسئلہ

یورپی ممالک کے علاوہ فتح علی شاہ کے لیے افغانوں کا مسئلہ بھی پیدا ہو گیا ۔ ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۸ع میں کابل کے حکمران زمان خاں نے ہندوستان کے وہ علاقے حاصل کرنا چاہے جو افغانستان سے ملحق

تھے ۔ اس نے نواب اودھ اور بعض ہندو راجاؤں سے سازباز کی ۔ اس زمانے میں ہندوستان کا گورنر جنرل لارڈ ولزلی تھا جو سلطان ٹیپو کے خلاف مہم میں مصروف تھا ۔ سلطان ٹیپو سرنگا پٹم میں لڑتا ہوا مارا گیا تو ولزلی نے زمان خاں کی یلغار کو روکنے کے لیے دفاعی تدابیر اختیار کرنی چاہیں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ریذیڈنٹ مہدی علی خاں کو، جو بوشہر میں مقیم تھا ، کہلا بھیجا کہ وہ حکومت ایران کو اس بات پر آمادہ کرے کہ اگر امیر کابل ہندوستان پر حملہ آور ہونا چاہے تو اسے روک لے ۔ ادھر امیر کابل نے اپنا ایلچی فتح علی شاہ کے وزیر حاجی ابراہیم کے پاس بھیجا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ شاہ ایران کو صوبہ خراسان امیر کابل کے حوالے کرنے پر آمادہ کرے ۔ شاہ ایران کو امیر کابل کے مطالبے کی اطلاع ملی تو اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ امیر کابل کے لیے مناسب ہوگا کہ ہرات ، قندھار اور کابل کے علاقے ، جو صفوی عہد میں ایرانی ممالکت کا جزو تھے ، ایران کے حوالے کر دے ۔ اس کشمکش کی خبر عام ہوئی تو خراسان میں شورش پیدا ہو گئی ۔ فتح علی شاہ فوج لے کر خراسان آیا اور شورش پسندوں کو کیفر کردار تک پہنچایا ۔

مہدی علی خاں کی تہران میں آمد

۱۲۱۴ھ مطابق ۱۷۹۹ع میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایرانی ریذیڈنٹ مہدی علی خاں بوشہر سے تہران آیا اور فتح علی شاہ کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ زمان خاں کی حوصلہ افزائی نہ کرے اور اگر ہندوستان پر حملہ کرنے کی غرض سے وہ ایران کا رخ کرے تو اسے روکے ۔ فتح علی شاہ کا دل زمان خاں کی طرف سے یوں بھی صاف نہ تھا اس لیے اس نے فوراً ہی رضامندی ظاہر کر دی اور مہدی علی خاں اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر واپس ہوا ۔

کپتان میلکم کا ایران میں پہلا مشن

۱۸۰۰ع میں انگریزوں کی طرف سے کپتان میلکم یہ مشن لے کر ایران آیا کہ حکومت ایران اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مابین دوستانہ معاہدہ ہو جائے ۔ اس میں اسے خاطرخواہ کامیابی ہوئی ۔ معاہدے کے لیے

مندرجہ ذیل تجاویز پیش ہوئیں :

۱ ۔ حکومت ایران امیر کابل سے اس وقت تک مصالحت نہیں کرے گی جب تک وہ ہندوستانی علاقے حاصل کرنے کا ارادہ ترک نہ کر دے ۔

۲ ۔ انگریز شاہ ایران کو افغانوں کے متوقع حملے کے خلاف سامان جنگ فراہم کریں گے ۔ اور اگر نپولین بونا پارٹ ایران پر حملہ کرے تو حکومت ایران کو جنگی امداد دی جائے گی ۔

۳ ۔ کسی فرانسیسی کو مستقل طور پر ایران میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت نہ ہوگی ۔

۴ ۔ انگریز اور ہندوستانی تاجر ایران کی بندرگاہوں میں آزادانہ سکونت اختیار کر سکیں گے ۔

۵ ۔ انگریزوں کی مصنوعات بلا محصول ایران میں درآمد ہو سکیں گی ۔

ایک سنگین محسن کشی

حاجی ابراہیم اپنے زمانے کا ایک مقتدر دانش مند اور صاحب تدبیر وزیر تھا ۔ لطف علی خاں زند کے عہد میں وہ شیراز کا امیرالامرا تھا ۔ آغا محمد خاں کو اس نے شیراز فتح کرنے میں مدد دی اور اس کا وزیر اعلیٰ مقرر ہوا ۔ اس نے نہ صرف آغا محمد خاں کی مہموں کو کامیاب بنایا بلکہ ملکی نظم و نسق کو بہتر بنانے میں بھی جد و جہد کی ۔ فتح علی شاہ کے زمانے میں بھی وزارت کا منصب اسی کے پاس تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فتح علی شاہ اسی کی مدد سے تخت نشین ہوا تھا اور قاچاری حکومت کو جو استحکام ہوا ، وہ بھی اسی کے تدبر کی بدولت تھا ۔ وزارت اعلیٰ کے اقتدار کے علاوہ اسے عوام میں بھی مقبولیت حاصل تھی ۔ فتح علی شاہ کو اس کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے خدشہ لاحق ہوگیا ۔ اسے راستے سے ہٹانے کے لیے پہلے اس کے اقربا کو ، جو بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے ، الگ کیا ، پھر انہیں موت کے گھاٹ اتارا اور بالآخر اپنے محسن حاجی ابراہیم کو ہلاک کرکے احسان فراموشی کی انتہا کر دی ۔

حسین قلی خاں کی دوسری بغاوت

فتح علی شاہ کا بھائی حسین قلی خاں ، جسے فارس میں بغاوت کرنے کے بعد بھی وہاں کی حکومت سونپ دی گئی تھی ، اب کاشان کا حکمران تھا - یہاں پھر تخت و تاج حاصل کرنے کی آرزو نے اس کے سینے میں کروٹ لی اور پیش قدمی کرکے اصفہان پر قابض ہو گیا - لیکن جب فتح علی شاہ اس کی سرزنش کے لیے آیا تو حسین قلی خاں اصفہان کو چھوڑ کر ترکی سرحد کی راہ لینا چاہتا تھا ، لیکن فتح علی شاہ نے اس کا راستہ روک لیا -اس پر حسین قلی خاں قم میں پناہ گزیں ہو گیا -

نادر مرزا کا قتل

نادر مرزا کو ایک بار مشہد میں بغاوت کرنے کے باوجود فتح علی شاہ نے خراسان کی حکومت سونپ دی تھی ، لیکن اب اس نے اپنی فوج کو تنخواہیں دینے کے لیے اہل مشہد کو لوٹا - یہاں تک کہ حضرت امام رضا کے روضے کے خزانوں پر بھی ہاتھ صاف کیا اور جس مجتہد نے نادر مرزا کے اس اہانت آمیز فعل پر احتجاج کیا ، اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا - رؤسائے شہر نے نادر مرزا کے ظلم و تعدی کی شکائتیں بادشاہ تک پہنچائیں - بادشاہ نے مداخلت کرنے کے لیے مشہد کو محاصرے میں لے کر نادر مرزا کو گرفتار کر لیا اور اسے قتل کرکے افشاری فتنے سے نجات پا لی -

نرماشیر اور سیستان سے افغانوں کا اخراج

نرما شیر کے ضلع بام میں جہاں آغا محمد خاں نے لطف علی زند کو موت کے گھاٹ اتارا تھا ، اب ایک غلزئی افغان حکمران تھا - سیستان اور خبیص کے علاقے بھی اس کے زیر تسلط تھے- اس نے قاچاری حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ، لیکن بہت جلد اس بغاوت پر قابو پا لیا گیا اور بام ، نرماشیر اور خبیص کے علاقے صوبہ کرمان میں شامل کر دیے گئے -

فتح علی شاہ اور خارجہ سیاست

کہا جا سکتا ہے کہ ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ع تک ایران کی داخلی شورشیں ختم ہو گئیں ، لیکن بیرونی دنیا میں کچھ ایسے واقعات رونما

ہو رہے تھے، جنھوں نے تاریخ ایران کو بہت متاثر کیا بلکہ حکومت ایران کے لیے دشواریاں بھی پیدا کیں ۔ اس کی مختصر سی سرگزشت یہ ہے :

برطانوی حکومت نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے برصغیر ہند میں اپنی پوزیشن مستحکم کر لی تھی، لیکن اسے اب ایک عظیم حکمران نپولین سے سابقہ پڑا، جس نے فتوحات کے بڑے بڑے منصوبے بنا رکھے تھے ۔ اس کا یہ ارادہ بھی تھا کہ ایران کے راستے ہندوستان پر حملہ کرکے انگریزوں کو وہاں سے نکال باہر کرے ۔ اس مقصد کے لیے نپولین نے فتح علی شاہ سے معاہدہ کرنا چاہا ۔ نپولین کو معلوم تھا کہ گرجستان میں اب روسیوں کا تسلط ہے جسے ایرانی گوارا نہیں کر سکتے، اس لیے حکومت ایران روسیوں کے خلاف ہر قسم کی امداد کا خیرمقدم کرے گی ۔ چنانچہ نپولین نے پہلے جاپرٹ کو اور پھر جنرل گاردان کو مع ۲۴ دانش وروں کے دربار ایران میں بھیجا اور معاہدے کے لیے گفت و شنید کرنی چاہی اور یہ پیشکش کی کہ فرانسیسی فوج گرجستان سے روسیوں کو نکال باہر کرے گی اور ایرانیوں کو ہر طرح کا سامان جنگ فراہم کیا جائے گا ۔ اس پیشکش کے عوض نپولین صرف یہ چاہتا تھا کہ اسے ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے ایران سے گزرنے کی اجازت ہو جائے ۔ لیکن اس وقت انگریزوں کے ساتھ فتح علی شاہ کے مراسم دوستانہ تھے بلکہ دونوں کے مابین معاہدہ بھی ہو چکا تھا، اس لیے اس نے فرانسیسی سفارت خانہ کے ساتھ گفت و شنید کی چنداں حوصلہ افزائی نہ کی ۔

ایران سے روسیوں کی جنگ اور نپولین سے معاہدہ

۱۸۰۳ع میں روس نے ایران سے پھر جنگ چھیڑ دی جو دس سال تک جاری رہی ۔ اتنے میں ۱۸۰۵ع میں نپولین نے روسیوں کے خلاف جنگی مہم شروع کر دی ۔ اب فتح علی شاہ نے مناسب موقع سمجھ کر یوسف آقا کو اپنا سفیر بنا کر نپولین کے پاس بھیجا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ موسم بہار میں ایران آئے تاکہ ایران اور فرانس دونوں مل کر روس پر حملہ کریں ۔ فتح علی شاہ کا پیغام سن کر نپولین کو اپنا مستقبل خوش آیند نظر آیا ۔ گویا ہندوستان پر حملہ کرنے کا خواب

پورا ہوتا دکھائی دیا ۔ فتح علی شاہ کے مراسلے کے جواب میں جو مکتوب نپولین نے بھیجا اس کا ترجمہ بحوالہ آقای سعید نفیسی ذیل میں درج کیا جاتا ہے[1] :

''از طرف نپولین بادشاہ فرانس و ایطالیہ و سرپرست اتحادیہ ملت خدمت والا حضرت فتح علی شاہ بادشاہ ایران ،

آداب و تسلیمات'' خدا کرے آپ اپنی فیروز بختی سے سر زمین ایران کے افتخار میں اضافہ کرنے کا موجب بنیں اور آپ کی دانش مندی سے حکومت ایران مزید مستحکم ہو! ہم نے والا حضرت کے مکاتیب کا مطالعہ کیا ۔ آپ نے ہمیں اپنی دوستی اور خلوص کا جو اطمینان دلایا ہے ، وہ ہمارے لیے خوشنودی کا باعث ہوا اور رہے گا ۔

آپ کا نمائندہ یوسف آقا میرا مکتوب والا حضرت کی خدمت میں پہنچا دے گا ۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ کے نمائندے نے ہمارے دارالسلطنت میں قیام کیا ۔ یوسف آقا ہمیں بہت عزیز ہے اور یہاں اس کے ساتھ عزیزوں کا سا سلوک کیا گیا ہے ۔ اس کی شائستگی اور سلیقہ مندی ہمارے لیے باعث مسرت ہے ۔ اسے کہا گیا ہے کہ ہماری مخلصانہ وابستگی ، جو آپ کی ذات والا صفات کے ساتھ ہے ، وہ آپ پر واضح کر دی جائے۔

میں اس بات کا متمنی ہوں کہ وہ یگانگت اور روابط ، جو خوش قسمتی سے ہمارے اور آپ کے مابین قائم ہوئے ہیں، برقرار رہیں بلکہ روز بروز ترقی کریں ۔ ہمارا ایک دشمن ہے ، جو آپ کا بھی دشمن ہے ، وہ انگلستان ہے ۔ میں نے یورپ کی حکومتوں کو آمادہ کر لیا ہے کہ وہ ہمارا ساتھ دیں اور سب مل کر اسے مجبور کر دیں کہ وہ اپنے ظالمانہ منصوبوں سے دست کش ہو جائے۔ امید ہے والا حضرت مجھ سے اس معاملے میں اتحاد کریں گے اور دنیا میں امن قائم کرنے میں میری حمایت کریں گے

---

۱ ۔ تاریخ اجتماعی و سیاسی ایران ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۲۸ ۔

بادشاہ بزرگ و توانا ! میں آخر میں دعا کرتا ہوں کہ خدا ہمیشہ عالی جناب کی حکومت کی نگہبانی کرے۔

نپولین

بتاریخ ۱۷ جنوری ۱۸۰۵ع''

جیسا کہ ذکر آ چکا ہے، نپولین نے ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۵ع میں اپنا سفیر آمیڈی جاپرٹ دربار ایران میں بھیج کر یہ خواہش کی تھی کہ حکومت ایران نے جو معاہدہ حکومت ہند سے کر رکھا ہے، اسے ختم کر دیا جائے تو وہ گرجستان کے علاقے میں، جو ایران و روس کے مابین وجہ نزاع بنا ہوا ہے، اپنی فوج بھیج کر روسیوں کو وہاں سے نکال باہر کرے گا۔ اس پیش کش کو فتح علی شاہ نے اس وقت تو درخور اعتنا نہ سمجھا تھا لیکن روسیوں کی روز روز کی یلغاروں اور دھمکیوں سے فتح علی شاہ سخت پریشان تھا، اس لیے اب کی بار اس نے فرانسیسی تجاویز کو قبول کر لیا۔

معاہدۂ فنکن سٹین

فتح علی شاہ نے مرزا رضا کو اپنا ایلچی بنا کر نپولین کے پاس بھیجا اور اس کی متوقع ہندوستانی مہم میں مدد دینے پر رضا مندی ظاہر کی۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ دونوں حکومتوں کے مابین معاہدہ طے پا گیا، جو ''معاہدہ فنکن سٹین[1]'' کے نام سے موسوم ہے۔ یہ معاہدہ ۱۸۰۷ع میں ہوا۔

جنرل گاردان کا مشن

معاہدے کی شرائط طے ہوتے ہی فرانسیسی جرنیل گاردان مع اپنے متعدد فوجی افسروں کے ایران بھیجا گیا تاکہ وہ ایرانی فوج کو جدید جنگی تربیت دے۔ مقصد یہ بھی تھا کہ اگر فرانسیسی ہندوستان پر حملہ کریں تو ایران کی تربیت یافتہ فوج بھی میدان میں اتاری جا سکے۔

سر جان میلکم کا دوسرا مشن

انگریزوں کو ایران و فرانس کے معاہدے کی خبر ملی تو انہوں

---

۱ - The Treaty of Finkenstein.

نے ایرانیوں کے ساتھ پھر روابط قائم کرنے چاہے کیوں کہ اس سے ہندوستان پر حملہ ہونے کا خطرہ بڑھ گیا تھا ۔ چناں چہ ہندوستان کے گورنرجنرل نے ۱۸۰۸ء میں سر جان میلکم کو بریگیڈیر جنرل کے عہدے پر ترقی دے کر نیا معاہدہ کرنے کے لیے ایران بھیجا تاکہ حکومت ایران کو فرانس کی دوستی سے دست بردار ہونے پر آمادہ کیا جا سکے ۔ لیکن اب کی دفعہ فتح علی شاہ حکومت ہند کے نمائندے کو خاطر میں نہ لایا اور میلکم مایوس ہو کر واپس چلا گیا ۔

سر ہار فورڈ جونز کا مشن (۱۸۰۸ تا ۱۸۰۹ء)

میلکم کی ناکامی کے بعد بھی انگریزوں نے امید کا دامن نہ چھوڑا اور سر ہار فورڈ جونز کی سر کردگی میں پھر سفارت بھیجی ۔ ایران میں اب حالات کچھ مختلف تھے ۔ جنرل گاردان سے حکومت ایران کی توقعات پوری نہیں ہوئی تھیں ۔ ادھر نپولین نے روس کے بادشاہ الیگسانڈر کے ساتھ مصالحت کرنے کے لیے معاہدہ کر لیا جو ''معاہدۂ تیلسیت'' کے نام سے موسوم ہوا ۔ اس میں گرجستان کے ایران کے ساتھ الحاق کا کوئی ذکر نہ تھا ، نہ ایران کی سرحدوں کا ذکر کرنے کی ضرورت سمجھی گئی، جس سے حکومت ایران نپولین کی طرف سے مایوس ہو گئی اور فرانسیسیوں کے ساتھ اس کا پہلا سا التفات نہ رہا ۔ فرانسیسی جرنیل گاردان پر ، جو تہران میں تھا ، طرح طرح کے اعتراضات ہونے لگے ۔ حکومت ایران نے انگریزوں کے نئے سفیر سر ہارڈ فورڈ جونز کا نئی امیدوں سے خیر مقدم کیا ۔ جونز نے فتح علی شاہ پر یہ بات واضح کر دی کہ ایران میں مدافعت کے جو انتظامات فرانسیسیوں کی مدد سے ہوئے ہیں ، وہ روسیوں کے تدارک کے لیے ناکافی ہیں ۔ اس نے حکومت برطانیہ کی طرف سے ۱۶۰۰۰۰ تومان (۱۲۰۰۰۰ پاؤنڈ) سالانہ بطور مدد دینے کی پیش کش کی ۔ نیز ایرانی فوج کو جدید تربیت بہم پہنچانے کے لیے انگریز فوجی افسر بھیجنے کا بھی وعدہ کیا ۔ فتح علی شاہ دوستانہ مراسم استوار کرنے کے لیے جونز کی پیش کش پر متفق ہو گیا ۔ فرانسیسی جرنیل گاردان نے صورت حال پلٹتی دیکھی تو فرانس کو واپس ہو لیا ۔ جونز نے ، خیرسگالی کے اظہار کے طور پر ، کچھ ہیرے فتح علی شاہ کو پیش

کیے ، جنہیں قبول کر کے اسے انتہائی خوشی ہوئی -

میلکم تیسری بار ایران میں

سر ہار فورڈ جونز کے مشن کو مکمل کرنے کے لیے تیسری بار پھر میلکم کو ۱۸۱۰ع میں ہندوستان سے ایران بھیجا گیا - اب کی دفعہ میلکم پورے پورے ساز و سامان کے ساتھ ایران آیا - اس کے ہمراہ متعدد فوجی افسر تھے جن میں مونٹیتھ (Montieth) اور لنڈسے بھی شامل تھے - حکومت ایران نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ ان کی پذیرائی کی - لنڈسے ایک قوی ہیکل جرنیل تھا۔ اسے ایران کا کمانڈر انچیف بنا دیا گیا - اس حیثیت میں وہ کئی سال تک اپنے فرائض خوش اسلوبی سے سرانجام دیتا رہا - میلکم نے اپنی پچھلی ناکامی کو بھول کر اپنی فراست اور خوش خلقی سے ایرانیوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا - میلکم وہی مورخ ہے جس نے اپنے ملک کی سیاسی خدمات بجا لانے کے علاوہ ایران کی ایک مبسوط تاریخ بڑی مرتب کی ہے -

سفیر ایران انگلستان میں

میلکم کی پہلی سفارت کے بعد فتح علی شاہ نے ۱۸۰۹ع میں حاجی مرزا ابوالحسن خاں کو بطور سفیر شاہ انگلستان کے پاس بھیجا - مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ انگلستان سے جو مدد حکومت ایران کو ملے گی ، وہ کس قدر ہوگی اور کس طرح ملے گی -

جونز کے بعد سر گور اوسلے

معاہدے کی گفت و شنید سر ہار فورڈ جونز نے شروع کی تھی جسے انگلستان میں قبولیت حاصل ہوئی اور اسے تہران میں حکومت برطانیہ کا مستقل نمائندہ مقرر کر دیا گیا تاکہ سیاسی روابط کی نگرانی کرے - لیکن ۱۸۱۱ع میں وہ مستعفی ہو گیا اور اس کی جگہ سر گور اوسلے کو مقرر کیا گیا -

گرجستان کا الحاق روس کے ساتھ

آغا محمد خاں قاچار کے باب میں ذکر آ چکا ہے کہ والیٔ گرجستان ہراکلیوس روس سے الحاق کرنے کا خواہش مند تھا ، چنانچہ روس کی ملکہ کیتھرائین دوم نے روسی فوجیں ایرانی سرحدوں پر بھیج دیں -

لیکن کیتھرائین کی وفات کے بعد پال نے گرجستان کے مسئلے پر ایران سے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور فوجیں واپس بلوا لیں - لیکن پال فوت ہوا تو اس کے جانشین الیگسانڈر نے ۱۸۰۰ع میں روسی جرنیل لیزارف کو لشکر کشی کے لیے بھیجا اور وہ روسی فوجیں گرجستان میں داخل کرنے میں کامیاب ہو گیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ گرجستانیوں نے روس کے ساتھ الحاق کر لیا -

گرجستان کے غیر ملکی الحاق سے ایران کے وقار کو سخت ٹھیس لگی - حکومت ایران نے لحاق ختم کرنے کے لیے جد و جہد جاری کی جو دو لڑائیوں کا پیش خیمہ بنی - پہلی لڑائی ۱۲۱۹ھ مطابق ۱۸۰۴ع سے شروع ہو کر ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۸۱۳ع تک جاری رہی اور دوسری ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۲۶ع سے شروع ہو کر ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۸ع میں ختم ہوئی - ان لڑائیوں میں ایرانی فوج کی کمان عباس مرزا کے ہاتھ تھی جو آذربائیجان کا حکمران اور ولی عہد سلطنت تھا -

۱۸۰۴ع میں روسی جرنیل سی سیانوف نے بغیر اعلان جنگ کیے ایروان کا محاصرہ کر لیا - اس کا خیال تھا کہ حاکم ایروان شہر اس کے حوالے کر دے گا، لیکن اسی سال میں دونوں حکومتوں کے مابین سخت جنگ ہوئی - ایرانیوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور منظم دشمن کی توپ و تفنگ کے مقابلے میں بڑی پا فشاری دکھائی - اتنے میں فتح علی شاہ عین موقع پر لشکر جرار لیے ہوئے آ پہنچا - سی سیانوف رسد نہ پہنچ سکنے کی وجہ سے محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گیا اور تفلیس واپس چلا گیا -

سی سیانوف نے اب حیلے سے کام لے کر شوش کا قلعہ مسخر کر لیا - دوسری طرف روسی انزلی (بندر پہلوی) اور رشت کی طرف بڑھے، لیکن دونوں جگہ ایرانیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا - بادکوبہ کے حکمران حسین علی خاں نے روسیوں کی چند کشتیاں سمندر میں غرق کر دیں -

سی سیانوف[1] نے حالات پلٹتے دیکھے تو گنجہ سے چل کر شیروان آیا۔ وہاں سے بادکوبہ کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ وہاں کے حکمران حسین علی خاں کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لے ۔ آخر جب اس کی ملاقات حسین علی خاں سے ہوئی تو اس نے سی سیانوف کو قتل کرا کر اس کا سر فتح علی شاہ کے پاس بھیج دیا اور روسی پسپا ہوگئے۔

اتنے میں عباس مرزا نے لشکر کشی کر کے گنجہ بھی روسیوں سے لے لیا ۔ آخر مقدر نے پانسہ پلٹ دیا اور ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۸۱۲ع میں اصلان دوز کے مقام پر ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی ، جس میں ایرانیوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور سال کے ختم ہوتے ہوتے ایران کے بعض اہم علاقوں پر روسیوں کا قبضہ ہو گیا ۔ ان میں لنکران اور قرا باغ بھی تھے ۔

نپولین کا زوال

اس میں شک نہیں کہ انگریزوں نے روپے پیسے اور اسلحہ سے حکومت ایران کو مدد دی اور ایرانی فوج کو آداب حرب بھی سکھائے لیکن یہ ایران کی محبت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ نپولین کے تدارک کے لیے ایک جنگی تدبیر تھی ۔ چناں چہ ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۱۲ع میں نپولین اور الیگسانڈر کے مابین جنگ ہوئی اور نپولین کو پسپائی کی وجہ سے روز سیاہ دیکھنا پڑا ۔ انگریزوں نے اس مشترکہ دشمن کے خلاف روسیوں سے اتحاد کر لیا ۔ نپولین کے خلاف اب یورپ کی سیاست نے کچھ ایسا رخ پلٹا کہ ایک ہی سال بعد روس ، جرمنی ، آسٹریا ، سویڈن ، انگلستان اور دوسرے یورپی ممالک نے اتحاد کر کے نپولین کے خلاف متحدہ محاذ قائم کر لیا ، جس سے وہ بے بس ہو کر حکومت سے دست بردار ہو گیا ۔

معاہدۂ گلستان

نپولین کا خطرہ تو ٹل چکا تھا لیکن انگریزوں نے ایران میں پاؤں

---

۱ - بقول عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران صفحہ ۴۶۴ - سی سیانوف کو ایران میں اشپختر کہا جاتا تھا۔ اس کا سر کاٹ کر تہران بھیجے جانے پر یہ ضرب المثل مشہور ہوئی ''مگر سر اشپختر را آوردی ۔''

جانے کے لیے یہ مناسب سمجھا کہ ایران، اور روس کے مابین کوئی معاہدہ ہو جائے ۔ تہران میں انگریزوں کے مستقل نمائندہ سر گور اوسلے کی کوشش سے ۱۸۱۳ع مطابق ۱۲۲۸ھ میں ایران و روس کے مابین مصالحت ہو گئی اور قراباغ کے ضلع میں گلستان کے مقام پر معاہدہ ہو گیا جو ''معاہدۂ گلستان'' کے نام سے موسوم ہے ۔ اس معاہدے کی رو سے حکومت ایران نے دربند ، باکو ، شروان ، شوش ، قراباغ اور طالش کا کچھ حصہ روسیوں کے سپرد کر دیا اور گرجستان ، داغستان ، منگریلیا ایمرشیا اور ابخاسیہ کے دعوے سے بھی دست برداری دے دی ۔ حکومت ایران اس بات پر بھی رضامند ہو گئی کہ ایران کا بحری بیڑا بحیرۂ خزر میں نہیں رہے گا ۔ اس کے عوض حکومت روس نے عباس مرزا سے وعدہ کیا کہ اسے ایران کا تخت و تاج دلانے میں مدد دی جائے گی ۔ اس معاہدے کی رو سے تمام نزاعی علاقے حکومت روس کے حوالے کر دیے گئے جن کا پھر حاصل ہونا ممکن نہ تھا ۔

ایران کی داخلی شورشیں

روسیوں کے ہاتھوں جو شکستیں گذشتہ چند سالوں میں حکومت یران کو ہوئیں ، اور اب جو اس نے ذلت آمیز معاہدۂ گلستان کرکے پیچھا چھڑایا ، اس کا یہ اثر ہوا کہ ایران کے بعض علاقوں میں شورشیں پھوٹ پڑیں ۔ لیکن داخلی شورشوں کو فرو کرنے کے لیے حکومت ایران میں ابھی دم خم باقی تھا ۔ یزد اور کرمان میں بغاوت ہوئی تو اسے شہزادہ ولی‌عہد عباس مرزا نے بڑی کامیابی سے فرو کیا ۔ اہل خراسان قاچاریوں کو کچھ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے اور جب موقع پاتے ، حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ۔ اب انہوں نے حکومت کو کمزور ہوتے دیکھا تو بغاوت کر دی ۔ فتح علی شاہ نے شہزادہ خسرو کو باغیوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا ۔ اس نے ترشیز کا محاصرہ کرکے باغیوں کو محاصرے میں لے لیا ۔ آخر قلعہ سر ہوا تو باغی سرداروں نے اطاعت قبول کر لی ۔ ترشیز کا فتح ہونا تھا کہ تمام باغی سرداروں نے یکے بعد دیگرے سر اطاعت خم کر دیا ۔ اس عرصے میں سرخس کے ترکمانوں نے بھی سر اٹھایا ۔ سرخس غلاموں کی تجارتی منڈی

تھی - عباس مرزا نے سرخس پر فوج کشی کر کے اسے مسخر کرلیا اور ترکمان تاجروں کا قتل عام کرا کے تمام غلام آزاد کرا دیے۔

والیِ ہرات کی ناکام سعی

اسی اثنا میں والئی ہرات فیروز مرزا نے ہاتھ پاؤں پھیلانے چاہے اور حکومت ایران سے دو بار ٹکر لی - پہلی بار ۱۲۲۲ھ مطابق ۱۸۰۵ع میں اور دوسری بار ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۷ع میں -اس نے غوریان کا قلعہ فتح کرنا چاہا ، جو ایرانی سرحد پر واقع تھا اور ایرانیوں ہی کے قبضے میں چلا آتا تھا - لیکن عباس مرزا کے ہاتھوں شکست کھائی اور اسے خراج ادا کرنے کی شرط پر صلح کرنی پڑی - اسی سال فیروزمرزا نے پھر طاقت‌آزمائی کرنی چاہی اور غوریان پر حملہ آور ہوا - اب کی دفعہ شہزادہ حسن علی مرزا نے اسے شکست دی - اس شکست پر فیروز مرزا نے نہ صرف پچاس ہزار تومان بطور تاوان ادا کیے بلکہ یہ شرط بھی قبول کی کہ فتح علی شاہ کے نام کا خطبہ مسجدوں میں پڑھوایا جائے گا اور اس کے نام کے سکے بھی جاری کرائے جائیں گے -

ترکوں سے جنگ

کافی عرصہ خاموش رہنے کے بعد اب پھر ترکوں کو سرحدی علاقے حاصل کرنے کا خیال آیا ، اور ایران کے خلاف مہم شروع کر دی ، جو ۱۲۳۷ تا ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۸۲۰ تا ۱۸۲۳ع جاری رہی - اس کے لیے فوری وجہ یہ پیدا ہوئی کہ آذربائیجان کے دو باغی قبیلے بھاگ کر ترکوں کی سرحد پر چلے گئے ، جہاں ارز روم کے حکمران نے انہیں پناہ دی - تہران کے روسی ایجنٹ کو ترکوں کے خلاف مہم شروع کرانے کا موقعہ مل گیا اوز اس نے حکومت ایران کو سرحدی علاقوں پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا - ایرانی لشکر نے ترکوں پر حملہ کیا اور انہیں پسپا کر دیا - اس سے آذربائیجان کے آس پاس کا علاقہ اور کردستان ایرانیوں کے تسلط میں آگیا - اس شکست کا انتقام لینے کے لیے جنوبی طرف بغداد کے حکمران ترک پاشا نے سرحد ایران پر حملہ کیا لیکن فتح علی شاہ کے بڑے بیٹے مرزا محمد علی نے اسے شکست دی - شکست‌خوردہ لشکر کا تعاقب بغداد کے دروازوں

تک کیا گیا ۔ لیکن مرزا محمد علی دفعتاً بیمار ہو کر واپس آ گیا اور راستے ہی میں اس کا انتقال ہوگیا ۔ آخر ایران و ترکیہ کے مابین معاہدہ ہوگیا جو ''معاہدۂ ارز روم'' کے نام سے موسوم ہوا ۔

گوچکہ پر روسی یلغار

معاہدۂ گلستان کے چار سال بعد ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۸۱۶ع میں حکومت روس نے اپنا ایک سفیر یرمالوف دربار ایران میں بھیجا جس کا پرجوش خیرمقدم ہوا ۔ یرمالوف کی سفارت کا پہلا مقصد یہ تھا کہ حکومت ایران ، روس اور ترکیہ کی جنگ میں روس کی مدد کرے ، دوسرا مقصد یہ تھا کہ روسی تاجروں کو اہل خوارزم پریشان کرتے ہیں ، ان کا سد باب کرنے کے لیے یا تو حکومت ایران خوارزم کو خود اپنے تسلط میں لے لے ، یا روسی فوجیں خوارزم میں آتارنے کی اجازت دے تیسرا یہ کہ رشت میں روس کے مستقل نمایندے کو ٹھہرنے کی اجازت دے اور طالش کی حدود متعین کی جائیں ۔ حکومت روس کے یہ تینوں مطالبے نا مناسب تھے ۔ فتح علی شاہ نے جواب دیا کہ (۱) ترکوں کے خلاف روس کی مدد کرنے کی شرط ''معاہدۂ گلستان'' میں شامل نہیں ۔ (۲) روس کو خوارزم میں فوج بھیجنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی ۔ (۳) جہاں تک خوارزم کو ایرانی تسلط میں لینے کا سوال ہے اس پر مناسب وقت پر عمل درآمد کیا جائے گا ۔ طالش کی حدود متعین کرنے کا کام عباس مرزا کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے گا ۔ روسیوں کو فتح علی شاہ کا یہ جواب قابل قبول نہ تھا ، اس لیے ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ع میں حکومت روس نے معاہدۂ گلستان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے گوچکہ ندی کی اراضی حاصل کرنے کے لیے پیش قدمی کی ۔ اور ایروان و گوچکہ ندی کے درمیانی علاقے پر اپنا دعویٰ ظاہر کیا ۔ عباس مرزا اور روسی جرنیل کے مابین گفت و شنید ہوئی ، لیکن کچھ فیصلہ نہ ہوا تو روسیوں نے گوچکہ ندی پر زبردستی قبضہ کر لیا ۔ مجتہدین نے ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ع میں حکومت پر زور دیا کہ روسیوں نے بدعہدی کی ہے اس لیے متنازعہ علاقہ روسیوں سے خالی کرا لیا جائے ۔ اس اثنا میں بادشاہ روس زار نکولس نے اپنا سفیر دربار ایران میں بھیجا جس نے مصالحت

کی تجویز پیش کی اور یہ بھی خواہش کی کہ ایرانی سفیر روس بھیجا جائے تاکہ وہ نئے بادشاہ کی تاج پوشی پر تبریک پیش کرے ۔ اس طرح ممکن ہے حکومت روس ایران سے جنگ بند کر دے ۔ اس موقع پر چند رؤسائے دربار مثلاً مرزا عبدالوہاب نشاط ، معتمدالدولہ ، مرزا ابوالحسن خان شیرازی وزیر امور خارجہ ، روس سے جنگ جاری رکھنے کے خلاف تھے ، لیکن مجتہدین نے ان رؤسا کی مذمت کی ۔ سفیر روس نے چاہا کہ مجتہدین سے خود بات چیت کرے ، لیکن انھوں[1] نے یہ جواب دیا کہ اگر روسی ایران سے نکل بھی جائیں پھر بھی ان سے جہاد کرنا ہم پر واجب ہے ۔

ایرانیوں کی پیش قدمی

روسی سفیر واپس ہوا تو تھوڑے ہی عرصے میں ایرانی فوج گوچکہ ندی کے آس پاس کے علاقے میں داخل ہو گئی جسے روسیوں نے اپنے تسلط میں لے لیا تھا ۔ یہاں اکثر روسی اسیر ہوئے اور ان کا جنگی ساز و سامان ایرانیوں کے ہاتھ لگا ۔ عباس مرزا نے یہاں سے ایک لشکر گرجستان اور شیروان بھیجا اور خود قراباغ کا رخ کیا ۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ لنکران اور سالیان کے قلعے بھی ایرانیوں نے مسخر کر لیے ۔ طالش کا تمام علاقہ بھی ایرانیوں نے فتح کر لیا ۔ اسی طرح شکی اور شیروان بھی روسیوں سے واپس لے لیے گئے ۔

پیش قدمی کے بعد پسپائی

روسیوں نے پے بہ پے شکستوں کے بعد تفلیس کے مقام پر اپنی فوج کو منظم کیا اور گنجہ کے قریب شمکر میں طاقت آزمائی کے لیے پھر صف آرا ہوئے ۔ یہاں جو ایرانی بڑھے تو قدرت نے پانسہ پلٹ دیا اور شام کار کے میدان میں ایرانیوں کو شکست کھا کر الٹے پاؤں لوٹنا پڑا ۔ محمد مرزا جو بعد میں وارث تخت و تاج ہوا ، گرفتار ہوتے ہوتے بچا ۔ ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۲۶ع میں گنجہ میں جنگ ہوئی ۔ ایرانیوں کو یہاں بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا ۔ ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۲۷ع میں ایرانیوں

---

۱ ۔ تاریخ مفصل ایران ، عبداللہ رازی ، صفحہ ۴۶۷ ۔

کو ایروان سے بھی نکلنا پڑا۔ اسی سال روسیوں نے تبریز پر چڑھائی کی اور مختصر سی روسی فوج نے تبریز پر بھی قبضہ کر لیا ۔ ان شکستوں کے بعد ایرانی فوج کے حوصلے پست ہو گئے ۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فتح علی شاہ نے فوجی ضرورتوں کی طرف پوری توجہ نہ دی ۔ اب روسیوں سے لڑائی جاری رکھنا ایرانیوں کے بس کی بات نہ تھی ، اس لیے حکومت ایران کو روسیوں کی پیش کی ہوئی شرائط پر ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۸ع میں مصالحت کرنی پڑی ۔

صلح نامۂ ترکمن چائی

ایران و روس کا یہ صلح نامہ ''معاہدۂ ترکمن چائی'' کے نام سے موسوم ہے ۔ اس معاہدے کی رو سے نہ صرف یہ کہ ایروان ، نخجوان اور دوسرے تمام شاداب علاقوں پر ، جو اس سے پہلے روسیوں نے فتح کر لیے تھے ، روسیوں کا حق تسلیم کر لیا گیا بلکہ دس کروڑ تومان بطور تاوان بھی ادا کرنا پڑا ۔

''معاہدۂ ترکمن چائی'' بھی ''معاہدۂ گلستان'' کی طرح ایرانیوں کے لیے رسوا کن تھا ۔ حقیقت میں یہ معاہدہ ایران کے لیے مصیبتوں کا پیش خیمہ تھا ۔ کیوں کہ اس سے ایرانیوں کے داخلی معاملات میں روسیوں کی مداخلت شروع ہو گئی اور ایران کی آزادی کی بنیاد متزلزل ہو کر رہ گئی ۔

روسی سفیر گریبایدوف کا قتل

ابھی ''معاہدہ ترکمن چائی'' کی سیاہی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ تہران میں روسی سفیر قتل کر دیا گیا ۔ ممکن تھا کہ ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۸ع ہی میں ایران اور روس کے مابین جنگ چھڑ جاتی ، لیکن جلد ہی حقیقت آشکار ہو گئی اور روابط میں فرق نہ آیا ۔ اس قتل کا سبب یہ ہوا کہ جب گریبایدوف تہران آیا تو کبر و نخوت کی وجہ سے اس نے بعض ناشائستہ حرکات کیں ۔ ان میں ایک یہ بھی تھی کہ اس نے آصف‌الدولہ سے ان دو کنیزوں کی واپسی کا مطالبہ کیا جو اگرچہ ارمنی‌النسل تھیں ، لیکن اب مسلمان ہو چکی تھیں ۔ مطالبے پر اس نے سخت اصرار کیا جس پر آصف‌الدولہ کو کنیزیں واپس کرنی پڑیں ۔

اس سے علمائے تہران سخت برافروختہ ہوئے اور شہر میں غوغا بپا ہو گیا۔ اہل شہر نے روسی سفارت خانے میں گھس کر گریبایدوف کو قتل کر دیا ۔ اس صورت حال سے آگاہ کرنے کے لیے فتح علی شاہ نے خسرو مرزا پسر عباس مرزا کو دربار روس میں بھیجا جس نے حقیقت حال واضح کر دی اور دونوں حکومتوں کے روابط میں فرق نہ آیا ۔

ہرات پر حملے کا ارادہ اور عباس مرزا کی وفات

۱۲۴۹ھ مطابق ۱۸۳۳ع میں محمود شاہ امیر کابل کا بیٹا کامران مرزا ہرات کا حکمران تھا ۔ اس کا وزیر یار محمد بہت چالاک شخص تھا ۔ اس نے شہزادہ ولی عہد عباس مرزا کے پاس جا کر معاہدے کے لیے زمین ہموار کرنی چاہی ۔ عباس مرزا نے جواب میں کہا کہ جب تک کامران مرزا شاہ ایران کی اطاعت اختیار کرکے خراج ادا کرنا منظور نہ کرے، کوئی معاہدہ نہیں ہو سکے گا ۔ کامران مرزا کو جواب موصول ہوا تو اس نے ٹال مٹول سے کام لیا ۔ اس پر عباس مرزا نے ہرات کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ کیا۔ اتنے میں فتح علی شاہ نے اسے واپس بلا لیا اور ہرات کی مہم اس کے بیٹے محمد مرزا کے سپرد کی ۔ محمد مرزا قلعہ غوریان کی طرف بڑھا ۔ قلعہ فتح نہ ہو سکا تو محمد مرزا نے ہرات کی طرف پیش قدمی کی ۔ اتنے میں اسے اپنے باپ یعنی عباس مرزا کی وفات کی خبر ملی ، جو ولی عہد سلطنت تھا ۔ اس صورت حال میں والیِ ہرات سے معاہدہ ہو گیا جس کی رو سے کامران مرزا نے تاوان ادا کرنا منظور کرلیا اور غوریان کو خالی کر دینے کا بھی عہد کیا ۔ اس معاہدے کے بعد محمد مرزا تہران واپس پہنچ گیا ۔ یہاں اسے فتح علی شاہ نے ولی عہد سلطنت مقرر کیا ۔ ایک ہی سال بعد فتح علی شاہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ع میں راہئی ملک بقا ہوا اور اصفہان میں مدفون ہوا ۔

فتح علی شاہ کا کردار

فتح علی شاہ تخت نشین ہوا تو اس کی عمر ۲۷ سال تھی ۔ دلیری اور شجاعت جو نوجوانوں کا خاصہ ہے ، اس میں مفقود تھی ۔ اس میں اپنے چچا آغا محمد خاں کے کچھ عیوب تو موجود تھے ، لیکن اس کی سی خوبی ایک

بھی نہ تھی - مال و دولت کا بے حد حریص تھا - بخل میں وہ اپنے چچا سے بھی بڑھا ہوا تھا - آغا محمد خاں میں یہ وصف تو تھا کہ وہ لشکر کشی کے موقع پر دل کھول کر خرچ کرتا اور سپاہیوں کی آسائش کا پورا پورا خیال رکھتا ، لیکن فتح علی شاہ شدید ترین جنگوں میں بھی اپنے خزانوں کو مقفل رکھنا چاہتا تھا - روسیوں کے ہاتھوں جو ذلتِ آمیز شکستیں ہوئیں ، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ سپاہ کی دل جوئی نہ کرتا تھا اور ان کے حقوق و آسائش کی طرف توجہ نہ دیتا تھا ، اور یہاں تک کہ فوج کو رسد مہیا کرنے میں بھی خست سے کام لیتا تھا -

''معاہدۂ گلستان'' اور ''معاہدۂ ترکمن چائی'' فتح علی شاہ کے زمانے میں ہوئے - ان معاہدوں کی وجہ سے ایران کی سیاسی اور اقتصادی آزادی متزلزل ہو گئی - تدبر اور دور اندیشی سے ، جو ایک حکمران کی لازمی صفت ہے ، فتح علی شاہ عاری تھا - یہی وجہ تھی کہ وہ ناموافق حالات میں سنبھل نہ سکا ، نہ اپنے ملک میں اصلاحات کی طرف کوئی قدم اٹھا سکا - ایران طرح طرح کے مصائب میں گھرا ہوا تھا ، لیکن فتح علی شاہ یہ چاہتا تھا کہ جیسے بھی ہو ، زندگی مزے میں گزر جائے -

حرم اور بیگمات

فتح علی شاہ[1] کے حرم میں ترکمان ، گرجی ، کرد ، ترک ، چرکسی ، غرض مختلف اقوام کی عورتیں جمع تھیں - ان عورتوں کا تمدن جدا جدا تھا ، اس لیے ان کی اولاد بھی ایک دوسرے سے مختلف تھی - اس اختلاف کی وجہ سے ان میں الفت اور یگانگی پیدا نہیں ہو سکتی تھی بلکہ اس کے برعکس بیگانگی اور رقابت کی خلیج ان کی راہ میں حائل تھی - چنانچہ ولی عہدی کے سوال پر اس کے بیٹوں کے مابین اختلاف کی ایسی آگ بھڑکی کہ اس کی آنچ ملک کے کونے کونے تک پہنچی - کوئی ان میں روسیوں کی طرف مائل تھا ، کوئی انگریزوں کی طرف اور کوئی

---

۱ - سعید نفیسی : تاریخ اجتماعی و سیاسی ایران ، جلد اول ، صفحہ ۷۶

آزادانہ روش کا حامی تھا - ان کے باہمی مکر و فریب کا امور سیاست پر بھی برا اثر پڑتا تھا -

فتح علی شاہ کی بیگمات کی تعداد سیکڑوں تک پہنچ گئی تھی - ناسخ التواریخ کے مصنف نے ایک سو پچاس بیگمات کے نام لکھے ہیں اور یہ بھی تحریر کیا ہے کہ فتح علی شاہ کی وفات تک اس کے بیٹوں اور پوتوں ، پوتیوں کی تعداد دو ہزار تھی - اس نے ساٹھ لڑکوں اور ۴۸ لڑکیوں کے نام بھی درج کیے ہیں -

قاچاری عہد کے مورخ رضا قلی ہدایت لکھتے ہیں کہ فتح علی شاہ کے حرم میں ۴۰۰ بیگمات تھیں جن سے ۲۶۰ بچے پیدا ہوئے - ان میں سے ۱۵۰ لڑکے تھے اور ۱۱۰ لڑکیاں - بیگمات کو مصروف رکھنے کے لیے سینے پرونے کا کام سکھایا جاتا تھا - وہ محض تفریح کا سامان سمجھی جاتی تھیں ، اس کے علاوہ کوئی اور حیثیت ان کی نہیں تھی -

رعایا کے ساتھ غلاموں کا سا سلوک کیا جاتا تھا - تاجروں اور صنعت کاروں کو کوئی اطمینان نہ تھا - مدارس حکومت کی توجہ نہ ہونے کے باعث تباہ حال تھے - خانہ بدوش قبائل ، جن سے جنگجو فوج تیار ہوتی تھی ، حکومت سے سخت بد دل تھے - خزانے میں جو کچھ آتا وہ تاوان جنگ کے طور پر روسیوں کی نذر ہو جاتا - اس عہد میں قاچاریوں کے متعلق لوگوں کے دلوں میں سخت نفرت پیدا ہو گئی - راعی اور رعایا کے مابین کشیدگی بڑھ گئی - کشیدگی اور بے اطمینانی کی وجہ سے قومی آزادی کی تحریک نے جنم لیا ، جو بالآخر ناصرالدین قاچار کے دور میں پروان چڑھی اور محمد علی شاہ کے عہد میں بارور ہوئی -

فتح علی شاہ میں ایک خوبی ضرور نظر آتی ہے کہ وہ ادبا اور شعرا کو بہت عزیز رکھتا تھا اور ہر طرح سے ان کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔

مسلک وہابیہ

اسی دور کی پیداوار "وہابی" مسلک ہے - اس کا بانی شیخ محمد بن عبدالوہاب تھا جو عربی نژاد شخص تھا - کچھ مدت بصرہ اور

اصفہان میں علوم قدیمہ کی تعلیم پائی ۔ فارغ التحصیل ہوا تو نئے مسلک[1] کی بنا ڈالی ، جس کی رو سے انبیا اور ائمہ کی قبروں پر گنبد بنانا اور ان کے ارد گرد طواف کرنا شرک ہے ۔ نجد کے صدر مقام درعیہ کے شہزادہ ابن سعود اور اس کے بیٹے عبدالعزیز نے اس نئے مسلک کی ترویج میں مدد دی ۔ شیخ محمد کے پیروکاروں کا مرکز درعیہ تھا ۔ عبدالعزیز کا بیٹا مسعود اپنے باپ کے حکم کے مطابق ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ع میں کربلا آیا تو پانچ ہزار مرد و زن کو موت کے گھاٹ اتار دیا ، ضریح مبارک توڑ دی ، وہاں کی نفیس اشیاء ، گراں بہا جواہرات ، زریں اور سیمیں قندیلیں ، سونے کی اینٹیں لوٹ لیں اور آثار کربلا کی تباہی و بربادی میں کمی نہ کی ۔ امام سوم کے مقدس آستانے کی بھی توہین ہوئی ۔

فتح علی شاہ نے عبدالعزیز کے اقدامات کے خلاف شدید احتجاج کیا اور والئی بغداد سلیمان پاشا کو تلقین کی کہ ایسے اقدامات کو روکے ۔ تھوڑے ہی عرصے بعد سلیمان پاشا فوت ہوگیا تو عبدالعزیز کے اثر و نفوذ میں اور اضافہ ہو گیا اور ۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۱۱ع تک نجد کے آس پاس کے علاقے اس کے تسلط میں آ گئے ۔ اب اس نے مسقط پر لشکر کشی کرنی چاہی ۔ امام مسقط نے شاہزادہ حسین علی مرزا سے مدد مانگی اور ایرانی لشکر مسقط گیا ۔ پھر وہاں سے چل کر درعیہ کی طرف رجوع کیا ۔ یہاں مسعود بن عبدالعزیز مقابلے میں آیا لیکن شکست کھائی ۔ وہابیوں کو شکست دینے میں محمد علی پاشا والیٔ مصر نے بھی حصہ لیا ۔ اور یہ حقیقت ہے کہ وہابیوں کی شکست کا اصل باعث وہی تھا ۔

محمد شاہ

(۱۲۵۰ تا ۱۲۶۴ھ مطابق ۱۸۳۴ تا ۱۸۴۸ع)

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے ، فتح علی شاہ کا بیٹا عباس مرزا ولی‌عہد سلطنت تھا لیکن اس کی وفات پر بجائے اس کے کہ فتح علی شاہ اپنے کسی اور بیٹے کو ولی‌عہد مقرر کرتا ، عباس مرزا کے بیٹے محمد مرزا کو تخت و تاج کا وارث قرار دیا ۔

---

۱ ۔ عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۴۷۱ ۔

محمد مرزا کی تخت نشینی میں غیر ملکیوں کا دخل

فتح علی شاہ نے دار فانی سے رحلت کی تو اس کے دو بھائیوں حسن علی مرزا فرمانفرمائے فارس اور ظل سلطان نے تخت و تاج کا دعویٰ کیا ۔ ظل سلطان نے تو یہاں تک عجلت کی کہ اپنے بیٹے سیف الملوک کو ولی عہد بھی مقرر کر دیا ۔ حکمران کی تخت نشینی کے معاملے میں خارجی حکومتوں کو پہلی بار مداخلت کرنے کا موقع ملا ۔ اتفاق سے انگریز اور روسی دونوں محمد مرزا کی تخت نشینی کے حق میں تھے ، جو تبریز کا حکمران تھا ۔ برطانوی نمائندے سر جان کیمبل نے ، جو تبریز میں اقامت گزیں تھا ، کثیر رقم دے کر محمد مرزا کی مدد کی ۔ آخر اس کی فوج سرہنری لنڈسے کی کمان میں پایۂ تخت پہنچ گئی ۔ ظل سلطان نے یہ دیکھ کر کہ انگریز اور روسی دونوں محمد مرزا کی حمایت کر رہے ہیں ، اطاعت قبول کر لینے ہی میں مصلحت سمجھی ۔ فرمانفرما نے البتہ فارس میں حصول مقصد کے لیے فوج کی خاصی جمعیت فراہم کر لی تھی لیکن اس کا بس نہ چلا ۔ لنڈسے نے فوج کشی کرکے اسے شکست دی اور فرمانفرما اسیر ہو کر قتل ہوا ۔ بعض علاقوں مثلاً خراسان ، لارستان اور عربستان میں شورشیں ہوئیں لیکن ان پر بھی قابو پالیا گیا اور محمد مرزا کی حکومت مستحکم ہو گئی ۔

مسئلۂ وزارت

مرزا ابوالقاسم قائم مقام ، تبریز میں محمد مرزا کا ، جو اب محمد شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا تھا ، نائب تھا ۔ محمد شاہ جب تہران آیا تو اسے بھی ہمراہ لایا تھا ۔ وہ ایران کی وزارت کا خواہش مند تھا ۔ وزارت کا ایک اور امیدوار اللہ یار آصف الدولہ تھا ، جو محمد شاہ کا حقیقی ماموں تھا ۔ ابوالقاسم قائم مقام نے محمد شاہ کو اس خطرے سے آگاہ کیا ، جو اس کی حکومت کو اللہ یار آصف الدولہ سے ہو سکتا تھا ۔ محمد شاہ کو خود بھی یہ احساس تھا کہ دارالسلطنت میں رہ کر آصف الدولہ امور سلطنت میں دخل انداز ہوگا ، اس لیے اس نے اپنی وزارت قائم مقام کو سونپ دی اور آصف الدولہ کو خراسان کی حکومت دے دی ۔

قائم مقام کا انجام

قائم مقام اپنے زمانے کا ماہر سیاست دان تھا - ملکی امور کے اکثر عقدے اس کے ناخن تدبیر سے وا ہوئے- ملکی بہبود کے لیے متعدد اقدامات کیے - علم و ادب میں وہ بہت اونچا مقام رکھتا تھا - نثر فارسی میں وہ صاحب طرز ادیب تھا - اس نے فارسی کو سادہ اور رواں بنانے کے لیے بڑی جد و جہد کی - لیکن وہ انتظامی معاملات میں بڑا سخت گیر تھا ، اور امور سلطنت کو خود اپنے ہاتھوں میں رکھنا چاہتا تھا - جوں جوں حکومت میں اس کا عمل دخل زیادہ ہوا ، بادشاہ کو اس کا اثر و نفوذ گراں گزرنے لگا - ایرانی مورخین کا بیان ہے کہ وہ بے حد مغرور اور نخوت پسند شخص تھا - عوام کا تو ذکر ہی کیا وہ بادشاہ کے حضور بھی اظہار نخوت سے باز نہیں رہتا تھا - اس کی نخوت پسندی ہی کی وجہ سے محمد شاہ نے اس کے علم و فضل کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسے مروا دیا اور حاجی مرزا آقاسی کو وزارت سونپ دی -

انگریزوں سے بے اعتنائی

انگریزوں نے محمد شاہ کی تخت نشینی میں مصلحتاً مدد دی تھی- انھیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں روسی ایران سے گزر کر ہندوستان پر حملہ نہ کر دیں ، اس لیے اب وہ چاہتے تھے کہ ایرانی حکومت مستحکم ہو اور اپنی آزادی کو برقرار رکھ سکے - ان کا مفاد اس میں بھی تھا کہ ایران اور ہرات میں اتحاد قائم رہے - اس لیے وہ ایران سے روابط بڑھانے کی کوشش کرتے رہے - اسی مفاد کے پیش نظر انگریزوں نے ۱۸۳۴ع میں شاہ ایران کو سامان جنگ بھی مہیا کیا اور ایک فوجی مشن بھی بھیجا - لیکن روسیوں کے بڑھتے ہوئے اثر کی وجہ سے اہل ایران ان سے اچھی طرح پیش نہ آئے ، نہ ان کے لیے سہولتیں ہی مہیا کی گئیں - آخر ۱۸۳۸ع میں انگریزوں نے مجبوراً اپنا سفارتخانہ بند کر دیا اور ایران کو خیرباد کہہ کر واپس ہندوستان چلے گئے -

حاجی مرزا آقاسی کی وزارت

حاجی مرزا آقاسی ، جسے وزارت کا منصب سونپا گیا تھا ، محمد شاہ کے بچپن میں اس کا اتالیق رہ چکا تھا - یہی وہ وزیر ہے جس کی مدح

میں قاآنی نے پر زور قصیدے کہے ۔ محمد شاہ کو حاجی مرزا آقاسی سے دلی عقیدت تھی ۔ اس کا اس بات پر ایمان تھا کہ حاجی مرزا صاحبِ کرامات بزرگ ہیں ۔ ظاہر[1] ہے کہ جب بادشاہ اپنے وزیر کو ''صاحب اعجاز'' اور ''قطب فلک شریعت و طریقت'' سمجھے تو امور سلطنت میں اس کا عمل دخل کس قدر ہوگا ۔ اے کاش ! حاجی مرزا آقاسی بادشاہ کے حسن عقیدت کو بروئے کار لاتا اور ملک و ملت کی فلاح کے لیے کوئی کام کرتا لیکن وہ مملکت داری اور امور سیاست سے بے خبر تھا ، اس لیے روز اول ہی سے دوسروں کا محتاج ہو گیا ۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود وہ اپنا مقام وزارت و صدارت سے بالا سمجھتا تھا حاجی مرزا نہ صرف سیاست سے بے بہرہ اور فراست سے محروم تھا ، وہ بدمزاج اور بدزبان بھی تھا ۔ سرکاری خزانے کو بھرنے کی طرف البتہ اس کی بہت توجہ تھی ۔ اس کے لیے اس نے رعایا کا خوب خون نچوڑا ۔ اور اپنے طریق کار سے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ محب وطن آزادی خواہ ، ملوکیت کے جور و استبداد سے نجات حاصل کرنے کے لیے آواز اٹھانے لگے ۔ حاجی مرزا نے بجائے اس کے کہ اس نئی صورت حالات پر غور کرتا ، آزادی کا دم بھرنے والے ذہین نوجوانوں پر تشدد کرکے انھیں مروا دیا ۔ اس طرح اس نے محب وطن طبقے کو انقلاب کی راہ سجھائی ۔

محاصرۂ ہرات

محمد شاہ کے عہد کا ایک اہم واقعہ محاصرۂ ہرات ہے ۔ ہرات کے خلاف لشکر کشی کے متعلق انگریزوں کا خیال تھا کہ روسیوں کے اکسانے پر ایسا ہوا ۔ سائیکس لکھتے ہیں : ''محمد شاہ کا وزیر حاجی مرزا آقاسی روسیوں کی طرف مائل تھا ۔ روسی چاہتے تھے کہ حکومت ایران ہرات کی طرف متوجہ رہے اور ان علاقوں کی طرف توجہ نہ دے جن پر روس کا قبضہ ہو چکا تھا ۔'' لیکن ایرانی مورخ[2] لکھتے ہیں کہ : ''حالات شاہد ہیں کہ ہرات کے خلاف لشکر کشی روسیوں کی موافقت یا انگریزوں

---

۱ عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۴۷۷ ۔

۲ ۔ عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۴۷۸

کی مخالفت کی وجہ سے نہ تھی ، بلکہ حکومت ایران نے اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لیے یہ اقدام کیا تھا۔ اس سے پہلے ہرات خراسان کا شہر سمجھا جاتا تھا ، حتیٰ کہ فتح علی شاہ کے زمانے میں ہرات کے حکمران ، بادشاہ ایران کے اطاعت گزار تھے اور باقاعدہ خراج ادا کرتے تھے - لیکن اب ہرات کا حکمران ، حکومت ایران کی برتری کو تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا۔ بلکہ اس کا ارادہ سیستان پر حملہ کرنے کا تھا - پس اس شہر کو مسخر کرنے کا اقدام نہایت ضروری تھا -'' بہر حال اس لشکر کشی کی سرگذشت یہ ہے کہ کامران مرزا نے معاہدے کی شرائط کے مطابق خراج نہ بھیجا اور نہ غوریاں کے قلعے سے اپنی فوج واپس بلائی ، اس لیے محمد شاہ نے لشکر کشی کی تیاری مکمل کر لی - انگریزوں نے اسے ہرات کی طرف پیش قدمی نہ کرنے کا مشورہ دیا لیکن اس مشورے کو درخوراعتنا نہ سمجھا گیا - محمد شاہ ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ع میں خراسان سے ہوتا ہوا ہرات کی طرف آیا اور غوریاں کا قلعہ فتح کرکے ہرات کا محاصرہ کر لیا - روسیوں نے اس مہم میں محمد شاہ کی حمایت کی - کامران مرزا کے وزیر یار محمد خاں نے شہر ہرات کا بڑی جاں‌بازی سے دفاع کیا - محاصرہ نو ماہ تک جاری رہا - قریب تھا کہ اہل قلعہ ہتھیار ڈال دیں اور شہر پر ایرانیوں کا قبضہ ہو جائے کہ انگریزوں نے اپنے معاہدے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس جنگ میں عملاً حصہ لیا - اپنا وزیر مختار بھیج کر نہ صرف کامران مرزا کو مقابلہ جاری رکھنے کی تلقین کی بلکہ اسے محمد شاہ کے پاس بھیج کر کہلایا کہ محاصرہ ترک کر دیا جائے ، ورنہ ایران اور برطانوی حکومت کے روابط برقرار نہ رہ سکیں گے - اتنے میں انگریزوں نے جزیرۂ خارک میں اپنے بحری جہاز بھی اتار دیے۔ ان حالات میں محمد شاہ کے لیے اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ‌کار نہ تھا کہ محاصرہ اٹھا لے - آخر برطانوی وزیر کی وساطت سے والی ہرات اور محمد شاہ کے مابین معاہدۂ صلح ہو گیا اور محاصرہ اٹھا لیا گیا -

آغا خاں کی بغاوت

محمد شاہ کے عہد کا ایک اور اہم واقعہ فرقہ اسماعیلیہ کے رئیس خلیل اللہ کے بیٹے آغا خاں محلاتی کی بغاوت ہے - اس کی وجہ یہ ہوئی

کہ حاجی عبدالمجمد محلاتی اور آغا خاں میں کسی وجہ سے ناچاقی ہوگئی۔ حاجی مرزا آقاسی نے حاجی عبدالمحمد کی طرف داری کی جو آغا خاں کو سخت ناگوار گزری۔ اس پر آغا خاں نے علم بغاوت بلند کیا اور کرمان کے قلعہ بام کو مسخر کر لیا، لیکن کرمان کے حکمران فیروز مرزا نے لشکر کشی کرکے اس سے قلعہ واپس لے لیا۔ آخر آغا خاں ایران کو خیرباد کہہ کر ۱۲۵۵ھ مطابق ۱۸۳۹ع میں ہندوستان پہنچ گیا اور بمبئی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ موجودہ آغا خاں اسی کی اولاد سے ہے۔

ایران اور ترکیہ کے سرحدی جھگڑے

ایران اور ترکیہ کے مابین کافی دیر تک خاموشی رہی۔ لیکن باہمی سرحدیں کچھ ایسی تھیں کہ ہر وقت گڑبڑ کا اندیشہ رہتا تھا۔ آخر باہمی کشمکش کی وجہ سے ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۸ع میں جب کہ محمد شاہ محاصرۂ ہرات میں مصروف تھا، وزیر بغداد نے خرم شہر پر حملہ کر دیا، جس سے شہر میں بہت لوٹ مار ہوئی۔ پھر ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ع میں وزیر بغداد نجیب پاشا نے کربلا میں اہل تشیع کا قتل عام کیا۔ اس[1] شہر میں اگرچہ حکومت ترکوں ہی کی تھی لیکن کربلائیوں کا قتل ایک مذہبی مسئلہ بن گیا۔ اس سے حکومت ایران سخت مضطرب ہوئی، کیوں کہ شیعہ مذہب حکومت ایران کا رسمی مذہب تھا۔ دونوں حکومتوں کے تعلقات سخت کشیدہ ہو گئے۔ بہت ممکن تھا کہ جنگ و جدال کے شعلے بھڑک اٹھیں، لیکن انگریز اور روسی مصالحت کے لیے آگے آئے اور دونوں حکومتوں کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ باہمی تنازعے گفت و شنید سے نمٹا لیں۔ چنانچہ ارزروم میں ایک مجلس مذاکرہ قائم ہوئی۔ اس مجلس میں ایران کی طرف سے مرزا تقی امیر نظام نے انتہائی تدبر سے ایران کا دعویٰ پیش کیا۔ آخر تین سال کی گفت و شنید کے بعد معاہدہ ہو گیا۔ اس کی رو سے حکومت ایران سلیمانیہ کے علاقے سے دست بردار ہو گئی جو باعث نزاع تھا۔ ادھر حکومت ترکیہ نے محمرہ

۱۔ عبداللہ رازی: تاریخ مفصل ایران، صفحہ ۴۸۲۔

شہر اور بندرگاہ ، جزیرۃالخضر اور شط‌العرب کے مشرق ساحل سے ہاتھ اٹھا لیا اور یہ علاقے بدستور حکومت ایران کے پاس رہے - نیز ایران کو جہاز رانی میں کامل آزادی حاصل ہوگئی - اس طرح دونوں حکومتوں کے مابین خطرہ ٹل گیا -

محمد شاہ کے عہد میں حکومت ایران کے یورپی ممالک کے ساتھ روابط اور بڑھ گئے اور بلژیک ، ہسپانیہ اور انگلستان کے ساتھ اس کے تجارتی معاہدے قائم ہو گئے -

سید علی محمد باب

محمد شاہ کے عہد کا ایک اور اہم واقعہ یہ ہے کہ سید علی محمد باب نے ایک نیا مذہب پیش کرنے کا دعویٰ کیا - اس دعوے سے جو حالات رونما ہوئے ان کا تعلق ناصرالدین شاہ کے عہد سے ہے اس لیے اس کا ذکر آگے چل کر آئے گا -

خراسان کی شورش

۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۶ع میں خراسان میں حسن خان سالار نے شورش بپا کی اور قلعہ کلات مسخر کر لیا - لیکن جلدی ہی شاہزادہ حمزہ مرزا (حشمت‌الدولہ) نے شورش کو فرو کر دیا اور حسن خان سالار دشت ترکمان کی طرف فرار ہو گیا - بہر حال اس کی باغیانہ سرگرمیاں ناصرالدین شاہ کے زمانے تک جاری رہیں -

محمد شاہ کی وفات

محمد شاہ وجع‌المفاصل کا مریض تھا - چالیس سال کی عمر میں اس کے مرض نے شدت اختیار کی - آخر وہ اسی مرض میں ۱۲۶۴ھ مطابق۱۸۴۸ع میں فوت ہوا -

ناصرالدین شاہ

(۱۲۶۴ تا ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۴۸ تا ۱۸۹۶ع)

محمد شاہ نے اپنے بیٹے ناصرالدین شاہ کو ولی عہد نامزد کیا تھا - باپ کی وفات پر وہ آذربائیجان میں تھا - اس کی عمر سولہ سال کی تھی کہ وہ تخت نشیں ہوا - اس وقت صورت حال یہ تھی کہ امرائے سلطنت

کے مابین سخت اختلافات تھے - ایران کے بعض شہروں میں شورش بپا ہو رہی تھی - اہل بروجرد نے وہاں کے حاکم جمشید خاں ماکوئی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا - کرمان شاہ کے لوگوں نے محب علی خاں کے خلاف شورش کی - اہل شیراز نے حسین خاں نظام‌الدولہ کے خلاف فتنہ کھڑا کیا - سب سے اہم فتنہ، حسن خاں سالار کا تھا، جو اس نے محمد شاہ کے زمانے میں بپا کیا جسے دور کرنا دشوار نظر آتا تھا - مختصر یہ کہ ناصرالدین شاہ کو حکومت اس وقت ملی جب محمد شاہ کی نا اہلی اور حاجی مرزا آقاسی کی بد تدبیری سے عوام غیر مطمئن، خواص رنجیدہ، محب‌وطن ذہین طبقہ برگشتہ خاطر، اور حکومت کمزور تھی -

مرزا تقی امیر نظام

اتفاق سے ناصرالدین شاہ کو ایک ایسا وزیر ملا جس پر قاچاری عہد کو جس قدر فخر ہوتا کم تھا - یہ وزیر مرزا تقی امیر نظام تھا - اسے ایرانی مورخ خواجہ نظام الملک یا رشید الدین فضل اللہ سے تشبیہہ دیتے ہیں - مرزا تقی کا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا - اس کا والد مشہدی قربان، مرزا ابوالقاسم قائم مقام کا باورچی تھا - مرزا تقی اپنی ذہانت کی بدولت ایک پست ماحول میں پرورش پا کر انتہائی عروج کو پہنچا - پہلے ذکر آچکا ہے کہ ایران و ترکیہ کی کش مکش میں مصالحت کے لیے جو مجلس ارز روم میں قائم ہوئی تھی، اس میں مرزا تقی نے بطور خاص ایران کی نمائندگی کی تھی - یہی وہ مدبر تھا جس نے ترکی، روس اور انگریز نمائندوں سے مل کر ایران و ترکیہ کے باہمی اختلافات دور کیے - رابرٹ کرزن نے اپنی کتاب ''ارمنستان و ارز روم'' میں لکھا ہے کہ: ''ترکیہ، ایران، روس اور انگلستان کے نمائندے، جو ارز روم میں جمع ہوئے، ان میں سب سے زیادہ جاذب توجہ شخصیت مرزا تقی کی تھی - دوسروں کا اس سے کوئی مقابلہ نہ تھا'' - اس کا مختصر حال یہ ہے کہ شروع میں اس نے ایران کے کمانڈر انچیف کی ملازمت اختیار کی - پھر خسرو مرزا کو سفیر بنا کر سینٹ پیٹرز برگ بھیجا گیا تو اس کے ساتھ اسے بھی جانے کا موقع ملا - وہ رفتہ رفتہ ترقی کر کے آذربائیجان کا وزیر جنگ مقرر ہوا جہاں کی حکومت ولی عہد سلطنت

ناصرالدین شاہ کے پاس تھی - وزیر جنگ ہونے کی وجہ سے مرزا تقی ''وزیر نظام'' کے لقب سے مشہور ہوا - اسی زمانے میں اسے معاہدۂ ارز روم کے لیے نمائندہ منتخب کیا گیا تھا - اس کے بعد وہ شہزادہ ولی‌عہد سلطنت کا مشیر اعلیٰ مقرر ہوا اور محمد شاہ کی وفات پر جب ناصرالدین تخت نشین ہوا تو اس نے مرزا تقی کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا - ناصرالدین نے اسے اتابک اعظم کے خطاب سے بھی نوازا - لیکن وزیر اعظم یا صدر اعظم کہلانے کے بجائے مرزا تقی نے فوج سے تعلق ہونے کی وجہ سے ''امیر نظام'' کا لقب زیادہ پسند کیا اور اسی لقب سے مشہور ہوا - یہ منصب اسے ۱۲۶۴ھ ۱۸۴۸ع میں ملا -

امیر نظام بہت دیانتدار اور مضبوط کردار کا مالک تھا - اس نے حاجی مرزا آقاسی کی بے اعتدالیوں کو ختم کیا - ملک میں یکے بعد دیگرے نئی اصلاحات کیں - نظم و نسق کی طرف توجہ دی - اقتصادی حالت کو بہتر بنایا - معاشرتی حالات کا جائزہ لے کر محب وطن لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی ، جو ملوکیت کی سختیوں کے خلاف آزادی خواہی کی تحریک چلا رہے تھے - امیر نظام کی اصلاحات مجمل طور پر ذیل میں پیش کی جاتی ہیں :

۱ - اس نے مرکزی طاقت میں اضافہ کیا اور امرا اور مجتہدین کے اثر و نفوذ کو کم کیا -

۲ - ملک میں امن و امان قائم کیا اور باغیوں کی سرکوبی کی -

۳ - خائنوں کو بلا لحاظ حسب و نسب کیفر کردار کو پہنچایا -

۴ - ملک میں عدل و انصاف قائم کیا اور رشوت کا قلع قمع کیا -

۵ - ملکی درآمد و برآمد کو متوازن کیا -

۶ - لشکر کو نئے طرز پر مسلح و منظم کیا -

۷ - تعلیم کے لیے وسیع انتظامات کیے - نئی پود کو علوم جدیدہ کی طرف مائل کیا -[1] اساتذہ کی تربیت کے لیے ٹریننگ کالج قائم کیا -

---

۱ - عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۴۸۷ -

۸ - تعلیمی شعور دلانے کے لیے پہلی مرتبہ ایک روزنامہ جاری کرایا -

۹ - کھیتی باڑی ، صنعت و حرفت اور وسائل آمد و رفت بہتر بنانے کی طرف توجہ دی -

۱۰ - سرکاری ملازمتیں اور صوبوں کی حکومتیں پہلے مال و دولت کے عوض ملتی تھیں ، مرزا تقی نے اس سلسلے کو ختم کرکے ذاتی استحقاق اور قابلیت کو ملازمتوں اور حکومتوں کا معیار بنایا - نااہل آدمی پنشنوں پر پڑے پلتے تھے ، اس سلسلے کو بھی ختم کیا -

مفاد پرست طبقہ ایسے مضبوط کردار اور دیانت‌دار وزیر کے وجود کو گوارا نہ کر سکتا تھا ، اس لیے اس کی مخالفت شروع ہوگئی - مرزا تقی کے دشمنوں میں خود مادر ملکہ بھی شامل تھی - شروع شروع میں ناصرالدین شاہ نے مرزا تقی کی سرگرمیوں کو بہ نظر استحسان دیکھا اور اس کی پشت پناہی کی - رشوت کا انسداد ، ظلم و ستم کا استیصال عوام کی بہبودی ایسی باتیں تھیں جن کی وجہ سے عوام بھی اس کے گرویدہ ہو گئے تھے -

شورش سالار

محمد شاہ کے باب میں ذکر آ چکا ہے کہ ایک قاچار سردار اللہ یار آصف‌الدولہ کے بیٹے حسن خاں نے خراسان میں علم بغاوت بلند کیا تھا لیکن اسے ناکامی ہوئی اور وہ ترکمانوں کے پاس چلا گیا اور بجنرد کے سردار جعفر علی خاں نے اس کی حمایت کی -

حسن خاں سالار نے ناصرالدین شاہ کے زمانے میں پھر سر اٹھایا - خراسان کے سرداروں نے اس کا ساتھ دیا تو وہ مشہد پر قابض ہو گیا - مرزا تقی خاں ملک کو باغیوں سے پاک کرنے کا تہیہ کیے ہوئے تھا - چنانچہ اس نے شہزادہ سلطان مراد مرزا حسام السلطنت کو حسن خاں سالار کی سرکوبی اور خراسان میں امن و امان بحال کرنے کے لیے مامور کیا - اس نے ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۸ع میں مشہد کا محاصرہ کر لیا - ایک سال تک محاصرہ جاری رہا - آخر حسن خاں مع اپنے بیٹے اور بھائی کے اسیر کر لیا گیا اور ۱۲۶۶ھ مطابق ۱۸۴۹ع میں انھیں قتل کر دیا گیا -

تحریک بابیہ

آخری مذہب جس نے ایران میں جنم پایا مذہب بابیہ ہے۔ اس کا داعی سید علی محمد باب ہے۔ باب کی پیدائش ۱۸۲۰ع میں ہوئی۔ والد شیراز میں عطاری کا کام کرتا تھا۔ مذہب کی طرف شروع ہی سے رجحان تھا، اس لیے والد نے اسے مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لیے کربلا بھیج دیا جہاں اس نے مشہور علما سے تعلیم پائی۔ ۲۴ سال کی عمر میں اس نے ''باب'' ہونے کا دعویٰ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ وہ ایسا دروازہ ہے جس سے گزر کر لوگ بارہویں امام کا علم حاصل کریں گے۔ اسی سال وہ حج کعبہ کے لیے گیا۔ واپسی پر وہ بو شہر سے ہوتا ہوا آیا۔ یہاں اپنا نیا مذہب پیش کیا جو متعدد لوگوں نے قبول کر لیا۔ آخر وہ شیراز آیا۔ یہاں آ کر اس نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی اور کہا کہ اسلامی شریعت اب ختم ہو چکی ہے، اس کے بجائے وہ خود نئی شریعت کا آغاز کر رہا ہے۔ علما نے اس کی سخت مخالفت کی۔ آخر اہل شیراز نے اس کے گھر کو گھیر لیا، لیکن وہ شیراز سے نکل کر اصفہان چلا گیا۔ کچھ عرصے بعد اسے حکومت نے اسیر کرکے ایران کے شمالی علاقے کے شہر ماکو میں بھیج دیا۔ آخر علما کے فتوے سے اسے تبریز میں ۱۸۵۰ع میں مروا دیا گیا۔

بابی مذہب کے عقاید

بابیوں کے نزدیک خدا ایک ہے اور باب اس کا آئینہ ہے جس میں خدا کا پرتو نظر آتا ہے۔ ہر عقیدت مند اس کے ذریعے خدا کو دیکھ سکتا ہے۔ اسلامی شریعت کا زمانہ ختم ہو چکا ہے، اب بابی شریعت کا آغاز ہوتا ہے۔ باب نے نماز اور روزہ میں پابندی ختم کر دی۔ اس کے نزدیک نماز پانچ وقت کی فرض نہیں۔ روزے بھی سال کے انیس ہیں۔ باب نے منشی اشیا کا استعمال حرام قرار دیا۔ آزادی نسواں کو نئے مذہب کا اہم رکن بتایا۔ اس کی ایک تصنیف ''بیان'' میں اس کے مذہبی عقاید کا مفصل ذکر آیا ہے۔

بابی سرگرمیاں (۱۸۵۰–۱۸۵۲ء)

۱۸۵۰ء میں باب کے پیروؤں نے یزد کے شہر پر قبضہ کرنا چاہا ، لیکن وہاں ناکامی ہوئی تو انہوں نے کرمان کا رخ کیا - انہوں نے امیر نظام کو ہلاک کرنے کی سازش بھی کی جو ظاہر ہو گئی اور سازشیوں کو تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا - قزوین کے قریب زنجان میں البتہ انہیں کچھ کامیابی ہوئی جہاں کے ملا نے بابی مذہب اختیار کر لیا - رفتہ رفتہ بابیوں کی تعداد بڑھتی گئی اور ان کی مذہبی سرگرمیوں میں سیاسی رنگ آتا گیا - ۱۸۵۲ء میں ایک بابی نے ناصرالدین شاہ پر بندوق سے فائر کیا لیکن نشانہ خطا گیا اور گرفتار کر لیا گیا - اس قاتلانہ اقدام کا خمیازہ بابیوں کو بہت سخت بھگتنا پڑا -

قرۃالعین

بابی تحریک میں قرۃالعین طاہرہ نے بہت فعال حصہ لیا - یہ آتش بیان خطیبہ اور حسین و ذہین شاعرہ تھی جو آسمان ادب پر ایک ٹوٹنے والے تارے کی مانند چکا چوند پیدا کر کے آن کی آن میں صفحۂ ہستی سے محو ہوگئی -

قرۃالعین کا اصل نام فاطمہ زریں تاج تھا - مشہور عالم سید کاظم رشتی جب زریں تاج کے نام اس کے خطوں کے جواب میں خط لکھتا تو اسے قرۃالعین کہہ کر خطاب کرتا - سید علی محمد باب نے اسے طاہرہ کا لقب دیا - دنیا اس کے اصل نام کو بھول گئی اور دوسرے لقب ، جو اس کے حسن و جمال اور فکر و خیال کی تابناکیوں کی وجہ سے اسے ملے ، حافظوں میں باقی رہ گئے - قرۃالعین سے اسے ایسی شہرت ہوئی کہ تذکروں اور تاریخوں میں وہ اب اسی نام سے خطاب کی جاتی ہے -

قرۃالعین ایک مشہور عالم دین حاجی ملا صالح کی بیٹی تھی - اس کا چچا ، جس کے بیٹے ملا محمد سے وہ بیاہی گئی تھی ، ایران کا ایک مجتہد تھا - ان کا خاندان کئی پشتوں سے علم و فضل کی وجہ سے مشہور چلا آتا تھا - قرۃالعین کو حدیث ، تفسیر ، اصول و فقہ کے علاوہ فلسفہ و الٰہیات کی بھی تعلیم دلائی گئی تھی - اس کے حسن و جمال پر

علم و فضل کے اضافے نے سونے پر سہاگے کا کام کیا - یہی وجہ ہے کہ جب اس نے کھلم کھلا بابی مذہب کی تبلیغ شروع کی تو ایک دنیا اس کی سحر آفریں تقریروں پر شیدا ہوئی -

قرۃالعین کی اعلیٰ تعلیم نے اسے آزادی نسواں کا خیال دلایا - وہ سمجھتی تھی کہ عورتوں کے حقوق علماء کے ہاتھوں پامال ہو رہے ہیں - چنانچہ اس نے معاشرے کے خلاف پورے زور سے آواز اٹھائی - اس سلسلے میں اس کی پہلی ٹکر خود اپنے گھرانے کے افراد سے ہوئی جو اسلامی شعائر پر سختی سے کاربند تھے - شوہر نے اسے سمجھایا ، خسر نے اپنے علم و فضل سے اسے لاجواب کرنا چاہا ، لیکن وہ ضمیر کی آواز کو دبانا نہ جانتی تھی - اسی اثنا میں سید علی محمد کے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ سنا تو پوشیدہ طور پر اسے خط لکھا اور اپنے بعض شبہات کا ذکر کیا ، حقوق نسواں کے متعلق بھی باب سے رائے پوچھی - باب نے حقوق نسواں کے متعلق انھی خیالات کا اظہار کیا جو قرۃالعین کے دل کی گہرائیوں میں موجود تھے- باب کا پہلا ہی خط کام کر گیا اور وہ اس کی مہدویت کی پرستار بن گئی اور خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا - باب نے دیکھا کہ وہ دھن کی پکی ہے اور اس کے انداز بیان میں سحر ہے تو اسے بابیت کی تبلیغ کرنے کا اختیار دے دیا - سب سے پہلے اس نے بابیت کی تبلیغ گھر سے شروع کی - گھر میں اس کی بات کوئی سننے کو تیار نہ تھا - اس پر طرح طرح سے دباؤ ڈالا گیا اور بالآخر اس پر سختیاں بھی ہوئیں لیکن ”بڑھتا ہے ذوق جرم یہاں ہر سزا کے بعد-“

قرۃالعین کو سسرال سے نکلنا پڑا - پہلے وہ کربلا گئی پھر واپس آ کر اپنے والد کے گھر میں مقیم ہوئی - اسی اثنا میں ایک بابی نے قرۃالعین کے چچا ملا محمد تقی کو قتل کر دیا اور کہا کہ ملا میرے مرشد شیخ احمد احسائی کو گالیاں دیتے تھے اس لیے میں نے انھیں قتل کیا ہے - اس پر مسلمان بابیوں کے خلاف امڈ پڑے اور ”جہاد جہاد !“ کے نعرے بلند ہوئے- قرۃالعین نے صورت حال بگڑتی دیکھی تو قزوین سے تہران آ گئی -

جن دنوں باب قلعہ ماکو میں محبوس تھا ، سر کردہ بابیوں نے مقام بیدشت میں ایک مجلس منعقد کی جس کا مقصد یہ تھا کہ بابی مذہب کی ترویج کے لیے مشورے کیے جائیں اور باب کے دعوے کا اعلان عام کردیا جائے ۔ قرۃالعین بھی بیدشت کانفرنس میں شریک ہونے کے لیے گئی جہاں سید باب کے ظہور مستقل کی نسبت اعلان ہونے لگے ''اے لوگو ! امام کا ظہور ہوا ہے جس کا تمھیں انتظار تھا ، اس کے استقبال کو تیار ہو جاؤ'' ان اعلانوں سے سارے علاقے میں ہلچل مچ گئی ۔ قرۃالعین اجتماع کے سامنے بے پردہ ہو کر آئی اور تقریر شروع کی :

احباب و اغیار! ظہور مہدی سے شریعت اسلام کے پرانے احکام منسوخ ہو چکے ہیں ۔ باب عنقریب روے زمین کے تمام شہروں کو فتح کر لیں گے ۔ ساری دنیا ان کے سامنے سر نیاز خم کر دے گی ۔ تمام پرانے مذہب مٹ جائیں گے ۔ صرف ایک دین باقی رہ جائے گا جو امام قائم (باب) کا دین ہے ۔ لوگو! کثرت سے وحدت کی طرف آؤ ۔ اس پردے کو پھاڑ کر پھینک دو ، جو تمھارے اور تمھاری عورتوں کے درمیان حائل ہے ۔ عورتوں کو خلوت سے جلوت میں لاؤ ۔ مال و دولت کی غیر مساوی تقسیم ساری برائیوں کی جڑ ہے ۔

بابیت کی اس کھلم کھلا تبلیغ سے اہل اسلام سخت برہم ہوئے ۔ مجتہدالعصر ملا تقی اور ناصرالدین قاچار پر قاتلانہ حملے کی وجہ سے مسلمانوں کے دل انتقام کی آگ سے بھڑک رہے تھے ۔ آخر ناصرالدین قاچار کے حکم سے ان کا قتل عام ہوا ۔ قرۃالعین بھی اس ہنگامے میں اسیر ہوئی اور بادشاہ کے سامنے لائی گئی ۔ ہرچند کہ وہ حکومت ایران کی شدید مخالف تھی ، لیکن اسے دیکھ کر بادشاہ کے منہ سے نکلا ''بگذارید ! رخ زیبا دارد'' ۔ رہائی تو ہو گئی مگر وہ بچ نہ سکی ؛ مشتعل ہجوم نے گلا گھونٹ کر اس مہ جبین کو موت کے گھاٹ آتار دیا ۔ یہ واقعہ ۱۲٦۸ھ مطابق اگست ۱۸۵۲ع کا ہے ۔

قرۃالعین ایک خوش فکر شاعرہ بھی تھی لیکن چند غزلوں کے سوا اس کی اور ادبی یادگار باقی نہیں ۔ اس کی ایک مشہور غزل ، جسے

ڈاکٹر اقبال نے جاوید نامہ میں جگہ دی ، اس کے تین شعر درج ذیل ہیں :

گر بتو افتدم نظر چہرہ بہ چہرہ رو بہ رو
شرح دہم غم ترا نکتہ بہ نکتہ مو بہ مو
از پیٔ دیدن رخت ہم چو صبا فتادہ ام
خانہ بخانہ در بدر کوچہ بکوچہ کو بہ کو
می رود از فراق تو خون دل از دو دیدہام
دجلہ بہ دجلہ یم بہ یم چشمہ بہ چشمہ جو بہ جو
در دل خویش طاہرہ گشت و ندید جز ترا
صفحہ بہ صفحہ لا بہ لا پردہ بہ پردہ تو بہ تو

صبح ازل

سید علی محمد باب کا جانشین مرزا یحیٰی بنا جو صبح ازل کے لقب سے مشہور ہوا ۔ اسے بابیوں پر ظلم و ستم ہونے کی وجہ سے ترک وطن کرکے بغداد جانا پڑا ، جہاں سے وہ بالآخر ایڈریانوپل چلا گیا ۔ صبح ازل بہت کم‌آمیز اور امن پسند شخص تھا ۔ آخر تبلیغ مذہب کا فریضہ اس کے بڑے بھائی بہاءاللہ نے سنبھالا اور اس نے مذہب کو ایک نئی شکل دی جو اس کے نام کی مناسبت سے ''بہائی مذہب''[۱] کہلایا ۔

اشورہ آباد میں روسی بحری اڈے کا قیام

بحیرۂ خزر کے جنوبی ساحل پر انزلی اور استر آباد کی بندرگاہیں ہیں ۔ ساحل کے قریب ہی چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں ۔ اس طویل سمندری علاقے میں ترکمان ڈاکو حملے کرتے رہتے تھے ۔ ماژندران کا ساحل خاص طور سے ان کی آماج گاہ بنا ہوا تھا ۔ ان کے سدباب کے لیے ۱۸۳۶ء میں حکومت ایران نے زار روس سے مدد مانگی ۔ حکومت روس نے مدد دینے پر آمادگی تو ظاہر کی ، لیکن بحری اڈہ قائم کرنے کے لیے انھوں نے ۱۸۴۰ء میں اشورہ آباد پر قبضہ کر لیا ۔ شاہ ایران ڈاکوؤں کا سدباب تو ضرور کرنا چاہتا تھا ، لیکن اسے یہ گوارا نہ تھا کہ روسی ایرانی علاقے پر قبضہ کر لیں ۔ اس نے اس قبضے کے خلاف احتجاج کیا ۔ روسی وزیر نے حکومت ایران کے دعوے سے اتفاق کیا ،

---

۱ ۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے ادب نامۂ ایران ، طبع دوم ، صفحہ ۶۸۹ تا ۶۹۱ ۔

لیکن ساتھ ہی یہ کہا کہ ترکمان ڈاکوؤں کی سرگرمیوں کو اسی صورت میں روکا جا سکتا ہے کہ یہاں بحری اڈہ قائم کیا جائے اور بحری جہازوں کی نقل و حرکت آسانی سے ہو سکے ۔ اگر بحری اڈا یہاں سے اٹھا دیا گیا تو ڈاکوؤں کے خلاف جو مہم حکومت روس نے شروع کر رکھی ہے بے اثر ہو کر رہ جائے گی ۔ روسیوں کا بحری اڈا تو بن گیا ، لیکن ڈاکوؤں کی سرگرمیاں پھر بھی ختم نہ ہوئیں بلکہ تیز تر ہو گئیں ۔ یہاں تک کہ انھوں نے ۱۸۵۱ء میں ایک منظم حملہ کرکے بحری فوج کے روسی دستوں کو تہ تیغ کر دیا ۔ روسیوں کو یہ شکایت ہوئی کہ یہ سب کچھ حکومت ایران کے ایما سے ہوا ہے ۔ چنانچہ انھوں نے مطالبہ کیا کہ شاہ ایران کے بھائی کو جو ماژندران کا حکمران تھا واپس بلا لیا جائے ۔ مرزا تقی کو یہ گوارا نہ تھا لیکن روسیوں کے شدید احتجاج پر آخر مرزا تقی کو جھکنا پڑا اور ماژندران کے حکمران کو واپس بلا لیا گیا ۔

امیر نظام کا زوال

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے ، امرائے سلطنت مرزا تقی امیر نظام کے مخالف ہو چکے تھے لیکن ناصرالدین شاہ کو اس کی دیانت اور فراست پر بھروسا تھا ۔ مرزا آقا خاں اعتمادالدولہ جو خود صدر اعظم بننے کا آرزومند تھا ، برابر ناصرالدین کے کان بھرتا رہا ۔ آخر جب اسے یہ احساس دلایا گیا کہ امیر نظام فوج میں بے حد مقبول ہے اور سپاہی یہ کہتے ہیں کہ انہیں جو نان و نفقہ ملتا ہے ، امیر نظام ہی کی طرف سے ملتا ہے اس پر ناصرالدین شاہ کو اس سے خطرہ لاحق ہوگیا اور امیر نظام کے نام فرمان بھیجا کہ تم آج سے صدر اعظم نہیں رہے ۔ اس کے بعد ناصرالدین شاہ نے اسے کاشان بھیج کر نظر بند کر دیا اور چالیس ہی دن گزرے تھے کہ ایران کے اس محب وطن مدبر کو ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں قتل کرا دیا گیا ۔ اگرچہ بعد ازاں ناصرالدین اپنے اس فعل سے سخت نادم ہوا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب اسے امیر نظام کے قتل کی خبر ملی تو اس کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہنے لگ گئے ، لیکن ایک خیراندیش سیاست دان اور محسن ملت کو قتل کرکے اب پشیمان ہونا بےسود تھا ۔

خوارزم کے حکمران کی لشکر کشی

خوارزم کا علاقہ حکومت ایران کے ماتحت چلا آتا تھا ۔ وہاں کے حکمران ایران کے خراج گزار تھے ، لیکن قاچاری دور میں خوارزم میں حکومت ایران کا اقتدار باقی نہ رہ سکا۔ وہاں کے حکمران خود مختار ہوگئے۔ خوارزم کے حکمران محمد امین خان نے اور ہاتھ پاؤں پھیلانے چاہے اور ایرانی علاقے مرو پر لشکر کشی کی ۔ وہاں سے سرخس کی طرف پیش قدمی کی لیکن خراسان کا حکمران مقابلے کے لیے آیا اور خوارزمیوں کو شکست دی ۔ محمد امین اسیر ہو گیا اور اس کا سر کاٹ کر ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۸۵۴ع میں ناصرالدین شاہ کے پاس بھیج دیا گیا ۔

روسیوں کی پیش قدمی

ایران کی صورت حال سے فائدہ اٹھا کر روسی ایران کے بعض مشرق علاقوں پر قابض ہو گئے ۔ پہلے تو انھوں نے ترکستان کے شہر خوکند اور بخارا فتح کیے ، پھر بحیرۂ یورال تک پیش قدمی کی ، اور یہ دیکھ کر کہ حکومت ایران نے خوارزمیوں کو شکست دینے کے باوجود وہاں اپنا تسلط قائم نہیں کیا ، انھوں نے خوارزم پر قبضہ کرلیا اور اب مزید پیش قدمی کے منصوبے بنائے ۔

مسئلۂ ہرات

ہرات آزاد اور خود مختار علاقہ تھا ۔ کابل کے حکمرانوں نے جب بھی اسے فتح کرنا چاہا ، انھیں ناکامی ہوئی ۔ ایران کے حکمران بھی انتہائی کوششوں کے باوجود اسے مطیع و منقاد نہ بنا سکے ۔ محمد شاہ قاچار کے باب میں ذکر آ چکا ہے کہ اس نے ہرات فتح کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن انگریزوں نے مداخلت کرکے اسے ہرات پر حملہ کرنے سے روک دیا ۔ اس کے بعد کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے کہ ناصرالدین شاہ نے ہرات پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا ۔

ہرات کے حکمران کامران مرزا کو جب یار محمد خان نے شکست دے کر وہاں اپنی حکومت قائم کی تو اسے ناقابل تسخیر بنا دیا تھا ۔ یار محمد خان ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ع میں فوت ہوا تو وہاں کی حکومت اس کے بیٹے محمد خان نے سنبھالی ۔ اس میں نہ باپ کی فراست تھی نہ شجاعت ۔

اس کا طریق کار سخت ناپسندیدہ تھا ، اس لیے اہل ہرات اس سے ناراض ہو گئے - محمد خاں کو اپنے اردگرد دشمن نظر آئے تو اس نے انگریزوں سے معاہدۂ دوستی کر لیا - اتنے میں شہزادہ محمد یوسف جو والیٔ خراسان فریدون مرزا کے پاس زندگی بسر کر رہا تھا ، اپنی جمعیت لے کر ہرات پر حملہ آور ہوا اور اسے فتح کر لیا اور چاہا کہ ایران سے دوستانہ روابط قائم کر لے - انھی دنوں دوست محمد خاں امیر کابل نے انگریزوں کو اپنا ہمنوا بنا کر قندھار فتح کیا اور پھر ہرات کا رخ کیا - شہزادہ محمد یوسف نے حکومت ایران سے کمک حاصل کرنے کے بجائے اب دوست محمد خاں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہا - حکومت ایران ان دونوں کے اقدامات سے برافروختہ تھی - ادھر افغانستان کے امرا دوست محمد خاں کی پیش قدمی سے ہراساں تھے - انھوں نے حکومت ایران کو دوست محمد خاں کے خلاف لشکر کشی پر آمادہ کیا تو ناصرالدین شاہ نے مراد مرزا حسام السلطنت کو ہرات کی مہم پر روانہ کیا - آخر ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵٦ع میں ہرات فتح ہو گیا -

انگریزوں کا ایران کے خلاف اعلان جنگ

انگریزوں کو یہ کسی صورت گوارا نہ تھا کہ ہرات پر ایرانیوں کا قبضہ ہو - وہ براہ راست ایرانیوں کے مخالف نہ تھے لیکن انھیں یہ خدشہ تھا کہ ایرانیوں کے ذریعے روسیوں کو ہرات میں اثر و رسوخ پھیلانے کا موقع مل جائے گا - انھوں نے ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ع میں امیر دوست محمد خاں سے معاہدہ کیا ، اسے سامان جنگ فراہم کیا اور مالی امداد بھی دی تاکہ وہ ہرات میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکے - لیکن ان کا مقصد پورا نہ ہو سکا -

دوست محمد خاں سے ناامید ہو کر انھوں نے حکومت ایران کے خلاف جنگ کی ٹھان لی اور خلیج فارس میں اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں - بوشہر میں داخل ہو کر انھوں نے جنگ کا باقاعدہ آغاز کیا - لشکر فارس مہر علی خاں شجاع الملک کی سرکردگی میں انگریزوں کے مقابلے میں آیا لیکن اسے پسپا ہونا پڑا - اسی اثنا میں انگریزوں نے خرم شہر پر حملہ کیا - خوزستان کا حکمران شاہزادہ خانلو مرزا مقابلے کو آیا

لیکن اسے بھی ناکامی ہوئی اور انگریزوں نے خرم شہر پر قبضہ کر لیا۔ حکومت ایران نے صورت حال بگڑتی دیکھی تو صلح کی پیشکش کی۔ گفت و شنید کے لیے باقاعدہ مذاکرہ فرانس میں ہوا جس میں فرخ خاں امین الملک کاشانی نے ایران کی نمائندگی کی۔ آخر دونوں حکومتوں کے مابین معاہدۂ صلح ہو گیا اور یہ طے پایا (۱) انگریز ایران کی بندرگاہوں کو خالی کر دیں۔ (۲) ایران کا لشکر ہرات سے نکل جائے اور ہرات سے متعلق اپنے دعوے سے دست بردار ہو جائے۔ نیز رؤسائے ہرات سے شاہ ایران کے نام کا سکہ رائج کرنے اور اس کے نام کا خطبہ پڑھنے کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ یہ معاہدہ ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ع میں ہوا۔

اسی اثنا میں ہندوستان میں جنگ آزادی شروع ہوئی اور انگریزوں کو اپنی بکھری ہوئی فوجیں واپس منگوانی پڑیں۔ بہر حال معاہدۂ ہرات میں ایران کو خسارہ ہوا اور انگریز اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

بلوچستان کی سرحد کا مسئلہ

بلوچستان کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ نادر شاہ افشار کے عہد میں بلوچستان، ایران کا ایک صوبہ تھا اور ۱۱۵۲ھ مطابق ۱۷۳۹ع میں ناصر خاں براہوی بلوچستان کا بیگلربیگی یعنی گورنر مقرر ہوا تھا۔ نادر شاہ کے قتل کے بعد ناصر خاں نے ہندوستان کے مغل بادشاہ احمد شاہ کا تسلط قبول کر لیا لیکن فوراً بعد اپنے خود مختار ہونے کا اعلان کر دیا۔ ناصر خاں فوت ہوا تو بلوچستان میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا اور کئی سرداروں نے وہاں چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کر لیں۔ محمد شاہ قاچار تخت نشیں ہوا تو اس نے بلوچستان کو واپس لینا چاہا۔ چنانچہ ابراہیم بامی کی مدد سے بلوچستان کے بعض اضلاع کا الحاق ایران سے ہو گیا۔ ۱۸٦۴ع میں سر فریڈرک گولڈ سمیڈ نے تار برق کا جو سلسلہ بلوچستان میں پھیلانا شروع کیا تھا اسے مکمل کر لیا۔ اب یہ مناسب معلوم ہوا کہ قلات اور ایران کے باہمی مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے سرحدوں کا مستقل تعین کر دیا جائے۔ چنانچہ حکومت برطانیہ اور حکومت ایران کی باہمی رضامندی سے بحیرۂ عرب کی بندرگاہ گوتار سے کوہک تک مستقل طور پر حد بندی کر دی گئی۔

مسئلۂ سیستان

صلح نامۂ پیرس کے بعد حکومت برطانیہ کے سامنے ایک ضروری مسئلہ سیستان کا تھا - یہ صوبہ حقیقت میں ایران کا علاقہ تھا لیکن احمد شاہ نے ہندوستان کے ساتھ اس کا الحاق کر رکھا تھا - اب یہ احمد شاہ کے جانشینوں کے قبضے میں تھا - سیستان میں اقتدار حاصل کرنے کی جد و جہد ہوئی تو یہ علاقہ قندھار اور ہرات سے ملحق ہو گیا - یار محمد خاں سیستان سے خراج وصول کرتا رہا تھا - اس کے بعد علی خاں سربندی سردار کو سیستان میں اقتدار حاصل ہوا تو اس نے ۱۸۵۷ع میں شاہ ایران کا وفادار رہنے کا اعلان کیا ، پھر اس کا جانشین تاج محمد بھی حکومت ایران سے وابستہ رہا - لیکن ۱۸۶۱ع میں دوست محمد خاں نے سیستان کو مسخر کرنے کی جد و جہد شروع کر دی - شاہ ایران نے حکومت برطانیہ سے مداخلت کرنے کو کہا لیکن اس نے مداخلت کرنی مناسب نہ سمجھی -

شیر علی خاں کابل کے تخت پر بیٹھا تو اس کی حکومت ابھی مستحکم نہ ہوئی تھی ، اس لیے وہ سیستان کی طرف توجہ نہ دے سکا - اتنے میں حکومت ایران نے سیستان میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا لیا - وہاں کے ایرانی باشندے حکومت ایران کے وفادار ہو گئے لیکن جونہی کہ شیر علی خاں کی حکومت مستحکم ہوئی ، اس نے شاہ ایران کو سیستان سے بے تعلق ہو جانے کی دھمکی دی - اب اس ہلچل میں انگریز معاہدۂ پیرس کی رو سے میدان میں آ گئے - آخر جنرل گولڈسمیڈ کی کوشش سے ۱۸۷۲ع میں سیستان کو خارجی اور داخلی دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا - خارجی سیستان جو دریائے ہلمند کے کنارے ہے ، افغانستان کے حصے میں آیا اور داخلی حصہ سلطنت ایران میں شامل ہو گیا -

ایران و ترکیہ کی سرحد

ایران اور ترکیہ کے معاہدۂ ارز روم کی رو سے دونوں ملکوں کے درمیان حد مقرر کر دی گئی تھی لیکن خانہ بدوش قبائل کے ادھر آدھر حرکت کرنے سے پھر ضرورت محسوس ہوئی کہ ازسرنو دونوں ملکوں کے مابین حد بندی کی جائے - ۱۸۵۱ع میں لارڈ پامرسٹن نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اصل معاہدۂ ارز روم کے مطابق سرحد قسطنطنیہ سے

شروع ہو اور متنازعہ علاقوں کو آئندہ تصفیہ کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ اس تجویز کو دونوں حکومتوں نے تسلیم کر لیا اور سرحد کا جائزہ شروع ہو گیا۔ اس کے مطابق کوہ ارارات اور خلیج فارس کے درمیانی علاقے میں جو سات سو میل لمبا اور بیس سے چالیس میل تک چوڑا ہے، ایران اور ترکیہ کی سرحد معین کرنے کے لیے ستون نصب کر دیے گئے۔

ایران کے داخلی حالات

جیسا کہ ذکر آ چکا ہے، ناصرالدین شاہ کی حکومت کو مرزا تقی امیر نظام نے مستحکم کیا تھا۔ تین سال کے مختصر عرصے میں اس نے ایران کی داخلی شورشوں کو بڑی خوش اسلوبی سے فرو کیا اور نئی اصلاحات کا آغاز کیا۔ اس کی ایک نمایاں خدمت یہ تھی کہ علما و مجتہدین کو سیاسیات میں دخل انداز ہونے سے روک دیا گیا کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ فتح علی شاہ قاچار کے عہد میں ملاؤں کے سیاست میں دخل انداز ہونے کی وجہ سے ملک کو سخت نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے ''بست نشینی'' کی رسم بھی موقوف کر دی۔ امیر نظام کے بعد مرزا آقا خاں وزیر مملکت ہوا تو اس کی گرفت اتنی مضبوط نہ تھی، نہ اتنی صلاحیت ہی تھی کہ امیر نظام کے نقش قدم پر چل کر ملکی اصلاحات نافذ کر سکتا۔ اس لیے امرائے سلطنت، جن کے اختیارات اصلاحات کی وجہ سے محدود ہو گئے تھے، پھر آزاد ہو گئے اور من مانی کرنے لگے۔ علما و مجتہدین کا اثر و رسوخ چونکہ عوام میں بہت تھا اس لیے مرزا آقا خاں اپنا فائدہ اسی میں دیکھتا تھا کہ ان کا قرب حاصل کرے۔ لیکن اس مصلحت شناسی کے باوجود اس کا منصب زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہرات کو چھوڑ آنے سے جو حکومت ایران کی سبکی ہوئی اور حکومت برطانیہ کے ساتھ معاہدہ کرنے میں جو توہین ایران کی ہوئی، اس کا ذمے دار آقا خاں کو سمجھا گیا تھا، اس لیے اسے منصب صدارت سے معزول کر دیا گیا اور مرزا محمد خان قاچار کو ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸٦۴ع میں سپہ‌سالار اعظم کا خطاب دے کر یہ منصب سونپا گیا۔ نیز پانچ وزارتیں قائم کر دی گئیں، یعنی وزارت داخلہ، وزارت خارجہ، وزارت عدلیہ، وزارت جنگ

اور وزارت وظائف ۔ بادشاہ کے فرمان سے ایک دستورالعمل بھی مرتب کیا گیا جس میں تمام وزارتوں کے حقوق و فرائض درج تھے ۔

مرزا حسین خاں مشیرالدولہ کی خدمات

ناصرالدین شاہ کے عہد میں ایک شخص مرزا حسین خاں مشیرالدولہ نے اپنے حسن تدبر کی وجہ سے بڑی اہمیت حاصل کی ۔ اس نے شروع میں ترکیہ میں سفیر کبیر ایران کی حیثیت میں شہرت پائی ۔ فطری صلاحیتوں کے علاوہ وہ مغربی تہذیب و تمدن اور اقوام مغرب کی علمی ، سائنسی اور ثقافتی ترقی کے اسرار سے بخوبی واقف تھا ۔ وہ جب ایران واپس آیا تو ناصرالدین شاہ نے عدلیہ اور وظائف کی وزارت اسے سونپ دی ۔ اس نے عدلیہ کی اصلاح کی اور اپنے فرائض کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا ۔ آخر صدارت کا منصب جلیلہ بھی اس کے سپرد ہوا ۔ مرزا حسین خاں نے ملک میں اصلاحات نافذ کیں ۔ حکومت کا ایک دارالشوریٰ تشکیل کیا ۔ حکام کو ظلم و ستم سے روکنے کے لیے پابندیاں عاید کیں ۔ رشوت اور نذرانوں کو ممنوع قرار دیا ۔ ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۷۱ع میں ملک میں قحط پڑا تو اس نے اپنی خداداد فراست سے ایسی تدابیر اختیار کیں کہ قحط پر بہت جلد قابو پا لیا گیا ۔ اس نے سرزمین ایران کو غیر ملکوں کی محتاجی سے نجات دلانے کی ہر ممکن کوشش کی ۔ وہ خود زمانے کے نئے تقاضوں سے آگاہ تھا اور یورپ کی مادی ترقیوں سے ناصرالدین شاہ کو بھی باخبر رکھنا چاہتا تھا ۔ اس نے شاہ کو یورپ کا دورہ کرنے پر آمادہ کیا کہ سائنس نے خارجی دنیا میں جو انقلاب پیدا کیا ہے وہ خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے ۔ اس نے ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ع میں شاہ کے دورۂ یورپ کے تمام اسباب فراہم کر دیے ۔ لیکن روسیوں نے شاہ کے دورۂ یورپ کے خلاف علما کو اکسایا کیوں کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ شاہ کے روابط ممالک خارجہ سے قائم ہوں اور ملک جدید اصلاحات سے بہرہ ور ہو جائے ۔ روسیوں کے بہکانے پر رجعت پسند علما نے حسین خاں کے خلاف سخت احتجاج کیا اور یہ کہنا شروع کیا کہ حسین خاں اپنے ملک میں کافروں کا تمدن رائج کرنا چاہتا ہے ۔ اس کی معزولی کا بھی

مطالبہ ہونے لگا ، لیکن شاہ اس کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھا اس لیے علما اسے معزول کرانے میں کامیاب نہ ہو سکے ۔ حسین خاں دھن کا پکا تھا اس نے دوبارہ بادشاہ کو ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ع میں یورپ کا دورہ کرنے پر آمادہ کیا ۔ اب کی بار پھر مجتہدین نے حسین خاں کے خلاف ہنگامہ کھڑا کیا ۔ آخر ناصرالدین نے مصلحتاً حسین خاں کو صدارت سے ہٹا کر اسے آذربائیجان کی حکومت سونپ دی ۔ اس طرح اس کے خلاف مخالفت کا طوفان فرو ہو گیا ۔ اس عرصے میں صدارت پھر سپہ سالار کو ملی ۔

سپہ سالار کے بعد مرزا یوسف آشتیانی صدر اعظم ہوا ۔ اس عرصے میں مرزا علی اصغر خاں امین‌السلطان کو بادشاہ کا قرب حاصل ہوا جو حسین خاں مشیرالدولہ کے نا تمام کام کو مکمل کرنا چاہتا تھا ۔ ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۵ع میں شاہ کے دورۂ یورپ کا اہتمام کیا گیا اور بادشاہ جب دورے پر چلا تو مرزا علی اصغر خاں بھی بادشاہ کے ہم رکاب رہا ۔ بادشاہ کی واپسی پر ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ع میں وہ صدارت کے منصب پر فائز ہوا ۔

ناصرالدین کے عہد کی بعض اصلاحات

تار برقی کا منصوبہ

ایران کے ارد گرد یورپی ممالک ترقی کی شاہراہ پر بڑھے چلے جاتے تھے ۔ ہر روز نئی نئی ایجادات ہو رہی تھیں جن سے زندگی کے ہر شعبے میں سہولتیں پیدا ہوگئی تھیں ۔ لیکن ایرانی بادشاہوں نے علم و تہذیب کی نئی روشنی سے فائدہ اٹھانے کی طرف توجہ نہ دی اور ایرانی قوم پرانی ڈگر پر گامزن تھی ۔ البتہ ناصرالدین شاہ کو یورپ کے دوروں کے بعد نئی ایجادات کے ذریعے ملک کو ترقی دینے کا خیال آیا ۔ پہلی ایجاد جس سے ایران نے فائدہ اٹھایا ، تار برقی ہے ۔ تار برقی کے اجرا کی مختصر سی سرگذشت حسب ذیل ہے ۔

۱۸۵۷ع میں ہندوستان میں قومی آزادی کی تحریک چلی جسے ایسٹ انڈیا کمپنی نے تشدد سے دبا دیا ۔ اب حکومت برطانیہ نے

ضروری سمجھا کہ انگلستان کا ہندوستان کے ساتھ بذریعہ تار برق رابطہ قائم کیا جائے۔ چناں چہ یہ منصوبہ بنا کہ تار برق ترکیہ کے راستے بغداد لائی جائے اور وہاں سے کراچی پہنچائی جائے۔ حکومت ترکیہ اس منصوبے سے متفق تھی۔ اس کا خیال تھا کہ تار برق کا سلسلہ قسطنطنیہ سے ایشیائے کوچک میں اور پھر وہاں سے بغداد پہنچایا جائے گا۔ ۱۸۶۳ع میں تار برق کے منصوبے پر عمل شروع ہو گیا۔ لیکن بغداد کے جنوبی قبائل حکومت ترکیہ کے زیر اثر نہ تھے۔ ساتھ ہی اس علاقے میں ملیریے کا بھی بہت زور رہتا تھا اس لیے تار برق کا رخ بدلنا پڑا اور فیصلہ ہوا کہ بغداد سے ہندوستان پہنچانے کے لیے یہ لائن ایران سے گزاری جائے۔ ۱۸۶۴ع میں شاہ ایران سے تار برق کے مسئلے پر بات چیت ہوئی اور یہ طے ہوا کہ تار برق بغداد سے کرمان شاہ، ہمدان اور تہران لائی جائے اور تہران سے بوشہر پہنچائی جائے۔ شروع شروع میں رجعت پسندوں نے اسے بدعت سمجھا اور اس کی مخالفت کی لیکن آخر مشکلات کے باوجود انگریز حکام تار برق کی لائن مجوزہ صورت میں بوشہر لانے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر بوشہر کو بذریعہ تحت الارض تار برق جاسک سے ملایا اور جاسک کو کراچی کے ساتھ بذریعہ تار برق ملا دیا۔ اس طرح حکومت ایران کا کنٹرول دور دراز علاقوں میں ہوگیا اور روزمرہ اطلاعات حاصل کرنے میں آسانی ہوگئی۔ نیز اس کے ذریعے ترقی کا میدان کھل گیا۔

رائٹر کا اجارہ

ناصرالدین اگرچہ دوسرے قاچاری بادشاہوں کی طرح استبداد پسند تھا اور اس میں وہ تمام عیوب بھی تھے جو استبداد پسند حکمرانوں میں ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ ملک کی ترقی کا بھی خواہاں تھا۔ اس کے سامنے تین بڑے کام تھے: ملک میں ریلیں چلانا، کانیں کھدوانا اور ملی بنک قائم کرنا۔ ان سب کاموں کے لیے ناصرالدین شاہ نے بیرن جولئس ڈی رائٹر ایک انگریز کو ۱۸۷۲ع میں اجارہ دے دیا۔ لیکن اسے اہل ایران نے پسند نہ کیا، نیز یورپ کے دورے میں ناصرالدین شاہ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ وہاں کے اونچے طبقے کے لوگوں کی رائے

اس اجارے کے حق میں نہ تھی اس لیے واپس آتے ہی اس نے یہ اجارہ منسوخ کر دیا ۔

بحیرۂ کارون میں جہاز رانی

ناصرالدین نے جو اجارے انگریزوں کو دیے ان میں بحیرۂ کارون میں جہاز رانی کا اجارہ بھی تھا ۔ اس پر حکومت برطانیہ نے بڑی خوشی کا اظہار کیا لیکن ان کی امیدوں کے خلاف یہ اجارہ صرف ایک سو ستر میل کی مسافت تک ہی محدود تھا ۔ بہر حال میسرز لنچ برادران نے جہاز رانی کا کام جاری رکھا ۔

مٹی کے تیل کی باقاعدہ دریافت

ایران کے مٹی کے تیل کے علاقے سے لوگ کسی نہ کسی طریقے سے تیل نکال تو لیا کرتے تھے لیکن تیل کی کشید اور صفائی کا باقاعدہ کام ایک برطانوی کمپنی نے شروع کیا جس سے ایران کے لیے بیرونی دولت کے دروازے کھل گئے ۔

اہواز سے اصفہان تک سڑک

لنچ برادران کا ایک اور کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے اہواز سے اصفہان تک سڑک بنا دی جس سے آمد و رفت اور نقل و حمل میں آسانی ہو گئی ۔

امپیریل بنک آف پرشیا

رائٹر کے اجارے کی منسوخی کا پہلے ذکر آ چکا ہے ، اس کے ساتھ جو زیادتی ہوئی تھی اس کی تلافی کرنے کے لیے حکومت ایران نے اسے ۱۸۸۹ع میں امپیریل بنک کھولنے کا اجارہ دے دیا ۔ یہ بنک دس لاکھ سٹرلنگ سے شروع کیا گیا تھا ۔ بنک کے کاروبار کے علاوہ اسے کرنسی نوٹ جاری کرنے کا بھی حکومت ایران نے اختیار دے دیا ۔ نیز کانیں کھودنے کا بھی اسے اجارہ ملا ۔ البتہ سونا ، چاندی اور جواہرات ایسی قیمتی اشیا کی برآمد اس کے دائرۂ کار سے باہر تھی ۔ شروع شروع میں یہ کاروبار رائٹر کو بہت مہنگا پڑا پھر چاندی کی بین الاقوامی قیمت گری تو اسے اور بھی خسارہ ہوا لیکن یہ اور اس کے ساتھی دھن کے پکے تھے، ۲۵ سال

کام کرنے کے بعد ان کے لیے منفعت کی بہت سی صورتیں پیدا ہو گئیں ۔ بنک کی مالی حالت بھی مستحکم ہو گئی جس سے یہ حکومت اور تاجروں کے مابین خدمات انجام دینے کا نہایت مفید وسیلہ بن گیا ۔

روسی بنک کا اجرا

انگریزوں کے نقش قدم پر چل کر روسیوں نے بھی اپنا ایک بنک جاری کیا ۔ یہ بنک روسی وزارت مالیات کا ایک شعبہ تھا اور محض سیاسی اغراض کے لیے قائم ہوا تھا ۔

تمباکو کا اجارہ

ناصرالدین شاہ نے ملک میں پیدا ہونے والے تمباکو کا اجارہ ۱۸۹۰–۹۲ء میں ملی جذبات کو پس پشت ڈال کر انگریزوں کی ایک فرم کو ۱۵ ہزار پاؤنڈ سالانہ کے عوض دے دیا ۔ اگرچہ یہ اجارہ مالی منفعت کے پیش نظر ہی دیا گیا تھا لیکن اس کے خلاف پوری قوم نے آواز اٹھائی ۔ گویا دوسرے لفظوں میں یہ اجارہ قومی بیداری کا موجب بنا ۔ اس کی داستان بڑی طویل ہے ۔ اس کا مختصر سا بیان درج ذیل ہے ۔

تمباکو کا اجارہ ان اجاروں کی ایک کڑی تھی جو اہل ایران کے لیے ناراضی کا موجب بنے ۔ غیر ملکیوں کو جہاز رانی کا اجارہ دیا گیا تو ایرانیوں نے اس کی مخالفت کی کیوں کہ اس سے شاہ کو تو ضرور فائدہ ہوا کہ اسے ایک سٹیمر مل گیا ، لیکن عوام کو اپنے فائدے کی کوئی صورت نظر نہ آئی ۔ کان کنی کا اجارہ غیر ملکیوں کو ملا تو یہ بھی عوام کے غم و غصہ کا سبب بنا ۔ امپیریل بنک قائم ہوا تو رنجیدگی کی ایک اور صورت پیدا ہوئی ۔ اب تمباکو کا اجارہ جو دیا گیا تو اس سے ایرانیوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا ۔ ملک بھر کے دانش ور ، مجتہد ، ادیب ، خطیب اور اخبار نویس قومی پلیٹ فارم پر جمع ہوئے اور علی الاعلان حکومت پر نکتہ چینی کرنے لگے ۔ حکومت کی ایک ایک بے قاعدگی اور ایک ایک زیادتی نمایاں ہو کر قوم کے سامنے آئی ۔

قومی تحریک میں جن محب وطن لوگوں نے حصہ لیا ان کا مختصر سا ذکر درج ذیل ہے ۔

میلکم خاں

میلکم خاں ارمنی خاندان کا ایک دانش ور تھا - یہ ۱۸۷۲ء سے سینٹ جیمز کے دربار لندن میں حکومت ایران کا نمائندہ وزیر تھا - اجاروں کی تفویض سے میلکم خاں اور شاہ ایران کے مابین اختلاف پیدا ہو گیا اور ۱۸۸۹ء میں اسے ایران کی نمائندگی کے منصب سے الگ کر دیا گیا -

میلکم نے ''قانون'' کے نام سے ایک ماہنامہ لندن سے نکالا جو تقریباً ساڑھے تین سال تک جاری رہا -

رسالہ[1] قانون کا آغاز اسلامی رنگ میں ہوا - پھر ناصرالدین شاہ کی تعریف و توصیف کے بعد اصل مضمون شروع ہوا جس میں ایران کی بدحالی کا تفصیلی جائزہ لیا گیا - بد حالی کی وجہ یہ بتائی گئی کہ: ''ملک کا کوئی قانون نہیں، قانون ہو بھی کیسے کہ جب ملک کا وزیر اعظم امین السلطان (بچہ قاطرچی) ایک نالائق اور خائن شخص ہے -'' دوسرے شمارے میں میلکم خاں نے ایک مقالہ سپرد قلم کیا جس کا ملخص حسب ذیل ہے: ''ملک[2] چند کمینے اور خود غرض لوگوں کے ہاتھوں میں ہے - اہل ایران کے حقوق غیرملکیوں کے ہاتھوں رہن ہو گئے ہیں - ذمے دار عہدوں پر خوشامدی اور راشی براجمان ہیں - ہماری فوج پر دنیا ہنستی ہے - علما بادشاہ کی رہنمائی کرنے کے بجائے اس کے اشاروں پر چلتے ہیں - ہر قصبہ غلاظتوں کا ڈھیر ہو کر رہ گیا ہے - ہماری سڑکیں جانوروں کی گزرگاہوں سے بدتر ہیں - ملک کا اپنا کوئی قانون نہیں ہے -''

''اس[3] شریف نوجوان سے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ ہمارے ملک کے حقوق و مراعات کس قانون کے تحت غیر ملکی طالع آزماؤں کے ہاتھ فروخت کر رہے ہو - یہ تجارتی کاروبار اسلام کے مقدس قانون کے ماتحت

---

۱ - قانون ۲۰ فروری ۱۸۹۰ء

۲ - قانون، ۲۲ مارچ ۱۸۹۰ء

۳ - قانون، جولائی ۱۸۹۰ء

اور تمام ملکوں کے قانون کی رو سے اہل ملک کی ملکیت ہے - یہی وہ وسیلہ ہے جس پر ہم زندہ اور ہمارا دارالحکومت قائم ہے - کیا ایرانی سچ مچ مردہ ہو چکے ہیں کہ تم ان کے ورثوں کی نیلامی بول رہے ہو؟'' طنزاً جسے شریف نوجوان کہہ کر خطاب کیا گیا ہے ، اس سے مراد ''امین السلطان'' ہے -

جوں جوں وقت گزرتا گیا ''قانون'' کے لہجے میں سختی آتی گئی - ایک ''مکتوب نگار'' مدیر قانون کو طعنہ دیتا ہے کہ : ''تم تو اپنا[1] رسالہ ایک آزاد ملک سے نکال رہے ہو ، بادشاہ کی خوشامد کو چھوڑنے میں نہیں آتے - تمہارے قلم کا رخ اس کے وزرا کی طرف کب تک رہے گا؟ یہ وزیر کون ہیں ؟ ان کو نامزد کرنے والا کون ہے ؟ اس بادشاہ کے سوا ایسے وزرا دنیا میں اور کون فراہم کر سکتا ہے ؟ تنہا امین السلطان پر نکتہ چینی کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں - اگر وہ صفحۂ ہستی سے معدوم بھی ہو جائے تو بادشاہ اس جیسے کسی اور مجہول النسب ملامتی کو ڈھونڈھ نکالے گا کیونکہ وہ قابل اور ذہین لوگوں سے نفرت کرتا ہے -''

یہ کہنا تو مشکل ہے کہ میلکم کے ''قانون'' کا قومی بیداری میں کیا حصہ ہے لیکن یہ ضرور پتا چلتا ہے کہ یہ رسالہ کسی نہ کسی طرح ایران پہنچتا تھا اور اس کا لفظ لفظ خنجر بن کر بادشاہ اور اس کے وزرا کے سینے میں پیوست ہوتا تھا - جو[2] لوگ خواہ وہ کتنے ہی بڑے تھے ، اس رسالے کو پڑھتے یا جن کے پاس یہ رسالہ ہوتا انہیں طرح طرح کی سزائیں دی جاتیں - ''قانون'' کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں خفیہ انجمنیں قائم ہو رہی تھیں جن کا مقصد ایران میں ذمے دار حکومت قائم کرنا تھا -

سید جمال الدین افغانی

ایران میں جمہوریت کی تحریک کے بانی سید جمال الدین افغانی تھے - آپ ایک متبحر عالم ، نڈر رہنما ، آتش بیان خطیب اور مستحکم کردار

---

۱ - قانون ، ۱۸ ستمبر ۱۸۹۰ع

۲ - ای - جی براؤن : Persian Revolution، صفحہ ۳۵ ، ۳۶ -



میلکم خان

کے مالک تھے - آپ نے متعدد یورپی اور اسلامی ممالک کی سیاحت کی - سیاحت کے دوران ان کی ملاقات ناصرالدین شاہ کے ساتھ ترکیہ میں ہوئی ، جو دورۂ یورپ پر نکلا ہوا تھا - شاہ ایران ان کے علم و فضل سے بہت متاثر ہوا اور انھیں ایران آنے کی دعوت دی - چنانچہ آپ ایران آ گئے - شروع شروع میں شاہ نے انھیں اپنے قرب کا موقع دیا ، لیکن بہت جلد اسے معلوم ہو گیا کہ یہ پکے قوم پرست اور انقلابی رہنما ہیں - اس لیے انھیں ۱۸۸۶ع میں ایران سے چلے جانے کا حکم ہو گیا اور آپ یورپ چلے گئے -

تیسری مرتبہ جب ناصرالدین شاہ نے یورپ کا دورہ کیا تو بویریا کے دارالسلطنت میونخ میں آپ کی ملاقات پھر شاہ ایران سے ہوئی - ناصرالدین نے یہ خیال کر کے کہ ایسا شخص باہر رہ کر ایران کی زیادہ مخالفت کر سکتا ہے ، انھیں پھر ایران آنے کی دعوت دی اور اپنے معزز مہمان کی حیثیت میں انھیں ۱۸۸۹ع میں اپنے ہمراہ ایران لے آیا -

سید جمال الدین کا تہران پہنچنا تھا کہ عقیدت مند ان کے علم سے مستفید ہونے کے لیے ان کے اردگرد جمع ہونے لگے - بادشاہ کو ان کی مقبولیت سے کچھ شبہ نہ ہوا کیوں کہ دورۂ یورپ میں ان کی ملاقات سے بہت شکوک رفع ہو چکے تھے - بادشاہ نے انھیں اور اپنے قریب کرنا چاہا اور ان سے بعض معاملات میں مشورے بھی لینے لگا - اسی اثنا میں تمباکو کا اجارہ دینے کی بات چیت ہو رہی تھی جس کے سلسلے میں سید جمال الدین سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی - آخر ۱۸۹۲ع تک مکمل اجارہ ایک انگریز کمپنی کو دے دیا گیا - یہ سودا ملک کے لیے خسارے کا تھا ، اس لیے جگہ جگہ بادشاہ کے اس فیصلے کے خلاف احتجاج ہونے لگا - سید جمال الدین افغانی کو یہ اجارہ سخت ناگوار گزرا ، چنانچہ اس کی سخت مخالفت کی اور مختلف مقامات پر تقریریں کر کے غم و غصہ کا اظہار کیا - اسی سلسلے میں آپ نے ایک مراسلہ مجتہدین کے سربراہ محب الاسلام اسماعیل حاجی مرزا شیرازی کو لکھا جو سمرہ میں مقیم تھے - مراسلے کا ملخص درج ذیل ہے :

"ملک[۱] کا بادشاہ قوم کا خائن ہے ۔ صحیح طور پر ملک میں حکومت کرنے کا اسے شعور نہیں ۔ وزیر اعظم امین‌السلطان کو اس نے سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا ہے ۔ یہ وزیر بھی ظالم ، بے دین اور غاصب شخص ہے ۔ نعوذ باللہ آنحضرت ؐ کی شان اقدس میں گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے ۔ مذہبی علما کے احکام کی صریحاً خلاف ورزی کرتا ہے ۔ شراب نوشی کرتا ہے ، سیدوں کو برا کہتا ہے ، کفار کا دوست اور مسلمانوں کا دشمن ہے ۔ اغیار کے فاسد ارادوں میں برابر کا شریک ہے۔ سرزمین ایران کو غیر ملکیوں کے ہاتھ فروخت کرنے پر تلا ہوا ہے ۔ ایک غیر ملکی کمپنی کو اس نے تمباکو کی خرید و فروخت کا مکمل اختیار دے دیا ہے ۔ ایک غیر ملکی بنک قائم کرنے سے ملکی اقتصادیات کا اختیار بھی غیر ملکیوں کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے ۔ بادشاہ لوگوں کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے کہتا ہے کہ تمباکو کا اجارہ ایک محدود وقت کے لیے ہے ، محدود وقت بھی پچاس سال کا ۔ یہ کہنا گویا محب وطن لوگوں کے زخموں پر نمک چھڑکنا ہے ۔ ادھر انگریز ایران کا سودا کر رہے ہیں ، ادھر روس اپنے شمالی مقبوضات پر مطمئن نہیں اور اب وہ خراسان کو اپنی مملکت میں شامل کرنے کے لیے بے چین ہے ۔ ملکی مفادات سب غیر ملکیوں کے ہاتھ رہن رکھ دیے گئے ہیں ۔ بادشاہ نے محض اپنے عیش و آرام کے لیے قرضے لے رکھے ہیں ۔ دوسرے لفظوں میں ملک کے صوبوں کا نیلام ہو چکا ہے ۔ اٹھیے اٹھیے ! اس نازک موقع سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اٹھیے ۔ آپ مشاہیر اسلام کے سربراہ ہیں ۔ آپ اہل اسلام کو سیدھی راہ پر لگائیے ۔ اگر آپ نے رہنمائی نہ کی تو یہ اسلامی ملک دشمنان اسلام کے ہاتھوں میں چلا جائے گا ۔ یہاں کے سب علما آپ کے فیصلے کے منتظر ہیں ۔" حاجی مرزا شیرازی اس خط سے بہت متاثر ہوئے اور ایک فتویٰ جاری کرکے تمباکو کی کاشت اور اس کی خرید و فروخت کی ممانعت کر دی ۔ دوسرے علما نے مجتہدین کے اس سربراہ کا فتویٰ چھاپ کر ملک کے گوشے گوشے میں تقسیم کرا دیا ۔ اس فتوے پر اس تیزی سے عمل ہوا کہ جہاں کہیں تمباکو نظر آیا ضائع کر دیا گیا ۔

---

۱ ۔ ای ۔ جی ۔ براؤن ; Persian Revolution ، صفحہ ۳۶ ۔ ۳۰



سید جمال الدین افغانی

حقے گھروں سے نکال نکال کر گلیوں میں توڑ پھوڑ دیے گئے ۔ تمباکو کی دکانیں بند ہو گئیں ۔ یہاں تک کہ خود بادشاہ کو بھی تمباکو میسر نہ آتا تھا ۔

اس صورت حال سے سید جمال الدین افغانی کے متعلق بادشاہ کا رویہ تبدیل ہوگیا ۔ سید صاحب نے محسوس کیا کہ اب ایران میں رہنا ٹھیک نہیں ۔ اس لیے بادشاہ سے یورپ جانے کی اجازت مانگی مگر بادشاہ نے بے مروتی برتی اور اجازت نہ دی۔ سید سخت برافروختہ ہوئے اور شاہ عبدالعظیم میں آ کر پناہ لے لی ۔ یہاں انھوں نے کھلم کھلا بادشاہ کی مخالفت کی ۔ اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے اس کی مذمت کی ۔ عوام کو اُبھارا کہ ایسے ناعاقبت اندیش بادشاہ کو تخت سے اتار دیں ۔ عقیدت مندوں کا بہت بڑا ہجوم آپ کے اردگرد جمع ہو گیا ۔ ان میں زیادہ سرگرم شیخ علی قزوینی اور قاضی عدلیہ مرزا آغا خاں تھے ۔ مرزا آغا کو بالآخر فرار ہو کر قسطنطنیہ جانا پڑا جہاں انھوں نے ''اختر'' کے نام سے ماہنامہ جاری کیا اور اس کے پرچے کسی نہ کسی طرح ایران بھیجتے رہے ۔ مرزا رضا کرمانی نے بھی آزادی کی اس تحریک میں سرگرم حصہ لیا ۔ یہ وہی مرزا رضا تھا جس نے بعد میں شاہ عبدالعظیم کی چار دیواری کے اندر ناصرالدین شاہ کو گولی مار کر ہلاک کیا تھا ۔

جمال الدین افغانی کی سرگرمیوں میں شدت آئی تو ناصرالدین نے پانچ سو سپاہیوں کا ایک دستہ بھیجا کہ وہ انھیں شاہ عبدالعظیم سے باہر لے آئیں ۔ سید اس وقت بیمار تھے ، لیکن یہ سپاہی انھیں بستر سے گھسیٹ کر باہر لے آئے اور انھیں ترکیہ کی سرحد پر پہنچا دیا ۔ جمال الدین افغانی ایسے جلیل القدر عالم کے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر ان کے پیرو علما کے دلوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی ۔

سید جمال الدین لندن پہنچے جہاں انھوں نے ایران کے استبداد کے خلاف تقریریں کیں اور انتہائی پرجوش مقالات لکھے جو کسی نہ کسی طرح ایران پہنچتے رہے ۔ لندن میں دو سال قیام کرنے کے بعد یہ قسطنطنیہ چلے گئے جہاں انھوں نے ناصرالدین شاہ کے خلاف اپنی

سرگرمیاں جاری رکھیں، لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا ۔ آخر ۱۸۹۶ع میں سرطان کے مرض میں مبتلا رہ کر راہیٔ ملک بقا ہوئے ۔

اجارۂ تمباکو کے خلاف بلوے

سید جمال الدین کے اخراج کے بعد اجارۂ تمباکو کے خلاف تحریک نے زور پکڑا ۔ ناصرالدین شاہ کا فرانسیسی ڈاکٹر فوریئر لکھتا ہے کہ اس اجارے[1] کے خلاف طول و عرض ایران میں غم و غصے کا اظہار ہوا اور بلووں کی تیاریاں ہونے لگیں ۔ یزد اور تہران میں خاص طور سے اضطراب کی لہر دوڑی ۔ علما اس تحریک کی پشت پناہی کر رہے تھے جنھیں کربلا کے مجتہد اعظم سے فتویٰ ملتا تھا ۔

۱۸۹۱ع میں تبریز میں پہلا بلوا ہوا ۔ تمباکو کارپوریشن کے بورڈ اتار کر توڑ پھوڑ دیے گئے اور ان کی جگہ انقلابی نعرے ثبت کیے گئے ۔ اہل تبریز نے تار دے کر شاہ سے پرزور احتجاج کیا کہ ایرانیوں کے حقوق کو غیر ملکیوں کے ہاتھ فروخت کرنے کا جو معاہدہ ہوا ہے اسے ختم کیا جائے، ورنہ ملکی حقوق کی حفاظت کے لیے تشدد سے کام لیا جائے گا ۔ اس پر امین السلطان نے انگریز اور روسی حکام سے مشورہ کیا ۔ ناصرالدین شاہ نے روسی حکومت سے استدعا کی کہ وہ مداخلت کرکے تبریز میں امن قائم کرنے میں مدد دے، لیکن روسی حکومت نے اجارے کو منسوخ کرنے کا مشورہ دیا ۔ بادشاہ نے پھر انگریزوں کی طرف رجوع کیا اور ان سے مشورہ کرکے اہل تبریز کو یہ کہہ کر اطمینان دلانا چاہا کہ تمباکو کی صنعت میں تبریز اور آذربائیجان کے پورے صوبے میں ایرانی ملازم رکھے جائیں گے ۔ لیکن اہل تبریز منسوخی کے بغیر کوئی بات سننے کو آمادہ نہ تھے ۔ آخر حکومت ایران نے ہتھیار ڈال دیے اور اعلان کیا کہ تبریز میں تمباکو کے معاہدے پر عمل نہیں ہوگا ۔ اس سے ایران کے دوسرے شہروں کے رہنماؤں کی بھی حوصلہ افزائی ہوئی ۔ اصفہان اور شیراز میں بھی لوگوں نے اہل تبریز کا طریق کار اختیار کیا ۔ ان کی تقویت[2] حاجی مرزا اسماعیل کے مراسلے

---

۱ ۔ بحوالہ براؤن : Persian Revolution ، صفحہ ۵۰ ۔

۲ ۔ ای ۔ جی ۔ براؤن: Persian Revolution ، صفحہ ۵۰، ۵۱ ۔

سے ہوئی جو انھوں نے سمرہ سے بادشاہ کو بھیجا ۔ اس میں انھوں نے یہ ثابت کیا تھا کہ : ''اجارہ جو غیر ملکیوں کو دیا گیا ہے ، قرآن اور روح اسلامی کے قطعاً منافی ہے ۔''

ماہ اکتوبر میں ایک شخص سید عالمگیر کلار دشتی نے علی الاعلان علم بغاوت بلند کیا اور سیکڑوں پیروؤں کے ساتھ حکومت ایران کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ۔ اس کے مقابلے کے لیے پانچ سو سواروں کا دستہ بھیجا گیا ۔ باقاعدہ جنگ ہوئی جس میں دو سو ایرانی مارے گئے اور سید عالمگیر کو اسیر کرکے تہران بھیج دیا گیا ۔

دسمبر ۱۸۹۱ع میں صورت حال خراب تر ہوگئی اور دارالحکومت تہران میں ہنگامے کی تیاری ہونے لگی ۔ ادھر تبریز میں قوم کے عام احتجاج سے ہمدردی کے طور پر پھر تحریک شروع ہوئی جو تبریز میں معاہدہ ختم کرنے کے وعدہ پر تھم گئی تھی ۔ اب انھوں نے پورے ایران میں معاہدے کی منسوخی کا مطالبہ کیا ۔ آخر امین السلطان نے حکام کا اجلاس طلب کیا اور تمباکو کارپوریشن کو ختم کرنے اور اسے معاوضہ دینے کے مسئلے پر غور ہوا ۔

کرسمس کی رات کو لوگوں نے دیواروں پر اشتہار لگائے کہ اگر ۴۸ گھنٹے کے اندر اندر تمباکو کا اجارہ ختم نہ ہوا تو غیر ملکی ہلاک کر دیے جائیں گے ۔ اس سے غیر ملکیوں میں سخت خوف و ہراس پھیلا اور طرح طرح کی افواہیں اڑنے لگیں ۔ چنانچہ غیر ملکیوں کی قیام گاہوں پر فوج متعین کر دی گئی ۔ آخر صبح کو جب جنوری ۱۸۹۲ع کا آفتاب طلوع ہوا تو شاہ نے تمباکو کے اجارے کی منسوخی کے فرمان پر دستخط ثبت کر دیے اور اس کا اعلان کر دیا گیا ۔

تمباکو کا معاہدہ منسوخ ہو گیا ۔ معاہدے کی منسوخی سے انگریزوں کے وقار پر کاری ضرب لگی اور اسی نسبت سے روسیوں کا وقار بڑھا ۔

تمباکو کارپوریشن کا معاوضہ

تمباکو کارپوریشن نے جو اب تک خرچ کیا تھا ، اس کا معاوضہ

دینے کے لیے یہ طے ہوا کہ حکومت ایران تمباکو کارپوریشن کو پانچ لاکھ پاؤنڈ ادا کرے۔ اپریل ۱۸۹۲ع میں یہ رقم خطیر امپیریل بنک آف پرشیا سے ۶ فی صد سود پر لے کر کارپوریشن کو ادا کر دی گئی۔ سود کی ادائیگی کے لیے خلیج فارس کے محصولات کی ضمانت پیش کی گئی اور اصل زر کی واپسی کے لیے چالیس سال کی میعاد مقرر ہوئی۔

قومی بیداری کی ابتدا

تمباکو کے اس قضیے کے نتائج بہت دور رس تھے۔ ایرانی عوام نے اپنی منظم تحریک سے یہ ثابت کر دیا کہ حکومت کی زیادتیاں برداشت کرنے کی بھی حد ہوتی ہے، نیز یہ کہ ایرانی عوام جیسا کہ سمجھا گیا تھا، مردہ نہیں۔ ان کی بھی آواز ہے اور ان کے مفاد پر بھی حکومت کو غور کرنا ہوگا۔ ایران میں قومی بیداری کا آغاز حقیقت میں یہیں سے شروع ہوتا ہے۔

ناصرالدین شاہ کا قتل

ناصرالدین شاہ ۱۲۶۴ھ مطابق ۱۸۴۸ع میں تخت نشین ہوا تھا۔ اب ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۶ع میں اس کی تخت نشینی کا پچاسواں سال شروع ہو رہا تھا۔ اس کا جشن پچاس سالہ منانے کے لیے ایران اور ایران کے تمام غیرملکی سفارت خانوں میں زور شور سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ جشن میں صرف تین دن باقی تھے کہ اچانک ناصرالدین شاہ کے قتل کی خبر نے دنیا بھر کو چونکا دیا۔ ناصرالدین جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے شاہ عبدالعظیم آیا، جو تہران سے چھ سات میل کے فاصلے پر ہے۔ مسجد میں داخل ہوا ہی تھا کہ مرزا محمد رضا کرمانی نے اسے عین اسی جگہ جہاں سے سید جمال‌الدین کو گھسیٹ کر باہر لایا گیا تھا، گولی مار کر ہلاک کر دیا اور اس کی لاش دارالحکومت پہنچا دی گئی۔

مرزا محمد رضا کرمانی نے شاہ کو کیوں قتل کیا؟

مرزا محمد رضا کرمانی نے شاہ کو کیوں قتل کیا اور وہ تھا کون؟ یہ اس زمانے کی تاریخ کا ایک اہم سوال تھا۔ اس کے متعلق مختلف



مرزا محمد رضا کرمانی
جس نے ناصر الدین شاہ کو یکم مئی ۱۸۹۶ء کو گولی مار کر
ہلاک کیا اور ۱۲ اگست کو پھانسی پائی

لوگوں کی مختلف رائیں تھیں ، لیکن اس کے مقدمے کی روئداد جو ''صور اسرافیل[۱]'' میں چھپی اس سے قتل کے اسباب پر روشنی پڑتی ہے -

سوال : تم نے شاہ کو کیوں قتل کیا جب کہ تم جانتے تھے کہ تمباکو کی تحریک میں تم پر جو زیادتی ہوئی اس کے ذمے دار نائب السلطنت کامران مرزا اور وکیل الدولہ تھے -

جواب : تعصب سے پاک انصاف کا تقاضا تھا کہ شاہ کسی تیسرے غیر جانب دار شخص سے امر واقعہ کی تحقیقات کراتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اس لیے اس نے جانب داری سے کام لیا - اور پھر اس عظیم انسان (سید جمال الدین افغانی) نے جو پیغمبر اسلام کے خاندان سے تھے ، کیا بگاڑا تھا کہ انھیں شاہ عبدالعظیم کی مقدس چار دیواری سے اس ذلت سے گھسیٹ کر نکالا گیا کہ ان کی شلوار بھی تار تار ہو گئی - انھوں نے سچائی بیان کرنے کے علاوہ اور کیا کہا تھا ؟

سوال : سید جمال الدین کا لوگوں پر کیا اثر تھا ؟ اور اس کے ساتھ کون کون تھے ؟

جواب : جب سید اس شہر میں وارد ہوئے تو ہر جماعت اور ہر درجے کے لوگ ان سے ملنے کے لیے تہران اور شاہ عبدالعظیم آیا کرتے تھے - جو کچھ وہ فرماتے ، لوگ غور سے سنتے ، جو کچھ وہ کہتے خدا کے لیے ہوتا اور لوگوں کی بھلائی کے لیے ہوتا ، اس لیے ہر شخص ان کی باتوں سے مستفید ہوتا اور اثر قبول کرتا تھا - اس طرح انھوں نے بلند مقاصد کا بیج لوگوں کے دلوں میں بویا - وہ سوئے ہوئے تھے ، جاگ اٹھے اور ہوش سنبھالا - لیکن میں اس خدائے واحد کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو سید جمال الدین اور کل دنیا کا خالق ہے کہ میرے ارادۂ قتل کا علم میرے اور ان کے سوا کسی کو نہ تھا - سید اب قسطنطنیہ میں ہیں ، جائیے جو کچھ ان کے خلاف کر سکتے ہیں کر لیجیے -

---

۱ - شمارہ ۹ ، ۷ جولائی ۱۹۰۷ع -

ناصرالدین شاہ کی تعلیم میں دلچسپی

ناصرالدین شاہ اپنے پیش رؤوں کی طرح قومی جذبات سے عاری نہ تھا۔ لیکن بعض سیاسی لغزشوں کی وجہ سے اس نے ایران کو مشکلات میں پھنسا دیا ؛ اس میں شک نہیں کہ اس کی نیت بری نہ تھی۔ اس نے تہران میں دارالفنون کے نام سے ایک کالج کھولا۔ اس درس گاہ میں تعلیم دینے کے لیے انگریزی ، روسی ، فرانسیسی اور جرمن پروفیسر مقرر کیے تاکہ ملک میں جدید تعلیم رائج ہوسکے۔ ان ماہرین تعلیم نے نہ صرف ایرانی طلبہ کو جدید تعلیم سے بہرہ مند کیا بلکہ تقاضائے وقت کے مطابق اہم کتابیں بھی لکھوائیں اور ان کا ترجمہ فارسی میں کرایا۔ یورپ کی سیاحتوں سے وہ خود مغربی تہذیب و تمدن سے بہت متاثر ہوا تھا اور چاہتا تھا کہ نئے خیالات سے ایران بھی بہرہ‌ور ہو۔ لیکن یہ سب کچھ کرنے کے بعد وہ نئے رجحانات پر پچھتاتا بھی تھا اور خوش حال لوگوں کو یورپ جانے سے روکتا بھی تھا۔ اب حالت یہ تھی کہ غیر ملکی اساتذہ ایران کے سکولوں میں تعلیم دیتے تھے۔ انگریزوں اور روسیوں نے ایران کے مفاد کے خلاف اقتصادی مراعات حاصل کر لی تھیں جن کی وجہ سے اہل یورپ کے ترقی یافتہ خیالات سیلاب کی طرح امڈے چلے آتے تھے۔

ایرانی عوام کی بیداری

ایران کی چند ہزارسالہ تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ اہل ایران نے کبھی اپنی آزادی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ بیرونی حملہ آوروں نے جب بھی ایران میں اپنی حکومت قائم کی تو اہل ایران نے زود یا بدیر ان کی اطاعت کا جوا اتار پھینکا یا انھیں اپنے میں کچھ اس طرح جذب کیا کہ حملہ آوروں کے پردے میں خود ایرانیوں نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی۔

ایران میں اہم ترین انقلاب قاچاریوں کے دور میں شروع ہوا۔ اہل ایران نے بڑی شدت سے محسوس کیا کہ ایران کے بعض اہم علاقے غیر ملکی حکومت کے تسلط میں آ گئے ہیں اور دوسرے ممالک ایران کے

معاملات میں دخل انداز ہونے لگے ہیں ۔ اگرچہ انھوں نے ایران میں بعض مفید اصلاحات کیں لیکن ساتھ ہی مختلف قسم کے اجارے حاصل کرکے ایران کے لیے پریشانی بھی پیدا کر دی ۔ بہرحال حالات کی اصلاح کے لیے کئی تعمیری قدم اٹھائے گئے ۔ ایران کے دانش مند وزرا مثلاً مرزا ابوالقاسم قائم مقام ، مرزا تقی خاں امیر نظام ، مرزا محمد خان سپہ سالار نے ملک میں بعض مفید اصلاحات نافذ کیں ۔ اگرچہ یہ اصلاحات نامکمل رہیں لیکن عوام کے افکار انھوں نے ضرور روشن کر دیے ۔ اس سلسلے میں امیر نظام خاص طور سے قابل ذکر ہیں جنھوں نے تعلیم پھیلانے میں جد و جہد کی ، دارالفنون کھولا ، روزانہ اخبار جاری کرائے ، طلبہ کو جدید علوم سیکھنے کا شوق دلایا اور یورپ کی کتابوں کے ذریعے اہل یورپ کی سائنسی ترقیوں کے راز اہل وطن کو بتائے ۔ گویا اہل ایران کے سامنے فکر و خیال کی نئی راہیں کھلیں ۔ دوسری طرف مغربی ممالک سے میل جول بڑھا ۔ اہل یورپ کے علوم ، صنائع اور آزادی و مساوات نے ہوش مند ایرانیوں پر یہ واضح کر دیا کہ ایران میں استبدادی حکومت اب ملک اور قوم کے لیے موزوں نہیں ۔ اب اگر اصلاحات نافذ نہ کی گئیں اور حکومت کا ڈھانچا بدلا نہ گیا تو ایران کی آزادی خطرے میں پڑ جائے گی ۔

وہ حالات جو ایران کے انقلاب کا پیش خیمہ بنے حسب ذیل ہیں :

۱ ۔ ایران کے بعض علاقوں پر غیر ملکی حکومتوں کا تسلط ۔ ایران کے معاملات میں غیر ملکیوں کا عمل دخل ۔

۲ ۔ غیر ملکیوں کو اجارے دینے کی وجہ سے ایرانیوں کی حق تلفی ۔

۳ ۔ بادشاہ کا استبداد اور حکام اور شہزادوں کا عوام کے ساتھ ناروا سلوک ۔

۴ ۔ اقوام یورپ سے میل جول ۔

۵ ۔ قوم کی بیداری ۔

۶ ۔ مغربی علم و ادب کا مطالعہ جس کی وجہ سے ایران کی نئی پود کے ذہن روشن ہوئے ۔ امیر نظام کی نافذ کردہ اصلاحات ۔

۷ - علما کی تبلیغ آزادی ، جن میں سید جمال‌الدین افغانی اور میلکم‌خاں خاص طور سے قابل ذکر ہیں -

۸ - ناصرالدین کا دورۂ یورپ -

۹ - اجاروں کی منسوخی ، جو حقیقت میں قوتِ استبداد کی پہلی شکست تھی -

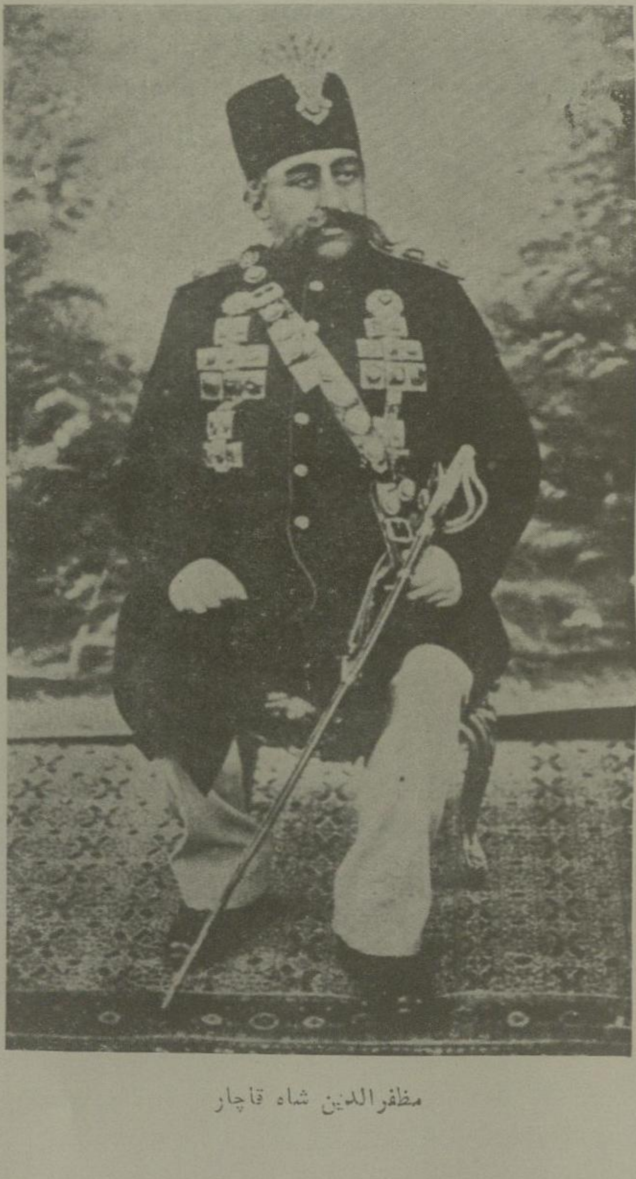
مظفرالدین شاہ

(۱۳۱۳ تا ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۸۹۶ تا ۱۹۰۷ع)

ناصرالدین شاہ قتل ہوا تو اس کا شاہزادہ ولی عہد مظفرالدین شاہ تبریز میں تھا - وہاں سے وہ انگریزوں اور روسیوں کی معیت میں تہران آیا اور ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۶ع میں تخت نشیں ہوا - مظفرالدین شاہ سلیم‌الفطرت اور نیک دل شخص تھا - ظلم و ستم اور خونریزی سے اسے دلی نفرت تھی - کسی کی درخواست کو رد کرنا اسے پسند نہ تھا لیکن صحت خراب رہتی تھی - ملکی بے چینی کو دبانے کی اس میں اہلیت نہ تھی اس لیے مفاد پرست لوگ اس پر چھا گئے اور اسے اصلاحات نافذ کرنے سے باز رکھا -

امین‌السلطان کی معزولی اور بحالی

تمباکو کا اجارہ ختم ہونے کے بعد امین‌السلطان کی ہمدردی جو انگریزوں کے ساتھ تھی ختم ہو گئی ، اب اس نے روسیوں کی دوستی کا دم بھرنا شروع کیا - ابھی کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا تھا کہ مظفرالدین شاہ نے اسے صدارت سے الگ کرکے ایک فاضل انشاپرداز اور تجربہ کار شخص مرزا علی خاں امین‌الدولہ کو صدر اعظم کے خطاب سے سرفراز کیا اور وزارت عظمیٰ اسے سونپ دی - اس نے اصلاحات کی طرف قدم اٹھایا اور جب ایک آکسفورڈ کے گریجویٹ ناصرالملک کو وزیر مالیات بنایا گیا ، تو کچھ اور امید بندھی کہ ملک میں اصلاحات نافذ ہو جائیں گی - جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے ، مظفرالدین کی صحت خراب رہتی تھی - ڈاکٹروں نے اسے علاج کے لیے یورپ جانے کا مشورہ دیا - شاہی سفر کے لیے رقم خطیر کی ضرورت تھی جو شاہی خزانے میں



مظفرالدین شاه قاجار

نہ تھی ۔ امین‌الدولہ نے کوشش کی کہ دس لاکھ پاؤنڈ کا انتظام لندن سے ہو سکے لیکن تمباکو کے اجارے کی منسوخی کی وجہ سے لندن میں ایران کی ساکھ برقرار نہ رہ سکی تھی ، اس لیے قرضے کی صورت نہ بن سکی۔ اس ناکامی کے بعد امین‌الدولہ کو منصب وزارت سے الگ کر دیا گیا ۔ اب شاہ کی بڑی خواہش قرضہ حاصل کرنے کی تھی اس لیے امین‌السلطان کو بلا کر پھر اسے وزارت عظمیٰ سونپ دی اور اتابک اعظم کے خطاب سے بھی سرفراز کیا ۔ اس میں شک نہیں کہ وہ دانش مند اور باہوش شخص تھا لیکن اس کا میلان طبع روسیوں کی طرف تھا اس لیے اس نے انھی کے مفاد کو پیش نظر رکھا ۔ امین‌السلطان کی کوشش سے حکومت روس ساڑھے بائیس لاکھ روبل یعنی ۲۴ لاکھ پاؤنڈ بطور قرض دینے پر آمادہ ہو گئی ۔ قرضے کی ادائیگی کے لیے یہ شرط عاید کی گئی کہ ملک کا محصول وصول کرنے کا انتظام روسی حکام کے سپرد کر دیا جائے ۔ شاہ ایران نے یہ خواہش بھی کی تھی کہ امپیریل بنک سے جو قرضہ لے کر تمباکو کارپوریشن کو دیا گیا تھا وہ بھی حکومت روس امپیریل بنک کو ادا کر دے ۔ چناں چہ اسے بھی تسلیم کر لیا گیا اور اس طرح روس ایران کا واحد قرض خواہ بن گیا اور محصولات کے دفاتر روسیوں کے سپرد کر دیے گئے ۔

محصولات ایران کی اصلاح

ایران کا محصولات وصول کرنے کا طریقہ نہایت ناقص تھا ۔ محصولات کا بیشتر حصہ حکام اور کارندوں کی جیبوں میں چلا جاتا تھا ۔ اب حکومت روس نے اپنے ایک افسر ناؤس کو کرمان شاہ اور تبریز کے محصول خانوں کا ناظم مقرر کیا ۔ اس نے اپنے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیے اور ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ع میں محصولات کی رقم میں ۵۰ فی صد کا اضافہ ہو گیا ۔ مظفرالدین شاہ ناؤس کی خدمات سے اس قدر خوش ہوا کہ اسے گراں قدر مشاہرے پر وزیر مالیات مقرر کر دیا ۔

روس سے جو قرضہ ملا تھا ، اس کا بیشتر حصہ شاہ کے دورۂ یورپ پر صرف ہوا ، کچھ امپیریل بنک کا قرضہ چکایا گیا اور تھوڑی سی رقم ملازمین کی تنخواہیں ادا کرنے کے لیے باقی بچ گئی ۔

روس کا دوسرا قرضہ

دوسرے ہی سال حکومت ایران نے روس سے مزید دس لاکھ پاؤنڈ کا قرضہ لیا۔ اب کی دفعہ یہ شرط عاید ہوئی کہ دریائے ارس کے سرحدی شہر جلفا سے براستہ تبریز تہران تک سڑک بنانے کا اجارہ روسیوں کو دے دیا جائے۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ اس کے علاوہ روسیوں کو کوئلہ اور تیل نکالنے کے لیے بھی بعض مراعات دی گئیں۔ یہ قرضہ دیتے ہوئے روسیوں نے معاہدے میں ترامیم کرا کر اس شرط کا بھی اضافہ کرا دیا کہ ایران میں جو چیزیں انگلستان سے درآمد کی جاتی ہیں ان پر ۵ فی صد سے ۱۰۰ فی صد تک محصول بڑھا دیا جائے اور تیل اور چینی وغیرہ جو روس سے درآمد کی جاتی ہے، اس کے محصول میں کمی کر دی جائے۔ اس ترمیم سے محصول کی شرح غیر مساوی ہو گئی جو روسیوں کے لیے موافق اور انگریزوں کے لیے ناموافق تھی۔

امین السلطان کی معزولی

جہاں تک ممکن ہوا امین السلطان نے قرضے کی فراہمی میں مدد دی لیکن مظفرالدین شاہ کے بڑھے ہوئے اخراجات کو پورا کرنے سے وہ قاصر رہا۔ اس کے علاوہ ایران کے مختلف علاقوں میں سیاسی ہلچل کے آثار بھی رونما ہوئے، نیز ملت ایران امین السلطان کو روسیوں کا آلۂ کار سمجھ رہی تھی، اس لیے شاہ نے اسے وزارت عظمیٰ کے منصب سے سبکدوش کر دیا اور اس کے بجائے ایک خود غرض اور حریص شخص عبدالحمید عین الدولہ اس منصب جلیلہ پر فائز ہوا۔ وہ ۱۹۰۶ع تک اس منصب پر فائز رہا۔ یہی وہ وزیراعظم ہے جس کے دور میں مشروطیت کی تحریک منظم ہوئی اور پروان چڑھی۔

انگریزوں اور ایرانیوں کے تعلقات کی تجدید

مظفرالدین شاہ کے عہد میں روسی پیش پیش تھے۔ دو مرتبہ شاہ ایران کو انھوں نے قرضے دیے، محصولات کا انتظام انھیں سونپا گیا، جلفا سے تہران تک سڑک بنانے کا اجارہ انھیں ملا اور دوسری طرف جیسا کہ ذکر آ چکا ہے، انگریزوں کا تمباکو کا اجارہ منسوخ ہوا اور کان کنی کا

کام جو برطانوی ادارے کو سونپا گیا تھا ، وہ بھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا ۔ ان واقعات سے انگریزوں کو اخلاقی شکست ہوئی لیکن یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب کہ حکومت برطانیہ جنوبی افریقہ کی جنگ میں مصروف تھی ۔ اس سے فراغت پانے کے بعد حکومت برطانیہ نے ایران سے تعلقات بڑھانے کی طرف توجہ دی ۔ اس غرض کے لیے لارڈ کرزن وائسرائے ہند ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی دستوں کے ہمراہ خلیج فارس آیا ۔ اس کے دورے کا یہ نتیجہ ہوا کہ انگریزوں نے ایران میں مزید قونصل خانے قائم کیے ۔ جنوب مشرق ایران میں تجارتی وفد بھیجا گیا جس سے برطانوی تجارت کے لیے ترقی کی راہ کھلی ۔ ان اقدامات کے بعد ایران میں انگریزوں کا وقار بتدریج سنبھل گیا ۔

انقلاب سے پہلے

مشروطیت کا مطالبہ تسلیم ہونے سے پہلے ایران کی حالت بد سے بدتر ہو رہی تھی ۔ بادشاہ بددیانت مصاحبوں اور مشیروں میں گھرا ہوا تھا ، جن کا شیوہ دولت سمیٹنا تھا ۔ ملک کی دولت کچھ قرضوں کی ادائیگی میں چلی جاتی تھی اور کچھ بادشاہ کے بڑھتے ہوئے اخراجات پر صرف ہوتی تھی ۔ ملک کا بجٹ خسارے کا تھا ، اس لیے مزید قرضوں کی ضرورت پڑتی تھی ۔ نئے وزیراعظم عین‌الدولہ کا شروع شروع میں یہ دعویٰ تھا کہ ملک میں اصلاحات نافذ کرے گا اور سرزمین ایران کو غیر ملکیوں کے پنجے سے رہائی دلائے گا ۔ لیکن جب اس کے پاؤں جم گئے تو اس نے بھی اپنے بعض پیش رووں کی طرح اپنی ہی جیبوں کو پر کرنے کی تدبیریں شروع کیں ۔ اس دور میں صوبوں کا حاکم اس کو بنایا جاتا جو زیادہ سے زیادہ رقم پیش کرتا ۔ ظاہر ہے کہ جو والی رشوت پیش کرکے یہ منصب حاصل کرتا ، اسے مال و دولت فراہم کرنے کی کھلی چھٹی ہوتی تھی ۔ تاجر اجناس کا ذخیرہ کر لیتے تھے اور زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کے لیے گراں نرخوں پر فروخت کرتے تھے ۔ امرا کو دربار شاہی میں بلا کر بڑی بڑی رقمیں وصول کرنے کے لیے ان پر جبر کیا جاتا تھا ۔ رعایا کا جان و مال حکام کے رحم و کرم پر تھا ۔ اس دور میں ایک سازش بھی ہوئی کہ مظفرالدین

شاہ کو تخت سے اتار دیا جائے اور ولی‌عہد کے حقوق کو نظرانداز کرکے شاہ کے چھوٹے بھائی شجاع السلطنت کو تخت نشین کیا جائے۔ لیکن یہ سازش کچھ دبی دبی رہی۔

انقلاب کا آغاز

ناصرالدین شاہ کے زمانے میں بھی ایران کے حالات گو ابتر ہی تھے لیکن اس کی ہیبت لوگوں کے دلوں پر تھی اور بعض بے قاعدگیاں منظر عام پر نہیں آ پاتی تھیں۔ جب اس کا انتقال ہوا تو ایران کی زبوں‌حالی سے یک دم پردہ اٹھ گیا۔ غیر ملکیوں کا عمل دخل، مالی مشکلات، اہل دربار کی حرص و ہوس، خائنوں کی بددیانتی، شاہزادوں کا ظلم و ستم غیر ملکی اجاروں کے نقصانات، غرض ایک ایک بدبختی نظروں کے سامنے ابھر ابھر کر آئی اور ملت کے غم و غصہ کا سبب بنی۔ مرزا علی اصغر امین‌السلطان کی وزارت عظمٰی کے دور میں ایران تباہ حال اور محتاج تر ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ سے جن شرائط پر روسیوں سے قرضے ملے تھے ان سے اہل ایران سخت برافروختہ تھے۔

ان حالات میں اب عوام کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا اور وہ تھا ''انقلاب''۔ ۱۹۰۱ سے ۱۹۰۶ع تک کا دور ایران کے ذہنی انقلاب کا دور تھا۔ لوگ انقلاب کی روشنی میں سوچتے اور اسی روشنی میں اظہار خیال کرتے تھے۔ انقلابی رسالے، جو ایرانی ادیب غیر ممالک میں شائع کرتے تھے، ایران میں بھی کسی نہ کسی طرح پہنچ جاتے تھے۔ میلکم خاں کے رسالہ ''قانون''، مؤیدالاسلام کے رسالہ ''حبل المتین'' نیز ''حکمت'' اور ''اختر'' نے ایران کو بیدار کرنے میں نہایت اہم خدمات انجام دیں اور حکام سلطنت پر کڑی تنقید کرکے ان کے کردار کو منظر عام پر لائے۔ ''سیاحت نامہ ابراہیم بیگ'' تالیف حاجی زین‌العابدین بھی اسی دور کی پیداوار ہے۔ اس میں مؤلف نے ایران کے الم ناک حالات کو نہایت مؤثر پیرائے میں بیان کیا۔ علما اور مجتہدین نے عوام کا ساتھ دیا۔ خفیہ انجمنیں وجود میں آئیں۔ ایک خفیہ انجمن ''اصلاح طلباں'' کے نام سے قائم ہوئی جس کی سرپرستی حجت‌الاسلام سید محمد طباطبائی نے کی۔ اس انجمن نے ملت کی نہایت قابل قدر خدمات

انجام دیں - واعظوں نے منبروں پر آ کر ایران کی تباہیوں سے عوام کو روشناس کرایا - ان میں سے جمال الدین واعظ اصفہانی خاص طور سے قابل ذکر ہیں جن کی آتش بیانی نے قوم کے جذبات مشتعل کیے -

عین الدولہ نے تشدد سے صورت حال پر قابو پانا چاہا - علماء و مجتہدین کو ڈرایا دھمکایا ، تاجروں کے ساتھ تشدد برتا ، حاجی ہاشم کو جو ایران کے مشہور تاجر تھے ، اس بہانے ''چوب و فلک'' کی سزا دی کہ وہ چینی کی قیمت میں گرانی کا باعث بنا ہے - عوام اس خبر سے سخت برہم ہوئے - دکان داروں نے ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ع میں ہڑتال کر دی - عوام کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا - غم و غصے کی لہر پورے ایران میں دوڑ گئی - ہڑتال کھلوانے کے لیے بڑے بڑے لیڈر گرفتار کر لیے گئے - لیکن عوام کی جد و جہد نہ صرف جاری رہی ، بلکہ تیز تر ہو گئی - وہ ''انقلاب! انقلاب'' کے نعرے بلند کرتے ہوئے سزائیں جھیلتے اور ''بڑھتا ہے ذوق جرم یہاں ہر سزا کے بعد'' کے مصداق مزید سخت تر سزا کے لیے تیار ہو جاتے - ایسا معلوم ہوتا تھا ، گویا ایرانیوں کے گرم ذہنوں اور مشتعل دلوں میں حبّ قوم کا بارود بھر دیا گیا ہے - اب اہل ایران کے لیے دو ہی راستے تھے ، تشدد یا خاموش احتجاج - اس ٹھنڈے دل و دماغ کی قوم نے آخری صورت اختیار کی -

بست

ایران کی تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ قدیم زمانے سے اہل ایران اکثر ظلم و ستم سہتے آئے ہیں - ایرانیوں کے لیے جب بچنے کا کوئی چارہ نہ ہوتا تو عزت و حرمت والے مقامات پر پہنچ کر پناہ گزیں ہو جاتے - جو لوگ اس طرح پناہ میں آ جاتے ان پر ظلم و ستم کا کوئی ہاتھ نہیں اٹھ سکتا تھا ، نہ انھیں وہاں سے بجبر نکالا ہی جا سکتا تھا - اس پناہ گزینی کو ''بست'' کہا جاتا تھا - غالباً وسیع پیمانے پر مقدس مقامات بنانے میں ''بست نشینی'' کا بھی خیال کارفرما ہوتا تھا -

پہلا بست

۱۹۰۵ع میں بادشاہ ، وزیر اعظم عین الدولہ اور دوسرے حکام کے خلاف شدید مہم چلی - لوگ کھلے بندوں اپنے دو مطالبات پیش

کر رہے تھے - ایک مطالبہ[1] یہ تھا کہ عین‌الدولہ کو وزارت عظمیٰ سے الگ کر دیا جائے - دوسرا یہ کہ ذمہ دار ''عدالت خانہ'' قائم کیا جائے - حکومت اس احتجاج کو پوری قوت سے کچلنا چاہتی تھی - چناں چہ بعض مقتدر سیدوں، عالموں اور تاجروں کو گزرگاہ عوام پر تختہٗ دار پر لٹکایا گیا - اس بہیمانہ فعل کے خلاف احتجاج کی غرض سے متعدد تاجر ۱۹۰۵ع میں ''مسجد شاہ'' تہران میں ''بست نشیں'' ہوگئے - اس بست میں ملک کے جید علما شریک تھے جن میں سے سید عبداللہ بہبہانی اور سید طباطبائی خاص طور سے قابل ذکر ہیں - بست نشینی کی حالت میں انہیں گرفتار تو نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن ان کا محاصرہ کر لیا گیا، بست نشینوں کی رسد بند کر دی گئی - اس سے بست نشیں بھوک اور پیاس کا شکار ہونے لگے - اس لیے ان میں سے بعض نے موقع پا کر ''مسجد شاہ'' سے نکل کر قم کی راہ لی اور معصومہ قم کے مزار پر آ کر بست نشیں ہوگئے - اسی دن سید محمد طباطبائی اور سید عبداللہ بہبہانی، جو آزادی کی تحریک کے نہایت مقتدر رہنما تھے، اپنے اعزہ و اقارب کو ساتھ لے کر شاہ عبدالعظیم کے مزار پر زاویہ نشیں ہو گئے - پھر رفتہ رفتہ دوسرے علما کی جمعیت اور طلبہ و تاجر بھی آ کر بست نشیں ہوتے گئے - اس موقع پر بست نشینوں کی امداد بعض ایسے با اثر افراد نے بھی کی جو جمہوریت کے مطالبے کے قطعاً مخالف تھے - ان میں شہزادہ ولی عہد محمد علی مرزا بھی شامل تھا - وہ دراصل عین‌الدولہ کو وزارت سے ہٹانا چاہتا تھا کیوں کہ خیال یہ تھا کہ عین‌الدولہ مظفرالدین شاہ کو تخت سے اتار کر اس کے بھائی شجاع السلطنت کو تخت نشین کرانا چاہتا ہے - محمد علی[2] مرزا نے نہ صرف انقلاب پسندوں کو مالی امداد دی بلکہ بعض علما کو بھی بست نشینوں کی تحریک کا ساتھ دینے کو کہا - امین‌السلطان، عین‌الدولہ کا حریف تھا اس لیے اس نے بھی انقلاب پسندوں کو مالی امداد دینے سے دریغ نہ کیا - عین‌الدولہ نے انتہائی کوشش کی کہ بست نشینوں کو کسی قسم کی مدد نہ مل سکے - چناں چہ اس نے دکانوں پر

---

۱ - براؤن : Persian Revolution، صفحہ ۱۱۳ -

۲ - سائیکس : A History of Persia، جلد دوم ص ۴۰۱ -



مجتهد سید محمد طباطبائی

پہرے بٹھائے، سڑکوں پر آنے جانے والوں کا راستہ روکنے کے لیے سپاہی متعین کیے اور اس سڑک پر فوج متعین کی جو تہران سے شاہ عبدالعظیم کو جاتی ہے۔ لیکن یہ سب تدابیر بے سود ثابت ہوئیں۔ لوگ آ آ کر بست نشینوں میں شامل ہوتے گئے۔ ان میں طلبہ، تاجر اور ملا بھی تھے۔ شاہ نے بست نشینوں کو دھمکیاں دیں اور لالچ بھی دیا لیکن بست نشینوں پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ آخر اس نے امیر بہادر جنگ کو تین سو سواروں کا دستہ دے کر شاہ عبدالعظیم بھیجا اور کوشش کی کہ جیسے بھی بن پڑے انھیں وہاں سے لے آئے۔ لیکن یہاں اسے نہایت تلخ باتیں سن کر ناکام واپس آنا پڑا۔ اس سے صورت حال سنگین ہوئی تو مظفرالدین شاہ نے اپنا دستخطی فرمان بھیج کر یہ اعلان کیا کہ بست نشینوں کے دونوں مطالبات منظور کر لیے گئے ہیں۔ عین‌الدولہ وزیراعظم کو اس کے منصب سے ہٹا دیا جائے گا اور ملک میں عدالت خانہ قائم کر دیا جائے گا۔ اس فرمان کی عکسی نقلیں ایران کے گوشے گوشے میں بھیج دی گئیں اور بست نشیں اس اعلان کے بعد شاہی سواریوں میں واپس تہران لائے گئے اور خود بادشاہ نے ان کا خیرمقدم کیا اور زبانی بھی وہ اعلان دہرایا، جو وہ لکھ کر بھیج چکا تھا۔ ان مطالبات کے تسلیم ہونے کے بعد مختلف شہروں میں ''فتح ملت'' کے نام سے جشن عظیم منائے گئے۔

پیمان شکنی

عین‌الدولہ کی علیحدگی کا فرمان تو ہو چکا تھا لیکن اس پر ابھی عمل نہیں ہوا تھا۔ اس نے بادشاہ کو یہ احساس دلایا کہ عوام شرپسندوں کے بھڑکانے میں آ گئے ہیں اور ان کا جوش و خروش عارضی ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ اس کے علاوہ بعض ملوکیت پسندوں نے بھی بادشاہ کو گمراہ کیا۔ چنانچہ فرمان شاہی پر عمل درآمد روک دیا گیا۔

پیمان شکنی کا رد عمل

عوام فرمان شاہی پر عمل درآمد کے منتظر رہے۔ آخر جب انھیں معلوم ہوا کہ بادشاہ نے پیمان شکنی کی ہے، تو انھوں نے اپنی تحریک

پھر شروع کر دی - تقریروں اور شب ناموں[1] کے ذریعے مطالبات پورے کرنے کا تقاضا کیا - ادھر سے عین‌الدولہ نے گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا - اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ فارس اور مشہد میں بلوے شروع ہو گئے - اس عرصے میں عین‌الدولہ نے متعدد آزادی خواہوں کو قلعہ کلات کے قیدخانوں میں پہنچا دیا -

سید محمد طباطبائی اور سید عبداللہ بہبہانی نے صورت حال بگڑتی دیکھی تو ایک عریضہ لکھ کر بادشاہ کو ، جو اس وقت صاحب فراش تھا ، رعایا کی ناراضی اور عوام کے مشتعل جذبات سے آگاہ کیا اور استدعا کی کہ وہ اصلاحات نافذ کر دی جائیں جن کا فرمان شاہی میں وعدہ کیا گیا ہے - لیکن اس استدعا کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اس کے برعکس حکومت نے حفاظتی تدابیر سخت‌تر کر دیں - ہر جگہ سپاہی ہی سپاہی نظر آتے تھے - گلیوں میں روسی سپاہی گشت کرتے تھے - سورج غروب ہونے کے تین گھنٹے بعد کسی کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی - سید عبداللہ بہبہانی ، سید محمد طباطبائی اور دوسرے علما نے پھر منبروں پر آ کر ملوکیت کی مذمت کی -

علما کی تقریروں کے علاوہ ''انجمن مخفی'' اور ''کتابخانۂ ملی'' نے بھی اپنی حریت پسندانہ سرگرمیاں شروع کر دیں - فارسی کے ان رسائل کا بھی لہجہ تلخ ہو گیا جو یورپ میں چھپتے تھے -

عین‌الدولہ اس جوش و خروش سے آتش زیرپا ہوا اور آقا سید جمال واعظ اصفہانی کو جو اس تحریک میں سرگرم حصہ لے رہے تھے ، شہر بدر کر دیا - شہر سے نکل کر وہ قم میں پناہ گزیں ہو گئے - تھوڑے ہی عرصے بعد ایک اور عالم شیخ محمد کو شہر بدر کرنے کا حکم دیا گیا - سپاہیوں نے انہیں پکڑ کر ایک گدھے پر لادا اور چل دیے - اتنے میں ایک ہجوم ان کی طرف بڑھا - سپاہیوں نے شیخ کو قریب ہی ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا - ہجوم نے کوٹھڑی کا دروازہ توڑنا چاہا ،

---

۱ - سیاسی نوعیت کے خبرنامے جو راتوں رات چھپتے اور ہاتھوں ہاتھ پہنچائے جاتے -

[illegible] دموکراتهای [illegible] بیدار شوید

موضوعی که اینک ما در این سخن میگوئیم و بقلم انصاف یادداشت میکنیم همانا سؤالاتی چند است که از
ملت عراق مینمائیم • آیا علت اینکه چند سال متوالی آشوب در تمامی [illegible] و انقلاب در همه ممالک
آسیا [illegible] است برای چه • در ظرف این مدت خونهای جوانان وطن ما [illegible] خانوادها پریشان
و خانمانها خراب و اموال به نهب و غارت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] فوق العاده [illegible]
[illegible] ایرانی وارد [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سرگردان پریشان [illegible] [illegible] [illegible]
ایرانی [illegible] آنها را مانند [illegible] ساله [illegible] [illegible] علت بزرگی آن موجود [illegible] [illegible]
که [illegible] میتوان تعبیر کرد حاصل شده چرا [illegible] که از هر طرف [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
به هر طرف نظر می‌افکنیم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] چشم خود [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] تمام [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] حقیقت اسلام [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] از آذربایجان اصفهان کاشان خراسان و سایر ایالات [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] قتل و غارت [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] همت کرده و سلطان [illegible] [illegible] [illegible] از زیر [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] و سلطنت [illegible]
[illegible] یک حکومت [illegible] ساختند و یک هیئت از طرف ملت بوکالت پارلمان (مجلس شوری) [illegible] [illegible]
[illegible] — آیا [illegible] [illegible] [illegible] بازی و ریختن خون [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] برادران [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نموده باز هم باید [illegible]
از برای [illegible] [illegible] باز هم [illegible] باید [illegible] قانون [illegible] [illegible] باز [illegible] [illegible] باز هم ملت [illegible]
در تحت فشار چنگال [illegible] ظلم [illegible] [illegible] [illegible] باز هم مسلمانان [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] باز هم [illegible] [illegible] [illegible] در آسایش [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
یا یک گوسفند [illegible] [illegible] روغن [illegible] [illegible] [illegible] — مالکین [illegible] باز هم [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] آه آه [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ماند ❊ امیدواریم که
جواب این سؤالات [illegible] [illegible] [illegible] از قلم انصاف [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ملت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] خداوند توفیق [illegible] [illegible] [illegible]

کاملاً خواستاریم امضاء (وطن خواهان ایران)

عکس شب نامه وطن خواهان ایران

باکمال تشکر از آقای دکتر تقی تفضلی



عکس روز چهلم وفات عباس آقای مجاهد آذربائیجانی

لیکن سپاہیوں کے افسر نے گولی چلانے کا حکم دے دیا - سپاہیوں نے حکم ماننے سے انکار کر دیا - آخر اس افسر نے سید حسین کو جو دروازہ توڑنے کے لیے آگے بڑھا تھا ،گولی مار کر ہلاک کر دیا - عوام غیض و غضب کی حالت میں اس کی طرف بڑھے تو اس نے فرار ہو کر جان بچائی - لوگوں نے شیخ محمد کو آزاد کرا لیا - سید حسین کا جنازہ شہر کی گلیوں اور بازاروں میں سے گزارا گیا - عین‌الدولہ نے ہجوم پر گولی چلانے کا حکم دیا - اس سے پندرہ افراد مارے گئے -ان میں سید عبدالمجید بھی تھا - اس خونیں واقعہ کی یاد میں کسی نے یہ شعر کہے[۱] :

از نو حسین شہید بمیل یزید شد عبدالمجید کشتہٴ عبدالحمید شد
بادا ہزار مرتبہ نزد خدا قبول قربانیٔ جدید تو یا ایہاالرسول

آخر سپاہیوں نے ہجوم کو منتشر کر دیا -

آزادی خواہوں نے اب قم کی طرف ہجرت کی - یہ ہجرت تاریخ ایران میں ''ہجرت کبریٰ'' کے نام سے موسوم ہے - اس عرصے میں عین‌الدولہ نے حکم دیا کہ دکانیں جبراً کھلوا دی جائیں جو بطور احتجاج بند کر دی گئی تھیں - یہ دھمکی بھی دی گئی کہ جو دکان نہیں کھولے گا اس کی دکان لوٹ لی جائے گی -

انگریزوں کے سفارت خانے میں پناہ‌گزینی

''تہران[۲] سے کچھ لوگ ہجرت کرکے گل ہاک پہنچے جہاں انگریزوں کا سفارت خانہ تھا - سفیر انہیں پناہ دینے پر رضامند نہ تھا - اس نے کہا کہ جو لوگ بادشاہ وقت کے باغی ہیں انہیں پناہ نہیں دی جا سکتی - سید عبداللہ بہبہانی نے سفیر کے نام اس مضمون کا ایک مراسلہ بھیجا کہ : ''یہ لوگ باغی نہیں بلکہ مظلوم ہیں جو آپ کے پاس پناہ لینے آئے ہیں - یہ امن پسند ہیں - خوں ریزی سے سخت پرہیز کرتے ہیں - یہ

---

۱ - بحوالہ براؤن : Persian Revolution ، صفحہ ۱۱۸ -

۲ - ڈاکٹر مہدی ملک زادہ : انقلاب مشروطیت ایران ، چلد ۲ ، صفحہ ۱۶۹ -

لوگ گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر آئے ہیں - امید ہے آپ انھیں ضرور پناہ دیں گے -'' اس مراسلے کا خاطر خواہ اثر ہوا - آخر ۱۹ جون کو پچاس آزادی‌خواہ انگریزی سفارت خانے میں داخل ہو گئے - پھر رفتہ رفتہ اور لوگ بھی گروہ در گروہ سفارت خانے میں آتے رہے - دس دن کے اندر ان کی تعداد چار ہزار ہو گئی - پھر یہ تعداد اور بڑھی اور بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق ان کی تعداد بیس ہزار ہو گئی - مہاجر یہاں بڑے نظم و ضبط سے رہے - ان کی خوراک اور چائے وغیرہ کا انتظام آزادی خواہ تاجروں نے کیا -''

آزادی خواہوں کا مطالبۂ مشروطیت (جمہوریت)

اب آزادی خواہوں کے مطالبات یہی نہ تھے کہ عین‌الدولہ کو برطرف کیا جائے اور عدالت خانہ قائم کیا جائے بلکہ ان کے علاوہ اب ان کے مطالبات یہ بھی تھے کہ ملک میں جمہوریت قائم کی جائے، دارالشوریٰ بنایا جائے اور سب قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔

نئے مطالبات کو مظفرالدین شاہ ماننے کے لیے تیار تھا، لیکن دارالشوریٰ کے قیام سے سخت گھبراتا تھا - دو ایک دن ٹالتا رہا، آخر حالات اور بگڑنے شروع ہوئے تو ایک فوجی سردار نے جو تہران کے نظم و نسق کا ذمے دار تھا، بادشاہ کو مطلع کیا کہ حکومت کے بعض ذمے دار عہدے دار استعفیٰ دے کر آزادی خواہوں سے جا ملے ہیں - فوج میں بھی بے چینی کے آثار نظر آ رہے ہیں - اگر چندے یہی حالت رہی تو ممکن ہے فوجی افسر بھی تحریک آزادی میں شامل ہو جائیں - ان پریشان کن حالات سے بادشاہ سخت ہراساں ہوا - آخر ۵ اگست ۱۹۰۶ء کو آزادی خواہوں کے مطالبات من و عن تسلیم کر لیے اور ذمے دار حکومت قائم کرنے کا فرمان جاری کر دیا جس سے سب پناہ‌گزیں فتح مندی کے احساس کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔

ذمے دار حکومت کے اعلان سے تہران اور دوسرے تمام بڑے شہروں میں جشن منائے گئے - جگہ جگہ چراغاں ہوا جس سے ملک کا

کونہ کونہ جگمگا اٹھا - دکانیں پھر سے کھل گئیں اور کاروبار شروع ہو گیا -

فرمان شاہی کے مطابق عین الدولہ کو برطرف کر دیا گیا - اس کی جگہ ایک اعتدال پسند مدبر نصراللہ خاں مشیرالدولہ کو وزارت عظمیٰ سونپی گئی - سب قیدی رہا کر دیے گئے - علما و مشائخ کو بڑے احترام سے واپس لایا گیا - ذمے دار حکومت کے سلسلے میں جو فرمان جاری ہوا مندرجہ ذیل شقوں پر مشتمل تھا :

۱ - ایران کو گیارہ یا تیرہ انتخابی حلقوں میں تقسیم کیا جائے گا -

۲ - مجلس شوریٰ دو سو نمائندوں پر مشتمل ہوگی -

۳ - تیس سے ستر برس کے خواندہ مرد جو سرکاری ملازم نہ ہوں ، ووٹ دے سکیں گے -

مجلس شوریٰ کا قیام

اکتوبر ۱۹۰۶ع کو ''مجلس'' کا قیام عمل میں آگیا - بادشاہ اگرچہ علیل تھا لیکن اس پر بھی وہ مجلس کے افتتاح کے موقع پر شامل ہوا - شاہی فرمان پڑھا گیا اور افتتاح کی تاریخی رسم ادا ہو گئی -

دستور مجلس

دستور مجلس مرتب کرنے کے لیے بعض دانش ور مقرر کیے گئے ، جنھوں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر مجلس کا دستور مرتب کر لیا اور اس پر مظفرالدین شاہ نے دستخط ثبت کر دیے -

عدم تشدد سے عوام فتح یاب ہوئے - ملک میں ذمے دار حکومت قائم ہو گئی - مطلق العنانیت کا ڈھانچا بدل گیا اور اب عوام کو داخلی معاملات سلجھانے کا خیال آیا - دستور کا اعلان ہوتے ہی اخبار نویسوں کی رکاوٹیں بھی دور ہوئیں اور ملک بھر میں اخبارات کی تعداد نوے تک پہنچ گئی - اس عہد کے اہم ترین اخبارات صور اسرافیل ، مساوات ، تمدن ، ندائے وطن اور مجلس تھے -

یکم جنوری ۱۹۰۷ع کو مظفرالدین ، مشیرالدولہ وزیر اعظم کی معیت میں ''بہارستان'' میں داخل ہوا جو پارلیمنٹ ہاؤس کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا - بہارستان اور اس کے آس پاس کے راستوں پر لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے تھے - لوگ والہانہ طور پر ایک دوسرے کے گلے مل رہے تھے- ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو امڈ امڈ آتے تھے - اس خوشی کی تقریب میں شیخ الرئیس نے اپنی یادگار نظمیں پڑھیں -

مظفرالدین شاہ کی وفات

مظفرالدین کی بیماری رفتہ رفتہ خطرناک صورت اختیار کر گئی - اس عرصے میں ولی عہد سلطنت محمد علی مرزا آذربائیجان سے تہران آیا اور اس نے بھی دستور مجلس پر دستخط کر دیے - ۲۳ ذی قعدہ ۱۳۲۴ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۰۷ع میں مظفرالدین ملک کو جمہوریت کا دستور دے کر بار ہستی سے سبکدوش ہو گیا -

مظفرالدین شاہ کا کردار

یہ بادشاہ ضعیف النفس اور کمزور شخص تھا - اس کے عہد میں جو ظلم و ستم ہوا وہ سراسر عین الدولہ وزیر اعظم کے تمرّد اور ضد کا نتیجہ تھا - بہر حال شاہ نے بڑے خلوص سے قوم کے جذبات کی قدر کی اور جمہوریت کا فرمان قوم کو عطا کیا- اس کی رحلت کے موقع پر لوگوں کو رنج بھی تھا لیکن وہ اصلاح و آزادی کے خیال سے سرشار بھی تھے - رفتہ رفتہ مختلف علاقوں کے منتخب نمائندے تہران میں پہنچنے شروع ہوئے - تبریز کے نمائندوں کا اہل تہران نے جس شان سے استقبال کیا ، وہ احساسات ملی کا پرخلوص اظہار تھا -

محمد علی شاہ

(۱۳۲۴ھ تا ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۷ تا ۱۹۰۹ع)

۱۹ جنوری ۱۹۰۷ع میں محمد علی شاہ کی رسم تاج پوشی ادا ہوئی اور اس کا دوسرا بیٹا سلطان احمد مرزا ولی عہد سلطنت مقرر ہوا - عوام کو اس تبدیلی سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں لیکن ''ای بسا آرزو کہ خاک شدہ'' - محمد علی شاہ نے بجائے اس کے کہ قوم کی دل داری کرتا ،



محمد علی شاه قاجار

تشدد آمیز رویہ اختیار کیا ۔ اس نے اگرچہ خود بھی دستور مجلس پر دستخط کیے تھے ، لیکن یہ بیداد گر بادشاہ ایسا نہ تھا کہ اسے اپنے قول و قرار کا پاس ہوتا ۔ اسے دستور سے نفرت تھی اور مجلس کو وہ اپنا دشمن سمجھتا تھا کیوں کہ وہ اپنے پیش رؤوں کے نقش قدم پر چل کر مطلق العنان بادشاہ کی طرح حکومت کرنا چاہتا تھا ۔ مجلس کے قیام سے جو اسے وحشت تھی ، اس کا اظہار اس طرح کیا کہ رسم تاج پوشی کے موقع پر نمائندگان مجلس کو اس تقریب میں مدعو نہ کیا ۔ جس سے نمائندے سخت رنجیدہ ہوئے ۔ بادشاہ اور نمائندگان مجلس کے مابین کچھ عرصہ خاموشی رہی ۔ یہ خاموشی ملوکیت اور جمہوریت کے باہمی اختلاف کی وجہ سے تھی ۔

امین السلطان کی وزارت

۱۷ مارچ ۱۹۰۷ء میں مشیرالدولہ نے بیماری کی وجہ سے یا اس بنا پر کہ وہ اسمبلی کو توڑنے میں بادشاہ کی ہمنوائی نہ کر سکتا تھا ، وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا ۔ بادشاہ کا آلۂ کار اب امین السلطان ہی بن سکتا تھا جو یورپ میں تھا ، چنانچہ اسے وزارت قبول کرنے کی دعوت بھیجی گئی جو اس نے قبول کرلی ۔ ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء کو وہ تہران پہنچا اور وزارت اسے سونپ دی گئی ۔

ایران کی داخلی حالت

اس وقت صورت حال یہ تھی کہ شاہ اور اس کے وفادار ساتھی مجلس کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے ۔ قومی مجلس میں دو گروہ ہو گئے تھے : ایک گروہ اعتدال پسندوں کا تھا ، جس کا سربراہ امین السلطان کا دوست صنیع الدولہ تھا ۔ دوسرا گروہ انتہا پسندوں کا تھا جس کا رہنما سعدالدولہ تھا ، جس کا شمار امین السلطان کے دشمنوں میں تھا ۔ ایران کے مختلف علاقوں میں بدامنی پھیل رہی تھی ۔ ماہ مارچ میں اصفہان میں بادشاہ کے چچا ظل سلطان کے خلاف آزادی پسندوں نے شورش بپا کی جس پر بادشاہ نے اسے معزول کر دیا ۔ اسی مہینے شیراز اور تبریز میں بادشاہ کے خلاف شورش ہوئی ۔ اہل تبریز نے وہ تمام اسلحہ چھین لیا ، جو شاہ کی

فوج کے لیے بھیجا گیا تھا - اپریل کے مہینے میں بختیاری سرداروں کے مابین لڑائی چھڑی ، مئی میں سلطان آباد میں فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ، جون میں کرمان شاہ میں شاہ کے بھائی سالارالدولہ نے تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے کھلم کھلا بغاوت کی ، جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ نہاوند کے مقام پر تین دن تک لڑائی ہوئی - اس میں سالارالدولہ کو شکست ہوئی اور وہ برطانوی قونصل خانے میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا -

غیر ملکی قرضہ اور امین‌السلطان کا قتل

ملک کے مختلف علاقوں کی شورشوں کو فرو کرنے کے لیے ایسی فوج کی ضرورت تھی جو ہر لحاظ سے مطمئن ہو ، لیکن سپاہیوں کو باقاعدہ تنخواہیں نہیں ملتی تھیں یا بالکل نہیں ملتی تھیں - ملکی محصولات خزانے میں بہت آہستہ آہستہ اور بے قاعدگی سے آتے تھے - ملکی بنک کھولنے کا منصوبہ ناکام رہا تھا - جرمنوں سے قرضہ لینے کی کوشش کی گئی لیکن اس میں کامیابی نہ ہو سکی - روسیوں سے قرضہ مل سکتا تھا لیکن عوام اس کے حق میں نہ تھے - بہرحال امین‌السلطان نے مجلس کے اعتدال پسند گروہ کو ساتھ ملا کر روسیوں سے سلسلہ جنبانی کی - شاید وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا لیکن وہ بہارستان سے نکل رہا تھا کہ تبریز کے ایک محب‌وطن نے گولی مار کر اسے ہلاک کر دیا اور دوسری گولی اپنے آپ کو مار کر خودکشی کر لی -

قاتل متعدد خفیہ انجمنوں کا رکن تھا - اس قتل سے اس کا مقصد یہ تھا کہ ملک کو ایک چالاک سازشی وزیر اعظم سے نجات دلائے جسے وہ ملک کا غدار سمجھتا تھا - قاتل[1] کی جیب سے ایک رقعہ نکلا جس پر اس کا پتا لکھا تھا : ''عباس آقا آذربائیجان ، رکن انجمن قومی فدائی نمبر ۴۱'' اس کی موت پر متعدد شعرا نے مرثیے کہے - ایک مرثیہ فخرالواعظین نے بھی لکھا ، جس کے تین شعر درج ذیل ہیں :

ای مزارِ محترم ہرچند بزم ماتمی
نیک ازیں نو گل کہ خفت اندر تو شاد و خرمی

---

۱ - براؤن : Persian Revolution ، صفحہ ۱۵۱ -



مجتهد سید عبدالله بهبهانی

جای دارد در تو آن کو عالمی را زنده کرد
عیسیت خوابیده در دامن تو مانا مریمی
ای جہانِ غیرت، ای عباس آقا کز شرف
زخم قلب ملک و ملت را تو شافی مرہمی

امین السلطان کے قتل کے بعد مجلس کی صدارت احتشام السلطنت کو سونپی گئی - کچھ عرصے بعد اس نے استعفیٰ دیا تو کابینہ ناصر الملک نے بنائی -

مجلس کے بعض نمائندے

شمالی ایران کے نمائندوں کے سامنے ایک واضح سیاسی پروگرام تھا جس پر وہ بڑی تن دہی سے عمل پیرا تھے- سیاسی میدان میں شمالی ایران کے شہر تبریز، تہران اور رشت کے نمائندے پیش پیش تھے - ان کا رہنما تقی زادہ تھا، جو ایک سحر بیان خطیب تھا - مجلس میں اسے بڑی مقتدر حیثیت حاصل تھی - تہران کی مجلس کے نمائندے سید عبداللہ بہبہانی، سید محمد طباطبائی اور سید جمال الدین واعظ تھے، جو شروع ہی سے تحریک مشروطیت کے سرگرم مبلغ تھے - دوسرے رہنما ملک المتکلمین اور صور اسرافیل کے ایڈیٹر مرزا جہانگیر تھے - جن کی تقریر و تحریر بادشاہ کو بے چین رکھتی تھی -

انجمن ملی

محمد علی شاہ نے تہیہ کر رکھا تھا کہ مجلس کو توڑ کر دم لے گا - اس مقصد کے لیے اس نے اپنے خاص وفاداروں کو مختلف صوبوں کا حاکم بنا کر بھیجا - انھوں نے مشروطیت کی تحریک کو کچلنے کے لیے تشدد شروع کیا اور بعض جمہوریت پسندوں کو سرعام بید مروائے اور پھر انھیں زندان میں ڈال دیا گیا - حاکم خراسان نے انتہائی کوشش کی کہ مشہد میں مجلس قائم نہ ہو، چنانچہ جو شخص مجلس کا نام لیتا اسے جیل میں ٹھونس دیا جاتا -

محمد علی شاہ نے جمہوریت دشمن افراد کو ایک مرکز پر جمع کر لیا تھا اور وہ علی الاعلان کہتا تھا، میرے آبا و اجداد نے ایران کو بہ زور شمشیر فتح کیا تھا اور اب میں بہ نوک شمشیر اسے اپنے

قبضے میں رکھوں گا ۔ محمد علی شاہ کی جمہوریت دشمنی اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی ۔ عوام جانتے تھے کہ بادشاہ کو روسیوں کی حمایت حاصل ہے ، جو اسے جمہوریت کو کچلنے میں ہر ممکن مدد دیں گے ۔ انھیں یہ بھی احساس تھا کہ نوزائیدہ مجلس ابھی کمزور ہے اور اس کے لیے بادشاہ کا مقابلہ کرنا مشکل نہیں اس لیے اگر کوئی مؤثر ذریعہ اختیار نہ کیا گیا تو مجلس کا وجود برقرار نہ رہ سکے گا ۔ چنانچہ اب وہ استبداد کا تدارک کرنے کے لیے طاقت اور تشدد سے کام لینا چاہتے تھے ۔ اس مقصد کے لیے ملک کے بے باک بہی خواہوں نے ''انجمن ملی'' کے نام سے ایک جماعت قائم کی ۔ اس کا مقصد لوگوں کو انقلاب کے لیے تیار کرنا تھا اور آگ اور خون کا کھیل کھیل کر مکمل جمہوریت قائم کرنا تھا ۔ یہ انجمن قائم کرنے والے پندرہ چوٹی کے رہنما تھے ۔ ملک المتکلمین، سید جمال الدین واعظ ، مرزا جہانگیر ایڈیٹر صور اسرافیل ، سید محمد رضا ایڈیٹر مساوات ، تقی زادہ ، مرزا علی اکبر دہخدا ، حکیم الملک سید عبدالرحیم خلخالی ، سید جلیل اردبیلی ، معاضدالسلطنت ، مرزا سلمان خاں حسین علی نواب ، حاجی مرزا ابراہیم آقا، مرزا داؤد خاں، ادیب السلطنت اور نصرت السلطان ۔

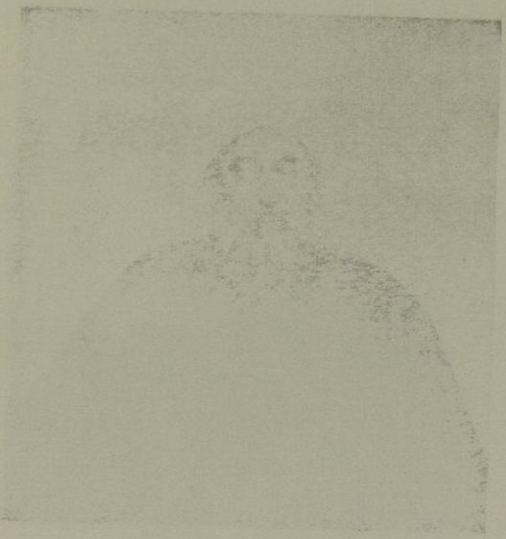
''انجمن ملی'' کے جلسے حکیم الملک کے مکان پر آدھی رات کے وقت ہوتے اور سورج نکلنے سے پہلے یہ لوگ منتشر ہو جاتے ۔ اراکین انجمن جو مقالے سپرد قلم کرتے ، شب ناموں کے ذریعے طول و عرض ایران میں ہاتھوں ہاتھ بھیج دیے جاتے ۔ ایران سے باہر بھیجنے کا بھی انتظام کیا گیا تھا ۔ انجمن کا اولین مقصد یہ تھا کہ نوجوانوں کو جمہوریت کی روح سے آشنا کرکے انھیں حکومت کا مقابلہ کرنے کو تیار کیا جائے ۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ہزاروں جوان اور بوڑھے انجمن کے رکن بن گئے ۔ یہ اراکین اسلحہ فراہم کرکے مسلح ہو گئے اور کام کاج چھوڑ کر فوجی تربیت حاصل کرنے لگے ۔ بعض حریت پسند سرکاری فوج میں بھی بھرتی ہوئے تاکہ باقاعدہ فوجی تربیت حاصل کرکے وقت آنے پر میدان میں کود پڑیں ۔ ملوکیت سے ٹکر لینے کا شوق اس قدر تھا کہ نوجوانوں نے اپنے گھر کا اثاثہ تک بیچ کر اسلحہ خریدا ۔



حاجی مرزا ابراهیم آقا



ملک المتکلمین



صدائے منبر

علما ، مجتہدین اور واعظوں نے جو حصہ اس تحریک میں لیا ، اسے اہل ایران کبھی فراموش نہ کر سکیں گے ۔ سید جمال الدین واعظ اور ملک المتکلمین ہر روز کسی نہ کسی قومی انجمن میں یا مدرسہ سپہ سالار جاتے اور لوگوں کو ملوکیت کے خلاف ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے ۔ سید جمال‌الدین کی ایک تقریر کا ملخص بحوالہ ڈکٹر[1] مہدی ملک زادہ درج ذیل ہے :

''اے لوگو! تم چھلنی کی مانند ہو کہ یہ جب تک پانی میں ہے ، پانی سے پر ہے ، جونہی یہ پانی سے باہر آتی ہے خالی ہو جاتی ہے ۔ تم جب تک میرے منبر کے قریب ہوتے ہو تو تمھارے دل و دماغ میں ہیجان بپا ہو جاتا ہے ، لیکن جب گھروں میں پہنچتے ہو تو تمھارا ہیجان خنکی اور خاموشی میں بدل جاتا ہے...... تم سرخپوشوں سے ڈرتے ہو ، وہ بھی تمھاری طرح کے انسان ہیں ، لیکن جن کے جسم و جان میں بچپن ہی سے خوف اور بزدلی سما گئی ہو ، فداکاری اور قربانی ان کے بس کا روگ نہیں...''

ملک المتکلمین نے قوم کو ''ملت گوسالہ'' کا لقب دے کر یوں خطاب کیا : ''میں جانتا ہوں کہ جو فاسد اور غلیظ خون تمھاری رگوں میں دوڑ رہا ہے ، تمھیں بے حد عزیز ہے اور تم نہیں چاہتے کہ اس کا کوئی قطرہ وطن کی نجات اور آزادی کے حصول کے لیے بہے ۔ پستی اور دوں ہمتی تمھارا شیوہ ہے ۔ تمھارے بزرگوں نے سربلندی سے زندگی بسر کی ، تم اب ان کا نام ڈبوتے ہو ۔ تم ایسے فرزندوں کی وجہ سے ان کی روحیں عذاب میں ہیں...''

صریر خامہ

ہرچند کہ ہمارا مقصد ایران کی انقلابی تحریک کی جزئیات بیان کرنا نہیں ، لیکن کچھ ایسی جزئیات جن میں حریت پسندوں کا خون جھلکتا نظر آتا ہے ، بیان کرنا نامناسب نہ ہوگا ۔ ایران کے حریت پسندوں کی

---

۱ ۔ انقلاب مشروطیت ایران ، جلد اول ، صفحہ ۲۲۲ ۔

صف اول میں مرزا جہانگیر ایڈیٹر صور اسرافیل اور سید محمد رضا ایڈیٹر مساوات بھی تھے۔ ان کے اخباروں نے جو تحریریں یادگار چھوڑی ہیں وہ آج بھی آزادی خواہوں کے نزدیک مقدس ہیں۔ مرزا جہانگیر کے ایک مقالے کا ترجمہ جس میں انھوں نے فرزندان ایران کی حمیت کو پکارا ہے، درج ذیل ہے:

با شرف موت یا با افتخار زندگی

''اے ایران! اے شیروں اور بہادروں کی سرزمین! خون کی بو میدان کارزار کے جواں مردوں کے دلوں میں تلاطم بپا کر رہی ہے۔ موت کی تلخی انھیں شہد کی شیرینی کا مزہ دے رہی ہے۔ کیوں نہ ہو ہخامنشیوں کے خون کی بو تیری ہواؤں میں بسی ہوئی ہے۔ تیری خاک اب تک اشکانیوں اور ساسانیوں کے خون سے رنگین ہے۔ میرا سر اس وقت چکرا رہا ہے۔ میری آنکھیں خون کی سرخی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھ سکتیں۔ آبا و اجداد کا خون میری رگوں میں بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گردش کر رہا ہے۔ میرا دماغ خون کی بو سے لبریز ہے۔ بھلا کیوں؟ اس لیے کہ تیرے فرزند اب مادر وطن کے راہزنوں اور خارجی دشمنوں کے ڈر سے سہمے ہوئے ہیں۔ تیری اولاد کی حرمت، ان کے اجداد کی خاک، ان کے آبا کی عزت خطرے میں ہے۔ تو ناامیدی اور مایوسی سے بیکسی کے گھٹنوں پر سر جھکائے ہوئے حسرت بھری نظروں سے اپنے بہادر بیٹوں کو دیکھ رہی ہے — تو ان کی حریت پرستی اور ان کی شجاعت و غیرت سے مطمئن نہیں۔ یاد رکھ کہ تو تنہا اور بے یار و مددگار نہیں۔ کاوہ کی اولاد، زال کے فرزند اور دارا کے نام لیوا کروڑوں کی تعداد میں تیری آغوش مادری میں موجود ہیں، تو ہماری پاک نژاد اور صاف خون پر بھروسا رکھ۔

زندگی کے لیے وقت معین ہے اور موت کے وقت کو ایک لمحے کے لیے بھی ٹالا نہیں جا سکتا۔ موت انتقال مکانی کے سوا اور کیا ہے! زندگی میدان کارزار کے سوا اور کیا چیز ہے! ہمارے آبا و اجداد اس زندگی کا صلہ پانے کے لیے ہر ہر دور میں قربانیاں دیتے رہے۔ بالآخر پاک خون، عالی نسبی اور غیرت کا پسینہ اولاد کے سپرد کرکے رخصت



مرزا جہانگیر خاں شیرازی
اڈیٹر 'صور اسرافیل'

ہوئے۔ کیا آج بزرگوں کے نام لیوا عزت اور شرف کا میدان جیتنے کے لیے سروں کی بازی نہیں لگائیں گے اور قومی افتخار حاصل کرنے کے لیے جسموں کی قربانی نہیں دیں گے ؟

اے سرزمین ایران ! پانچ ہزار سال تیرے فرزند یونانیوں ، رومیوں ترکوں اور منگولوں کے خلاف دین اور ملت کے نام پر مرتے رہے ، لیکن آج ہم رہزنوں اور جاسوسوں کی وجہ سے اپنے دین ، قوم اور وطن کو اغیار کے ہاتھ بیچ رہے ہیں - ایسے لوگوں کے نزدیک زندگی کی حقیقت کیا ہے !

اے سرزمین ایران ! اے مادر مہربان ! تو نے ہمیں سالہا سال اپنی رگوں اور شریانوں کا دودھ دیا ہے - اپنے بدن سے ہمارے جسموں کو غذا دی ہے اور اب کیا تیرے ناخلف بیٹے تیرے دامن عصمت کو اغیار کے ہاتھوں میں دے دیں گے - کیا ہم زندہ رہ کر اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ تیری قبائے مطہر اغیار کے ہاتھوں سے تار تار ہو ؟ حاشا و کلا ایسا نہ ہوگا -

خداوند جبار و قہار کی قسم کہ ضحاک کو ہلاک کرنے والوں کا خون ہماری رگوں میں جاری و ساری ہے - قباد ، خسرو ، نادر اور محمد شاہ ایسے جواں مردوں کے جذبات ہمارے دلوں میں بھی موجزن ہیں - لیکن دیکھ کہ کس طرح ہمارے سر وبال دوش بنے ہوئے ہیں - دیکھ کہ ہمارا خون بھاؤ کی تنگی کی وجہ سے کس طرح فریاد کر رہا ہے اور دیکھ کہ ہمارے دل کس طرح ہمارے سینوں میں تڑپ رہے ہیں اور یہ بھی دیکھ کہ صلح و آشتی کے لیے ہمارے پھیلے ہوئے ہاتھ کتنے خستہ اور ماندہ ہوچکے ہیں - ہمارے آبا و اجداد کی غضب آلود آنکھیں آسمانوں سے ہمیں گھور رہی ہیں کہ جس وطن کے لیے انھوں نے قربانیاں دی تھیں ، جسے انھوں نے اپنا خون دے کر سینچا تھا ، ہم اس کی حفاظت نہیں کر سکے -

مادر مہربان ! ہم نے دو سال میں ہزاروں جانوں کی قربانی دے کر اور مال و دولت لٹا کر تیرے بیمار اور ضعیف جسم کے لیے دوا حاصل کی ہے - یہ دوا کیا ہے؟ یہ دوا مجلس شورائے ملی ہے- اسے قبول

کر اور نئے سرے سے جوانی حاصل کر لے اور اپنے فرزندوں کی تربیت میں مشغول ہو جا - جو شخص اس حیات بخش دوا کے پیالے کو زمین پر گرا دینا چاہتا ہے وہ کمینہ ہے ، شرافت نسبی سے بے بہرہ ہے ، وہ اپنی تاریخ کی قدامت اور ملی نجات سے آشنا نہیں - آج ایران کی اولاد بلوچستان کی سرحد سے لے کر آذربائیجان تک اور شط العرب سے لے کر خراسان تک ، ہر جنگل کی تاریکی میں ، ہر میدان کی صفائی میں ، ہر پہاڑ کی چوٹی پر ، ہر درے کی گہرائی میں رعد کی طرح کڑکتی ہے ، شیر کی طرح دہاڑتی اور کہتی ہے ، موت نقل مکانی کے سوا اور کچھ نہیں - قومی جنگ کی فتح شرافت اور افتخار کے سوا اور کچھ نہیں ہوا کرتا - جن کے پاس مجلس شوریٰ نہیں ان کا کوئی وطن نہیں ؛ جن کا کوئی وطن نہیں ان کی کوئی آبرو نہیں ؛ جن کی آبرو نہیں ان کا مرنا جینے سے ہزار بار بہتر ہے۔"

محمد علی شاہ مرزا جہانگیر اور مرزا نصراللہ ملک المتکلمین کو اپنے شدید ترین دشمنوں میں سے سمجھتا تھا - مرزا جہانگیر کے مقالے اور ملک المتکلمین کی تقریریں اسے ہمیشہ بے خواب رکھتی تویں - آخر جب موقع ملا تو دونوں کو گرفتار کرا کر انہیں ہلاک کرانے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا - مرزا جہانگیر کو جب قتل گاہ کی طرف لیے جا رہے تھے تو اس نے مٹھی بھر خاک اٹھائی اور باواز بلند پکار کر کہا : "اے خاک ایران گواہ رہنا کہ میرا خون تیری حرمت کو برقرار رکھنے کے لیے بہایا جا رہا ہے -" یہ کہہ کر بڑے اطمینان سے جان دے دی -

مرزا جہانگیر کو وطن سے جو والہانہ محبت تھی اس کا یہ تقاضا ہے کہ اس کے کچھ حالات بھی بیان کر دیے جائیں - مرزا جہانگیر کے والدین بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے - چچی اور دادا نے اس کی پرورش کی - مرنے سے ایک دن پہلے اس نے اپنی چچی کو وصیت کے طور پر ایک آخری خط لکھا جس کا مضمون درج ذیل ہے :

"آپ[1] کو مجھ سے محبت ہے - آپ نے بیٹوں کی طرح میری پرورش

---

۱ - ڈاکٹر مہدی ملک زادہ ، انقلاب مشروطیت ایران ، جلد اول صفحہ ۲۲۵ -



آقای سید جمال الدین واعظ اصفهانی

کی بلکہ اولاد سے بڑھ کر عزیز رکھا - اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ان سطور کو آپ غور سے پڑھ لیں اور اس پر عمل کریں -

عمۂ محترم ! ماں سے زیادہ مہربان ! میرے عقاید کو آپ بخوبی جانتی ہیں - مجھے اپنی زندگی سے کوئی وابستگی نہ تھی - میں ہمیشہ باعزت موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دیتا رہا - آپ نے بارہا مجھے یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ محض پیٹ بھر کر کھا لینا کوئی اہمیت نہیں رکھتا - یہ تو ایک حساس انسان کو مجبور اور بے عمل کر دیتا ہے - آج ایران کے فرزندوں کی اقبال مندی کا انحصار مشروطیت پر ہے ، لیکن ام‌الخاقان (والدہ محمد علی کا نام) کا بیٹا جو ایران کے کئی ہزار سالہ تخت و تاج کے لیے باعث ننگ بنا ہوا ہے ، اپنے بہیانہ ارادوں کی تکمیل کے لیے ہماری اقبال مندیوں کو دائمی بدبختی میں تبدیل کر دینا چاہتا ہے - ہم کل سے ایک پروگرام مرتب کرنے میں مصروف ہیں - صبح آفتاب طلوع ہوتے ہی ہمیں فداکاری کے لیے تیار ہونا ہوگا - اگر ہم اپنے پروگرام میں ناکام رہ کر مارے گئے اور میری موت کی خبر آپ کے کانوں تک پہنچے تو غمگین نہ ہونا - کیوں کہ میں ایران کی آزادی کی خاطر آپ کے لیے اور آپ کے بیٹوں کے لیے ایک افتخار اپنی یادگار چھوڑ جاؤں گا - مرنا ایک طبعی فعل ہے ، جب مرنا ہی ٹھہرا تو کوئی کسی درد یا مرض میں مبتلا ہو کر کیوں مرے ، ذلت آمیز زندگی کو ٹھکرا کر ایک دم ہی کیوں نہ مر جائے : ''

''جہانگیر''

جہانگیر کے صور اسرافیل پر ہی موقوف نہیں ، پورا ملکی پریس ملوکیت کے خلاف شدید نکتہ چینی کر رہا تھا اور عوام کو انقلاب کے لیے مسلح ہونے کی تلقین کر رہا تھا - خطیب اپنی شعلہ بیانی سے عوام کے جذبات کو مشتعل کر رہے تھے -

ہمہ گیر ہیجان کے دباؤ کی وجہ سے شاہ پہلی مرتبہ شروع نومبر میں مجلس میں آیا اور قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر عہد کیا کہ میں دستور کی دفعہ ۳۹ کی رو سے مجلس کے دستور کا وفادار رہوں گا - ایسا

حلف تو اس نے اب چوتھی مرتبہ اٹھایا تھا ۔ البتہ مجلس میں آ کر حلف اٹھانے کا یہ پہلا موقع تھا ۔

منظم غنڈہ گردی

بادشاہ کا یہ حلف بھی پہلے کی طرح فریب تھا ۔ اس نے سعداللہ (جو بظاہر مجلس کے انتہا پسند نمایندوں کا سربراہ تھا) امیر جنگ بہادر اور دوسرے کاسہ لیسوں کو ساتھ ملا کر مجلس کی تباہی کے منصوبے بنائے ۔ ۱۵ دسمبر کو تہران میں طوفان امڈ پڑا جب شاہ نے مجلس کے اراکین کو دعوت دے کر محل میں بلایا اور ناصرالملک وزیر اعظم کو گرفتار کرکے زندان میں ڈال دیا اور جہاں سے اسے بالآخر انگریزوں کی مداخلت سے چھٹکارا ہوا ۔ شاہ نے خطرناک صورت حال سے نمٹنے کے لیے شہر بھر کے غنڈوں کو منظم کرایا ۔ میدان توپخانہ میں ان کے لیے خیمے نصب کرائے اور انھیں غارت‌گری کی کھلی چھٹی دے دی ۔ ان غنڈوں کی حفاظت کے لیے میدان توپخانہ میں روسیوں کا فوجی دستہ بھی مقرر کر دیا گیا ۔ اسی دن بادشاہ نے بہارستان پر قبضہ کرنے کا بھی منصوبہ بنایا لیکن کسی نامعلوم وجہ سے وہ اپنے ارادے پر عمل نہ کر سکا ۔

دوسرے دن صبح کو نمایندگان مجلس اور حریت پسند انجمنوں نے منادی کرا کے بازار بند کرا دیے ۔ عوام اپنی رائفلیں سنبھال کر بہارستان کے اردگرد جمع ہو گئے ۔ کچھ چھتوں اور دیواروں پر چڑھ گئے اور اراکین مجلس کو مجبور کیا کہ وہ اپنا اجلاس جاری رکھیں ۔ چنانچہ اجلاس جاری رہا ۔ بادشاہ نے صورت حال بگڑتی دیکھی تو مجلس سے مصالحت کرنے کی تدبیر اختیار کرنی چاہی ۔ ۱۶ دسمبر کو ایک قاچار سردار کو اراکین مجلس کے پاس بھیجا اور خواہش کی کہ مجلس کو عارضی طور پر توڑ دیا جائے تاکہ شاہ امن بحال کر سکے ، لیکن اراکین نے ایسے پیام‌بر کا غصے اور سختی سے استقبال کیا ۔ احتشام السلطنت نے کہا ، ہمیں یہاں مجلس کے مستقبل کے متعلق فیصلہ نہیں کرنا ہے بلکہ یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ایسے حکمران کے متعلق کیا اقدام کیا جائے جو قرآن پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھاتا اور پھر بد عہدی

کرتا ہے۔ اس کے بعد شاہ نے پھر پیغام بھیج کر اپنے مطالبے میں ترمیم کی کہ تقی زادہ ، مشیرالدولہ ، سید جمال الدین واعظ اور ملک المتکلمین کو مجلس سے خارج کر دیا جائے ، لیکن یہ مطالبہ بھی پائے استحقار سے ٹھکرا دیا گیا۔

بادشاہ کے مطالبوں کی خبر اطراف ملک میں پھیلی تو تبریز ، رشت ، قزوین ، مشہد ، اصفہان اور کرمان کے لوگوں نے مجلس پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔ اہل تبریز نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور تمام غیر ملکی سفارت خانوں کو تاریں بھیج کر یہ ظاہر کیا کہ عوام محمد علی شاہ کی حکومت پر اعتماد نہیں کرتے اور پر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ اسے تخت سے اتارا جائے اور اس کا جانشین مقرر کیا جائے۔ نیز آذربائیجان کی فوج کو جو تہران میں مقیم تھی ، تار دے کر تنبیہہ کی کہ اگر انھوں نے مجلس کے خلاف کوئی اقدام کیا تو ان کے گھروں کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا اور ان کی عورتوں اور بچوں میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑا جائے گا۔ قزوین سے آزادی خواہوں کے مسلح دستے تہران پہنچ گئے۔ ایک ہزار سوار تبریز سے تہران پہنچنے کے لیے روانہ ہوئے۔

بادشاہ کو صورت حال کا پتا ملا تو اس نے اراکین مجلس کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا کہ مجلس کے غدار حکام کو جلا وطن کر دیا جائے گا اور جن غنڈوں نے لوگوں کو لوٹا اور قتل کیا ، ان کے خلاف شدید کارروائی کی جائے گی۔

اس سے کچھ عرصے کے لیے امن قائم ہو گیا لیکن مجلس کو بادشاہ پر اعتماد نہ تھا۔ اس کا واحد علاج یہ تھا کہ بادشاہ تخت و تاج سے دست بردار ہو جائے یا اسے جبراً تخت سے اتارا جائے۔

اینگلو روسی معاہدہ

۱۹۰۷ع کی جنگ عظیم کے بعد روسیوں نے مناسب سمجھا کہ انگریزوں سے معاہدہ کر لیا جائے تا کہ کم از کم ایران میں روسیوں اور انگریزوں کی کشمکش ختم ہو جائے۔ چناں چہ

ان کے مابین معاہدہ ہوگیا اور یہ طے پایا کہ ایرانی حکومت کے استحکام میں مدد دی جائے، روسی اپنی سرگرمیوں کو صرف شمالی ایران تک محدود رکھیں اور انگریزوں کے اثر و نفوذ کا حلقہ اس علاقے تک محدود رہے جو ایران افغان سرحد سے شروع ہوکر بیرجند سے ہوتا ہوا خلیج فارس کی بندرگاہ بندر عباس تک پھیلا ہوا ہے اور درمیانی علاقہ غیر جانب دار رہے - یہ بھی طے ہوا کہ دونوں میں سے کوئی حکومت ایران سے مزید مراعات نہیں مانگے گی - اس معاہدے میں ایران کو شامل نہیں کیا گیا تھا اس لیے یہ معاہدہ ایران کو ناگوار گزرا اور یہ سمجھا گیا کہ دونوں حکومتوں نے ایران کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا ہے - ایران ہمیشہ شمالی حملوں سے تو خائف تھا، اب انگریزوں کو بھی شبہے کی نظر سے دیکھنے لگا -

محمد علی شاہ پر حملہ

۱۹۰۸ع میں پھر یہ کوشش ہوئی کہ بادشاہ اور اراکین مجلس میں مصالحت ہو جائے - ایک مصالحت کمیٹی بنائی گئی لیکن ملوکیت اور جمہوریت کے درمیان جو خلیج حائل تھی وہ پاٹی نہ جا سکی اور زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ بادشاہ کی سواری جب شہر میں سے گزر رہی تھی تو کسی نے اس کی موٹر کار پر بم پھینکا لیکن وہ بچ گیا - اراکین مجلس نے اگرچہ بم پھینکنے والے کی مذمت کرکے اپنی بے تعلقی کا اظہار کیا لیکن بادشاہ کی عداوت اور نفرت میں مزید اضافہ ہوا اور روسیوں کی مدد سے مجلس کو تباہ کرنے اور آزادی خواہوں کو گرفتار کرنے کا منصوبہ بنایا - اس پر روسیوں نے بہانہ بنا کر حریت پسند سواروں کی ایک جمعیت کو ہلاک کر دیا اور کچھ گھروں کو آگ لگا دی - تبریز اور آذربائیجان کے بعض اور شہروں میں بھی حریت پسندوں کا خون بہایا گیا -

مصالحت کی ایک اور کوشش

بادشاہ کو یقین تھا کہ بم گرانے میں اراکین مجلس کا ہاتھ ضرور ہے جو مجلس کے اندر اور باہر بادشاہ کو ہدف مطاعن بناتے رہتے ہیں - مئی کے آخر میں اس نے ایک بار اور مصالحت کی کوشش کی کہ شاید



آنکه دایم هوس سوختن ما میکرد
کاش می آمد و از دور تماشا میکرد

مخالفین کی سرگرمیاں تھم جائیں - بادشاہ اس بات پر متفق ہو گیا کہ وہ اپنے چھ درباریوں کو ملک بدر کر دے گا ، جن پر مجلس کے نمائندوں کو شدید اعتراض تھا - ادھر آزادی‌خواہ اراکین مجلس نے وعدہ کیا کہ وہ بادشاہ پر مجلس یا پریس کے ذریعے ذاتی حملے نہیں کریں گے -

بادشاہ کی ایک اور بد عہدی

بادشاہ بجائے اس کے کہ اپنے عہد پر کاربند رہتا ، ایک دن اچانک روسیوں کے فوجی دستوں کو ساتھ لے کر شہر سے باہر آیا اور گرمی کا بہانہ بنا کر باغ میں ڈیرا لگایا - یہاں اس نے تحریک آزادی کے مقبول عام رہنماؤں کو دعوت دے کر بلایا لیکن جونہی وہ باغ میں داخل ہوئے ، انھیں گرفتار کر لیا - ان کی گرفتاری کی خبر سے تہران میں تہلکا مچ گیا - اس کے فوراً بعد اس نے روسی کرنل لیاخوف کو فوجی گورنر مقرر کرکے ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا - مسجد سپہ سالار میں مجتہدین صورت حال پر غور کرنے کے لیے جمع تھے - روسی فوج نے مطالبہ کیا کہ اجتماع منتشر کر دیا جائے - انجمن نے اس مطالبے کی مخالفت کی لیکن مجتہدین نے یہی مناسب سمجھا کہ مسجد چھوڑ کر گھروں کو چلے جائیں چنانچہ مسجد خالی ہو گئی -

ایوان مجلس پر بمباری

بادشاہ اب انتہائی قدم اٹھانے پر تلا ہوا تھا - اس کے اشارے سے روسی بریگیڈ اور دوسرے فوجی دستوں نے بہارستان کے گرد گھیرا ڈال دیا اور چاروں طرف سے مجلس کی عمارت پر گولے برسائے - جن سے متعدد اراکین مجلس شہید ہو گئے - بہارستان میں خوف و ہراس پھیل گیا - بعض نمایندے نکل کر برطانوی سفارت خانے میں چلے گئے - بہبہانی اور طباطبائی گرفتار ہو گئے - سید جمال الدین جو لرستان کی طرف جانا چاہتے تھے راستے میں مارے گئے - مرزا جہانگیر اور ملک المتکلمین ، جنھیں بادشاہ اپنا شدید ترین دشمن سمجھتا تھا ، تختۂ دار پر اسی موقع پر لٹکائے گئے تھے - اس کے بعد لیاخوف نے شہر کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا - اس خوفناک اقدام سے شاہ کچھ عرصے کے لیے مطمئن ہوگیا کہ اس نے مجلس کو کچل ڈالا ہے -

تبریز پر شاہ پسندوں کی فوج کشی

تہران میں آزادی کا چراغ بجھا تو اکثر شہروں میں موت کا ساسکوت طاری ہو گیا - مجلس کی تباہی کی خبر تبریز پہنچی تو آزادی خواہ سخت مضطرب ہوئے - اہل تبریز نے اب مشروطیت کا پرچم سنبھالا اور انتہائی جاں نثاری سے استبداد کا مقابلہ کیا - انھیں یقین تھا کہ جمہوریت کامیاب ہو کر رہے گی - اگر وہ اپنی زندگی میں مشروطیت سے ہم کنار نہ ہو سکے تو آنے والی نسلیں اس سے فیض یاب ہوں گی - شروع ہی سے اہل تبریز جمہوریت کے علم بردار تھے ، اب گروہ در گروہ فوجی تربیت حاصل کرنے لگے -

محمد علی شاہ آذربائیجانیوں کی شجاعت اور ثابت قدمی سے خوب واقف تھا ، اس لیے اس نے آذربائجانیوں کی شورش کو فرو کرنے کے لیے شہزادہ عین الدولہ کو وہاں کا حاکم مقرر کیا - اس نے منظم فوج لے کر پورے ساز و سامان کے ساتھ آذربائیجان کے دارالسلطنت تبریز کا رخ کیا - اس صورت حال میں ایک ایسا جاں باز آزادی‌خواہ سامنے آیا ، جسے قدرت نے صرف جمہوریت کے دفاع کے لیے پیدا کیا تھا - یہ ستار خاں تھا - اس دلیر شخص نے باقر خاں (سالار ملی) کی رفاقت میں تبریز کے مجاہدوں کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لیا اور کمال مردانگی سے شاہ پسندوں کا مقابلہ کیا اور انھیں پیچھے ہٹا دیا - عین‌الدولہ نے اب جم کر لڑنے کے بجائے تبریز کا محاصرہ کر لیا اور شہر میں رسد داخل ہونے کے راستے بند کر دیے لیکن اہل تبریز نے بڑی پائمردی کا ثبوت دیا اور جیسے بھی بن پڑا شاہ پسندوں کا مقابلہ کیا - روسیوں اور انگریزوں نے اس موقع پر ناکہ بندی کے خلاف احتجاج کیا اور محمد علی شاہ مجبور ہو گیا کہ رسد رسانی کے راستے کھولنے کا حکم دے - اور مشروطیت پسندوں کو کہلا بھیجا کہ ملک میں جمہوریت بحال کر دی جائے گی - لیکن یہ بھی ایک فریب تھا اور کوئی اس کے فریب میں نہ آیا -

آزادی خواہوں کی تہران کی طرف پیش قدمی

اب آزادی خواہوں کی حمایت کے لیے اصفہان سے نجف علی خاں صمصام‌السلطنت بختیاریوں کی جمعیت لیے ہوئے تہران آیا ، جو محمد علی شاہ

هموطنان محترم ! این قوای استبداد که سالهای سال است ما افراد ستمدیده و فشار خورده ایرانی پنجه در پنجه نهاده و ده هزاران جوان ایرانی را شکار ظلم خود نموده است . میخواهد با حرکات مذبوح دوباره رشته امور را در دست گیرد و سلطنتی را که در تحصیل آن از چنگال استبداد جانهای شیرین داده و خونهای رنگین ریخته ایم از سر نو بدست اقتدار در آورد ! محمد علی ! آن غاصب تخت و تاج آن مردود بی حمیت که پرورش یافته دست بیگانه است برای چند روزه ریاست و بی پروری موقتی خود میخواست حمله بر حریم استقلال ایران بزند غیرت ، ناموس ، مملکت ، و همه چیز را در سر یک عمارت دلنشین و عیاشی مفرطانه در گرو بیگانه نهاده و با تاثیر اجانب پای تخت ایران جوان پای منحوس گذارد و اصول تازه مشروطه را برچیند و نقشه اجنبی را سر تا سر ایران مجرا دارد ، و ملتیان را دچار یک سکوت و تضییق دائمی بنماید . آنگاه چشم از استقلال و مملکت پوشیده و شب و روز از خون خواهندگان ترقی ملت ایران سرمست بوده و وجوهات ملی را صرف حیات نماید و پس از من عالم خراب گردد گوید .

اگرچه یاری خدای منتقم تیرش بسنگ خورد و آرزویش محو گشت . خوابش پراکنده شد ، ترسان آمد و لرزان فرار میکرد ، و بالاخره محصور قشون منظم و فداکار دولت مشروطه گردید . با این همه ما ایرانیان باید بمحض استقلال سعی او ضایع امور را از یاد بریم و مجدداً این گونه اقسام سیاسی را ندانیم

البته باید تجارب چند ساله خود را نیز ضمیمه وقوعات حالیه بنمائیم . آنگاه با روشنی تمام ببینیم که این همه بازیها را کدام دست فتنه انگیز بمقام بروز میآورد . و از کدامین منبع تحریک وقوع میرسد و ما را آتش که میسوزاند .

ایرانیان ! استبداد دوییمی یعنی هیکل مجرب ارتجاع (با یک تحریک خارجی) حمله آور خانمان خرابه زار تان گردیده است دیگر اختیار سکوت نکنید وراه را از چاه وسفید را از سیاه تمیز داده وفداکارانه در حفظ شئونات خود وانقلاب خود بکوشید و آنچه از مساعدات لسانی ومالی وجانی مقدور تان است بجای سکوت صرف راه سعادت خود نمائید و شب و روز آرام نکنید .

کے لیے بری فال تھی - اہل رشت نے بھی علم آزادی بلند کیا - انھیں محمد ولی خاں سپہدار اعظم ایسا رہنما ملا جو عین الدولہ کے ماتحت فوجی سپہ سالار رہ چکا تھا اور اب ملازمت ترک کرکے آزادی‌خواہوں میں آ ملا تھا -

جمہوریت کے میدان میں ایک اور حریت پسند شخص نے کار نمایاں سرانجام دیا؛ یہ حاجی علی قلی خاں سردار اسعد تھا، جو ایک بختیاری سردار تھا - اس نے علم آزادی بلند کرکے صمصام الدولہ کے ہاتھ اور مضبوط کردیے - آزادی خواہوں کے اس مسلح لشکر نے تہران کی طرف کوچ کیا تاکہ محمد علی شاہ کو اپنے وعدے پورے کرنے پر مجبور کریں - محمد علی شاہ کو اب ایسا خطرہ نظر آرہا تھا، جو اسے تاج و تخت سے محروم کر سکتا تھا، اس لیے اس نے ایک بار پھر ذمے دار حکومت قائم کرنے کا حلف اٹھایا، لیکن اب وقت گزر چکا تھا -

بختیاریوں نے سوچی سمجھی تدبیر کے مطابق ۱۹۰۹ع میں شمال کی طرف کوچ کیا - روسیوں اور انگریزوں نے مل کر اسے روکنا چاہا لیکن سردار اسعد نے کہا کہ تہران کی طرف کوچ کرنے کا قدم اس نے رائے عامہ کے اصرار پر اٹھایا ہے اور اگر اسے روکا گیا تو ایران کے طول و عرض سے لوگ تہران کی طرف کوچ کریں گے - روسی اور انگریز اس جواب پر خاموش ہو گئے - لیکن روسیوں نے اپنے فوجی دستے باکو میں جمع کر لیے کہ وقت آنے پر انھیں ایران بھیجا جا سکے -

جنگی صورت

اس وقت جنگی صورت یہ تھی کہ بادشاہ تہران سے باہر کیمپ لگائے بیٹھا تھا - اس کے ساتھ پانچ ہزار فوج تھی - آٹھ سو قازق روسیوں کا بریگیڈ تہران کی مدافعت پر مامور تھا اور تین سو پچاس سپاہیوں کا دستہ کرج پل کی حفاظت کے لیے متعین کیا گیا تھا جو مغرب کی طرف تہران سے ۲۵ میل کے فاصلے پر تھا - دو سو فوجیوں کا دستہ بختیاریوں کی پیش‌قدمی کو روکنے پر مامور تھا - بختیاریوں کا پہلا مقابلہ ۱۵ سو فوج کے ساتھ کاشان میں ہوا جس میں آزادی خواہوں کو فتح ہوئی اور بادشاہ کی فوج

تہران کی طرف پسپا ہوگئی - بختیاریوں کی تعداد دو ہزار تھی جن میں سے ہر فرد مسلح تھا - رشت کا لشکر ان کے نصف کے برابر تھا - ان کے ساتھ قازق روسی بریگیڈ کی مڈبھیڑ شاہ آباد کے مقام پر ہوئی جس میں روسی بریگیڈ نے تہران کی طرف پسپا ہونا ہی مناسب سمجھا - سردار اسعد بختیاریوں کے ساتھ رشت کی فوج سے کرج پل کے مقام پر آملا -

شاہ کی تخت و تاج سے دست برداری

آزادی خواہ تہران کی طرف بڑھے چلے آتے تھے شاہ کے لیے صورت حال خراب سے خراب تر ہو رہی تھی - ادھر روسیوں کی تین ہزار فوج انزلی بندرگاہ پر اتر چکی تھی اس لیے حریت پسندوں کے لیے ضروری تھا کہ روسیوں کے آنے سے پہلے محمد علی شاہ کو تخت و تاج سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا - تہران کے قریب شاہ پسندوں اور آزادی خواہوں کے مابین ۱۱ اور ۱۲ جولائی کو خون ریز لڑائی ہوئی محمد علی شاہ کی فوج ان پر بم باری کرتی رہی لیکن آخر وہ تہران میں وارد ہو گئے اور آزادی خواہوں کی فتح ہو گئی - ۱۶ جولائی کو یہ دیکھ کر کہ وہ آخری بازی ہار چکا ہے ، محمد علی شاہ تہران سے نکل کر روسی سفارت خانے میں پناہ گزین ہو گیا -

اراکین مجلس کے ہاتھوں شاہ کی معزولی

دارالحکومت شاہ سے خالی ہوا تو رات کے وقت اراکین مجلس کا اجلاس منعقد ہوا اور رسماً بادشاہ کو معزول کر کے اس کے نابالغ بیٹے احمد مرزا کو تخت نشین کر دیا گیا -

جمہوریت پسندوں نے شاہ پسندوں کے خون سے ہاتھ رنگین کرنے مناسب نہ سمجھے - ان کی یہ مروت دیکھ کر شاہ پسندوں نے فوراً ہی شاہ کا ساتھ چھوڑ دیا - جمہوریت پسندوں نے اقتدار سنبھالتے ہی یہ اعلان کیا کہ غیر ملکیوں کے جان و مال کی حفاظت کی ذمے دار حکومت ہے - روسیوں نے یہ صورت حال دیکھی تو اپنی فوج واپس بلا لی -

نمره [illegible]

فرقه دموکرات ایران

قطعنامه خصوصی راجع به تشکیل کمیته نجات ملی

کمیته مرکزی .... بتاریخ ۲۳ ماه ذی حجه .... سال هجری ۱۳۲۸

طرح نظامنامه اساسی ـ کمیته ـ (نجات ملی)

۱ ــ کمیته نجات ملی یک هیئت بین الفرقی است که بواسطه نمایندگان رسمی فرق و اتحادیه‌ها تشکیل شده و تصمیم قوه اکثریت هم در پارلمان و هم در خارج می‌نماید.

۲ ــ نمایندگان رسمی فرقی که کمیته نجات ملی را تشکیل میدهند عموماً مساوی یکدیگر خواهند بود.

۳ ــ فرقه‌ها بواسطه نماینده رسمی خود داخل کمیته میباشند ولی در تحت اداره و خط حرکت آن خواهند بود.

۴ ــ نمایندگان هر فرقه هم مسئول پارتی خود و هم مسئول کمیته نجات ملی است.

۵ ــ ناطق هر جلسه کمیته بنوبت به ترتیب در هر جلسه یکی از نمایندگان فرقه مخصوص خواهد بود.

۶ ــ دو نفر سمت منشی گری و یک نفر بوظیفه خزانه داری بطور دائمی انتخاب میگردند.

۷ ــ کمیته نجات ملی دارای صندوق خواهد بود که از طرف پارتیها بتساوی و یا از راه‌های دیگر جمع میشود.

۸ ــ کمیته نجات ملی هفته دو مرتبه اجلاس مینماید.

۹ ــ تمام مسائل در کمیته نجات ملی با اکثریت تصویب شده، اعضاء کمیته ملزم هستند که مسائلی را که از طرف اکثریت نمایندگان پارتیها تصویب شده هم در پارلمان و هم در خارج بطور قطعی متفقاً مجری بدارند.

۱۰ ــ کمیته نجات ملی حرکات تمام پارتیها را در خط واحد تعقیب نموده و خط حرکت واحدی را اتخاذ خواهد کرد که از مرامنامه هیچیک حزب متحده خارج نگردد.

۱۱ ــ اگر یکی از فرقه‌ها بر خلاف پیمان متحده رفتار نماید در دفعه اول مورد مؤاخذه کتبی کمیته گردیده در دفعه دوم از کمیته خارج و علت رفتار آن بعموم ملت اعلان خواهد گردید.

۱۲ ــ عموم قرارداد کمیته نجات ملی مطابقت تام با تمام مواد نظامنامه، مرامنامه و خط حرکت متحده مشترکه داشته و با آنها مغایرتی نباید داشته باشد.

احمد شاہ

(۱۳۲۷ تا ۱۳۴۳ھ ۱۹۰۹ تا ۱۹۲۴ع)

احمد شاہ تخت نشین ہوا تو اس کی عمر بارہ سال تھی اس لیے ایک عمر رسیدہ قاچاری سردار علی رضا عضدالملک کو نائب السلطنت مقرر کیا گیا جس نے اپنی وزارت بنائی اور بڑے بڑے منصب فاتحین کو سونپے۔ سردار اسعد وزیر داخلہ مقرر ہوا۔ سپہدار کو سپہ سالار مقرر کیا گیا اور ایفراہیم کو پولیس کا محکمہ سپرد کیا گیا۔

مجلس کا باقاعدہ اجلاس ہوا جس میں سپہدار نے احمد شاہ کی طرف سے افتتاحی تقریر کرتے ہوئے نیک ارادوں کا اظہار کیا۔ مجلس نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ محمد علی شاہ کے لیے ایک لاکھ تومان سالانہ وظیفہ منظور کیا جائے اور اگر وہ مملکت کے خلاف سرگرمیاں جاری رکھے تو وظیفہ بند کر دیا جائے۔ اخبارات پر جو پابندیاں تھیں، وہ ختم کر دی گئیں۔ روسی حکومت نے صورت حال کے مطابق اپنا نیا اعتدال پسند سفیر مقرر کیا اور قزوین اور تبریز سے اپنے فوجی دستے رفتہ رفتہ واپس منگوا لیے۔

مجلس کی مشکلات

مجلس کو اقتدار سنبھالتے ہی طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ امور سلطنت غیر منظم تھے، خزانہ خالی تھا، مالی امور ابتر تھے، ملوکیت کی خرابیاں جو مجلس کو ورثے میں ملی تھیں، آسانی سے دور نہیں ہو سکتی تھیں۔ انگریزوں اور روسیوں کی طرف سے جو رکاوٹیں پیدا کی جا رہی تھیں، وہ اپنی جگہ پر تھیں۔ روسی چاہتے تھے کہ انھیں زیادہ سے زیادہ مراعات دی جائیں اس لیے ایران کے داخلی معاملات میں دخل انداز ہوتے رہتے تھے اور باغیوں کی حمایت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ رحیم خاں نے اردبیل میں بغاوت کی اور جب اسے شکست ہوئی تو روسیوں نے ترکمن چائی کے معاہدے کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے اسے نہ صرف روس میں پناہ دی بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی

کی جس سے اسے پھر تبریز میں ناکا شورش کرنے کا حوصلہ ہوا ۔ ادھر انگریزوں نے بہانا بنایا کہ جنوبی ایران کے راستے غیر محفوظ ہیں اس لیے ان کا انتظام ایرانی خرچ پر ہندوستانی فوج کے حکام کے سپرد کر دیا جائے۔

یہ حالات خاصے پریشان کن تھے ۔ اس پر مستزاد یہ کہ مجلس کے اراکین میں پھوٹ پڑ گئی اور یہ دو گروہوں میں بٹ گئے ۔ ایک گروہ انتہا پسندوں کا تھا اور دوسرا اعتدال پسندوں کا ۔ آخر انتہا پسند غالب آئے ۔ سردار اسعد نے انتہا پسندوں کا ساتھ دیا اور سپہدار کو کابینہ سے نکالنا چاہا ۔ تقی زادہ ، سپہدار اور صدر مجلس ، جو اعتدال پسند گروہ سے تعلق رکھتے تھے ، مستعفی ہو گئے ۔ سردار اسعد کی حمایت سے انتہا پسند مستوفی الممالک نے کابینہ بنائی ۔ انتہا پسندوں کا رجحان روسیوں کے خلاف تھا ۔ نواب حسین قلی خاں وزیر خارجہ کا شمار بھی انتہا پسندوں میں تھا جو معمولی باتوں پر بھی روسیوں کو ناراض کر دیتا تھا ۔ بالآخر روسیوں نے دباؤ ڈالا تو وہ مستعفی ہوگیا ۔ عضدالدولہ نائب السلطنت فوت ہوا ، اکثریت ناصرالملک کے حق میں تھی ، جو یورپ میں مقیم تھا ۔ اسے یورپ سے بلا کر نائب السلطنت بنا دیا گیا ۔ لیکن حالات نے رخ پلٹا تو اسے بھی مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا گیا ۔ اس کی جگہ سپہدار نے کابینہ بنائی اور سردار اسعد یورپ چلا گیا ۔

تخت حاصل کرنے کی کوشش

محمد علی شاہ نے سالانہ وظیفے پر اکتفا نہ کیا اور ۱۹۱۱ع میں تخت و تاج دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا ۔ چنانچہ دفعتاً بھیس بدل کر استر آباد آ گیا اور سامان جنگ فراہم کرنے میں کامیاب ہو گیا ۔ یہ خبر تہران پہنچی تو مجلس نے پہلا کام یہ کیا کہ سپہدار کو وزارت عظمیٰ سے سبکدوش کر دیا کیوں کہ اس کے متعلق شبہ تھا کہ وہ معزول بادشاہ کا ساتھ دے گا ۔ اس کی جگہ صمصام السلطنت کو وزیراعظم بنایا گیا ۔

محمد علی شاہ کو روسیوں نے فوج مہیا کرنے میں مدد دی اور اس نے تہران کی طرف کوچ کیا ۔ ادھر سے اس کا بھائی سالارالدولہ قبائلیوں کا لشکر لے کر کرمان کی طرف سے آیا ۔ اس کا حامی ارشداللہ بھی فوج لے کر تہران پہنچا ۔ محمد علی شاہ کے آنے سے بہ ظاہر پایۂ تخت خطرے میں پڑ گیا لیکن آزادی خواہوں نے کچھ اس طرح مقابلہ کیا کہ قبائلیوں کے لشکر کو بری طرح شکست ہوئی ۔ سالارالدولہ ابھی ہمدان میں تھا کہ اس کے ساتھ آزادی خواہوں کا مقابلہ قم اور نویزان میں ہوا جس میں سالارالدولہ کو شکست ہوئی ۔ آخر جب محمد علی شاہ کو کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس نے با حسرت و یاس ایران کو خیر باد کہہ کر یورپ کا رخ کیا ۔

امریکہ کا مالیاتی مشن

۱۹۰۹ع میں جب مجلس نے کام شروع کیا تو خزانہ خالی تھا ۔ نظم و نسق میں ابتری تھی ۔ ملک قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا ۔ ملک سے بدنظمی دور کرنے کے لیے ہمت و حوصلہ کی ضرورت تھی ۔ مجلس نے حالات کی اصلاح کرنے کے لیے ایک نیا منصوبہ بنایا اور حکومت امریکہ سے غیر جانب دار مالی مشیر بھیجنے کی خواہش کی ۔ چنانچہ حکومت امریکہ نے ۱۹۱۱ع میں مسٹر مارگان شوسٹر کی سر کردگی میں اپنے مالی مشیر ایران بھیجے ۔ شوسٹر نے حالات کا جائزہ لیا ۔ یہ دیکھ کر کہ حالات کی اصلاح کے لیے غیر معمولی اقدامات کی ضرورت ہوگی ، اس نے مالی معاملات میں مکمل اختیارات حاصل کرنے کا مطالبہ کیا جسے حکومت ایران نے تسلیم کر لیا اور اسے مالیات کا مختار کل بنا دیا گیا ۔ اس کا کام انتہائی مشکل تھا ۔ روسیوں کو شوسٹر کی موجودگی سخت کھٹکتی تھی اس لیے وہ اس کی سرگرمیوں کا بہ غور جائزہ لیتے رہے ۔ شوسٹر کو محض اپنے کام سے غرض تھی ، اس لیے وہ سفارت‌خانوں کی طرف رجوع کیے بغیر اپنے کام میں مصروف رہا ۔ شوسٹر نے مالیات کا الگ شعبہ قائم کر دیا اور اپنے منصوبے کے تحت خزانے کی حفاظت کے لیے قازقوں کی فوج مقرر کی ۔ اس کی کمان اس نے میجر سی ۔ لی

سٹوکس کے سپرد کی ، جو ایران کا ایک مخلص دوست تھا - شوسٹر نے ملکی بجٹ بنانے اور حسابات کی جانچ پڑتال کرانے کے جدید طریقے رائج کیے - حکام کو بے اعتدالیوں سے روکا - محصولات پر نظرثانی کی - ان امرا سے ٹیکس وصول کرنے کے لیے سخت اقدامات کیے جو ٹیکسوں سے بچ جایا کرتے تھے - شوسٹر کو اپنی کوششوں میں خاطرخواہ کامیابی ہوئی اور اب وہ ملک میں ایک متوازن بجٹ پیش کرنے کی جد و جہد میں مصروف رہا -

شوسٹر کے خلاف روسیوں کی جد و جہد

سٹوکس کے ارادوں سے روسی با خبر تھے - وہ ایسی تنظیم کو ہرگز گوارا نہ کر سکتے تھے ، جو روس دشمن حکام کے ہاتھوں میں ہو اور پھر جس کا اثر پورے ایران پر ہو - روسیوں نے پہلا وار سٹوکس پر کیا اور اس کے اخراج کے لیے حکومت ایران پر دباؤ ڈالا ، جس میں انہیں کامیابی ہو گئی اور سٹوکس کو ہندوستان واپس بھیج دیا گیا - یہ بات شوسٹر کو سخت گراں گزری - اب روسیوں کا دوسرا وار شوسٹر پر ہوا اور پیشتر اس کے کہ وہ کوئی متوازن بجٹ پیش کرتا ، روسیوں نے حکومت ایران سے اس کی برطرفی کا مطالبہ شروع کر دیا - مجلس ان کے مطالبے کو خاطر میں نہ لائی جس سے روسی سخت برافروختہ ہوئے اور مجلس کے کاموں میں طرح طرح سے روڑے اٹکانے لگے -

شوسٹر کا اخراج

روسی حکومت نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ شوسٹر کا ایران سے اخراج کرا کے دم لے گی - وہ محض بہانے کی تلاش میں تھی ، آخر ایک کمزور سا بہانا اسے حکومت ایران پر دباؤ ڈالنے کا مل گیا - ایرانی حکومت نے سالارالدولہ اور شجاع السلطنت کی جائداد کی ضبطی کا حکم دیا ، جنھوں نے اپنے بھائی محمد علی شاہ کو دوبارہ تخت و تاج حاصل کرنے میں مدد دی تھی - روسیوں نے اب یہ دعویٰ کر دیا کہ سالارالدولہ روسی حکومت کا مقروض ہے - اگر اس کی جائداد پر کسی کو حق ہو سکتا ہے تو وہ روسی حکومت ہی ہے - آخر جب حکومت ایران نے جائداد

کی ضبطی کے لیے کارندے بھیجے تو روسیوں نے انہیں روکا اور گولی مار دینے کی دھمکی دی - اس پر وہ کارندے واپس آ گئے - اس پر شوسٹر نے ضبطی کے لیے خزانہ فوج بھیج دی - یہ فوج اس کی جائداد کو ضبط کرنے میں کامیاب ہو گئی - ایرانی فوج نے اسے اپنی فتح سمجھا لیکن روسیوں نے اسے اپنی توہین سمجھتے ہوئے حکومت ایران کو الٹی میٹم دے دیا کہ:

۱ - روسی قونصل جنرل سے اس گستاخی کی معافی مانگی جائے۔

۲ - شوسٹر کو معزول کر دیا جائے۔

۳ - حکومت ایران ، روسی اور انگریز سفیروں کے مشورے کے بغیر کسی غیر ملکی کو اپنا مشیر مقرر نہ کرے -

روسی قونصل جنرل سے حکومت ایران نے معذرت تو کرلی لیکن شوسٹر کو معزول کرنے پر وہ کسی صورت آمادہ نہ تھی - چنانچہ آخر کے دو مطالبات اس نے مسترد کر دیے۔ حکومت ایران کے اس اقدام پر روسی سخت برہم ہوئے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ اپنی ہر بات منوا سکتے ہیں ، اپنے فوجی دستے تہران بھیجے - اس کے علاوہ اپنی فوج ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ع میں بندرگاہ انزلی (پہلوی) میں اتار دی - ادھر برطانوی حکومت نے ہندوستانی سواروں کے دو دستے شیراز بھیج دیے۔

حکومت روس نے اپنے مطالبات پھر دہرائے تو شورائے ملی نے بڑی دلیری سے روسیوں کے الٹی میٹم کو مسترد کر دیا - ادھر مذہبی پیشواؤں نے فتویٰ دے کر انگلستان اور روس کی درآمدات ممنوع قرار دے دیں - طلبہ نے ہڑتال کردی - ایران کے مرد و زن ایران کی آزادی کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کو آمادہ ہو گئے - اس وقت ایران میں ایک ہنگامہ برپا تھا - مرد تو مرد ، عورتیں بھی اس ہنگامے میں شریک ہو گئیں - شوسٹر نے اس واقعہ کو بڑی شرح و بسط سے بیان

کیا ہے - وہ لکھتے ہیں : اس غم انگیز[۱] تاریخ کے متعلق چند سطریں وطن پرستی پر بھی لکھی جائیں تو نامناسب نہ ہوگا - اس موقع پر محب وطن رہنماؤں نے ایران میں روسی فوج کے وارد ہونے کی خبر عوام تک پہنچائی تو مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی فداکاری کے لیے تیار ہو گئیں - وہ اگرچہ تعلیم یافتہ نہ تھیں لیکن وطن کی آزادی کی قدر و قیمت جانتی تھیں - وہ ہر روز اپنے گھریلو اخراجات سے کچھ رقم بچا کر دفاعی فنڈ میں جمع کراتی تھیں اور حریت پسندوں کے حوصلے بڑھاتی تھیں - جس طرح ماں بچوں کی تکلیف پر انھیں محبت اور حسرت سے دیکھتی ہے اسی طرح یہ عورتیں اپنے نوجوانوں کو دیکھتی تھیں - ایرانیوں کے لیے یہ وقت بڑا رقت خیز تھا - جواں مردوں کے دلوں پر ہراس سا طاری تھا - روسیوں کی پیش قدمی سے اراکین مجلس بھی ڈگمگا رہے تھے - انھیں ہراساں دیکھ کر تین سو عورتیں اپنے چہروں پر نقاب ڈالے اور چادروں میں پستول چھپائے مجلس شوریٰ میں آ گھسیں - یہاں پہنچ کر انھوں نے نقاب پھاڑ ڈالے اور نوجوانوں کو دھمکی دی کہ تم نے ملت ایران کی شرافت کی پاسبانی نہ کی تو ہم تمھیں ہلاک کرکے خود کشی کر لیں گی -

مجلس کے نمائندوں نے بہرحال روسیوں کے مطالبات کو مسترد کرنے پر ہی اصرار کیا - یہاں تک کہ روسیوں نے ایوان مجلس کو محاصرے میں لے لیا اور مجلس کے نمایندوں کا داخلہ روک دیا - آخر جب کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا تو حکومت ایران نے روسیوں کے مطالبات من و عن تسلیم کر لیے - شوستر کو برطرف کر دیا گیا - اس وقت محب وطن لوگوں پر جو گزری اسے بیان کرنا اس تاریخ میں ممکن نہیں - البتہ عارف قزوینی کی ایک ''تصنیف[۲]'' کا ایک بند درج ذیل کیا جاتا ہے ، جس سے حریت پسندوں کے جذبات کا کچھ اندازہ ہو سکے گا :

ننگ آن خانہ کہ مہمان ز سر خوان برود
جان نثارش کن و مگذار کہ مہمان برود

---

۱ - Stranggling of Persia ،

۲ - بنام مورگان شوستر -

گر رود شوستر از ایران ، شود ایران برباد
ای جوانان مگذارید کہ ایران برود
بجسم مردہ جانی ، تو جان یک جہانی
تو گنج شائگانی ، تو عمر جاودانی
خدا کند بمانی خدا کند بمانی

نہ صرف یہ کہ ایران کے بہی خواہ شوستر کو مجبوراً رخصت کرنا پڑا بلکہ یہ ذلت آمیز شرط بھی منظور کرنی پڑی کہ حکومت ایران آئندہ روسی اور برطانوی سفیروں کے مشورے کے بغیر اپنے ہاں کسی غیرملکی کو ملازم نہ رکھے گی ۔

شوستر کے اخراج سے روسیوں کو مطمئن ہو جانا چاہیے تھا ، لیکن انھیں مطالبات کے شروع میں مسترد ہونے کا جو غصہ تھا وہ ظاہر ہو کے رہا ۔ تبریز میں انھوں نے بہت ظلم و ستم کیا ۔ عورتوں ، بچوں اور مردوں کو طرح طرح کی ایذائیں دے کر ان کے خون سے ہولی کھیلی ۔ عین عاشورہ کے موقع پر ایک متدین آزادی خواہ عالم ثقۃالاسلام کو دو مجتہدوں اور پانچ ایرانی افسروں سمیت تختۂ دار پر لٹکا دیا ۔ اسی طرح رشت اور انزلی (بندرگاہ پہلوی) میں بھی خوں ریزی کی ۔ یہ[1] سب کچھ جو ہوا روسیوں کے مطالبات منظور کر لینے کے بعد ہوا ۔ غرض سیاسی افق روز بروز تاریک اور غیر ملکیوں کے ہاتھ رفتہ رفتہ دراز تر ہوتے گئے ۔ انتہا یہ ہوئی کہ روسیوں نے ۱۹۱۲ع میں مشہد مقدس پر بھی گولیاں برسائیں جن سے مزار کے بیرونی حصوں کو نقصان پہنچا اور متعدد بے گناہ زائرین شہید ہوئے ۔ اس سے نہ صرف ایران بلکہ پوری اسلامی دنیا میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی ۔

ایران کے داخلی حالات

اس زمانے میں ایران کی داخلی زندگی میں بڑی افراتفری تھی ۔ ملکی وزارت بختیاریوں نے قائم کی تھی لیکن یہ وزارت نظم و نسق قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی اس لیے کابینہ مستعفی ہونے پر مجبور ہو گئی

---

۱ ۔ آقای عبداللہ رازی : تاریخ مفصل ایران ، صفحہ ۵۳۳ ۔

اور نئی کابینہ علاءالسلطنت نے بنائی جس نے کئی سال انگلستان کے بادشاہ سینٹ جیمز کے دربار میں حکومت ایران کی نمائندگی کی تھی - قومی مجلس میں بختیاریوں کی جماعت خاصی مؤثر تھی - اب جو اقتدار ہاتھ سے گیا تو وہ سخت برافروختہ ہوئے اور سویڈن کے فوجی دستوں سے، جو ملک کے محصولات کی حفاظت کے لیے مقرر کیے گئے تھے، ان کا رویہ معاندانہ ہو گیا - بختیاریوں اور سویڈی دستوں کے مابین لڑائی بھی ہوئی لیکن انھوں نے بختیاریوں کو اپنے ٹھکانوں کی طرف واپس جانے پر مجبور کر دیا -

محمد علی شاہ کا بھائی میدان میں

محمد علی شاہ کے بھائی سالارالدولہ کا لورستان میں کافی اثر تھا - وہ والئی پشت کوہ کا داماد تھا، جس کی ایک آواز پر ہزاروں لوری جمع ہو سکتے تھے - سالارالدولہ نے، جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، اپنے بھائی محمد علی شاہ کو ۱۹۰۷ء میں دوبارہ تخت و تاج حاصل کرنے میں مدد دی تھی لیکن اسے ناکامی ہوئی - وہ اب بھی نا امید نہ تھا - اس نے لوری قبائل کے ہمراہ تہران کی طرف پیش قدمی کی لیکن افراہیم نے شکست دے کر انھیں لوٹا دیا - ۱۹۱۲ء میں سالارالدولہ نے پھر فوج فراہم کی اور کردستان پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا - اب وہ ہمدان کی طرف بڑھنا چاہتا تھا کہ کردستان کے فرمانفرما نے پھر فوج منظم کر کے اس کا مقابلہ کیا اور شکست دے کر اسے بھگا دیا - اس کے بعد اسے کوئی منظم حملہ کرنے کا حوصلہ تو نہ ہوا البتہ لوٹ مار کرتا رہا -

خلیج فارس میں جرمنوں کی سرگرمی

مغربی اقوام کے نزدیک خلیج فارس کی ہمیشہ سے بہت اہمیت تھی - ان کا خیال تھا کہ مشرق وسطیٰ میں تجارتی اور سیاسی برتری حاصل کرنے کے لیے خلیج فارس میں کوئی ٹھکانا ہونا چاہیے - حکومت جرمنی نے یہ بھی محسوس کیا کہ اگر خلیج فارس کی بندرگاہ ہاتھ آ سکے تو

مشرق وسطیٰ میں انگریزوں کا اثر و رسوخ ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے ۱۸۹۷ع میں بوشہر میں اپنا قونصل خانہ قائم کیا۔ ۱۹۰۰ع میں بغداد ریلوے قائم کرنے کا منصوبہ بنا کر ایک جرمن مشن شیخ کویت کے پاس بھیجا اور اسے سمجھایا کہ اگر کویت تک ریل آ جائے تو اسے تجارتی اور اقتصادی لحاظ سے بہت فائدہ ہوگا۔ لیکن شیخ کویت انگریزوں کے زیر اثر تھا، اس لیے جرمن اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اب انھوں نے ایران کی طرف رجوع کیا اور حکومت ایران کی اجازت سے انھوں نے تہران میں ایک کالج کھول دیا جہاں تعلیم دینے کے لیے جرمن استاد مقرر کیے گئے۔ جرمنوں کے کچھ پاؤں جمے تو انھوں نے تجارتی اڈے بھی قائم کر لیے اور ایران و جرمنی کے مابین تجارت ہونے لگی۔

جنگ عظیم کا اثر ایران پر

۱۹۱۴ع میں احمد شاہ کی رسم تاج پوشی ادا ہوئی لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد عالم گیر جنگ شروع ہو گئی۔ حکومت ایران اس سے بے تعلق رہنا چاہتی تھی۔ چناں چہ ۱۹۱۵ع میں ایرانی مجلس نے غیر جانب دار رہنے کا اعلان کر دیا۔ ایران کا اگرچہ اقوام یورپ کی جنگی سرگرمیوں سے براہ راست کوئی تعلق نہ تھا لیکن اس کی جغرافیائی صورت حال کچھ ایسی تھی کہ غیر جانب داری کے باوجود کسی نہ کسی شکل میں ایران کو اقوام عالم کی باہمی رقابتوں کا شکار ہونا پڑا۔

جنگ عظیم میں ایران کی فوجی کیفیت

ایرانی فوج میں اس وقت روسی قازقوں کا ایک بریگیڈ تھا جس کا کمانڈر روسی تھا۔ یہ بریگیڈ آٹھ ہزار سپاہیوں اور افسروں پر مشتمل تھا۔ تہران ان کا صدر مقام تھا۔ روسیوں کے فوجی دستے تبریز، قزوین اور ہمدان میں بھی مقیم تھے۔ سویڈن کی حفاظتی فوج میں سات ہزار سپاہی تھے۔ اس فوج کا بیشتر حصہ صوبہ فارس میں متعین تھا جہاں کے اہم ترین

رستوں کی حفاظت کرنا ان کے ذمے تھا۔ ایران کے اپنے فوجی دستے بھی تھے جو ایرانی افسروں کے ماتحت تھے لیکن ان دستوں کی کوئی عسکری اہمیت نہیں تھی۔

آذربائیجان میں ترکوں اور روسیوں کی پیش قدمی

جنگ عظیم شروع ہوئی تو ایران اس وقت بے بسی کی حالت میں تھا۔ خزانہ خالی پڑا تھا۔ فوج جو تھوڑی بہت تھی، اس پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایسے حالات میں کسی حملہ آور سے بچاؤ کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایران کے شمالی اور مغربی علاقوں میں روس اور ترک یلغاریں کرتے رہے جن سے ایران کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ ترکوں نے ایران کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنی حدود سے تجاوز کیا اور ارومیہ ندی کے مغرب تک تمام جنگی اہمیت کے مقامات پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس سے ترکیہ اس قابل ہو گیا کہ مغربی سرحد پر آسانی سے حملہ کر سکے۔ ادھر روسیوں نے اپنی فوجیں آذربائیجان میں داخل کر کے تبریز تک پہنچا دی تھیں۔ گویا اب روسی فوجیں روسی سرحد جلفا سے تبریز تک پھیل گئی تھیں۔ نہ صرف یہ بلکہ اپنے زیر اثر علاقے میں انہوں نے ۱۹۱۶ء میں ریل کی لائن بھی بچھا دی۔

جنگی سرگرمیاں شروع ہوئیں تو روس کا پلہ بھاری تھا اور ترکوں کو انہوں نے دور تک دھکیل دیا۔ اس عرصے میں ترکوں کو کردوں کی حمایت حاصل ہونے کی وجہ سے انہوں نے پھر پیش قدمی کی اور تبریز کی مدافعت کمزور پا کر وہاں آ گھسے۔ اور جلفا روڈ کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔ لیکن روسیوں کے ہاتھوں انہیں پھر پسپائی ہوئی اور تبریز سے الٹے پاؤں لوٹنا پڑا۔ پھر ارومیہ کے کنارے پر نہایت شدید لڑائی ہوئی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ترکوں کو ۱۹۱۵ء میں وہاں سے بھی نکلنا پڑا۔ اب جرمنوں نے ترکوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کرکے روسیوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ شروع میں تو انہیں کچھ کامیابی ہوئی اور روسیوں کو ارس تک پسپا ہونا پڑا لیکن بالآخر روسی غالب آئے اور ترکوں اور جرمنوں کو شدید نقصان اٹھا کر واپس ہونا پڑا۔

بصرے پر انگریزوں کا قبضہ

عالمی جنگ کے حالات کا جائزہ لے کر انگریز اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ ترکی انگریزوں کے خلاف ضرور فریق جنگ بنے گا اس لیے حفاظتی تدبیر اختیار کرتے ہوئے انھوں نے بحرین کے جزیروں میں فوج کا ایک بریگیڈ اتار دیا۔ ترکوں کے اعلان جنگ کرتے ہی انگریزوں نے فاؤ کے ترکی قلعے پر قبضہ کر لیا اور شط العرب کی طرف بڑھتے چلے گئے تاکہ آبادان کے جزیرے میں اینگلو پرشین آئل کمپنی کی تیل صاف کرنے کی مشینوں کی حفاظت کرسکیں ۔ شط العرب کے ساحل پر ترک انگریزوں کا مقابلہ کرنے کو آئے لیکن انگریزوں نے انھیں شکست دی اور ۱۰ نومبر ۱۹۱۶ء میں بصرہ پر قبضہ کر لیا ۔

تیل کی پائپ لائن کی حفاظت

تیل کی پائپ لائن ۱۵۰ میل لمبی تھی اور میدان نفتون سے اہواز تک اور اہواز سے آبادان تک پھیلی ہوئی تھی۔ اب اس کی حفاظت کا مسئلہ درپیش تھا ۔ انگریزوں کا خیال تھا کہ ترک اپنی شکست کے بعد خاموش ہو جائیں گے لیکن یہ خیال درست نہ تھا ۔ ترکوں نے موقع پاتے ہی اہواز پر حملہ کر کے پائپ لائن کو تباہ کرنا چاہا ۔ انگریزوں نے اہواز کو بچانے کے لیے ایک بریگیڈ بھیجا ۔ لیکن ترکوں کی تعداد بہت زیادہ تھی ، جن کے ساتھ قبائلی بھی تھے ، اس لیے انگریزوں کو پسپا ہونا پڑا ۔ اس پسپائی کے بعد سر جارج نکسن نے انگریزی فوج کی کمان سنبھالی اور بہت بڑی جمعیت لے کر ترکوں کو عمارہ تک پیچھے دھکیل دیا اور قبائلیوں نے ترکوں کا ساتھ چھوڑ کر انگریزوں کی اطاعت قبول کر لی ۔

مشرق وسطیٰ میں جرمنوں کے منصوبے

جرمن اپنے حریفوں ، یعنی انگریزوں اور روسیوں کے خلاف ایران میں پوری طرح سرگرم تھے کہ ایران ، افغانستان اور ہند کی سرحدوں پر ہلچل پیدا کر کے انگریزوں اور روسیوں کو پریشان کریں اور حکومت

ایران کو غیر جانبداری ترک کر کے جرمنوں کا ساتھ دینے پر مجبور کریں - جرمنوں کو یقین تھا کہ اگر ایران ان کا ساتھ دینے کا اعلان کر دے تو دنیا پر یہ واضح ہو جائے گا کہ دوسری بڑی اسلامی مملکت نے انگریزوں اور روسیوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے - جرمنوں کے ایجنٹوں نے ایران میں پورے زور شور سے اپنی سرگرمیاں جاری کیں - روپیہ پانی کی طرح بہایا ، مشین گنیں اور رائفلیں فراہم کیں اور پیشہ ور سپاہی فوج میں بھرتی کرنے شروع کیے - عیسائیوں کے خلاف منظم پروپیگنڈہ کر کے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل کیا - ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کیا کہ جرمن[1] قوم حلقہ بگوش اسلام ہو چکی ہے اس لیے اس کی پوری ہمدردیاں ملت ایران کے ساتھ ہیں -

اس سلسلے میں ایک جرمن ایجنٹ واسمس نے بڑی کامیابی حاصل کی - یہ شخص بوشہر میں چند سال قونصل کی حیثیت میں کام کر چکا تھا - اس کے قبائلیوں کے ساتھ ذاتی روابط تھے - اس نے تنگستانیوں اور دوسرے قبائلیوں کو تحفے تحائف دے کر ساتھ ملا لیا اور روپے پیسے کے ذریعے انگریزوں کے خلاف مہم تیز کر دی -

مارچ ۱۹۱۵ء میں واسمس شیراز آیا جہاں کا فرمانفرما مکبرالسلطنت تھا جو جرمنی میں تعلیم پانے کی وجہ سے ان کی طرف مائل تھا - اس کے علاوہ سویڈی فوج کے دستے اور ایرانی افسر جرمنوں کے ہمنوا تھے اور صوبہ فارس میں ان کی حمایت کے لیے پورے طور پر سر گرم کار تھے نیز شیرازیوں کی بھی انہیں حمایت حاصل تھی - انگریزوں نے یہ دیکھ کر کہ صوبہ فارس میں جرمنوں نے اقتدار قائم کر لیا ہے ، حکومت ایران پر دباؤ ڈالا کہ شیراز کے فرمانفرما مکبرالسلطنت کو وہاں سے واپس بلا لیا جائے - چنانچہ انگریزوں کو اس میں کامیابی ہوئی اور اس کی جگہ قوام السلطنت کو شیراز کا فرمانفرما مقرر کیا گیا جو انگریزوں کا حامی تھا -

---

۱- سائیکس : اے ہسٹری آف پرشیا : جلد دوم ، صفحہ ۴۴۳ -

قوام السلطنت اگرچہ شیراز کا موروثی سردار تھا اور قبائل کا سربراہ بھی تھا لیکن وہ مسلح سویڈی فوج کا مقابلہ کرنے کی اہلیت نہ رکھتا تھا - انگریزوں کو اب سخت نا موافق صورت حال کا سامنا کرنا تھا - اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ برطانوی نائب قونصل کو روز روشن میں حملہ کرکے ہلاک کر دیا گیا - ایک ماہ بعد انگریزوں کے خلاف طوفان امڈ پڑا - جرمن قونصل اور سویڈی فوج میدان میں آ گئی - انھوں نے تاریں کاٹ کر رسل و رسائل کے ذرائع ختم کر دیے - پھر برطانوی قونصل کو دھمکی دی کہ ان کے فوجی دستے ہتھیار ڈال دیں ورنہ قونصل خانے پر بم برسا کر اسے تباہ و برباد کر دیا جائے گا - چنانچہ انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور پوری برطانوی آبادی وہاں سے نکل کر بوشہر پہنچ گئی -

اصفہان ، کرمانشاہ اور یزد میں جرمنوں کی آمد

۱۹۱۵ع میں ترکوں نے کرمانشاہ میں پیش قدمی کی جس کی وجہ سے یورپین آبادی کو وہاں سے نکل کر ہمدان آنا پڑا - اس عرصے میں کرمانشاہ کے جرمن قونصل جنرل نے پروپیگنڈے کی مہم تیزتر کردی - آخر جب انگریز اور روسی قونصل نے ہمدان سے واپس کرمانشاہ آنے کی کوشش کی تو جرمن قونصل جنرل نے حملہ کرکے انھیں واپس لوٹا دیا - جرمنوں کا پروپیگنڈا مختلف صورتوں میں جاری تھا - اصفہان میں ایک جرمن تاجر ایرانی لباس میں آیا اور اہل اصفہان اور ایرانی علما کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ جرمن قوم حلقہ بگوش اسلام ہوچکی ہے اور قیصرولیم "حاجی" ہے[1] - اس کے علاوہ عیسائیوں کے خلاف نفرت پھیلانے کے لیے اس نے ہر حربہ استعمال کیا - جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ روسی نائب قونصل پر حملہ ہوا اور وہ جان سے مارا گیا - برطانوی قونصل جنرل پر بھی حملہ ہوا جس سے وہ سخت زخمی ہوا - اصفہان میں انگریزوں اور روسیوں دونوں کے لیے سخت خطرہ پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے انھیں اصفہان سے نکل کر اہواز آنا پڑا - اس وقت صورت حال یہ تھی کہ

---

۱ - سائیکس : اے ہسٹری آف پرشیا ، جلد دوم ، صفحہ ۴۴۶ -

سویڈی فوج جرمنوں کی ہمنوا تھی - امریکن اور جرمن مغرب وسطی اور جنوبی ایران کے بڑے بڑے مرکزوں میں پہنچے - یزد میں انھوں نے انگریزوں کا بنک لوٹا اور انھیں وہاں سے نکال باہر کیا - کرمان میں انھوں نے دست ظلم دراز کیا - خوف و دہشت کی لہر سارے ایران میں دوڑ رہی تھی - اس وقت ایرانیوں نے مطالبہ کیا کہ روسی اور انگریز کرمان کو خالی کر دیں - آخر وہ کرمان کو خالی کرکے بندر عباس پہنچ گئے -

احمد شاہ تذبذب کی حالت میں

۱۹۱۵ء کے موسم خزاں میں تہران میں خوف و ہراس کی کیفیت پیدا ہو گئی - اس کی وجہ یہ تھی کہ جرمنوں کی سرگرمیوں کے پیش نظر روسیوں نے فوجی دستے انزلی میں اتار دیے - پھر قزوین کی طرف روانہ ہوئے - آخر تہران سے پچیس میل کے فاصلے پر آکر دریائے کرج کے کنارے ڈیرے ڈال دیے - ایران کا وزیرخارجہ جرمنوں کا حامی تھا ، اس نے یہ ظاہر کیا کہ روسی تہران پر حملہ آور ہونے والے ہیں - ان کا ارادہ بادشاہ کو اسیر کرنے کا ہے - اس کا یہ مقصد تھا کہ حکومت ایران جرمنوں کا ساتھ دے کر اتحادیوں کے خلاف اعلان جنگ کرے - احمد شاہ عجب گومگو کے عالم میں تھا - وہ کبھی جرمنوں سے مشورہ کرتا ، کبھی انگریزوں اور روسیوں سے - آخر اس نے یہ فیصلہ کیا کہ تہران سے نکل کر شاہ عبدالعظیم پہنچ جائے جہاں جرمن وزرا اس کے منتظر تھے - لیکن روسیوں اور انگریزوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ وہ تہران سے نہ نکلے ، نہ ایسا کوئی اقدام کرے جس سے اس کی غیر جانبداری پر کوئی حرف آئے ، ورنہ وہ اپنے تخت و تاج کے لیے خطرہ پیدا کر لے گا - ادھر قاچاری قبیلے کے سردار شہزادہ فرمانفرما نے زور دیا کہ بادشاہ کسی قیمت پر تہران کو نہ چھوڑے - آخر احمد شاہ نے تہران ہی میں قیام کا فیصلہ کر لیا -

ہمدان ، قم اور کاشان میں روسیوں کی پیش قدمی

جرمن وزرا شاہ ایران کی طرف سے مایوس ہوئے تو قم آ گئے - روسیوں نے پہلے تو تہران کے قریب جرمنوں پر حملہ کرکے انھیں شکست

دی ، پھر قم پر حملہ کر کے انھیں وہاں سے بھی نکالا - دسمبر ۱۹۱۵ع میں کاشان کو خالی کرایا اور اب اصفہان پر یلغار کرنے کی تیاری کرنے لگے - جرمنوں نے افغانستان اور بلوچستان کی طرف بڑھنا چاہا تو روس اور انگریز انھیں روکنے میں کامیاب ہو گئے -

سال کے آخر میں صورت حال

۱۹۱۵ع کے آخر میں جرمنوں کو جنوبی ایران میں ، ماسوا بندرگاہوں کے ، پورا پورا اقتدار حاصل تھا - ان علاقوں میں روسیوں اور انگریزوں کی حالت پست تھی - جرمنوں نے امپیریل بنک آف پرشیا کی سترہ شاخوں میں سے سات لوٹ لیں جو کرمانشاہ ، ہمدان ، سلطان آباد اصفہان ، شیراز ، یزد اور کرمان میں تھیں - یہاں سے انھوں نے ایک لاکھ پاؤنڈ حاصل کیے ، اور عمارتوں کو الگ نقصان پہنچایا - تارگھروں پر ان کا قبضہ ہوگیا - البتہ شمالی ایران میں حالات اعتدال پر رہے-

مغربی ایران میں ترک روسی چپقلش

۱۹۱۶ع میں بغداد سے وسط ایران آنے والی سڑک کے آس پاس جنگی سرگرمیاں بہت تیز تھیں - ترکوں نے مدائن میں انگریزوں کو شکست دی - پھر ایرانی سرحد کو عبور کر کے کرمانشاہ آئے اور اسے مسخر کر لیا - روسی بھی خاموش نہ بیٹھے - انھوں نے ترکوں کو کرمانشاہ سے نکال کر کرند تک پسپا کر دیا - پھر کچھ روسی دستے اصفہان آئے اور وہاں سے بختیاریوں کو نکال کر روسیوں اور انگریزوں کے کنبوں کو لا بسایا -

ترکوں کی پیش قدمی

۱۹۱۶ع کے موسم گرما میں ترکوں نے پھر پیش قدمی کی - کوت کے مقام پر بڑے جوش و خروش سے جنگ ہوئی - بالآخر ترکوں نے روسیوں کو پسپا کر دیا - اس کے بعد ترکوں نے کرمانشاہ ، ہمدان اور قزوین بھی فتح کرلیا - ان کی یلغار کا نشانہ اب تہران تھا - تہران کےلیے خطرہ پیدا ہوا تو انگریزوں نے اپنا سفارت خانہ کسی دوسری جگہ منتقل

کرنا چاہا لیکن بعد میں سفارت خانہ تو وہیں رہنے دیا لیکن اپنی عورتوں کو انزلی بھیج دیا ۔

جنوبی ایران میں نظم و نسق بحال کرنے کی کوشش

جنوبی ایران میں ہر سمت بدامنی پھیلی ہوئی تھی ۔ حکومت ایران نظم و نسق بحال کرنے کے لیے غور و فکر کرتی رہی ۔ آخر جنوبی ایران میں ایک کمیشن بھیجا گیا ۔ مقصد یہ تھا کہ گیارہ ہزار ایرانی فوج تیار کی جائے تاکہ وہ سویڈی فوج کی جگہ لے سکے ۔ کیوں کہ اس کا بیشتر حصہ سویڈی افسروں کے اثر میں تھا یا جرمنوں سے جا ملا تھا یا پھر تنخواہیں نہ ملنے کی وجہ سے منتشر ہو چکا تھا ۔ یہ خیال بھی تھا کہ شمالی علاقوں میں قازقوں کا بریگیڈ تیار کیا جائے ۔ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ شمالی اور جنوبی ایران کی فوجوں کو انگریز اور روس دونوں مل کر مسلح او منظم کریں ۔ چنانچہ بندر عباس میں فوج کی بھرتی ہونے لگی ۔

کرمان میں انگریزوں کی پیش‌قدمی

اہل کرمان صوبے کی بدنظمی سے سخت متاثر تھے ۔ چنانچہ حکومت ایران نے سر پرسی کاکس کو جو کبھی وہاں کا قونصل رہ چکا تھا ، نظم و نسق بہتر بنانے کے لیے مراسلے لکھے۔ ان کے جواب میں وہ پہاڑی توپیں ، سوار دستے اور پیادہ فوج لے کر کرمان آیا تاکہ وہاں سے جرمنوں کو نکالے اور صوبے بھر میں ایرانی حکومت کا وقار بحال کیا جا سکے ۔ نیز اس کا ارادہ جنوبی ایران کے لیے ساؤتھ پرشیا رائفلز فوج بھی تیار کرنے کا تھا ۔ سر پرسی کاکس کی مختصر سی فوج کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا گیا ۔ اس سے کرمانیوں نے یہ محسوس کیا کہ برطانوی افسر ایران میں امن قائم کرنے کے خواہاں ہیں ۔

سر پرسی کاکس نے کرمان میں مزید فوج بھرتی کی اور شیراز کی طرف پیش‌قدمی کرنے کے لیے تبریز کا راستہ اختیار کیا جو کرمان سے دو سو بیس میل کے فاصلے پر ہے ۔ تبریز میں کسی نے ان کا مقابلہ نہ کیا ۔ اب یہ فوج اصفہان کی طرف بڑھنا چاہتی تھی کیوں کہ وہاں کے روسی

کمانڈر نے اس اندیشے کے پیش نظر کہ ترک ، جرمن اور بختیاری اصفہان پر حملہ نہ کر دیں ، انگریزوں سے کمک مانگی تھی - نیز یہ بھی احتمال تھا کہ اگر یہ لوگ اصفہان پر قابض ہو گئے تو شیراز میں انگریزوں کی فوج نرغے میں آ جائے گی - چناں چہ سر پرسی کاکس کی فوج اصفہان پہنچ گئی - ان کی آمد پر اصفہان کی تاریخی عمارت چہل ستون میں اصفہان کے فرمانفرما ظل‌سلطان نے جشن منایا - اس خبر سے جرمنوں کا لشکر جو اصفہان سے اسی میل دور مقیم تھا ، واپس ہو گیا -

اہواز سے آنے والی سڑک کی حفاظت

اصفہان میں انگریزوں کی فوج نے ڈیرے ڈال لیے تھے - اب ان کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ اہواز سے آنے والی سڑک کی حفاظت کی جائے ، جو ڈاکوؤں کی لوٹ‌مار کی وجہ سے بند پڑی تھی اور کوئی تجارتی قافلہ لوٹ مار سے محفوظ نہ رہ سکتا تھا - چناں چہ تجارتی قافلوں کی حفاظت کے لیے ایک مضبوط فوجی دستہ ''کاوہ رخ'' کی طرف روانہ ہوا - یہ سڑک زاینده رود ندی کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی تھی - اب بھی ایک قافلے پر ، جس کے ساتھ انگریزوں کے فوجی دستے تھے ، ڈاکوؤں کا سردار جعفر قلی حملہ آور ہوا لیکن اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور وہ متعدد ساتھیوں کی قربانی دے کر فرار ہو گیا - اس خبر سے کچھ عرصے تک ڈاکوؤں کو قافلوں پر حملہ کرنے کا حوصلہ نہ پڑا -

انگریز شیراز میں

اب صورت حال بہت کچھ مختلف ہو گئی تھی - ترکوں کی پیش‌قدمی کا کوئی امکان نہ تھا - روسیوں کی پوزیشن مضبوط ہوگئی تھی - انگریزوں کی فوج اب اصفہان سے شیراز آ گئی جہاں کے فرمانفرما قوام‌الملک اور رؤسائے شہر نے ان کا خیر مقدم کیا -

جنوبی ایران میں نظم و نسق کی بحالی

جنوبی ایران میں حفاظتی فوج متعین تھی ، لیکن جو فوج سویڈی افسروں کے ماتحت تھی ، اس کے بیشتر سپاہی اور افسر جرمنوں سے

جا ملے تھے اور بچے کھچے سپاہی ساؤتھ پرشیا رائفلز میں شامل ہو گئے تھے - ایرانی نوجوان بھی اس فوج میں بھرتی ہونے لگے ، کیوں کہ یہاں باقاعدہ تنخواہیں ملتی تھیں -

ان دنوں جنوبی ایران میں رسل و رسائل کی حالت تسلی بخش نہ تھی ، باقاعدہ سڑکیں نہ تھیں ، صرف پگ ڈنڈیاں اور گزرگاہیں تھیں ، جن پر قافلے آتے جاتے تھے - بگھیاں صرف خاص خاص علاقوں ہی میں چل سکتی تھیں - انگریزوں نے موٹر کاروں کے چلنے کے لیے سڑکیں ہموار کردیں - کرمان سے یزد ، بام ، سرجان اور حاجی آباد تک اور مغربی علاقے میں یزد تک سڑکیں بنا دیں - یہ سڑکیں پتھریلی زمین کو ہموار کرکے بنائی گئی تھیں جن پر موٹریں چل سکتی تھیں -

کازرون کی بغاوت

فوج کی تنظیم شروع ہوئی ہی تھی کہ کازرون میں بغاوت ہوگئی جو سردی کی شدت اور راستوں کی دشوار گزاری کی وجہ سے فرو نہ ہوئی اور ایرانی فوج کو ناکام شیراز واپس آنا پڑا - اس ناکامی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ساؤتھ پرشین رائفلز کا دائرۂ عمل محدود ہو گیا - سڑک کی حفاظت صرف ایک خاص مسافت یعنی خانہ زینیان تک ہی ہو سکتی تھی ، اس سے آگے باغیوں کا تسلط تھا - جب تک قاشقائی قبائل کو شکست نہ ہو گئی اس وقت تک قافلے لٹتے رہے -

ساؤتھ پرشین رائفلز ایرانیوں کی نظر میں

۱۹۱۷ع میں ساؤتھ پرشین رائفلز نے امن و امان کی بحالی کے لیے جو کوشش کی ، اس سے حکومت ایران بہت مطمئن تھی - اس لیے ایران کے وزیراعظم وثوق‌الدولہ نے اسے سرکاری طور پر تسلیم کر لیا - اس سے حکومت ایران کی نظروں میں انگریزوں کا اعتماد روز بروز بڑھتا گیا - ۱۹۱۷ع میں سر پرسی کاکس نے یہ محسوس کرکے کہ قبائلیوں کی سرکوبی کے لیے مزید فوج درکار ہوگی ، حکومت ہند سے فوج بھیجنے کی درخواست کی - چناں چہ کوئٹے کے راستے ایران میں فوج بھیج دی گئی جس سے سر پرسی کی جد و جہد میں اور سرگرمی آ گئی -

کچھ فوج اس نے فارس اور کرمان میں متعین کر دی اور ایک رجمنٹ بندر عباس بھیج دی ۔ فارس میں جو فوجی دستے تھے ، ان کا کام زیادہ مشکل تھا کیوں کہ انھیں قاشقائی قبائل ، بعض دوسرے قبائل اور عربوں سے اکثر سابقہ رہتا تھا ۔

انگریزوں کی فوج میں اضافہ ہونے اور بغداد پر فتح پانے کے بعد ان کے لیے حالات سازگار ہو گئے ۔ صولت الدولہ ، جو قبائلیوں کا طاقت‌ور سالار تھا ، انگریزوں سے مصالحت کرنے پر آمادہ ہو گیا ۔ اس نے یہ شرائط مان لیں کہ وہ حکومت ایران کا وفادار رہے گا ، باقاعدہ مالیہ ادا کرے گا اور کاروانوں پر حملہ کرنے والے قبائلیوں کو روکے گا ۔ ادھر انگریزوں نے صولت کو قبائل کا باقاعدہ ایلخانی سردار تسلیم کر لیا ۔ صولت کے معاہدے کی وجہ سے انگریزوں کو اطمینان ہو گیا اور وہ ساؤتھ پرشین رائفلز کو منظم کرنے اور سڑکیں تعمیر کرنے کی طرف دلجمعی سے مصروف ہو گئے ۔

اس علاقے میں امن و امان قائم ہوا تو شیراز کے گورنر قوام السلطنت نے آس پاس کے علاقوں میں امن و امان قائم کرنا چاہا ، چناں چہ اس نے ساؤتھ پرشین رائفلز کی مدد سے رہزنی کو ختم کیا اور جو قبائل مالیہ وغیرہ ادا نہ کرتے تھے ، انھیں اس اہم فرض کی طرف مائل کر لیا ۔

انگریزوں کے ہاتھوں ترکوں کی شکستیں

جیسے کہ پہلے ذکر آ چکا ہے ، ۱۹۱۶ع کے آخر میں ترک ہمدان پر قابض تھے اور قزوین میں روسیوں سے ان کی مڈبھیڑ ہو رہی تھی ۔ اس وقت حالات نے رخ پلٹا اور بین النہرین میں انگریزوں نے اپنی فوجی طاقت بڑھا لی ۔ کوت ، جہاں پہلے وہ ترکوں کے ہاتھوں شکست کھا چکے تھے ، اب پھر انھوں نے فتح کر لیا ۔ اس سے انگریزوں کا وقار بحال ہو گیا ۔ ایک ہی ماہ بعد ، یعنی مارچ ۱۹۱۷ع میں ، انھوں نے ترکوں کے خلاف پیش قدمی کرکے بغداد بھی فتح کر لیا ۔

کوت اور بغداد کی شکستوں سے ترکوں کی پوزیشن ایران میں خراب ہوگئی اور انھیں کرمان شاہ سے بھی نکلنا پڑا ۔

روسیوں کی پریشان حالی

مارچ ۱۹۱۷ع میں زار روس تخت و تاج سے دست بردار ہوا تو روسی حکومت میں ضعف کے آثار شروع ہو گئے - ایران کے روسی فوجی دستے جو اس نازک دور میں بڑی دلیری سے لڑتے رہے تھے ، حکومت روس کی نئی صورت حال سے سخت متاثر تھے ، بلکہ ان کے حوصلے پست ہو رہے تھے - فوجی نظم و نسق میں بھی خلل آ گیا - اصفہان کے قازق دستے جو اس سے پہلے بہت منظم تھے ، اب انتشار کا شکار ہو گئے -

سپاہیوں کے دلوں سے افسروں کا ادب و احترام اٹھ گیا ، بلکہ افسروں کو انھوں نے کوارٹروں سے نکال باہر کیا - بعض روسیوں نے رہزنی شروع کردی - اکثر شراب کے نشے میں دھت پڑے رہتے تھے - فوجی گشت بند ہو گئی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اصفہان کے آس پاس کا علاقہ چوروں اور ڈاکوؤں نے لوٹ مار کرکے تباہ کرڈالا - ۱۹۱۸ع میں ''بریسٹ لٹووسک[۱]'' معاہدہ ہوا جس کی رو سے یہ فیصلہ ہوا کہ روسی اور ترک ایران کو خالی کردیں گے - روسی تو ویسے ہی سامان سفر باندھ رہے تھے ، اب اس معاہدے کی رو سے ان کا کوچ شروع ہو گیا - اسلحہ ، گھوڑے اور ہر وہ سامان جس سے انھیں کچھ رقم وصول ہو سکتی تھی ، ترکوں کے ہاتھوں فروخت کردیا اور لوٹ مار کرتے شمالی جانب روانہ ہوئے - ان کے جانے کے بعد آرمینیا اور گرجستان نے خودمختار ہونے کا فیصلہ کیا اور آذربائیجان میں آزاد جمہوریہ قائم ہوگیا جس کا پایۂ تخت باکو تھا - یہ جمہوریہ بالشویکوں کا تھا -

جنوبی ایران میں انگریزوں کی مخالفت

وثوق الدولہ کے عہد وزارت میں حکومت ایران غیر جانب دار رہی - جون ۱۹۱۷ع میں علاءالسلطنت نے نئی وزارت بنائی - وہ اگرچہ ذاتی طور پر انگریزوں کا دوست تھا لیکن اس کی کابینہ بہ حیثیت مجموعی انگریزوں کی مخالف تھی - اس مخالفت کا یہ نتیجہ تھا کہ ساؤتھ پرشین رائفلز کو ، جسے حکومت ایران نے تسلیم کر لیا تھا ، اب اسے تسلیم

---

۱ - Brest Litovsk

کرنے سے انکار کر دیا گیا ۔ ادھر کابینہ کا رویہ انگریزوں کے خلاف تھا ادھر ایرانیوں میں انگریزوں کے خلاف پروپیگنڈا ہونے لگا ۔ انگریزوں کا پرزور مخالف مکبرالسلطنت تھا جو بعد میں وزیر خارجہ بنا ۔ اس کا ہمنوا فخرالسلطنت اب انگریزوں کا مخالف اور جرمنوں کا حامی تھا ۔

حکومت ایران اور انگریزوں کے مابین گفت و شنید

انگریزوں نے ایران میں صورت حال بدلتی دیکھی تو مارچ ۱۹۱۸ع میں برطانوی حکومت کی طرف سے حکومت ایران کو ایک مراسلہ موصول ہوا ، جس میں مندرجہ ذیل امور پیش کیے گئے تھے :

۱ ۔ ایران کی آزادی کو تسلیم کرنا انگریزوں کی مستقل پالیسی ہوگی ۔

۲ ۔ انگریز ، حکومت ایران سے دوستانہ روابط برقرار رکھیں گے اور ایران کے دشمنوں کے خلاف ایرانی سرحدوں کی حفاظت کریں گے ۔

۳ ۔ ساؤتھ پرشین رائفلز کو جنگ عظیم کے اختتام تک حکومت ایران تسلیم کر لے ۔

۴ ۔ جنگ کے خاتمے پر ایران کے لیے مشترکہ فوج قائم کرنے کے مسئلے پر دونوں حکومتیں غور کریں گی ۔

۵ ۔ جنگ کے خاتمے تک انگریز آذربائیجان کی سرحدوں کی حفاظت کریں گے ۔

۶ ۔ اگر حکومت ایران کا رویہ دوستانہ رہے تو حکومت برطانیہ اسے مالی امداد دے گی اور ۱۹۰۷ع کا معاہدہ ختم کر دے گی ۔

یہ زمانہ وہ تھا کہ بہ ظاہر انگریز جنگ عظیم میں پسپا ہوتے نظر آتے تھے اور جرمنوں کی فتح کی توقع کی جا رہی تھی ۔ اس صورت حال کے پیش نظر حکومت ایران نے برطانوی حکومت کے مراسلے کے جواب میں لکھ بھیجا کہ اگر برطانوی فوج کے سپاہی کسی صورت میں بھی ایران آئے تو حکومت ایران کی غیر جانب داری پر حرف آئے گا ۔ ساؤتھ پرشین رائفلز ایک غیر ملکی فوج ہے جسے ایرانی حکومت اپنے لیے خطرے کا

باعث سمجھتی ہے ، اس لیے مناسب ہوگا کہ انگریز حکومتِ ایران کو اس کے حال پر چھوڑ دیں ، تاکہ وہ خود آزادی سے اپنے ملک کے لیے اصلاحی تدابیر اختیار کر سکیں ۔ البتہ جہاں تک مالی امداد کا تعلق ہے حکومت ایران اسے بہ خوشی قبول کرے گی ۔

حکومت ایران کا یہ جواب شیراز اور دوسرے علاقوں میں مشتہر کر دیا گیا ۔ اس سے جہاں انگریز اور ان کے اتحادی رنجیدہ ہوئے ، وہاں ان کے مخالفین کی ہمت بڑھی ۔ اس کا اثر ساؤتھ پرشین رائفلز پر بھی پڑا اور ایرانی اس فوج سے الگ ہو گئے ۔

انگریزوں کی مشکلات

انگریزوں کو خدشہ تھا کہ جنوبی ایران کے قبائل متحد ہو کر تجارتی قافلوں کے لیے مشکلات پیدا کریں گے ، چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ صولت‌الدولہ نے بھی اپنی تخریبی سرگرمیاں شروع کر دیں ۔ تجارتی قافلوں کو لوٹا ، انگریزوں کے ٹھکانوں پر گولیاں برسائیں ۔ دو بدو لڑائی بھی ہوئی لیکن انگریزوں نے قبائلیوں پر قابو پا لیا ۔ انگریزوں کے فوجی دستے اب شیراز میں جمع ہو گئے تھے جہاں فرمانفرما موجود تھا ۔ فرمانفرما دوگونہ مشکلات میں گھرا ہوا تھا ؛ ادھر اسے ایرانی مجلس کے خیالات کا پاس تھا ، ادھر انگریزوں کے مطالبات کا خیال ۔ بہر حال فرمانفرما نے انگریزوں کو مایوس نہ ہونے دیا ۔ لیکن انگریزوں کے لیے ایک بڑی پریشانی یہ بھی پیدا ہو گئی کہ ملاؤں نے اہل شیراز کو انگریزوں کے خلاف فتوے دے کر جہاد پر ابھارا اور گلی کوچوں میں انگریزوں کے خلاف اشتہارات تقسیم ہونے لگے ۔ ادھر رسد کی مشکل تھی کیوں کہ غلہ بڑی دشواری سے ہاتھ لگتا تھا ۔

۱۹۱۸ء میں انفلوائنزا کی وبا پھیلی ۔ اس کا فارس پر شدید ترین حملہ ہوا ۔ انگریزوں نے طبی امداد بہم پہنچائی لیکن اس کے باوجود یہاں کی آبادی کا پانچواں حصہ وبا کی نذر ہو گیا ۔

جنگ عظیم میں اتحادیوں کی فتح

اسی اثنا میں جنگ عظیم کا پانسا پلٹا اور اتحادیوں کی فتح کی خبر

آئی - اب ایرانیوں کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ انگریزوں کی مخالفت ترک کر دیتے - چنانچہ حکومت ایران نے اپنا نقطۂ نظر بدلا - انگریزوں کی مخالفت کا خیال ترک کیا اور اب ایسی کابینہ بنی ، جس کا انگریزوں کی طرف دوستانہ رویہ تھا -

ایرانی مطالبات

اتحادیوں کی فتح کے بعد پیرس میں صلح کانفرنس منعقد ہوئی - ایرانیوں کا وفد بھی اس میں شریک ہوا اور حسب ذیل مطالبات پیش کیے :

۱ - ۱۹۰۷ع کا اینگلو روسی معاہدہ منسوخ کر دیا جائے -

۲ - قونصلی عدالتیں اور قونصلی گاردیں ختم کردی جائیں -

۳ - ایران کی سرحدیں وہی مقرر ہوں جو قدیم زمانے سے چلی آ رہی ہیں ، یعنی مشرق کی طرف دریائے جیحوں تک کے علاقے جن میں ٹرانس کلسپیا ، مرو اور خوارزم شامل تھے ، حکومت ایران کو دیے جائیں - شمال مغرب میں دربند تک کاکیشیا کا علاقہ انھیں ملے - مغرب میں ایشیائے کوچک سے لے کر دریائے فرات تک کے علاقے پر ، جس میں کردستان کا پورا صوبہ ، دیار بکر اور موصل شامل ہیں ، ایرانیوں کا حق تسلیم کیا جائے -

۴ - ایران کو نقصانات کا معاوضہ دیا جائے -

اس کانفرنس میں ایرانی وفد کے مطالبات تو مانے نہ جا سکے اور وفد واپس آگیا ، بہر حال ۱۹۱۹ع میں انگریزوں اور ایرانیوں کے مابین ایک معاہدہ ہو گیا -

اینگلو پرشین معاہدہ

انگریزوں اور ایرانیوں کے مابین جو معاہدہ ہوا اس کی شرائط حسب ذیل تھیں :

۱ - حکومت برطانیہ ایران کی آزادی اور سالمیت کا پورا پورا احترام کرے گی -

۲ - ایران میں نظم و نسق کو بہتر بنانے کے لیے حکومت برطانیہ حکومت ایران کے خرچ پر اپنے مشیر بھیجے گی -

۳ - انگریز اور ایرانی ماہرین کے مشورے کے مطابق حکومت برطانیہ جنگ کا جدید ساز و سامان اور فوجی افسر حکومت ایران کے خرچ پر مہیا کرے گی -

۴ - ملکی اصلاحات کے لیے برطانیہ ایران کو قرضہ دے گا -

۵ - تجارت کی توسیع اور قحط سے بچاؤ کے لیے برطانیہ حکومت ایران کے ساتھ تعاون کرے گا ، نیز سڑکیں اور ریلیں بنانے میں مدد دے گا -

۶ - دونوں حکومتیں اس امر پر متفق ہوں گی کہ ماہرین کی ایک مشترکہ کمیٹی ایران کے محصولاتی نظام پر نظرثانی کرنے کے لیے مقرر کی جائے -

یہ معاہدہ ۹ اگست ۱۹۱۹ع کو ہوا جس پر دونوں حکومتوں کے نمائندوں نے دستخط ثبت کیے -

اس معاہدے کے بعد ایک اور معاہدہ بھی ہوا جس کی رو سے برطانوی قرضے کی رقم بیس لاکھ پاؤنڈ اور شرح سود سات فی صد مقرر ہوئی - قرضہ بیس سال میں واجب‌الادا تھا - حکومت برطانیہ نے وعدہ کیا کہ ایران کو جنگ عظیم میں جو نقصانات ہوئے ہیں ، ان کی تلافی حکومت برطانیہ کرے گی - نیز ایران کی غیر جانب‌داری کو برقرار رکھنے کے لیے جو برطانوی فوجی دستے ایران میں متعین کیے جائیں گے ان کا معاوضہ نہیں لیا جائے گا -

شاہ ایران کا سفر انگلستان

۱۹۱۹ع میں احمد شاہ انگلستان کی سیاحت کے لیے گیا - وہاں اس کا بہت پر جوش خیر مقدم ہوا اور اس نے متعدد بار معاہدوں کا گرم جوشی سے ذکر کیا - انگلستان سے وہ فرانس گیا اور موسم گرما وہیں گزارا - اس کے بعد بغداد سے ہوتا ہوا واپس ایران پہنچ گیا -

معاہدے پر عمل

اس معاہدے کی رو سے سڑکیں بنیں ، ریلوں میں توسیع ہوئی ، تار برق کا سلسلہ پھیلا اور اینگلو پرشین آئل کمپنی کے کاروبار میں ترقی ہوئی -

مٹی کے تیل کا مسئلہ

تیل ایران کی نہایت اہم تجارت ہے اس لیے مناسب ہے کہ تیل کا مختصر حال بیان کر دیا جائے - تیل ایران کے لیے قدرت کا خاص عطیہ ہے - تیل کے چشمے آذربائیجان کے مشہور شہر باکو سے لے کر کاکیشیا، یعنی ترکی ایرانی سرحد کے دونوں طرف بڑھتے ہوئے خلیج فارس تک چلے گئے ہیں - ۱۸۹۰ء میں بھی ایرانیوں کو تیل کی موجودگی کا علم تو تھا لیکن تیل کنؤوں کے ذریعے نکالا جاتا تھا - ۱۹۰۱ء میں ایرانی حکومت نے ایک آسٹریلوی باشندہ مسٹر ڈی ، آرسی (Mr. D' Arcy) کو تیل نکالنے کی اجازت دے دی - اس کے عوض حکومت ایران کو بیس ہزار پاؤنڈ ادا کیے گئے - اتنی ہی رقم کے حصے ایرانی حکومت نے خریدے - انگریز بھی اس کاروبار میں حصےدار بنے - جہاں تک حکومت ایران کا تعلق ہے یہ شرط بھی طے ہوئی کہ حصوں کے منافع کے علاوہ کل منافع کا سولھواں حصہ بھی حکومت ایران کو ملے گا - تیل کی پیداوار اور تقسیم کے لیے ایک سنڈیکیٹ قائم ہوئی اور بختیاری علاقے کے میدان نفتون سے کھدائی کا کام شروع ہوا - اس میں طرح طرح کی مشکلات پیش آئیں - یہاں کی آب و ہوا کام کرنے کے لیے ناموافق تھی - بختیاری قبائل نے ، جنھیں سنڈیکیٹ کی طرف سے معقول مالی امداد بھی ملتی تھی ، طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنی شروع کیں - بہرحال مشکلات کے باوجود کام جاری رہا اور تیل نکالنے والوں کی حفاظت کے لیے ہندوستانی فوج کے کچھ دستے منگوا لیے گئے - بختیاریوں کی مخالفت ختم کرنے کے لیے کمپنی میں ان کے حصے بڑھا دیے گئے - انگریزوں کو یہ خدشہ بھی تھا کہ تیل کی یہ صنعت آسٹریلویوں کے ہاتھوں ہی میں نہ چلی جائے ، اس لیے انھوں نے تیل کا کنٹرول اپنے ہاتھوں ہی میں رکھا -

اینگلو پرشین آئل کمپنی

۱۹۰۹ میں اینگلو پرشین آئل کمپنی وجود میں آئی - اس کمپنی نے

بیس لاکھ کے سرمائے سے کام شروع کیا - کمپنی کا کام بڑی تیز رفتاری سے ہوتا رہا - پائپ لائن تیل کے کنوؤں سے لے کر وائیس تک اور پھر ہواز سے گزار کر آبادان تک بچھا دی گئی ، جہاں تیل صاف کرنے کے کارخانے بنائے گئے اور وسیع پیمانے پر تیل کا کاروبار شروع ہوگیا - جنگ عظیم میں اس تیل سے بہت کام لیا گیا - جنگ ختم ہوئی تو انگریزوں نے اس کاروبار میں دو کروڑ پاؤنڈ تک اپنا سرمایہ اور بڑھا دیا اور بہت تھوڑے عرصے میں تیل نکالنے ، صاف کرنے اور برآمد کرنے میں اس صنعت کو عالمگیر شہرت حاصل ہو گئی -

فارسی علم و ادب

قاچاری عہد کے ادبیات کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں - ایک تو وہی قصیدہ گوئی کا دور ہے ، جو ناصرالدین قاچار پر ختم ہوتا ہے - اس کے بعد قومی ادب کا دور آتا ہے جو قاچاری عہد کے استبداد کے خلاف قومی جد و جہد اور حب وطن کا آئینہ دار ہے -

پہلے دور میں اگرچہ شعرا نے بادشاہوں اور امیروں وزیروں کے قصیدے کہے لیکن خصوصیت یہ ہے کہ شعرا نے اسلوب قدیم کا احیا کیا اور کلام میں سادگی اور روانی پیدا کی - اس دور کے بعض شعرا اور ادبا کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے -

فتح علی صبا (وفات ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ع) : یہ اپنی علمی صلاحیتوں کی بدولت قم اور کاشان کا گورنر مقرر ہوا اور اس حیثیت میں نمایاں خدمات انجام دیں - پھر کچھ عرصہ فتح علی شاہ کے ندیم خاص کے طور پر بھی کام کیا - قصیدہ گوئی کی بدولت شہرت حاصل کی اور اسلوب قدیم کی پیروی میں گراں قدر قصیدے کہے -

مرزا عبدالوہاب نشاط (وفات ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۸ع) - اس کا شمار قاچاری دور کے مشہور شعرا و ادبا میں ہوا - سبک قدیم کو ازسرنو زندہ کرنے کی جو ادبی تحریک چلی اس کا سرگرم حامی تھا - چنانچہ ایک انجمن ادبی قائم کی جو "مشتاق" کے نام سے موسوم[1] ہوئی - طبیعت

---

۱ - ابراہیم صفائی : نہضت ادبی ایران ، صفحہ ۱۷۰ -

تصوف کی طرف مائل تھی - چنانچہ راہ طریقت میں مجاہدہ کیا اور عشق حقیقی میں مستغرق رہا - اس کی علمی یادگار ''گنجینہ'' ہے جو نظم و نثر پر مشتمل ہے - یہ اس کی بیشتر غزلیں حافظ کی غزلوں کی صدائے بازگشت معلوم ہوتی ہیں -

مرزا شفیع وصال (۱۱۹۳—۱۲٦۲ھ مطابق ۱۷۷۹—۱۸۴۵ع) : اسے فنون لطیفہ خصوصاً خطاطی اور موسیقی سے بہت شغف تھا - نئی ادبی تحریک کو مقبول بنانے میں بہت جد و جہد کی - فطری میلان تصوف کی طرف تھا ، اس لیے اس کے قصائد میں تصوف و اخلاقیات کا رنگ غالب ہے -

قائم مقام فراہانی (وفات ۱۲۵۱ھ مطابق ۱۸۳۵ع) : فتح علی شاہ کے زمانے میں وزارت کے منصب پر فائز ہوا ، لیکن کچھ عرصے بعد روس دوستی کے الزام میں برطرف کر دیا گیا - محمد شاہ تخت نشیں ہوا تو اسے پھر وزارت کا منصب سونپا گیا - اس کے اکثر قصائد جذبات و احساسات کے آئینہ دار ہیں - قصیدہ گو ہونے کے علاوہ فصیح و بلیغ ادیب بھی تھا - ''خطوط قائم مقام'' اس کی انشا کا بہت عمدہ نمونہ ہیں-

مرزا حبیب اللہ قاآنی (۱۲۲۲—۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۰۷—۱۸۵۵ع) : فتح علی شاہ کے زمانے کا پرگو اور مشہور شاعر تھا - محمد شاہ کے دربار سے وابستہ ہوا - سبک قدیم کو ترقی دینے میں قاآنی کی حیثیت منفرد ہے- اس کی شاعری مبالغے سے پاک ہے - تشبیہات قدرتی استعمال کی ہیں - بحریں ایسی اختیار کی ہیں کہ اشعار میں موسیقی کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے - قصائد کا دیوان اس کی یادگار ہے - گلستان سعدی کی پیروی میں نثر میں ''کتاب پریشان'' تصنیف کی

محمود خاں (وفات ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۳ع) : شعر و سخن ورثے میں پایا تھا- دادا فتح علی صبا ، فتح علی شاہ کے دربار کا ملک الشعرا تھا - والد محمد حسین عندلیب کو فتح علی شاہ اور محمد شاہ دونوں کے دربار میں

یہ منصب حاصل رہا - محمد خاں کو ناصرالدین شاہ کے دربار میں یہ منصب ملا - اس نے سبک قدیم کے احیا میں دوسرے شعرا کی ہمنوائی کی -

سروش اصفہانی اوریغما : یہ بھی اس دور کے مشہور شاعر تھے -

قرۃالعین : شاعرہ قرۃالعین کی یادگار چند غزلیں ہیں جو جذبۂ قربانی سے سرشار ہیں -

تواریخ و تذکرے

ناسخ التواریخ : یہ مفصل مگر نامکمل تاریخ لسان الملک نے لکھی - اس کا آغاز ظہور اسلام سے ہوا ہے - مؤلف اس کی گیارہ جلدیں ہی لکھ پایا تھا کہ فوت ہو گیا - پھر مرزا تقی سپہر نے چار مزید جلدیں لکھ کر اسے ناصرالدین شاہ کے زمانے تک بڑھایا -

جام جم : تاریخ و جغرافیہ کے موضوع پر فرہاد مرزا کی تالیف ہے-

آئینۂ سکندری : یہ آغاز اسلام سے ناصرالدین قاچار تک کے زمانے کی تاریخ ہے - مؤلف محمد حسن خاں صنیع الدولہ ہے جو ناصرالدین شاہ کے دربار کا وزیر طباعات تھا - تاریخ کی بعض اور کتابیں ، تاریخ اشکانیاں ، مطلع الشمس الماثر و آلاثار بھی اس کی یادگار ہیں -

مآثر خاقانی اور حدائق الجنان : عبدالرزاق دنبلی کی تالیف ہیں - ماثر خاقانی عہد قاچاری کی تاریخ ہے اور حدائق الجنان میں ہم عصر علما کے حالات اور خود اپنے سوانح حیات بیان کیے ہیں -

تاریخ و جغرافیۂ تبریز : فتح علی شاہ کے نواسے نادر میرزا کی تالیف ہے - اس موضوع پر یہ کتاب عمدہ ماخذ سمجھی جاتی ہے -

گنج دانش (سال تالیف ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۷ع) : محمد تقی خاں کی تالیف ہے - اس میں ایران کے مشہور شہروں ، مشاہیر اور بعض تاریخی واقعات کا ذکر ہے -

آتش کدۂ آذر : (مؤلفہ لطف علی بیگ آذر) عہد قاچار کا مشہور تذکرہ ہے - اس میں علاقہ وار شعرا کے حالات زندگی لکھے ہیں -

مجمع الفصحا : ایک مشہور ادیب ، مورخ اور شاعر رضا قلی ہدایت کا نتیجۂ فکر ہے- یہ شعرا کا مشہور تذکرہ ہے جو دو جلدوں میں ہے - ایک صوفیا کا تذکرہ ریاض العارفین بھی اسی مؤلف کی یادگار ہے -

نامۂ دانشوران : اسے فارسی زبان کا انسائیکلوپیڈیا سمجھنا چاہیے جو شمس العمارہ عبدرب آبادی ، میرزا ابو الفضل خاوہ ، میرزا حسن خان طالقانی ، شیخ عبدالوہاب قزوینی اور ملا آقا کی متفقہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔

اس دور میں مذہب و فلسفہ پر بھی کتابیں تالیف ہوئیں جن میں جامع عباسی مؤلفہ شیخ بہاءالدین ، گوہر مراد مؤلفہ عبدالرزاق بن علی لاہیجی ، اسرارالحکم مؤلفہ حاجی ملا ہادی خاص طور سے قابل ذکر ہیں ۔

ادبیات کا جدید دور

ادبیات کا نیا دور انیسویں صدی کے وسط میں شروع ہوتا ہے ۔ اس دور میں قومی تحریکوں کے ساتھ ساتھ فارسی نظم و نثر میں بھی بہت بڑی تبدیلی آئی جس نے فارسی ادب کے دامن کو وسیع تر کر دیا ۔ دارالفنون (کالج) کے یورپی اساتذہ کی نگرانی میں سائنسی انداز میں نصابی کتابیں لکھی گئیں ۔ فرانسیسی ادیب مولئیر کے ڈرامے اور جولیس ورنس کے ناول ترجمہ ہوئے۔ تراجم اور طبع زاد کتابوں کی تعداد پروفیسر براؤن[1] نے محمد علی خاں تربیت کے حوالے سے ۱۶۲ بتائی ہے ۔ ۱۹۰۶ع میں پریس کی سہولتوں نے تصنیفات کا میدان اور بھی وسیع کر دیا ۔ اس زمانے کا ادب ڈراموں ، ناولوں ، سفر ناموں اور اخبارات و رسائل پر مشتمل ہے ۔

ڈراما

فرانسیسی ادیب مولئیر کے ڈرامے فارسی میں ترجمہ ہوئے جن میں سے ایک ''گزارش مردم گریز'' کے نام سے طبع ہوا ۔ یہ ڈرامہ فارسی نظم میں ہے ۔

مرزا جعفر قراجہ داغی نے مرزا فتح علی دربندی کے سات ڈرامے فارسی میں ترجمہ کیے ۔ اصل ڈرامے آذربائیجانی ترکی میں لکھے گئے تھے ۔ یہ ڈرامے ۱۸۶۱ع میں تالیف ہوئے۔ ان میں پانچ : وزیر خان لنکران ، وکلائے مرافعہ ، ملا ابراہیم خلیل کیمیا گر ، مرد خسیس اور یوسف شاہ سراج خاص طور سے بہت مشہور ہوئے۔

---

۱ ۔ اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا ، جلد چہارم ، صفحہ ۴۵۸ ۔

میلکم خاں نے بھی بعض ڈرامے لکھے۔ جو وقتاً فوقتاً رسائل میں نشر ہوئے - ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ع میں تہران میں چہار روزہ اخبار ''تیاتر'' کے نام سے شائع ہوا - اس میں بعض ڈرامے شائع ہوئے جن میں قاچاری استبداد پر بھرپور انداز میں طنزیں کی جاتی تھیں -

ناول

اس دور میں جو ناول شائع ہوئے ان کا موضوع ایران قدیم کی عظمت تھا - پہلا ناول ''عشق و سلطنت'' کے نام سے شیخ موسیٰ نے لکھا - دوسرا ناول ''دام گستران یا انتقام خواہان مزدک'' کے نام سے شائع ہوا -

سیاحت نامہ ابراہیم بیگ : حاجی زین‌العابدین کی تخلیق ہے، جس نے قومی بیداری میں بڑا حصہ لیا -

اس سلسلے میں ''حاجی بابا'' کا ذکر کرنا بھی نامناسب نہ ہوگا - طویل داستان کی صورت میں یہ ناول دراصل مورئیر نے لکھا اور حاجی شیخ احمد روحی کرمانی نے اس کا ترجمہ فارسی میں کیا - اس ناول میں مصنف نے نہایت چالاکی سے ایرانی زندگی پر بھرپور طنز کی ہے -

ناصرالدین شاہ اور مظفرالدین شاہ کے سفرنامے بھی فارسی ادبیات میں خاص اہمیت کے حامل ہیں -

رسائل و اخبارات

عہد قاچاریہ کے دور آخر میں جو اخبارات و رسائل شائع ہوئے انہوں نے مشروطیت کی تحریک کو مقبول عام بنانے اور قوم کو بیدار کرنے میں اہم حصہ لیا - ان کے نام اختر، قانون، حبل المتین، ثریا، پرورش، صور اسرافیل، نسیم شمال، مساوات، نوبہار اور کاوہ ہیں -

نواں باب

پہلوی عہد

(اعلیٰحضرت رضا شاہ پہلوی ۱۹۲۵ تا ۱۹۴۱ع)

پہلوی عہد سے پیشتر ایران کے داخلی حالات نہایت مایوس کن تھے۔ احمد شاہ ایک طرف روسیوں سے خائف تھا دوسری طرف تہران کی مختلف قومی جماعتوں کے اختلافات کی وجہ سے متفکر تھا ۔ وہ یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر انگریزوں کی آغوش میں ڈال دے نہ اُن سے بے تعلق ہو کر ہی آسودہ رہ سکتا تھا ۔ اسے قازقوں کی فوج پر بھروسا ضرور تھا لیکن یہ فوج بےبسی کی حالت میں پڑی تھی ۔ ایران کے بیشتر حصے پر مقامی امرا کا اقتدار تھا ۔ اپنے اپنے علاقے میں وہ جو چاہتے ، کرتے تھے ۔ ایران کی اپنی کوئی فوج نہ تھی ، اور جو تھی اس کی وفاداریاں حکومت ایران کے ساتھ نہ تھیں ۔ ملک میں عدالتیں نہیں تھیں ۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا سا حال تھا ۔ ڈاکوؤں اور رہزنوں نے ملک بھر میں آفت مچا رکھی تھی ۔ عوام درماندہ اور پریشان حال تھے۔ اور تو اور پایۂ تخت میں یہ حال تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد لوگ گھروں سے باہر نہیں نکل پاتے تھے کہ ڈاکوؤں کا خطرہ لاحق تھا ۔ افلاس ، ناخواندگی اور بیماری سے لوگوں کا سابقہ تھا ۔ قاچاری بادشاہوں کو یورپ کے دوروں سے فرصت نہیں ہوتی تھی کہ ملکی حالات کی طرف توجہ دے سکیں ۔ ادھر روسیوں کا روز بروز غلبہ ہوتا جارہا تھا۔ اب ملک کسی مرد غیب کا منتظر تھا ۔ آخر یہ مرد غیب اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی کی صورت میں ظاہر ہوا ۔

مختصر سوانح

رضا خاں ، جیسے کہ وہ تخت نشینی سے پہلے کہلاتے تھے ، ۱۸۷۸ع میں صوبہ ماژندران کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد اور دادا ایرانی فوج میں ذمےدار عہدوں پر فائز تھے۔ دادا نے افغانوں کے خلاف جنگ میں نمایاں خدمات انجام دی تھیں ۔ اور والد ماژندران میں مقیم فوج کے کمانڈنگ افسر تھے ۔ رضا خاں ابھی چالیس دن کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا ۔ ان کی والدہ انھیں اپنے عزیز و اقارب میں تہران لے آئیں ۔

اعلیٰ حضرت[1] ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی لکھتے ہیں: "جب میرے والد چودہ سال کے تھےتو وہ پرشین قازق بریگیڈ میں بھرتی ہوئے ، جو ان کی ولادت کے ایک سال بعد قائم ہوئی تھی ۔ وہ بالکل ناخواندہ تھے کیوں کہ اس وقت امرا اور مجتہدین کی اولاد ہی تعلیم پا سکتی تھی ۔ حکمران طبقہ اور امرا عوام کو تعلیم سے بےبہرہ رکھنا چاہتا تھا تا کہ وہ ناخواندہ رہیں اور حکمران طبقہ اپنی من مانی کر سکے ۔

"ایک بات جس نے میرے والد کی ترقی کے لیے راہ ہموار کی ، ان کا شوق مطالعہ تھا ۔ وہ اگرچہ بالغ تھے لیکن انھوں نے ابجد سے تعلیم شروع کرنے میں جھجک محسوس نہ کی ۔ فرائض منصبی سے فرصت ملتی تو گھنٹوں اپنی بیرک میں دھندلے لیمپوں کی روشنی میں دوستوں کی مدد سے لکھنا پڑھنا سیکھتے ۔ وہ جب تھک جاتے اور بیرک سے باہر نکلتے تو دور تہران کی جھلملاتی ہوئی روشنیوں کو دیکھتے رہتے ۔[2]"

ملک کے داخلی حالات جیسے بھی تھے ، ایرانی عوام کے دل حب وطن اور قومی جذبات سے سرشار تھے ۔ لوگوں کی زبان پر یہ نعرہ تھا کہ "ایران ایرانیوں کے لیے ہے" ۔ ملک میں حب وطن کی رو تیزی سے بڑھ رہی تھی اور لوگ کسی آنے والے بہتر وقت کے منتظر تھے ۔

---

۱ ۔ Mission for My Country بقلم اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی ، ص ۳۶ ۔

۲ ۔ ایضاً ص ۳۶ ۔



اعلیحضرت رضا شاه کبیر

ضیاءالدین طباطبائی

اس زمانے میں ایک اور شیدائے وطن شخصیت ابھری۔ یہ سید ضیاءالدین طباطبائی تھے۔ آپ رسالہ ''رعد'' کے مدیر تھے ۔ اور بےباک اور محب وطن رہنما ہونے کی وجہ سے کافی شہرت حاصل کر چکے تھے ۔ یہ وطن کے سچے ہی خواہ ، غیر ملکیوں کی ریشہ دوانیوں سے دور اور امرا کی صحبتوں سے بے تعلق تھے ۔ ایران کے برگشتہ حالات میں یہ موزوں ترین لیڈر تھے جو قاچاری حکومت کی باگ ڈور سنبھال کر ملک کو بچا سکتے تھے ۔

ضیاءالدین طباطبائی کے ہواخواہ اور ملک و ملت کے شیدائی ان کے ارد گرد جمع ہوگئے جنہوں نے ہر قیمت پر ملک میں تازہ زندگی پیدا کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا ۔ یہ لوگ ہم خیال تھے اور ملکی نجات کا ایک ہی ذریعہ سمجھتے تھے کہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لےلیں ۔ یہ کام اگرچہ دشوار تھا لیکن اچانک ایک واقعے نے صورت حال آسان کر دی ۔ اس کی مختصر سی سرگذشت یہ ہے کہ ۱۹۱۸ع میں روس میں اشتراکی حکومت قائم ہوئی تو اس نے ایران میں اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں اور ایک با اثر شخص مرزا کوچک خاں کو اپنی حمایت کا یقین دلایا ۔ اس نے گیلان کے خانہ بدوش قبائل اور ترکمانوں کی فوج تیار کی اور بالشویکوں کی مدد سے آذربائیجان میں حکومت قاچار کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ۔ وہ اب ایران میں اپنی حکومت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا ۔ احمد شاہ قاچار نے اڑھائی ہزار قازقوں کا ایک ڈویژن ، جو ایران کی کل فوجی کائنات تھی ، باغیوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا ۔ لیکن باغیوں کے ہاتھوں انھوں نے شکست کھائی اور فوجی حکام لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہوگئے ۔

رضا خاں کی قومی تنظیم

رضا خاں اس شکست کا باعث قازق فوج کے روسی افسروں کو سمجھتے تھے جنھوں نے درپردہ بالشویکوں کا ساتھ دیا تھا ۔ آخر رضا خاں نے اپنے جاں نثار ساتھیوں کی مدد سے ایسے روسی افسروں کو الگ ہونے پر مجبور کر دیا اور خالص ایرانیوں کی فوج منظم کی ۔

ضیاءالدین روسیوں کو ملک کا شدید دشمن سمجھتا تھا ، اس نے سنا کہ قازقوں کی فوج سے روسی اثر کا خاتمہ ہو چکا ہے تو وہ تہران سے چل کر قزوین آیا ، جہاں رضا خاں کا ہیڈ کوارٹر تھا ۔ دونوں کی ملاقات ہوئی تو یہ قرار پایا کہ ایرانی لشکر تہران میں داخل کر کے بزور حکومت حاصل کر لی جائے ۔ رضا خاں نے یہ سوچ کر کہ انہیں محب وطن عوام کی حمایت حاصل ہو جائے گی ، آمادگی ظاہر کر دی ۔ قازق بریگیڈ کا حال دگرگوں تھا ۔ انگریزوں نے فوج کے اخراجات حکومت ایران کے حساب میں ڈال رکھے تھے ۔ قومی بجٹ تیار نہیں ہوا تھا ۔ قازقوں کو تنخواہیں نہیں ملی تھیں ۔ ان کے پاس وردیاں تک نہ تھیں ۔ لیکن ضیاءالدین کی مدد سے یہ فوج نئے لباس اور نئے ساز و سامان سے آراستہ ہوگئی ۔ تنخواہیں بھی انہیں ملنے لگ گئیں اور اب یہ فوج ایک نئے جذبے سے قزوین سے تہران کی طرف چل دی ۔ احمد شاہ قاچار کو قازقوں کے قزوین سے چلنے کی خبر ملی تو اس نے حکم شاہی بھیج کر انہیں روکنا چاہا لیکن اس حکم کو درخور اعتنا نہ سمجھا گیا ۔

رضا خاں تہران میں

رضاخاں نے فروری ۱۹۱۹ء میں قزوین سے تہران کی طرف پیش قدمی کی ، لیکن راستے میں اسے ماژندران اور سیستان کے حاکموں سے دوچار ہونا پڑا ، جو مرکزی حکومت سے سرتابی کر کے خود مختار ہو گئے تھے ۔ رضا خاں نے ان پر چڑھائی کی اور انہیں شکست دے کر مرکزی حکومت کی وفاداری پر مجبور کر دیا ۔ رضا خاں ۲۱ فروری ۱۹۲۱ء کو تہران کے باہر آ خیمہ زن ہوئے اور ۲۶ فروری ۱۹۲۱ء کو تہران کی طرف بڑھے ۔ ان کا مقابلہ کرنا شاید مشکل نہ ہوتا ، لیکن تہران[۱] کا مرکزی بریگیڈ ڈھائی ہزار قازقوں سے مل گیا ۔ قازقوں نے شہری پولیس پر حملہ کر دیا جنھوں نے ہتھیار ڈالنے ہی میں عافیت دیکھی ۔ اس طرح فتح یاب ہو کر رضا خاں ۲۶ فروری ۱۹۲۱ء کو تہران میں داخل ہوئے ۔

---

۱ - ملک الشعرا بہار : تاریخ مختصر احزاب سیاسی ، صفحہ ۶۷ -

دوسرے دن تہران کی دیواروں پر یہ اشتہار چسپاں پایا گیا جس کا مضمون یہ ہے : ''چند خائنوں[۱] نے ملک کی باگ ڈور سنبھال رکھی ہے اور ایران کو عدم کے کنارے پہنچادیا ہے - ہم نے پائے تخت میں ، جہاں ہمارا محبوب بادشاہ اقامت گزیں ہے ، شمشیریں نیاموں سے نکال لی ہیں - تہران پر اب ہمارا تسلط ہے - ہم اپنے ملک کے سچے فداکار ہیں اور شاہی عظمت و شان کے محافظ ہیں - ہم حکومت ایران کی حمایت کریں گے - میں حکم دیتا ہوں کہ اہل تہران ملک کی فلاح و بہبود کے لیے کمربستہ ہوجائیں - میں کاظم خاں کو سالار مقرر کرتا ہوں - جو لوگ اس کے حکم سے سرتابی کریں گے انھیں سخت سزائیں دی جائیں گی ......''

احمد شاہ نے اس خیال سے کہ شاید حکومت کے استحکام میں مدد ملے ، نئی صورت حال کا خیرمقدم کیا - احمد شاہ نے شاہی فرمان جاری کرکے رضا خاں کو ''سردار سپاہ'' کا خطاب دیا اور اسے فوج کا سپہ سالار کل مقرر کردیا - اور کاظم خاں کو سپہ سالار دوم کا منصب سونپا - وزارت عظمیٰ سید ضیاءالدین طباطبائی مدیر روزنامہ ''رعد'' کے سپرد کی نیز سرکاری خزانہ اور شاہی بنک سے اسی ہزار تومان لے کر انقلابی افسروں اور قازقوں میں تقسیم کیے گئے -

حصول زر کی اشتراکی تدبیر

رضا خاں نے فوری طور پر ضیاءالدین سے یہ مطالبہ کیا کہ حصول زر کے لیے بڑے بڑے جاگیرداروں کو جنھوں نے ناجائز وسائل سے دولت کے انبار لگا رکھے تھے ، قید کا حکم دے اور ان کی جاگیریں ضبط کرلے - شروع میں تو ضیاءالدین کچھ ہچکچایا ، لیکن بالآخر یہ حکم دے دیا اور جاگیریں ضبط کرنے کا کام رضا خاں کے سپرد کیا - چنانچہ جاگیریں بحق سرکار ضبط کر لی گئیں اور کئی متمول لوگ ، جنھوں نے ناجائز طریقے سے دولت فراہم کی تھی ، جیل بھجوا

---

۱ - ملک الشعرا بہار : تاریخ احزاب سیاسی ، صفحہ ۸۶ -

دیے گئے - اور وہ امرا جنھوں نے جنگ عظیم میں غیر ملکیوں سے سازباز کرکے اپنی تجوریاں بھر لی تھیں ، مال و دولت اگلنے پر مجبور ہو گئے - یہاں تک کہ احمد شاہ کے اقارب نے بھی چھپائی ہوئی دولت باہر نکالی -

رضا خاں نے یوں تو حصول زر کے لیے ایک اشتراکی قدم ہی اٹھایا تھا ، لیکن حقیقی مقصد ملک میں امن و امان بحال کرنا تھا ، اس لیے اس اشتراکی تدبیر کی افادیت واضح تھی - اس ڈرامائی طریقے نے ملکی ٹیکس کی وصولی کا کام آسان کر دیا اور یہ کام بھی رضا خاں کے سپرد ہوا جس سے تھوڑے ہی عرصے میں نئی فوج بھرتی کرنے اور اسے مسلح کرنے کے لیے وسائل مہیا ہو گئے نیز آیندہ کے لیے روپیہ فراہم کرنے کی راہیں بھی ہموار ہو گئیں -

وزارت عظمیٰ سے ضیاءالدین کا استعفیٰ

سید ضیاءالدین یوں تو بہت دلیر اور انقلاب پسند شخص تھا، لیکن جمہوری طرز حکومت کا گہرا مطالعہ اس نے نہیں کیا تھا - مجلس کے طریق کار کا بھی اسے تجربہ نہ تھا - کسی سیاسی جماعت کے فعال رکن کی حیثیت میں بھی اس نے کام نہیں کیا تھا - اجتماعی امور میں اسے نظری واقفیت تو ضرور تھی ، لیکن عملی تجربہ نہ تھا - اور پھر اپنے مشیر، جو اس نے انتخاب کیے ، ان میں کوئی بھی اس کے پائے کا مدبر نہ تھا - اس کی اپنی کوئی جماعت بھی نہ تھی ، نہ اس کا اپنا قبیلہ ہی با اثر تھا جس کی حمایت پر اسے بھروسا ہوتا - جلد بازی میں اس نے شاہی خاندان کے افراد کو اسیر کرکے بادشاہ کو ناراض کر لیا تھا اور اب رضا خاں سے بھی اختلاف پیدا ہو گیا کیوں کہ وہ چاہتا تھا کہ فوج کو سیاسیات سے بے تعلق ہونا چاہیے ، لیکن رضا خاں فوج کو سیاسیات میں برابر کا شریک رکھنا چاہتے تھے - سید ضیاءالدین میدان سیاست میں اب اپنے آپ کو تنہا پاتا تھا ، اس لیے ملکی منصوبوں پر دلیری سے عمل پیرا نہ ہو سکا - آخر وہ وزارت عظمیٰ سے مستعفی ہو گیا اور ایران کو خیرباد کہہ کر جرمنی چلا گیا - اب وزارت عظمیٰ قوام‌السلطنت کو سونپی گئی اور وزارت جنگ کا منصب رضا خاں نے سنبھال لیا -

رضا خاں فوجی آمر کی حیثیت میں

رضا خاں کی حیثیت فوجی آمر کی سی تھی لیکن اس کے باوجود انھیں عوام میں مقبولیت حاصل تھی۔ ان کی شخصیت پرکشش تھی۔ وہ نڈر، بہادر اور بلند حوصلہ تھے۔ اب وہ ملک کے بے تاج بادشاہ سمجھے جاتے تھے۔ اپنی مرضی سے وزیر مقرر کرتے، لیکن جسے ملک و ملت کے لیے مفید نہ سمجھتے، اسے برطرف کر دیتے۔ انھوں نے مسلح اور منظم فوج کی تعداد اڑھائی ہزار سے چالیس ہزار تک بڑھا لی۔ اتنی جمعیت کے ساتھ وہ جو چاہتے کر سکتے تھے۔ ان کے حکم سے سرتابی کرنے کی کسی کو مجال نہ تھی۔ اب ان کی سرگرمیوں کے لیے رستہ ہموار ہو گیا تھا۔

رضا خاں کے پیش نظر ملک کو خوش حال، طاقت ور اور غیر ملکیوں کی مداخلت سے آزاد کرانا تھا۔ ان کے پاس ساز و سامان سے آراستہ فوج تو تھی، لیکن فوج کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ہمیشہ اشتراکی طریقے سے روپیہ حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مالیات کا نظام بگڑا ہوا تھا، اس کے لیے کسی ماہر مالیات کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ایک امریکی ماہر مالیات مسٹر اے۔ سی۔ ملس پاگ کی خدمات حاصل کی گئیں۔

ملس پاگ کی خدمات

ستمبر ۱۹۲۲ء میں ملس پاگ نے ایران کے مالیات کے ناظم اعلیٰ کا عہدہ سنبھالا۔ اس کا کام نہایت اہم تھا اس لیے اسے اختیارات بھی غیر محدود دیے گئے۔ ملس پاگ نے پچھلا مالی بجٹ مانگا تو معلوم ہوا کہ ملک کا کوئی باقاعدہ بجٹ نہیں۔ شوستر نے بجٹ بنانے کی کوشش کی تھی کہ روسیوں کے دباؤ کی وجہ سے وہ ایران چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

اس وقت ایران کے داخلی معاملات کی صورت یہ تھی کہ محصول اور ڈاک خانوں کا انصرام روسیوں کے ہاتھ میں تھا۔ تار برق کا کام انگلوانڈین کمپنی کرتی تھی۔ پولیس کی تربیت سویڈن کے افسروں کے ذمے تھی۔

ڈاکٹر فرانسیسی تھے ، قانون کی تشکیل اور تعلیمی نظام فرانسیسیوں ہی سے متعلق تھا ۔ خزانہ بدستور خالی تھا ۔ ملازموں کی تنخواہیں آٹھ آٹھ ماہ سے واجب‌الادا تھیں ۔ سکولوں کے اساتذہ کا حال بھی ایسا ہی تھا ۔ ملازمین اب سٹرائیک کی دھمکی دے رہے تھے ۔ پنشنر عرصے سے پنشن کے منتظر تھے ۔ ان کے مطالبات کو پورا کرنے کے لیے ملس پاگ نے امپیریل بنک سے چالیس لاکھ تومان تو قرض لے لیے لیکن ان کا اصل کام آسان نہ تھا ۔ معاشرتی اور اقتصادی حالات کی پستی کسی دور جاہلیت کی یاد دلاتی تھی ۔ مالیے کی فراہمی ایک مسئلہ بنا ہوا تھا ۔ غریب زمیندار تو مالیہ ادا کر دیتے تھے لیکن امرا پہلوتہی کر جاتے تھے ۔ مالیے کا بیشتر حصہ اجناس کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا لیکن وسائل آمد و رفت کی سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے اجناس کو فوری طور پر فروخت نہیں کیا جا سکتا تھا ۔ یہ اجناس پوری وصول بھی نہیں ہوتی تھیں ۔ بادشاہ کے قرابت داروں اور دوستوں کے ٹیکس شاہی فرمان کے ذریعے کم یا معاف بھی ہو جاتے تھے ۔ ٹیکس یا مالیہ وصول کرنے والے عموماً خود ہی رسیدیں لکھ دیتے تھے اور بڑی بڑی رقمیں سرکاری خزانے میں داخل کرنے کے بجائے اپنی تجوریوں میں ڈال لیتے تھے۔ خزانہ خالی ہونے کی وجہ سے تنخواہیں یا پنشنیں جنسوں کی صورت میں ادا کی جاتی تھیں ۔

ملس پاگ نے رضا خاں کو صورت حال سے آگاہ کر دیا ۔ انھوں نے مالی نظام کو مستحکم کرنے کے لیے ملس پاگ کو پورے پورے تعاون کا یقین دلایا اور اس سلسلے میں سخت گیرانہ قدم اٹھائے۔ کچھ ایسے افسروں کو برطرف کر دیا ، جو ضرورت سے زائد سمجھے گئے یا جو بد دیانت تھے ۔ وہ افسر بھی الگ کر دیے گئے جنھوں نے نذرانے اور رشوتیں دے کر ملازمتیں حاصل کی تھیں یا امرا کے رشتے دار ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے منصب سنبھال رکھے تھے ۔ ادھر ملس پاگ نے ٹیکس وغیرہ کی وصولی کے نظام کو بہتر بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور ۱۹۲۵ع میں محکمۂ فوج کے پھیلتے ہوئے اخراجات اور ملازموں کی بڑھتی ہوئی تنخواہوں کے باوجود ملس پاگ نے تاریخ ایران

میں پہلی مرتبہ ایک متوازن بجٹ پیش کرکے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس میں شک نہیں کہ ایران کے مالیات کو بہتر بنانے میں ملس پاگ ہی کا ہاتھ تھا لیکن محب وطن لوگ اب اپنے ہاں کی برائیوں کو سمجھنے لگے تھے اور انہیں دور کرنے کا جذبہ بھی رکھتے تھے۔ ملس پاگ نے ایران کے مالیات کی اصلاح کے لیے چار سال تک نہایت جانفشانی سے کام کیا۔ اس عرصے میں رضا خاں بڑی حد تک ملکی وحدت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

رضا خاں وزیراعظم کی حیثیت میں

اکتوبر ۱۹۲۳ء میں مشیرالدولہ کی وزارت عظمٰی کا دور ختم ہوا تو کوئی باتدبیر شخص اس منصب کو سنبھالنے کے لیے آگے نہیں بڑھتا تھا۔ آخر رضا خاں نے اپنے آپ کو اس منصب جلیلہ کے لیے پیش کیا۔ مجلس کے اراکین خُود بھی یہی چاہتے تھے، چنانچہ وہ وزیراعظم بنا دیے گئے۔ ہر شخص نے ان کی تقرری پر خوشی کا اظہار کیا کیوں کہ اہل ملک کی امیدیں اب ان سے وابستہ تھیں۔

رضاں خاں وزیر اعظم ہونے کے ساتھ ساتھ وزیر جنگ بھی تھے اور فوج کے سپہ سالار کل بھی۔ یہ اہم ترین ذمہ داریاں سنبھالتے ہی انہوں نے ان چھوٹی چھوٹی قبائلی فوجوں کی طرف توجہ دی جو غیر ملکی افسروں کے زیر اثر تھیں۔ انہیں خلاف قانون قرار دے کر غیر مسلح کر دیا گیا۔ بعض سرداروں نے چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں قائم کر رکھی تھیں، رضا خاں نے انہیں بھی زیر نگیں کیا لیکن بحیرۂ خزر کے ساحلی علاقہ گیلان کے اشتراکی، حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر آذربائیجان میں بغاوت ہوئی۔ شمال مغربی ایران میں کردوں نے اپنی آزادی کا اعلان کیا۔ خراسان میں قوچانیوں نے علم بغاوت بلند کیا لیکن رضا خاں نے بڑے عزم و استقلال کے ساتھ ان بغاوتوں کو فرو کیا۔

خوزستان پر رضا خاں کی لشکر کشی

چھوٹی چھوٹی بغاوتوں کو فرو کرنے کے بعد اب رضا خاں نے خوزستان کی طرف توجہ کی۔ یہاں کی بیشتر آبادی عربوں پر مشتمل تھی

جو طویل عرصے سے آزاد چلے آتے تھے - پہلے یہاں ایران کی مرکزی حکومت کی طرف سے گورنر متعین کیا جاتا تھا لیکن اب یہ رابطہ بھی ختم ہو چکا تھا - یہ علاقہ تیل دریافت ہونے کی وجہ سے بہت خوش حال تھا۔ شیخ محمرہ خزر علی تیل کے بعض چشموں کا مالک تھا - اس کے خزانے مال و دولت سے بھرپور تھے - عرب ، عراق ، ایران ، غرض بحیرۂ خزر سے لے کر بحیرۂ احمر تک کوئی حکمران شیخ محمرہ کے برابر دولت مند نہ تھا - شیخ محمرہ رضا خاں کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے ہراساں تھا - لورستان کے قبائل اور بختیاریوں کے غیرمسلح ہو جانے کی وجہ سے وہ اب اور بھی خطرہ محسوس کرنے لگا تھا - اس نے رضا خاں کی پیش قدمی روکنے کے لیے طرح طرح کے حیلے کیے - مجلس کے باثر ارکان کو رشوتیں دے کر رضا خاں کے خلاف ابھارنا چاہا، اس میں ناکامی ہوئی تو قرب و جوار کے قبائل کو اپنی آزادی برقرار رکھنے کی ترغیب دلائی - بختیاری اور کاشکی قبائل کو روپیہ پیسہ اور اسلحہ دے کر شورش پر آمادہ کیا - ۱۹۲۴ع کے آخر میں یہ قبائل شیخ محمرہ کی سرداری میں بغاوت پر آمادہ ہو گئے اور ایران کے فوجی دستوں کو، جو ملکی حفاظت کے لیے متعین تھے ، بہبہان کے قریب قتل کر دیا - یہ سن کر رضا خاں کی آتش غضب بھڑک اٹھی اور فوج کو خوزستان میں پیش قدمی کرنے کا حکم دیا - خود وہ شیراز آ گئے جہاں سے پیش قدمی کرنی مقصود تھی - رضا خاں کی چڑھائی کی خبر سے خزر علی سخت خوف زدہ ہوا - اس نے رضا خاں کو تار دے کر اپنے غلط رویے کے لیے معذرت چاہی اور مرکزی حکومت کے اقتدار اعلیٰ کو بھی تسلیم کر لیا - لیکن رضا خاں نے بذریعۂ تار یہ جواب دیا کہ برقی پیغام کے ذریعے اطاعت اختیار کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا -

رضا خاں شیراز سے بوشہر آئے اور جہاز میں سوار ہو کر شیخ کے علاقے میں پہنچ گئے - ناصریہ آئے تو یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ شیخ کے پیرؤوں نے مقابلہ کرنے کے بجائے شہر بھر میں چراغاں کیا - بختیاری قبائل کے باغی سردار اور خود شیخ محمرہ اور اس کے بیٹے استقبال کو آئے اور اظہار اطاعت کیا - رضا خاں نے ان کی خطا

سے تو درگزر کیا لیکن وہاں اپنا گورنر مقرر کر دیا اور نظم و نسق کے لیے فوجی دستہ بھی متعین کیا - نیز امریکی مالیاتی مشن کو ہدایات دیں کہ شیخ محمرہ سے ٹیکس کی واجب الادا رقم جو پانچ لاکھ کے لگ بھگ تھی ، وصول کی جائے -

مقابلہ کیے بغیر شیخ محمرہ کا اظہار اطاعت کرنا رضاں خاں کی بڑی فتح تھی - یہاں سے واپسی پر بغداد کے راستے واپس ہوئے اور کربلا پہنچ کر شہدائے کربلا کے مزاروں کی زیارت کی - کہا جاتا ہے کہ رضا خاں کی آمد پر عراق کے ایرانی باشندوں نے قدم قدم پر بھیڑیں ذبح کیں اور خوشی کے جشن منائے -

ترکوں کے تہذیبی انقلاب کا ایران پر اثر

رضا خاں فوجی شعور اور انتظامی صلاحیت رکھنے کے ساتھ ساتھ ماہر سیاست دان بھی تھے - ان کی نظریں اب گرد و پیش پر تھیں - ترکیہ میں جو تہذیبی انقلاب آ رہا تھا وہ اس کا گہری نظر سے مطالعہ کر رہے تھے - مصطفیٰ کمال پاشا کی طرح یہ بھی چاہتے تھے کہ ان کا ملک مغربی تہذیب کو اپنا لے ، لیکن ان کا طریق کار قدرے مختلف تھا - مغربی تہذیب کے حامی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ قدیم ایرانی تمدن کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہتے تھے -

ترکیہ کے تہذیبی انقلاب کا یہ اثر ہوا کہ ایران میں ۱۹۲۵ع میں ری پبلک کی تحریک چلی - رضا خاں بھی یہی چاہتے تھے - ان کا صدر منتخب ہو جانا بھی یقینی تھا ، لیکن وہ ایک ماہر سیاست دان کی طرح حالات کا رخ دیکھتے رہے - تحریک زور پکڑتی گئی - اخبارات و رسائل میں ری پبلک کے حق میں پر زور مقالے لکھے گئے - قوم پرستوں ، انتہا پسندوں اور اعتدال پسندوں نے بیک وقت ری پبلک کے حق میں صدائیں بلند کیں - جلسے جلوس ہوئے ، اپیلیں کی گئیں کہ ملک میں ری پبلک قائم کی جائے ، لیکن رضا خاں اس پر بھی خاموش رہے - وہ جانتے تھے کہ ری پبلک کے لیے ابھی وقت موزوں نہیں - ابھی

ایک مضبوط اور با اثر جماعت سامنے ہے جو ری پبلک کے مسئلے پر خموشی اختیار کیے ہوئے ہے - یہ جماعت علما اور مجتہدین کی تھی جن کی ایرانی عوام پر بڑی مضبوط گرفت تھی - سیاسی اصلاحات کے معاملے میں یہ جماعت بڑی رجعت پسند تھی - مجلس میں ان کا ایک با اقتدار نمایندہ مدرس موجود تھا - جب تک یہ جماعت ری پبلک کی ہم نوا نہ ہو جاتی، کامیابی کے امکانات کم تھے -

ترکیہ کی سیاست نے ایک اور رخ بدلا - مصطفیٰ کمال نے خلافت اسلامیہ کا خاتمہ کر کے ملک میں جمہوری نظام قائم کیا - اس سے وحدت اسلامی پر گہری ضرب پڑی - ترک اگرچہ اہل تسنن تھے اور ایرانی اہل تشیع ، علاوہ ازیں بعض اور معاملات میں بھی دونوں حکومتوں میں اختلاف تھا ، لیکن خلافت کا خاتمہ علماے ایران کو سخت ناگوار گزرا - انھیں یہ خطرہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ اس قسم کی زد سے ایران بھی محفوظ نہیں رہ سکے گا - چنانچہ انھوں نے اہل تشیع کے مقدس مقام قم میں عوام کو جمع کیا اور حفاظت اسلام کے نام پر پر جوش تحریک چلائی اور عوام کو اس بات پر آمادہ کیا کہ ری پبلک کا ارادہ ترک نہ کرنے کے لیے مجلس پر زور ڈالیں - رضا خاں خود قم پہنچے - علما سے تبادلۂ خیالات کیا ، لیکن علما کے ارادوں میں سرمو فرق نہ آیا - علما کی یہ ضد دیکھ کر انھوں نے اس وقت علما سے اتفاق کرنا ہی مناسب سمجھا - رضا خاں کے اس طریق کار سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ انھوں نے علما کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ، بلکہ یہ بھی فراست کا ایک تقاضہ تھا - کیوں کہ انھیں یقین تھا کہ اس وقت اگر جمہوریت کی طرف قدم اٹھایا گیا تو علما ملکی ترقی کی راہ میں زبردست رکاوٹ بنیں گے - بہرحال وہ حالات کا مطالعہ کرتے رہے -

ترکمانوں کی بغاوت

چند ہی ماہ گزرنے پائے تھے کہ ماژندران اور خراسان کے علاقوں پر استر آباد کے ترکمانوں نے چڑھائی کر دی - رضا خاں یہ خبر سنتے ہی بڑی تیزی سے آئے - باغی سرداروں نے مقابلہ تو کیا ، لیکن آخر بے بس ہو کر گرفتار ہو گئے - رضا خاں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور

ترکمانوں کے قبائل کو غیر مسلح کردیا جس سے وہ مطیع و منقاد ہونے پر مجبور ہو گئے ۔

فارس کے رہزنوں کی سرکوبی

ترکمانوں کی سرزنش کے بعد بغاوت کا مزید کوئی خطرہ تو باقی نہ رہا ، البتہ فارس میں رہزن کچھ عرصہ ادھم مچاتے رہے جس کی وجہ سے تجارتی قافلے لٹتے رہے اور ملکی تجارت میں خلل آ گیا ۔ رضا خاں نے رہزنوں کے خلاف فوج کشی کرکے انھیں قرار واقعی سزا دی جس سے تجارتی شاہراہیں پھر محفوظ ہو گئیں ۔

احمد شاہ قاچار کی جانشینی

رضا خاں کامران ہو کر تہران واپس آئے تو ان کی مقبولیت کو اور بھی چار چاند لگے ۔ اب یہ نظر آ رہا تھا کہ ملکی حکومت کے حقیقی مستحق یہی ہیں ۔ اس عرصے میں ایران کا بادشاہ احمد شاہ فرانس میں مقیم تھا ۔ اس کی طویل غیرحاضری کی وجہ سے مجلس نے اس کے بھائی محمد حسن مرزا کو اس کا جانشین بنا دیا ۔ لیکن اس میں نظم و نسق کی قطعاً صلاحیت نہ تھی ۔

اعلیٰ حضرت رضا خاں کی تخت نشینی

۱۹۲۵ع کے آخر میں مجلس نے یہ محسوس کرکے کہ محمد حسن مرزا تخت و تاج کا وارث بننے کا اہل نہیں ، ایک دلیرانہ قدم اٹھایا اور اسے حکومت کے بار سے سبکدوش کرکے قاچاری دور کا خاتمہ کر دیا ۔ نیز رضا خاں کو ملک کا سربراہ بنا دیا ۔ چنانچہ ۱۲ دسمبر ۱۹۲۵ع کو آپ رضا شاہ کا لقب اختیار کرکے تخت نشین ہوئے اور پہلوی خاندان کی بنیاد رکھی ۔ قاچاری شہزادوں کے لیے وظائف مقرر کرکے انھیں احمد شاہ کے پاس فرانس بھیج دیا گیا ۔ اپریل ۱۹۲۶ع میں اعلیٰ حضرت رضا شاہ نے عوام کی خواہش کے مطابق سونے اور ہیروں کا تاج پہنا ، جو خاص ان کی رسم تاج پوشی کے لیے بنوایا گیا تھا ۔ اسی موقع پر ان کے لائق فرزند محمد رضا شاہ ولی عہد سلطنت مقرر ہوئے ۔

بادشاہ کے اختیارات

پہلوی سلسلے کے تاج داروں کے اختیارات کے متعلق جو مسودۂ قانون منظور ہوا درج ذیل ہے :

۱ - بادشاہ اگر لاولد ہو تو وہ اپنا ولی عہد مقرر کر سکے گا، لیکن اس کی منظوری مجلس دے گی -

۲ - ولی عہد اکیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوگا - اگر وہ نابالغ ہو تو مجلس کو ریجنٹ مقرر کرنے کا اختیار ہوگا -

۳ - ولی عہد قاچار خاندان سے مقرر نہیں کیا جا سکے گا -

۴ - خاندان قاچار سے کوئی ریجنٹ بھی مقرر نہ ہو سکے گا -

۵ - مجلس جس مسودۂ قانون کو لگاتار تین مرتبہ منظور کرکے بادشاہ کے سامنے پیش کرے گی اسے مسترد کرنے کا بادشاہ کو اختیار نہ ہوگا -

۶ - بادشاہ کو اختیار ہوگا کہ وہ ارکان مجلس میں سے وزارت مرتب کرے -

۷ - وزرا مقرر کرنے اور انہیں معطل کرنے کا بادشاہ کو اختیار ہوگا -

اعلیٰ حضرت رضا شاہ محب وطن بادشاہ تھے - ایران کی گزشتہ عظمت اور قدیمی تمدن کا احیاء ان کا نصب العین تھا جسے حاصل کرنے کے لیے انہوں نے انتہائی کوشش کی - عملی قدم جو انہوں نے اس سلسلے میں اٹھائے، ان کا مختصر سا ذکر درج ذیل ہے -

فوجی تنظیم

اعلیٰ حضرت رضا شاہ سے پہلے ایران میں کوئی ایسی فوج نہ تھی جو کسی ملک کے لیے سرمایۂ افتخار بن سکے - اڑھائی ہزار قازقوں کی ایک ڈویژن ضرور موجود تھی جسے ایران کے ایک مالی مشیر شوسٹر نے مالی نظام کی اصلاح میں مدد دینے کے لیے قائم کیا تھا اور خود

رضا شاہ اس ڈویژن فوج میں ایک ذمے دار عہدے پر فائز رہ چکے تھے ۔ آپ فوجی اعتبار سے ایران کی کم مائیگی کو خوب جانتے تھے اس لیے انھوں نے اولین توجہ فوجی استحکام کو دی اور تھوڑے ہی عرصے میں فوجوں کی تعداد معقول حد تک بڑھا دی اور اعلیٰ فوجی افسروں کو حربی تربیت کے لیے فرانس بھیجا نیز ایرانی افسروں اور سپاہیوں کو تربیت دینے کے لیے آزمودہ کار فرانسیسی جرنیل ملازم رکھے ۔ ملک کی حربی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اسلحہ سازی کے متعدد کارخانے قائم کیے اور ممالک خارجہ سے کثیر مقدار میں جدید آلات حرب منگوا کر فوج کو مسلح کیا اور اس میں وطن کی محبت اور پاسبانی کی روح پھونکی ۔

معاہدات

اعلیٰ حضرت رضا شاہ کی حکومت سے پہلے ایران کے ہمسایہ اسلامی کے ممالک ساتھ تعلقات خوش‌گوار نہ تھے ۔ ترکوں اور ایرانیوں کے مابین صدیوں تک لڑائیاں ہوتی رہیں ۔ افغانستان کے قبائلی ایران پر حملہ آور ہوتے رہے ۔ ایران کی طرف سے بھی ہرات کو مسخر کرنے کی متعدد بار کوششیں ہوئیں ۔ ایران اور عراق نیز ایران اور افغانستان کے مابین سرحدوں کے تعین کے متعلق جنگ جاری رہی ۔ لیکن ایران کے نجات دہندہ رضا شاہ پہلوی کے تدبر اور فراست سے ہمسایہ اسلامی ممالک کے ایران کے ساتھ جھگڑے باہمی گفت و شنید سے طے ہو گئے ۔ سرحدیں معین ہو گئیں اور صدیوں پرانے اختلافات بھی ختم ہو گئے ۔ ان کی مختصر سی سرگزشت درج ذیل ہے ،

سیاحت ترکیہ اور معاہدۂ دوستی

داخلی استحکام کے بعد رضا شاہ کبیر نے ۱۹۳۳ع میں ترکیہ کی سیاحت کی تاکہ اس ہمسایہ اسلامی ملک کے ساتھ سیاسی اور تمدنی رشتے استوار کریں ۔ اس سیاحت سے نہ صرف دولوں حکومتوں کے مابین دوستی کا معاہدہ ہوا بلکہ ایران ، ترکیہ کی تہذیبی ترقی سے بھی متاثر ہوا ۔

روسیوں سے معاہدۂ دوستی

ترکیہ کی سیاحت کے بعد حکومت ایران کا روسیوں سے معاہدہ ہوا۔ جس کی رو سے روسیوں نے اپنے تمام قرضوں سے، جو ایران کے ذمے واجب الادا تھے، دست برداری دے دی۔ اس کے علاوہ جلفا سے روسی سرحد کے ساتھ ساتھ تبریز جانے والی ریلوے حکومت ایران کے حوالے کر دی اور بحیرۂ خزر کی بندرگاہ انزلی (پہلوی) میں حکومت ایران کو تجارتی جہازرانی کے برابر کے حقوق دیے جو ''معاہدۂ ترکمانچی'' کے بعد حکومت ایران کو نصیب نہ ہو سکے تھے۔

انگریزوں سے معاہدے کی منسوخی

ترکوں کے ساتھ معاہدۂ دوستی ہونے کے بعد رضا شاہ پہلوی نے انگریزوں کے ساتھ ۱۹۱۹ع میں جو معاہدہ ہوا تھا اسے منسوخ کر دیا اور برطانوی فوج نے ایران سے رخت سفر باندھ لیا۔

معاہدۂ ایران و عراق

۱۹۳۷ع میں ایران اور عراق دونوں ملکوں کی خواہش پر ترکیہ نے کاظم بکر پاشا کی قیادت میں ایک کمیشن مقرر کیا۔ کمیشن نے دونوں ملکوں کی سرحدوں کا جائزہ لینے کے بعد رپورٹ پیش کی، جسے دونوں ملکوں کے سربراہوں نے تسلیم کر لیا اور مشترکہ حد متعین ہو گئی۔

عدم جارحیت کا معاہدہ

اسی سال جینوا کانفرنس میں افغانستان، ایران، عراق اور ترکیہ کے نمایندوں کی باہمی گفت و شنید کے بعد ان چار ملکوں کے مابین عدم جارحیت کا معاہدہ طے پایا۔ اس معاہدے پر پھر سعد آباد میں نظرثانی کی گئی۔ کچھ ترمیم و تنسیخ کے بعد معاہدے نے جو صورت اختیار کی وہ ''معاہدۂ سعد آباد'' کہلایا۔

اسلامی ممالک کے الگ الگ معاہدے

معاہدۂ سعد آباد کے علاوہ ایران نے مسلمان ہمسایہ ممالک افغانستان، عراق، ترکیہ، شام، حجاز اور یمن کے ساتھ الگ الگ معاہدے بھی

کیے - ان معاہدوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایران کا خام مال مذکورہ اسلامی ممالک میں پہنچنے لگا - برآمد کا میدان کچھ اور وسیع ہوا تو یہ مال یورپ کی منڈیوں میں بھی جانے لگا - اس سے ایران کی اقتصادی حالت مستحکم ہو گئی -

اصلاحات

تعلیم

فوجی ضروریات کی تکمیل کے بعد جس چیز نے رضا شاہ کبیر کو متوجہ کیا ، وہ ملکی تعلیم ہے - آپ سے پہلے بھی اگرچہ امریکن مشنریوں ، فرانسیسیوں اور جرمنوں نے ایران کے مختلف مقامات پر سکول قائم کر رکھے تھے جن میں جدید علوم کی تدریس ہوتی تھی - لیکن اس سے صرف امرا کے بچے ہی استفادہ کر سکتے تھے - ملکی مدارس میں زیادہ تر مشرقی علوم ہی کی تدریس ہوتی تھی - اعلیٰ حضرت[1] رضا شاہ کا خیال تھا کہ کشور ایران کو اب سب سے زیادہ ضرورت تعلیم یافتہ ، دانشمند ماہرین، جفاکش اور دیانتدار نوجوانوں کی ہے - ایسے لوگوں کی جماعتیں تیار کرنے کے لیے ان کی توجہ تعلیم کی طرف ہوئی تو مجلس نے ملک بھر میں جدید تعلیم عام کرنے کے لیے قانون منظور کر لیا اور ملکی مالیات کا نصف حصہ تعلیم کے لیے وقف کر دیا - علما نے ہرچند جدید تعلیم کے خلاف آواز بلند کی لیکن اس کا کچھ اثر نہ ہوا - تعلیم حاصل کرنے کا شوق بڑھتا رہا ، سکول کھلتے گئے اور سیکڑوں کی تعداد میں طلبہ جو ملکی تعلیم سے فراغت پاتے ، انھیں انگلستان ، فرانس اور جرمنی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج دیا جاتا جہاں سے وہ ڈاکٹری، انجینئرنگ اور قانون وغیرہ کی تعلیم پا کر واپس آتے اور ملک و ملت کی زیادہ سے زیادہ خدمات بجا لاتے -

ابتدائی اور ثانوی تعلیم کی ضرورتیں پوری کرنے کے بعد شاہنشاہ نے دارالسلطنت تہران میں ایک یونیورسٹی قائم کی جس کا یوم تاسیس ۱۴ فروری ۱۹۳۵ع ہے - اس یونیورسٹی میں طب ، قانون ، اقتصادیات ،

---

۱ - رضا شاہ کبیر ، بقلم اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی ، صفحہ ۶۷ -

دینیات ، سائنس ، ادبیات اور انجینئرنگ کی اعالی تعلیم دی جاتی ہے اور خصوصیت یہ ہے کہ ان سب علوم کا ذریعۂ تعلیم ملکی زبان یعنی فارسی ہی ہے -

جدید علوم کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ مشرقی علوم کی درسگاہوں نے بھی خاطر خواہ ترقی کی - نیز تعلیم بالغاں کا بھی آغاز ہوا -

ملکی زبان کی ترقی

تعلیم کی ترویج میں ملکی زبان کا جو حصہ ہے اس کی اہمیت واضح ہے ، اس لیے شاہنشاہ نے زبان و ادب کی ترقی کی طرف بھی توجہ دی ، تاکہ فارسی کو اس قابل بنایا جائے کہ اس کے ذریعے تمام جدید علوم کی تعلیم دی جا سکے - چنانچہ ایک اکیڈیمی قائم کی گئی جس کے زیر اہتمام انگریزی ، فرانسیسی اور جرمن کی مستند کتابوں کے تراجم فاضل اساتذہ نے کیے اور سائنسی علوم پر طبع زاد کتابیں بھی لکھی گئیں - اس طرح زبان کا دامن وسیع ہوا -

اس سلسلے میں شروع شروع میں بڑی انتہاپسندی سے کام لیاگیا اور عربی و ترکی الفاظ فارسی سے خارج کرکے ان کی جگہ قدیم فارسی کے الفاظ شامل کیے گئے- اس طرح فارسی نے جو ہیئت اختیار کی اسے ''فارسی سرہ'' کا نام دیا گیا لیکن اس کوشش سے فارسی زبان سہل ہونے کے بجائے مشکل تر ہو گئی - آخر معتدل مزاج علما نے اس کام کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور قدیم فارسی کے الفاظ کے بجائے جدید الفاظ اور سائنسی اصطلاحات فرانسیسی سے لے کر فارسی میں شامل کیں اور اس طرح فارسی جدید سانچے میں ڈھل گئی اور اس قابل ہوگئی کہ ذریعۂ تعلیم بن جائے-

صنعت و حرفت

جنگ عظیم اول کے دوران تجارتی راستے مسدود ہو گئے تھے- دوسرے ممالک سے ایران کی تجارت منقطع ہوگئی تھی - اس سے پہلی بار رضا شاہ کبیر کوشدید احساس ہوا کہ کشور ایران میں صنعتیں قائم کی جائیں - اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ لکھتے ہیں: ''میرے والد[1] نے یہ راز پا لیا تھا کہ ملک

---

۱ - رضا شاہ کبیر ، بقلم اعلیٰ حضرت محمد رضا شاہ پہلوی ص ۶۸ -

کی سیاسی آزادی اقتصادی آزادی سے الگ نہیں - ان کا خیال تھا کہ جس ملک کے لوگ اپنے گھر کا چراغ جلانے کے لیے غیرملکی دیا سلائی کے محتاج ہوں ، عورتوں کا سر ڈھانپنے کے لیے غیرملکی ساخت کے کپڑے حاصل کرنے پر مجبور ہوں ، یہاں تک کہ چینی اور چائے تک غیرملکوں سے منگوائے بغیر چارہ نہ ہو ، وہ ملک ہرگز اس قابل نہیں ہو سکتا کہ جب کوئی دوسری قوم ان کے حقوق پر چھاپے مارے تو وہ پورے طور پر اپنے حقوق کی حفاظت کر سکے - اس لیے انھوں نے ملکی صنعتوں پر بہت زیادہ توجہ دی'' - اعلیٰ حضرت رضا شاہ کے زمانے میں صنعت و حرفت کو بھی بہت ترقی ہوئی - قالین سازی اور کاشی کی صنعتیں اگرچہ ہزاروں سالوں سے قائم تھیں لیکن اس دور میں نئی صنعتوں نے بھی ترقی پائی - متعدد نئے کارخانے قائم ہوئے - ۱۹۳۹ع میں پارچہ بافی کے چودہ کارخانے کام کرتے تھے - ریشمی پارچہ بافی کے کارخانے بھی قائم ہوئے جن میں چالوس کا کارخانہ خاص طور سے بڑی اہمیت رکھتا ہے - چاول نکالنے ، سیمنٹ بنانے اور شکر تیار کرنے کے بھی کارخانے قائم ہوئے جن سے ملکی ضرورتیں پوری ہونے لگیں -

رسل و رسائل

ملکی بہبود ، معاشی ترقی اور تجارتی کاروبار میں ریلوے کا بہت بڑا حصہ ہے - ملک میں ریلیں چلانے کی ابتدا ناصرالدین شاہ قاچار کے دور میں ہوئی تھی لیکن ریلوے کو وسعت رضا شاہ پہلوی کے دور میں ہوئی - آپ کی حکومت نے شمالی ایران کو جنوبی ایران کے ساتھ بذریعہ ریل ملانے کا منصوبہ بنایا - لیکن یہ کام انتہائی دشوار تھا کیوں کہ دونوں حصوں کے مابین بلند و بالا پہاڑ اور سیکڑوں ندی نالے حائل ہیں - کچھ ایسے مقامات بھی ہیں جن کے متعلق انگریز انجینئیروں کی یہ حتمی رائے تھی کہ یہاں سے ریل کا گذارنا ممکن نہیں - لیکن رضا شاہ کبیر کا ارادہ اٹل تھا - وہ اپنی اس بات پر قائم رہے کہ جیسے بھی بن پڑے ریل گذاری جائے - چنانچہ ایسا ہو کر رہا - بلند و بالا پہاڑوں میں سرنگیں کھودی گئیں ، ندی نالوں پر پل تعمیر ہوئے جن پر بے دریغ ملکی دولت صرف ہوئی - اور پھر یہ بات بھی تھی کہ آزاد قبائل کے لوگوں کو یہ

وگارا نہ تھا کہ ان کے علاقے بذریعہ ریل ملائے جائیں اور ان کی آزادی خطرے میں پڑے - آخر قدرتی رکاوٹوں پر بھی قابو پایا گیا اور انسانی مخالفتوں پر بھی - اور شمالی ایران کو جنوبی ایران کے ساتھ بذریعہ ریل ملا دیا گیا -

ایک ریلوے لائن بحیرۂ خزر سے لے کر خلیج فارس تک بچھائی گئی - بحیرۂ خزر میں اس کا آخری سٹیشن بندر شاہ ہے اور خلیج فارس کا آخری سٹیشن بندو شاپور - اس کی رسم افتتاح اعلیٰ حضرت نے ۲۶ اگست ۱۹۲۸ع کو ادا کی -

ٹرانس ایرانین ریلوے ۱۹۲۷ع میں شروع ہوئی اور ۱۹۳۹ع میں اس کی تکمیل ہوئی - اعلیٰ حضرت شہنشاہ ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی لکھتے ہیں: ''اس[1] ریل کے راستے میں ۴۱۰۰ پل اور ۲۲۴ سرنگیں ہیں جو اوسطاً ۴۵ میل لمبی ہیں - ان میں سے ایک سرنگ ۲ میل طویل ہے - اس ریل کی کل لمبائی ۹۰۰ میل ہے - اس ریلوے لائن میں جو اخراجات ہوئے وہ حکومت ایران نے چینی اور چائے پر خاص محصولات عاید کرکے فراہم کیے - اس سے اگرچہ عوام پر بوجھ تو پڑا لیکن میرے والد نے غیرملکی قرضوں کی طرف توجہ نہ دی انہیں وہ شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے کیوں کہ وہ گذشتہ حکومتوں کا حشر دیکھ چکے تھے جو غیر ملکی قرضوں کے بوجھ تلے دبی رہیں - البتہ انھوں نے غیر ملکی انجینئروں کی خدمات ضرور حاصل کیں -''

بنکاری

ملکی معیشت میں بنکاری کو جو دخل ہے وہ محتاج بیان نہیں - قاچاری دور میں بعض غیرملکی سرمایہ‌داروں نے حکومت ایران سے مراعات حاصل کرکے یہاں بنک قائم کیے - مجلس کے نمایندوں کو قومی بنک قائم کرنے کا بھی خیال تھا چنانچہ اس اہم مسئلہ پر ۱۹۰۶ع میں بحث ہوئی اور قومی بنک قائم کرنے کا فیصلہ ہوا - لیکن سیاسی استحکام نہ ہونے کی وجہ سے اس پر عمل نہ ہو سکا - آخر جب رضا شاہ پہلوی کے عہد میں ملک کو سیاسی استحکام نصیب ہوا تو ۱۹۲۸ع میں ملکی

---

۱ - Mission for My Country ، صفحہ ۳۴ -

سرمائے سے قومی بنک کھل گیا اور رفتہ رفتہ اس کی شاخیں اہم شہروں میں قائم ہوگئیں ، جن سے ملکی معیشت میں آسانیاں پیدا ہوگئیں ۔

۱۹۳۰ع میں زراعت و صنعت کو ترقی دینے کے لیے بھی بنک کھولا گیا ۔ ۱۹۳۹ع میں قرضے کا بنک بھی قائم ہوا ۔ ان بنکوں کے ذریعے تجارت کے علاوہ سرکاری اداروں اور بلدیات کے کام کاج میں بھی آسانیاں پیدا ہوگئیں ۔

تیل کے چشموں پر ایران کی ملکیت

قاچاری بادشاہوں نے اپنے ذاتی مفاد کے پیش‌نظر ایک معاہدہ کرکے بہت کم معاوضہ پر تیل کے چشمے ایک برطانوی کمپنی کے ہاتھ فروخت کر دیے تھے۔ لیکن اعلیٰ حضرت رضا شاہ نے عنان حکومت سنبھالتے ہی اس ملکی نقصان کو محسوس کیا اور ایران کی جس قدر معدنیات غیر ملکیوں کے تسلط میں تھیں انھیں واپس لینے کے لیے جد و جہد شروع کر دی ۔ ''اینگلو پرشین آئل کمپنی'' کے ساتھ حکومت ایران کا تنازعہ دیر تک جاری رہا ؛ آخر یہ غیرملکی کمپنی مجبور ہو گئی کہ تیل کے چشموں پر ایران کی ملکیت اور تسلط کو تسلیم کرے ۔ نئے حالات کے تحت ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے یہ طے ہوا کہ آئندہ کمپنی کے ملازمین میں ۷۵ فی‌صد ایرانیوں کو لیا جائے گا ۔ تمام بڑے عہدے رفتہ رفتہ ایرانیوں کے سپرد کر دیے جائیں گے ۔ کمپنی پہلے کی نسبت دوگنی رقم حکومت ایران کو مالکانہ حقوق کے عوض ہر سال ادا کیا کرے گی ۔ معاہدے کی ایک یہ شرط بھی تھی کہ جو تیل ایران سے غیر ممالک کو بھیجا جائے گا ایران اس پر برآمدی محصول لینے کا مجاز ہوگا ۔ اس نئے معاہدے سے ایران کو مالی فائدہ بھی ہوا اور ملک بھر میں کارخانے قائم کرنے کے لیے تیل کے ذخائر بھی میسر آئے۔

نئی تہذیب

رضا شاہ کبیر فطرۃً تجدد پسند تھے اور ہر نئی بات کو جو ایران کے لیے مفید ہوسکتی تھی ، انھوں نے اپنانے کی کوشش کی ۔ ترقی کی راہ میں رجعت پسند ملا رکاوٹ بنے ہوئے تھے ۔ وہ ہر نئی بات کو بدعت قرار

دیتے تھے۔ عوام پر ان کا اثر بھی تھا ۔ آخر رضا شاہ پہلوی اور ملک کے ترقی پسند دانشور ملاؤں کا طلسم توڑنے میں کامیاب ہوگئے ۔ ملاؤں کے وظائف بند کر دیے گئے اور مقامات مقدسہ سرکاری تحویل میں لے لیے گئے ۔ ان سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ ملکی مفاد پر خرچ ہونے لگی ۔ ملا اقتدار کی محرومی کو آسانی سے برداشت نہ کر سکتے تھے اس لیے انھوں نے سخت احتجاج کیا ۔ لیکن اعلیٰ حضرت نے ان کے احتجاج کو سختی سے دبا دیا ۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہزاروں سال پرانی تہذیب کی جگہ نئی تہذیب نے لے لی ۔ قدیمی معاشرت کے انداز بدلے ، توہم پرستی کا خاتمہ ہوا ، حب وطن کا جذبہ ابھرا ، ترقی کی جدوجہد تیز تر ہوئی ۔ اہل ایران نے یورپین لباس زیب تن کیا ۔ سویا ہوا ایران بیدار ہوا اور ایرانی قوم ترقی یافتہ اقوام میں شمار ہونے لگی ۔

ترک پردہ

ملک کو ایک مشکل عورتوں کے پردے کی در پیش تھی ، جس کی طرف ترقی خواہ دانشوروں نے توجہ دی ۔ ان کی کوشش تھی کہ عورتوں کو پردے کی قید سے نجات دلائی جائے ۔ شعرا نے ترک پردہ پر نظمیں لکھیں ، ادبا نے قومی ترقی کی ایک رکاوٹ پردۂ نسواں کو ٹھہرایا ۔ اس کوشش کے باوجود کوئی تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ ترقی خواہوں کی یہ تمنا کبھی بر آئے گی کیوں کہ ملک کے با اثر علما اپنی خطابت کا پورا زور پردے کی حمایت میں صرف کر رہے تھے اور رجعت پسند عوام اس بات پر آمادہ نہ ہوتے تھے کہ مستورات کو بے پردہ گھر سے نکالیں ، جو چاہتے بھی تھے انھیں اس اقدام کی ہمت نہ پڑتی تھی ۔ آخر رضا شاہ کبیر کے ناخن تدبیر نے یہ عقدہ کشائی کی ۔ اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ لکھتے ہیں : ”میرے[۱] والد کو اپنی مصروفیتوں سے کچھ فراغت ہوئی تو انھوں نے اس امر پر توجہ دی اور خواتین ایران کو ، جو آبادی کا حصہ شمار نہیں ہوتی تھیں ، چادر ظلمت سے باہر نکالا ۔ اس مہم کے سر ہونے کی صورت یہ ہوئی کہ ایک دن وزارت فرہنگ نے امجدیہ (سٹیڈیم)

---

۱ ۔ رضا شاہ کبیر : اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی ، صفحہ ۹۵ ، ۹۶ ۔

میں ایک جشن کا اہتمام کیا - والد نے حکم دیا کہ میری والدہ (ملکۂ ایران) میری بہنوں کے ہمراہ بغیر پردہ کے شریک جشن ہوں - یہ فرمان بھی صادر ہوا کہ جن خواتین کو شریک جشن ہونے کی دعوت دی گئی ہے بے پردہ آئیں - میرے باپ کا یہ قدم اٹھانا ہی کافی تھا کہ لوگ اس مسئلے کی اہمیت سمجھیں اور جان لیں کہ ترقی اور سعادت حاصل کرنے کی حقیقی راہ وہی ہے جس کی طرف انھوں نے رہنمائی کی ہے - روشن دماغ حضرات نے، جو اس دن کے منتظر تھے، اس اقدام کا دل و جان سے خیرمقدم کیا اور عوام نے بھی بعد میں ان کی پیروی کی اور ترک پردہ پر مائل ہوگئے -'' اسی ترک پردہ کا یہ نتیجہ ہے کہ ایرانی خواتین اب ترقی ایران میں مردوں کے دوش بدوش ہر تحریک میں شریک ہوتی ہیں -

دوسری جنگ عظیم

۱۹۳۹ع میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی - ۱۹۴۱ع میں جرمنی نے روس کے خلاف بھی اعلان جنگ کر دیا - روس اور برطانیہ دو پرانے حریف اب ایک دوسرے کے اتحادی بن گئے - اعلیٰ حضرت رضا شاہ نے، اگرچہ وہ جرمنی کی طرف مائل تھے، غیر جانب دار رہنے کا اعلان کیا - اتحادیوں نے محسوس کیا کہ ایران ان کے لیے ہر لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے - برطانیہ ایران کے ذریعے سامان جنگ بآسانی روس پہنچا سکتا ہے - ایرانی تیل سے بھی اس جنگ میں کام لیا جا سکتا ہے - اس لیے اتحادیوں نے حکومت ایران سے مدد حاصل کرنی چاہی لیکن شاہ ایران ان سے متفق نہ تھے - اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ادھر روس نے شمالی طرف سے اپنی فوجیں ایران میں داخل کر دیں، ادھر انگریزوں نے عراق سرحد اور خلیج فارس کے آس پاس فوجیں اتار دیں - ایرانی بحریہ نے ان کا مقابلہ کیا لیکن اسے کامیابی نہ ہو سکی - اب اتحادیوں نے حکومت ایران کو مجبور کیا کہ سامان جنگ روس پہنچانے کے لیے راستہ بھی دے اور تیل بھی فراہم کرے - اعلیٰ حضرت رضا شاہ کو یہ صورت حال کسی صورت بھی گوارا نہ تھی -

تخت و تاج سے دست برداری

اعلیٰ حضرت رضا شاہ اتحادیوں کے دباؤ میں آنے کو تیار نہ تھے -

آخر ۱۹۴۱ع میں شاہزادہ ولی عہد محمد رضا پہلوی کے حق میں دست بردار ہو کر وطن کو خیرباد کہہ گئے اور زندگی کا باقی حصہ جوہنسبرگ (جنوبی افریقہ) میں گزارا ۔

وفات

رضا شاہ کبیر نے جوہنسبرگ میں ۱۹۴۴ع میں وفات پائی اور ۱۹۵۰ع میں ان کی میت ایران لا کر ایک عظیم الشان مقبرے میں احاطہ شاہ عبدالعظیم میں دفن کی گئی ۔

اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی

ایران اس لحاظ سے بہت خوش نصیب ملک ہے کہ اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی کے بعد ان کے بیدار مغز ، قوی ہمت اور محب وطن فرزند اعلیٰ حضرت شاہنشاہ ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی نے عنان حکومت سنبھالی اور نامساعد سیاسی حالات کو ملک کے لیے سازگار بنایا ۔

اعلیٰ حضرت محمد رضا شاہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۱۹ع کو پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم تہران میں پائی ۔ بارہ سال کی عمر میں لوزان گئے ۔ وہاں کچھ عرصہ تعلیم پانے کے بعد سوئزرلینڈ چلے گئے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۳۹ع میں وطن واپس آئے اور ۱۹۴۱ع میں رضا شاہ پہلوی کی تخت و تاج سے دست برداری کے بعد سریر آرائے سلطنت ہوئے ۔

آپ نے عنان حکومت سنبھالتے ہی اعلان کیا کہ ملک میں زیادہ سے زیادہ جمہوری حکومت قائم کی جائے گی ۔ عوام کے نمائندے جو مجلس کے لیے منتخب ہوں گے ، اپنے حدود کار میں پوری طرح آزاد ہوں گے اور نظم و نسق میں انہیں زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل ہوں گے ۔ اس اعلان کی آپ نے حرف بحرف پیروی کی اور دستور اور پارلیمنٹ کا پورا پورا احترام کیا جس کی وجہ سے آپ کو ملک بھر میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی ۔

شاہنشاہ کی انتظامی اور سیاسی بصیرت کی تربیت آپ کے والد رضا شاہ پہلوی نے کی تھی اور عملی تجربہ کے لیے امور سلطنت میں سرگرم حصہ لینے کے مواقع بھی فراہم کیے تھے ۔ چنانچہ آپ نے والد کے ترقیاتی

منصوبوں کو نہایت احسن طریقے سے انجام دیا اور خود جو اصلاحات کیں وہ آپ کی حب الوطنی ، ذہانت اور قوت عمل کی روشن دلیلیں ہیں ۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد

دوسری جنگ عظیم میں روس ، برطانیہ اور دوسرے اتحادیوں کو فتح ہوئی ہی تھی کہ ۱۹۴۳ع میں روس ، برطانیہ اور امریکہ کی سہ مملکتی کانفرنس تہران میں منعقد ہوئی جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایران کی مکمل خودمختاری تسلیم کر لی جائے اور حکومت ایران کو ملکی ترقی کے منصوبوں کے لیے اقتصادی امداد دی جائے۔ اس پر فوری عمل شروع کرنے کا فیصلہ ہوا ۔ تینوں ملکوں نے اپنی فوجیں ایران سے نکال لیں ۔ ایران کی سرحدوں کا تعین ہو گیا اور ملکی اصلاحات کے لیے حکومت ایران کو اقتصادی امداد بھی ملنے لگی ۔

سات سالہ منصوبہ

۱۹۴۹ع میں اعلیٰ حضرت محمد رضا شاہ پہلوی کی رہنمائی میں ایرانی پارلیمنٹ نے ملک کی ہمہ جہتی ترقی کے پیش نظر سات سالہ منصوبہ تیار کیا ۔ منصوبے میں زراعت کی ترقی ، جنگلات کا تحفظ ، ذرائع نقل و حمل کی توسیع ، اشاعت تعلیم ، ملکی صنعتوں کی ترقی ، آبپاشی کا بہتر نظام ، کان کنی ، بنکاری اور فولاد کی صنعتوں کا قیام شامل تھا ۔

ڈاکٹر مصدق کے دور وزارت میں منصوبے کا تعطل

سات سالہ منصوبے کو بروئے کار لانے میں بڑی گرم جوشی سے عمل شروع ہوا تھا لیکن ۱۹۵۱ع میں ایک ناخوش گوار واقعہ پیش آیا جس سے منصوبے کی رفتار عمل قائم نہ رہ سکی ۔ اس کا ذمے دار ایک انتہا پسند قومی رہنما ڈاکٹر مصدق ہے ۔ اسے ۱۹۵۰ع میں اپنی وزارت بنانے کا موقع ملا ۔ اس نے اپریل ۱۹۵۱ع میں مٹی کے تیل کی صنعت کو قومی ملکیت میں لینے کا انتہائی قدم اٹھایا ۔ اس سے تیل کا وہ معاہدہ یک قلم منسوخ ہو گیا جو اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی کے عہد میں ۱۹۳۳ع میں طے پایا تھا ۔ مئی ۱۹۵۱ع میں برطانوی حکومت اور "اینگلو ایرانین آئل کمپنی" نے بین الاقوامی عدالت کی طرف رجوع کیا ۔

یران کا موقف یہ تھا کہ یہ مسئلہ عدالت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔ بہرحال جولائی ۱۹۵۲ء میں ایران کا یہ موقف تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن معاہدہ کی منسوخی کا ردعمل ایران کے لیے نہایت ضرر رساں ثابت ہوا۔ ادھر حکومت ایران کے لیے دفعتاً تیل کے وسیع کاروبار کا سنبھالنا ممکن نہ تھا، ادھر انگریز اور دوسرے غیر ملکی، جن کا تعلق تیل کی صنعت سے تھا، سخت برہم ہوئے۔ حکومت ایران کی کوشش سے جو تھوڑا بہت تیل نکلا اس کی برآمد روکنے کے لیے یورپی طاقتوں نے اپنا ہر حربہ استعمال کیا۔ اس سے تیل کی صنعت مفلوج ہو کر رہ گئی اور ایران طرح طرح کی مشکلات سے دوچار ہو گیا۔ ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو حکومت ایران نے برطانیہ سے سفارتی تعلقات منقطع کر لیے۔ اسی دوران شاہنشاہ اور ڈاکٹر مصدق کے مابین اختلاف پیدا ہو گیا، جس نے بالآخر بہت جلد شدید نوعیت اختیار کر لی۔ مجلس ملی کے متعدد ارکان ڈاکٹر مصدق کے رویے کے خلاف احتجاجاً مستعفی ہو گئے۔ مصدق نے جواباً مجلس کو توڑ کر نئی مجلس قائم کی۔ یہ ملکی بدامنی کی طرف دوسرا قدم تھا۔ شاہنشاہ ملک کو خوں ریزی اور خانہ جنگی سے بچانے کے لیے ملک سے باہر چلے گئے۔ لیکن تین ہی روز بعد فرمان ہمایونی کے تحت ڈاکٹر مصدق کی وزارت توڑ دی گئی۔ مصدق نے شدید مزاحمت کی لیکن محب وطن جنرل زاہدی وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالنے میں کامیاب ہو گئے۔ مصدق اور اس کے رفقائے کار گرفتار کر لیے گئے اور شاہنشاہ وطن واپس آ گئے۔ دسمبر ۱۹۵۳ء میں حکومت ایران نے برطانیہ کے ساتھ سفارتی تعلقات پھر سے قائم کر لیے۔ انگریزوں سے حکومت ایران نے ۱۹۵۴ء میں ایک نیا معاہدہ کیا اور تیل نکالنے کا کام ایک نئی کمپنی کے سپرد ہوا جس کا نام ''نیشنل ایرانین آئل کمپنی'' ہے۔ معاہدے کی رو سے یہ طے پایا کہ کمپنی جو تیل نکالے گی اسے بارہ کمپنیوں کے ہاتھ فروخت کیا جائے گا اور کل تیل کا ساڑھے بارہ فی صد حکومت ایران کو ملے گا۔ ملکی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایران کی قومی تیل کمپنی ''نفت شاہ'' کے چشموں اور کرمان شاہ کی فیکٹری سے کام لے گی۔ اس سے ایران کو تقریباً آٹھ کروڑ چالیس لاکھ روپے سالانہ آمدنی ہونے لگی۔



کاخ گلستان

معاشرتی نظام کی ہمہ گیر تبدیلی یا انقلاب سفید

اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی اپنی تقریروں میں اس بات پر اکثر زور دیتے رہے تھے کہ ایران کے معاشرتی نظام کو بدلنے کے لیے ایک ایسے پر امن انقلاب کی ضرورت ہے جو کاشتکاروں، صنعت کاروں اور مزدوروں کی حالت بہتر بنا دے - چنانچہ ۱۹۶۲ع میں آپ کی مسلسل کوششوں سے ایک ایسا انقلاب رونما ہو گیا جس نے محنت کش طبقے کی کایہ پلٹ دی - یہ انقلاب تعمیری ہے اور اس کے بانی خود شاہنشاہ ہیں اس لیے یہ ''انقلاب سفید'' کے نام سے موسوم ہوا - اس نہ گانہ انقلاب سفید کے دائرہ ہائے عمل درج ذیل ہیں :

۱ - اصلاح اراضی

''انقلاب سفید'' کا آغاز اصلاح اراضی سے ہوا - شاہنشاہ کو ہمیشہ یہ احساس رہا ہے کہ ملکی معیشت میں دیہات اور اہل دیہات کا بہت بڑا حصہ ہے - اس لیے ان پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے - لیکن ایران کے دیہات عموماً بڑے زمینداروں کی ملکیت ہیں جو پیداوار کا معتدبہ حصہ خود لے لیتے ہیں اور کاشتکاروں کی فلاح و بہبود کا انھیں کوئی خیال نہیں ہوتا اس لیے کاشتکاروں کو زمین اور زمین کی پیداوار سے وہ لگاؤ نہیں ہوتا جو مالک ہونے کی صورت میں ہو سکتا ہے - چنانچہ اس مشکل مسئلے کو حل کرنے کے لیے شاہنشاہ[1] نے یہ عملی قدم اٹھایا کہ شاہی جاگیر کی پچاس لاکھ ایکڑ اراضی ۱۹۵۲ع میں ۲۵ ہزار کاشتکارں میں تقسیم کرکے انھیں اراضی کا مالک بنا دیا - اس اقدام کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ بعض بڑے زمینداروں نے بھی اپنی اراضی کاشتکاروں کے ہاتھ فروخت کر دی - اس سے زمین کی پیدوار پہلے کی بہ نسبت کئی گناہ بڑھ گئی -

اصلاح اراضی کے لیے ایک قانون بھی وضع ہوا لیکن اس کے راستے میں متعدد رکاوٹیں حائل ہوئیں - اس کی مختصر سی سرگذشت یہ ہے -

---

۱ - اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی : Mission for My Country ، صفحہ ۲۰۱ -

اصلاح اراضی کی ابتدا ۱۹۵۲ع میں شروع ہوئی جب کہ شاہنشاہ نے شاہی جاگیر کی اراضی کو کسانوں میں تقسیم کیا - لیکن اصلاح اراضی کا منشا ابھی پورا نہیں ہوا تھا اس لیے شاہنشاہ کی طرف سے ۱۹۶۰ع میں اصلاح اراضی کا ایک بل پیش ہوا جس کی غرض و غایت یہ تھی کہ کوئی بڑا زمیندار ایک مقرر حد سے زائد زمین کا مالک نہیں رہ سکتا - اس بل سے بڑے زمینداروں پر زد پڑتی تھی اس لیے وہ مشترکہ مفاد کی حفاظت کے لیے متحد ہو گئے اور اس مسودۂ قانون کی شدید مخالفت کی - آخر وہ مسودۂ قانون میں ایسی ترمیمیں کرانے میں کامیاب ہوگئے جن سے قانون کی ہیئت ہی بدل گئی اور اس طرح جو قانون ۹ جنوری ۱۹۶۱ع میں منظور ہوا اس سے کاشتکاروں کے بجائے زمینداروں اور جاگیرداروں ہی کے مفاد کا تحفظ ہو گیا - لیکن یہ صورت حال ایسی تھی کہ اس سے نہ شاہنشاہ ہی کی دلی آرزو پوری ہوئی نہ ملت ایران ہی مطمئن ہو سکی - بہرحال ایران کے ترقی پسند اور فہمیدہ اشخاص میں سیاسی بیداری پیدا ہو چکی تھی اور وہ کاشتکاروں کو بڑے زمینداروں کی دست برد سے بچانے کی کوششوں میں مصروف رہے - ۲۶ جنوری ۱۹۶۲ع کو شاہنشاہ نے اپنا اصلی مسودۂ قانون رائے عامہ کے استصواب کے لیے مشتہر کرایا جس میں پچپن لاکھ اٹھانوے ہزار سات سوگیارہ افراد نے اس کے حق میں اور چار ہزار ایک سو پندرہ نے اس کے خلاف رائے دی - اس طرح عوام کی بھاری اکثریت نے اس بل کی تائید کر دی -

قانون اصلاح اراضی

اس قانون کے دو حصے تھے - پہلا حصہ ان بڑے زمینداروں سے متعلق تھا جو وسیع اراضی کے مالک تھے - اس کی رو سے ہر زمیندار اپنی کل زمین (شش دانگ) کا دسواں حصہ اپنے پاس رکھ سکتا تھا اور بقیہ زمین اسے مناسب قیمت پر حکومت کے ہاتھ بیچنی تھی ، جو دس سال کے عرصے میں واجب الادا تھی - اس طرح حکومت جو زمین خریدتی ، وہ کسانوں کے ہاتھ فروخت کردیتی تھی - اس کی قیمت پندرہ سال کے عرصے میں واجب الادا تھی - اس طرح رفتہ رفتہ بڑے زمینداروں کی زمینیں خرید کر کسانوں کو ان کا مالک بنا دیا گیا -

قانون کا دوسرا حصہ چھوٹے زمینداروں سے متعلق تھا - یہ زمیندار مقرر کردہ حد سے کم زمین کے مالک تھے اس لیے کاشت کاروں اور مالکوں کے حقوق متعین کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے- مثلاً زمین کا پٹے پر دینا اور زائد زمینوں کو کاشت کاروں کے ہاتھ فروخت کرنا کاشت‌کار اور مالک پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ اپنے مفاد کے پیش نظر جو طریق کار اپنے لیے بہتر سمجھتے ہوں اختیار کر لیں -

زرعی ترقیاتی بنک : شاہی جاگیر کی اراضی کی فروخت سے جو رقم وصول ہوئی اس سے کاشت‌کاروں کی بہبودی کےلیے امداد باہمی کے اصولوں پر زرعی ترقیاتی بنک قائم کر دیا گیا - اس بنک سے زمینداروں کو اچھا بیج اور زرعی آلات خریدنے کے لیے تقاوی قرضے دیے جاتے ہیں - اور بنک کے سرمائے سے جدید زرعی آلات درآمد کیے جاتے ہیں - چند سال پہلے تقریباً پندرہ سوٹریکٹر درآمد کرکے کاشت‌کاروں کو آسان قسطوں پر دیے گئے - یہ بنک[1] چار لاکھ ساٹھ ہزار پاؤنڈ کے سرمائے سے شروع ہوا جس کا نصف سرمایہ ادا شدہ ہے -

۲ - جنگلات قومی ملکیت میں

کسی ملک کے جنگلات کو وہاں کی اقتصادی اورصنعتی زندگی میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے - ایران جنگلات کے معاملے میں بھی بہت خوش نصیب ہے - بحیرۂ خزر کے ساحلی علاقوں اور کوہ البرز کے دامن میں بہت سے جنگلات پائے جاتے ہیں ، جو لوگوں کی ذاتی ملکیت چلے آتے تھے - زمیندار جنگلات کی جغرافیائی اور اقتصادی اہمیت سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے وقتاً فوقتاً درخت کٹواتے اور دوبارہ ان کی جگہ درخت لگوانے کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے جس سے یہ جنگلات رفتہ رفتہ ریگستان میں تبدیل ہونے لگے تھے - حکومت ایران نے اس ضروری مسئلے کی طرف توجہ دی اور شعبۂ جنگلات قائم کیا گیا -

---

۱ - اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی : Mission for My Country ، صفحہ ۲۰۲ -

اس صورت میں بھی جنگلات اگرچہ لوگوں کی ذاتی ملکیت ہی رہے لیکن ان میں درخت کاری اور درختوں کے تحفظ کی ذمے داری حکومت نے لے لی - ۱۹۶۲ع میں جنگلات کو قومی ملکیت میں لینے کی جد و جہد شروع ہوئی - شاہنشاہ ایران نے لوگوں پر یہ حقیقت واضح کرنی چاہی کہ "جنگل[1] ملک کی ایسی دولت ہے، جس کی نشو و نما کی خود قدرت ذمے دار ہے - کسی انسان نے اس کی نشو و نما کے لیے زحمت نہیں اٹھائی، اور یہ واضح بات ہے کہ جس چیز کو قدرت نے پورے ملک کے لیے بنایا ہے وہ افراد کی ملکیت نہیں ہو سکتی -" جنگلات کو قومی ملکیت میں لینے کا کام دشواریوں سے خالی نہ تھا، لیکن شہنشاہ کے خلوص نے یہ کام آسان کر دیا اور ملکی جنگلات قومی ملکیت میں لے لیے گئے اور جنگلات کی اراضی کے عوض مالکان کو حکومت کے خزانے سے معقول معاوضہ ادا کر دیا گیا -

۳ - سرکاری کارخانوں میں عوام کی حصے داری

"انقلاب سفید" کا تیسرا منصوبہ سرکاری کارخانوں میں عوام کو حصے دار بنانا تھا - ایران کے سب اہم کارخانے حکومت کی ملکیت تھے اور کارخانوں کو چلانے کا کام بھی حکومت ہی کرتی تھی عوام کی اس سے کوئی دل بستگی نہ تھی - اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ کارخانوں کے حصص عوام کے ہاتھوں فروخت کرکے انھیں مالک کی حیثیت دے دی جائے - چنانچہ ۱۹۶۲ع میں فروخت حصص کا قانون پاس ہوا اور اس کی رو سے عوام کو ملک کے صنعتی نظام میں براہ راست شریک کر دیا گیا تاکہ وہ جہاں منافع میں شریک ہوں، وہاں اپنے مشوروں سے کارخانوں کے کاروبار کو مفید تر بھی بنا سکیں - اس کا خوش گوار اثر یہ ہوا کہ سرمایہ داروں، مزدوروں اور عوام نے اس کاروبار میں زیادہ سے زیادہ دل چسپی لی اور صنعتی پیداوار میں کئی گنا اضافہ ہو گیا -

۴ - کارخانوں کے منافع میں مزدوروں کا حصہ

کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی حالت عموماً بہت پست ہوتی ہے - وہ زندگی کی عام سہولتوں سے بھی محروم ہوتے ہیں - اس

---

۱ - اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ: انقلاب سفید، صفحہ ۷۱ -

صورت حال سے کبھی کبھی سرمایہ داروں اور مزدوروں میں تصادم بھی ہو جاتا ہے - حکومت نے اس کشیدگی کو اس طرح دور کیا کہ قانون بنا کر مزدوروں کو منافع میں حصہ دار بنا دیا گیا - اس سے صورت حال بہت بہتر ہو گئی اور صنعتی پیداوار پہلے سے کئی گنا زیادہ ہو گئی -

۵ - اصلاح قانون انتخابات

شہنشاہ ہمایوں محمد رضا شاہ لکھتے ہیں[۱] : ''ملک میں مشروطیت کے قیام کو ساٹھ سال ہو چکے تھے، لیکن ۱۳۴۱ شمسی تک ایران جمہوریت کے صحیح مفہوم سے عاری تھا - جمہوریت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ عوام کو ملکی معاملات میں رائے دینے کا حق حاصل ہو، لیکن ایران کے دستور کے تحت ملک کی نصف آبادی یعنی خواتین رائے دینے کے حق سے محروم تھیں اور دوسرا نصف حصہ، جسے رائے دینے کا حق تھا، وہ زیادہ‌تر صاحب اقتدار لوگوں، سرمایہ داروں اور حکام کے زیر اثر طبقے پر مشتمل تھا - یہی لوگ مجلس کے ممبر منتخب ہوتے اور کراتے اور ملکی قانون بناتے تھے - کوئی معمولی زمیندار، چھوٹا کارخانے دار یا محنت‌کش طبقے کا کوئی فرد مجلس میں قوم کی نمایندگی کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لا سکتا تھا - اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ زیادہ تر ناخواندہ ہوتے تھے - اور جو خواندہ تھے بھی، ان کی رائے با اختیار لوگوں کی منشا کے تابع ہوتی تھی - ظاہر ہے ایسی مجلس اور مجلس کے وضع کیے ہوئے قوانین کے ساتھ جمہور کی دلی وابستگی نہ ہو سکتی تھی - چنانچہ ''انقلاب سفید'' کا تیسرا دائرۂ عمل ''اصلاح قانون انتخاب'' تھا جسے شاہنشاہ نے ۱۹۶۲ع میں نافذ کیا - اس کی رو سے ہر بالغ شخص اور خواتین کو رائے دینے کا حق حاصل ہو گیا اور مجلس ملی ایران کو زیادہ سے زیادہ جمہوری حیثیت حاصل ہو گئی -

۶ - سپاہ دانش

انقلاب سفید کا ایک اہم عنصر ''سپاہ دانش'' کا قیام ہے - حضرت

---

۱ - اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ : انقلاب سفید، صفحہ ۱۰۳ -

رضا شاہ کبیر کے عہد میں شہروں میں تعلیم کی طرف تو توجہ دی جاتی تھی ، یہاں تک کہ پایۂ تخت تہران میں ایک عظیم الشان یونیورسٹی قائم ہو چکی تھی - تعلیم و تربیت کے بعض دوسرے ادارے بھی جاری ہو گئے تھے - اب جو اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی نے حکومت سنبھالی تو انھوں نے تعلیم کو اور پھیلایا اور مشہد ، اصفہان ، شیراز ، تبریز اور اہواز میں بھی یونیورسٹیاں قائم کیں - اب انھوں نے دور افتادہ دیہات اور خانہ بدوشوں کے خیموں تک بھی تعلیم پھیلانے کی ضرورت محسوس کی - چنانچہ "سپاہ دانش" کا ادارہ قائم کیا گیا جس کا دائرۂ عمل دیہات کے لیے مخصوص تھا - "سپاہ دانش" میں وہ نو عمر لوگ شامل ہوتے ہیں جو ہائی سیکنڈری سکول سے فارغ التحصیل ہو جاتے ہیں اور جن کے لیے جبری فوجی تربیت حاصل کرنا ضروری ہے - فوجی تربیت کے بجائے ان کو چار ماہ کی تعلیمی تربیت دے کر دور دراز علاقوں میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں وہ بچوں اور بالغوں کو تعلیم دیتے ہیں - یہ نو عمر حب وطن کے جذبے کے تحت تعلیمی خدمات سرانجام دیتے ہیں - "سپاہ دانش" نے پانچ سال کے عرصے میں دیہات کے چار لاکھ پچاس ہزار لڑکوں ، ایک لاکھ بیس ہزار لڑکیوں ، دو لاکھ چالیس ہزار بالغ مردوں اور گیارہ ہزار بالغ عورتوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آیندہ دس بیس سالوں میں ایران سے بے علمی کا خاتمہ ہو جائے گا - "سپاہ دانش" کا کام محض تعلیم و تدریس ہی نہیں بلکہ اقتصادی اور معاشرتی زندگی میں اہل دیہات کی رہنمائی کرنا بھی ہے - "وزارت[1] آموزش و پرورش" کی اطلاع کے مطابق اس عرصے میں دیہاتیوں کے تعاون سے دس ہزار نئے پرائمری سکول کھولے گئے ہیں اور چھ ہزار سکول جو پہلے سے موجود تھے ، ان کی ازسرنو تنظیم کی گئی ہے -

---

۱ - اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی : انقلاب سفید صفحہ ۱۲۹ -

۷ - سپاہ بہداشت (صحت)

''سپاہ دانش'' کے بعد ایک اور ادارہ ''سپاہ بہداشت'' کے نام سے قائم ہوا ہے - اس کی غرض و غایت دیہات میں ہسپتال قائم کرنا اور اہل دیہات کو صحت و صفائی کے اصولوں سے آگاہ کرنا ہے - یہ سپاہ ان ڈاکٹروں اور زیر تربیت ڈاکٹروں پر مشتمل ہوتی ہے جو تعلیم کے دوران یا تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد دیہات کی بہبود کے لیے اپنی خدمات رضا کارانہ طور پر پیش کرتے ہیں -

''سپاہیان[1] بہداشت ان دور افتادہ دیہاتوں اور خانہ بدوشوں کے ٹھکانوں تک بھی پہنچتے ہیں جہاں بیماریوں کا علاج محض ٹونے ٹوٹکوں سے کیا جاتا تھا- ''سپاہ بہداشت'' کی سرگرمیاں صحتی سہولتیں بہم پہنچانے تک ہی محدود نہیں بلکہ انجینئروں کی مدد سے مناسب جگہوں پر کنوئیں کھدوانا ، نلکے لگوانا اور زیر زمینی نالوں کی دیکھ بھال کرنا بھی ان کے دائرہ عمل میں شامل ہے -''

''وزارت بہداشت'' کی اطلاع کے مطابق سپاہیان[2] بہداشت سترہ ہزار مرتبہ دور افتادہ علاقوں میں پہنچے - دیہاتیوں کی بیماریوں کا علاج کیا - اصول صحت و معاشرت سے انھیں آگاہ کیا - دیہاتیوں کے تعاون سے چار ہزار کنوئیں اور ایک ہزار سے زائد زیر زمینی نالے کھدوائے یا مرمت کرائے- ایک سو پچاس ہسپتال قائم کرائے اور ستائیس دیہات میں پانی کی بہم رسانی کے لیے نلکے لگوائے-

۸ - سپاہ ترویج و آبادانی

تیسری سپاہ انقلاب کا نام ''سپاہ ترویج و آبادانی'' ہے- یہ سپاہ دیہات سدھار کے لیے ۱۹۶۴ع میں قائم ہوئی - اس کی غرض و غایت یہ ہے کہ کاشت‌کاروں کو کھیتی باڑی کے نئے طریقوں سے آگاہ کرے - زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے میں رہنمائی کرے - شاہراہوں کے ساتھ ارتباط پیدا کرنے کی ضرورت کا احساس دلائے- دور افتادہ مقامات پر بجلی پہنچانے

---

۱ - اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی : انقلاب سفید ، صفحہ ۱۵۲ -

۲ - ایضاً صفحہ ۱۶۲ -

کا انتظام کرے - دیہاتی صنعتوں کے قیام میں مدد دے - فنی اطلاعات بہم پہنچائے - اس سپاہ نے اہل دیہات میں وقت کے نئے تقاضے سمجھنے کا شعور پیدا کرنے میں بہت کامیابی حاصل کی ہے -

۹ - خانہ ہائے انصاف

ملک میں عدل و انصاف کو آسان تر کرنے کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ فرماتے ہیں : ''انقلاب[1] سفید'' کے اس نویں دائرۂ عمل میں ہم نے کوشش کی ہے کہ اہل دیہات کو دوسرے طبقوں کے لوگوں کی طرح عدل و انصاف کی نعمت سے بہرہ مند کریں - اس کے لیے ہم نے منطقی طریقے سے اقدامات کیے ہیں - یعنی بجائے اس کے کہ اہل دیہات کو داد طلبی اور حق رسی کے لیے پائے تخت یا دوسرے شہروں میں جانا پڑے عدالت کو ہم ان کے پاس لے گئے ہیں - دیہات میں عدالتیں قائم کر دی گئی ہیں جو پنچائتوں کے اصول پر کام کرتی ہیں -''

وزارت عدل کی اطلاع کے مطابق ایسی آٹھ سو عدالتیں دیہات میں قائم ہو چکی ہیں - یہ عدالتیں ۱۹۶۶ع کے قانون عدالت کے تحت قائم ہوئی ہیں - عدالت ، جسے ''انصاف خانہ'' کہا گیا ہے ، پانچ ارکان پر مشتمل ہے - یہ ارکان تین سال کے لیے منتخب ہوتے ہیں - ایک رکن وزارت عدل مقرر کرتی ہے - ارکان عدالت اپنے ہاں کے حالات کو بخوبی جانتے ہیں ، اس لیے عدل و انصاف کے تقاضے بہت جلد اور باآسانی پورے ہو جاتے ہیں -

شاہنشاہ کے ان اقدامات سے ملک میں اصلاحی انقلاب ظہور میں آیا ہے جس میں عوام بڑی دلچسپی لے رہے ہیں - اس سے عوام میں سیاسی بیداری پیدا ہوئی ہے اور ملت ایران شاہراہ ترقی پر گامزن ہو گئی ہے -

انقلاب سفید کی ترقیاتی سکیموں کے علاوہ مختلف میدانوں میں جو کام ہو رہا ہے مختصراً درج ذیل ہے -

---

۱ - اعلیٰ حضرت ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی : انقلاب سفید صفحہ ۱۷۰ -

معدنی ذخائر اور صنائع

قدرت نے سرزمین ایران کو معدنی دولت سے مالا مال کیا ہے - مٹی کے تیل کا ذکر آ چکا ہے - کان کنی کے کام پر اس سے پہلے بہت زیادہ توجہ نہیں دی گئی تھی لیکن دور حاضر میں معدنی ذخائر جدید طریقوں سے نکالے جا رہے ہیں - ایرانی لوہے کو ڈھالنے کا ایک کارخانہ زیر تعمیر ہے - ایران میں پارہ ، سم الفار ، باکسائیٹ ، کرومائیٹ ، کوئلہ ، تانبہ ، سیسہ ، میگنیشیم ، قلعی اور جست وغیرہ بھی نکالا جاتا ہے - معدنیات سے کام لینے کے لیے جدید قسم کے کارخانے قائم کیے گئے ہیں جن سے روزمرہ استعمال کی چیزیں تیار ہوتی ہیں -

سوتی کپڑا اصفہان میں تیار ہوتا ہے - بعض دوسرے شہروں میں بھی سوتی کپڑے کے چھوٹے چھوٹے کارخانے ہیں - تبریز میں اونی کپڑے اور چالوس میں ریشمی کپڑے کے کارخانے ہیں - ماژندران پٹ سن اور ریشم کی پیداوار کے لیے مشہور ہے - قالین بافی ایران کی قدیمی صنعت ہے - سیمنٹ کے کارخانوں میں تقریباً سات لاکھ پینتیس ہزار ٹن سیمنٹ تیار ہوتا ہے - ۱۹۶۰ع میں ملک بھر میں چھوٹے بڑے کارخانوں کی تعداد چار ہزار چار سو تیس تھی ، ان میں کم و بیش ایک لاکھ مزدور کام کرتے ہیں - اسلحہ بنانے کے کارخانے حکومت کے زیر اہتمام چلتے ہیں -

مواصلات

ایران میں پندرہ ہزار میل لمبی سڑکیں موجود ہیں - ریلوں کا بھی جال بچھایا جا رہا ہے - ٹرانس ایرانین ریلوے نو سو میل لمبی ہے - متعدد مقامات پر بے تار برق کے مرکز قائم کیے گئے ہیں - بغداد ، لندن ، بورن اور نیویارک کے ساتھ ریڈیو فون کے ذریعے بھی رابطہ قائم کیا گیا ہے - بین الاقوامی فضائی کمپنیوں کے راستے ایران سے ہو کر گزرتے ہیں - تہران اور آبادان میں بین الاقوامی ہوائی اڈے قائم ہیں - ہوائی پرواز ''ایرانین ایرویز'' سے متعلق ہے - اس کے ہوائی جہاز پاکستان ، بھارت افغانستان کے علاوہ مشرق وسطیٰ اور یورپ کو بھی جاتے ہیں -

بجلی

ایران میں جو بجلی پیدا ہوتی ہے ، صنعت کے علاوہ عام ضروریات

کے لیے کافی ہے - ''دز رود'' بند سے پانچ لاکھ بیس ہزار کلوواٹ اور ''کرج بند'' سے ایک لاکھ بیس ہزار کلوواٹ بجلی حاصل ہوتی ہے - ''سفید رود'' بند کے تعمیر ہونے سے چونسٹھ ہزار کلوواٹ بجلی اور بھی پیدا ہوگی -

تجارتی مراکز

ایران کے تجارتی مراکز تبریز ، تہران ، ہمدان ، مشہد اور اصفہان ہیں۔ بندر عباس ، خرم شہر ، بوشہر ، بندر شاپور ، استرہ اور بندر پہلوی یہاں کی مشہور بندرگاہیں ہیں جن کے ذریعے بیرونی ممالک سے تجارت ہوتی ہے -

زراعت

اہل ایران کا سب سے بڑا پیشہ زراعت ہے - زراعت سے اتنی گندم حاصل ہو جاتی ہے جو ملکی ضروریات کے لیے کافی ہوتی ہے - بحیرۂ خزر کے ساحلی علاقوں پر عمدہ قسم کا چاول بافراط ہوتا ہے - ۱۹۶۰ع میں چاول کی پیداوار تقریباً چھ لاکھ چوراسی ہزار ٹن ہوئی - ہموار میدانوں میں نیشکر بھی کاشت ہوتا ہے - اسی سال نیشکر پانچ لاکھ اٹھاسی ہزار ٹن ہوا - کپاس نوے ہزار ٹن ، دالیں تریسٹھ ہزار ٹن ، روغنی بیج سات ہزار ٹن اور چائے نو ہزار ٹن پیدا ہوئی - پھل ہر قسم کا یہاں بکثرت ہوتا ہے ، جس میں انگور ، سیب ، ناشپاتی ، زرد آلو ، گیلاس ، پستہ ، بادام وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں -

آبپاشی

ملک میں سیلاب پر قابو پانے اور پانی کے ذخائر مہیا کرنے کے متعدد منصوبوں پر عمل ہو رہا ہے - ۱۹۶۳ع میں ''دز رود'' بند تعمیر ہوا جس کے ذریعے تین لاکھ ساٹھ ہزار ایکڑ کے صحرائی علاقہ میں کاشت ہونے لگی ہے - صوبہ گیلان میں رشت کے قریب ''سفید رود'' پر ایک بند زیر تعمیر ہے جس کی تکمیل کے بعد ساڑھے چار لاکھ ایکڑ زمین میں کاشت ہو سکے گی - اس کے علاوہ اور بند بھی تعمیر کیے جا رہے ہیں -

دستور ساز ادارے :

ملک کا اعلیٰ دستور ساز ادارہ ''مجلس ملی'' کے نام سے موسوم ہے۔ یہ ادارہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ع کو وجود میں آیا تھا ۔ دستور میں سنا (Senate) کی بھی گنجائش رکھی گئی تھی جو پہلی بار موجودہ شاہنشاہ کے عہد میں فروری ۱۹۵۰ع میں قائم ہوئی ۔ سنا ساٹھ ممبروں پر مشتمل ہے جن میں تیس شاہنشاہ کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں ، باقی ممبر منتخب ہوتے ہیں ۔ ۱۹۴۹ع اور ۱۹۵۷ع کے دستور کے ماتحت مجلس ملی کے ممبروں کی تعداد ایک سو چھتیس تھی جو اب بڑھا کر دو سو کردی گئی ہے ۔ مجلس کے ممبر پہلے دو سال کے لیے مقرر ہوتے تھے اب ان کی میعاد چار سال کردی گئی ہے ۔ دستور کے مطابق شاہنشاہ کو اختیار ہے کہ مجلس اور سنا دونوں ایوانوں کو برطرف کر دے ۔ مالیات کے سلسلے میں جو قوانین منظور ہوتے ہیں ، شاہنشاہ کو حق حاصل ہے کہ ان پر نظرثانی کے لیے انہیں دوبارہ مجلس کو بھیج دے ۔ مالیات کے علاوہ جو قوانین مجلس منظور کر لیتی ہے ان کی توثیق شاہنشاہ کرتے ہیں ۔

ملکی مالیات

۱۹۶۵—۱۹۶۶ع میں مالیات کا جوگوشوارہ تیار ہوا اس سے پتا چلتا ہے کہ ایران کی سالانہ آمدنی ایک ارب پچھتر کروڑ ریال اور خرچ ایک ارب چھہتر کروڑ ریال ہے ۔ ۱۹۶۰ع تک ایران نے جو خارجی ممالک سے مالی امداد حاصل کی اس کی تفصیل یہ ہے ۔ (۱) ترقیاتی بنک سے دو کروڑ باسٹھ لاکھ ڈالر (۲) درآمدی و برآمدی بنک سے پندرہ لاکھ ڈالر (۳) حکومت ریاستہائے متحدہ امریکہ سے بائیس لاکھ ڈالر (۴) سوویٹ روس سے بطور قرضہ پینتیس لاکھ روبل ۔

تیسرے ہفت سالہ منصوبے (۱۹۶۲ع تا ۱۹۶۸ع) کے لیے دو ارب ریال کی رقم مخصوص کی گئی ہے ۔ جو زراعت ، آبپاشی، وسائل نقل و حمل ، بجلی اور ایندھن ، معاشرتی بہبود اور صنعت و کان کنی پر صرف ہوگی ۔

صوبائی تقسیم

نظم و نسق کے لیے ایران تیرہ استانوں (صوبوں) میں منقسم ہے ۔

صوبوں کے گورنر ''استاندار'' کہلاتے ہیں - صوبوں کی کیفیت درج ذیل ہے -

(۱) گیلان : اس میں زنجان ، قزوین اور ارک شامل ہیں - آبادی پندرہ لاکھ ہے - صدر مقام رشت ہے -

(۲) ماژندران : اس میں گورگان (جرجان) دامغان اور شاہ رود شامل ہیں - آبادی سولہ لاکھ اور صدر مقام ساری ہے -

(۳) مشرقی آذربائیجان : آبادی ستائیس لاکھ اور صدر مقام تبریز ہے -

(۴) مغربی آذربائیجان : آبادی آٹھ لاکھ اور صدر مقام رضائیہ ہے-

(۵) کرمان شاہ: اس میں ہمدان بھی شامل ہے - آبادی سترہ لاکھ اور صدر مقام کرمان شاہ ہے -

(۶) خوزستان : اس میں لورستان کا علاقہ بھی شامل ہے - آبادی چوبیس لاکھ ہے اور صدر مقام اہواز - آبادی کے لحاظ سے یہ تیسرا بڑا صوبہ ہے -

(۷) فارس : اس کی آبادی سولہ لاکھ ہے اور صدر مقام شیراز ہے -

(۸) کرمان : آبادی نو لاکھ اور صدر مقام کرمان ہے -

(۹) خراسان : یہاں کی آبادی اٹھارہ لاکھ ہے اور صدر مقام مشہد ہے -

(۱۰) اصفہان : آبادی اٹھارہ لاکھ اور صدر مقام اصفہان ہے-

(۱۱) کردستان : آبادی پانچ لاکھ اور صدر مقام سنندج ہے -

(۱۲) سیستان و ایرانی بلوچستان : آبادی دو لاکھ پچاس ہزار اور صدر مقام زاہدان ہے -

(۱۳) وسطی صوبہ تہران و سمنان پر مشتمل ہے - اس کی آبادی اڑتالیس لاکھ ہے - آبادی کے لحاظ سے یہ سب سے بڑا صوبہ ہے ۔ اس کا صدر مقام تہران ہے جو حکومت پہلوی کا پائے تخت ہے -

ملکی دفاع

ملکی دفاع میں بری ، بحری اور ہوائی افواج شامل ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے :

بری فوج

بری فوج میں سترہ لاکھ سپاہی اور افسر شامل ہیں - پیدل فوج آٹھ ڈویژن پر مشتمل ہے - دو سال کے لیے فوجی تربیت حاصل کرنا ہر نوجوان کے لیے لازمی ہے -

بحری فوج

بحریہ میں ایک جنگی جہاز ، چار گشتی جہاز ، چار سرنگیں صاف کرنے والے جہاز ، ایک تیل بردار جہاز ، نو موٹر لانچیں اور ایک مرمت کرنے والا جہاز شامل ہیں -

فضائی فوج

فضائی فوج دس ہزار افراد پر مشتمل ہے - ایران کے پاس لڑاکا طیاروں کے چھ سکواڈرن ہیں - ان کے علاوہ پچھتر جیٹ جہاز اور پینسٹھ دوسرے طیارے ہیں - سویٹ روس سے اب مزید جنگی طیارے حاصل کیے جا رہے ہیں -

بین الاقوامی معاہدات

معاہدۂ بغداد

ملکی مدافعت کے سلسلے میں حکومت ایران نے اکتوبر ۱۹۵۵ء میں ''معاہدۂ بغداد'' میں شرکت کی جو آگے چل کر ''سنٹو'' کے نام سے موسوم ہوا - بنیادی طور پر یہ معاہدہ دفاعی تھا - اس میں ترکیہ ، عراق، ایران ، پاکستان اور برطانیہ شامل تھے -

معاہدۂ استنبول اور آر - سی - ڈی -

۱۹۶۴ء میں ایران ، ترکیہ اور پاکستان کے مابین ''معاہدۂ استنبول'' طے ہوا- جس کی رو سے ان ممالک کی ترقی کے لیے باہمی تعاون کا خوش آیند آغاز ہوا - اسی معاہدے کے تحت ''علاقائی تعاون برائے ترقی''

کا ادارہ (.R.C.D)[1] ۱۲ جولائی ۱۹۶۴ع کو قائم ہوا ہے - اس مختصر سے عرصے میں سہ طاقتی ادارے نے نہ صرف وسیع حدود کار متعین کی ہیں بلکہ منصوبہ سازی کے مراحل سے گزر کر اب یہ عمل کے میدان میں بھی سرگرم ہے -

آر - سی - ڈی - کے تحت تقریباً ۵۰ صنعتی منصوبے منظور ہوئے ہیں - ان میں سے بعض صنعتیں ، جنھیں ترقی دی جائے گی یا جو نئی صنعتیں قائم کی جائیں گی ، درج ذیل ہیں :

المونیم ، بنک نوٹ پیپر ، پٹ سن ، ٹیکسٹائل مشینری ، چائے کی صنعت کے لیے مشینری ، الیکٹرانک ، مشینی اوزار ، موٹروں کی اسمبلی ، ڈیزل انجن وغیرہ -

علاقائی تجارت

علاقائی تجارت کی ادائیگیوں کے لیے ایک معاہدہ انقرہ میں ۱۹۶۷ع میں ہوا - یہ علاقائی تجارت کے لیے نہایت اہم قدم ہے - یہ ادائیگیاں صرف تجارت کے کاروبار تک محدود ہوں گی - تینوں حکومتیں ان رکاوٹوں کا بھی جائزہ لے رہی ہیں جو علاقائی تجارت میں حائل ہیں -

پٹرولیم اور پیٹرو کیمیکل صنعتیں

مٹی کے تیل کے سلسلے میں تعاون تسلی بخش طریقے سے بڑھ رہا ہے - تیل کی دریافت کرنے ، کنوئیں کھودنے ، تیل نکالنے ، اسے صاف کرنے اور تیل اور قدرتی گیس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے اور تقسیم کرنے کے سلسلے میں اقدامات کیے جا رہے ہیں ، ''ازمیر آئل کمپنی'' کے منصوبے پر تسلی بخش طریقے سے عمل ہو رہا ہے- ایرانی تیل کے چشموں سے بحیرۂ روم کی ترکیہ کی بندرگاہ تک پائپ لائن بچھانے کے لیے بھی جائزہ لیا جا رہا ہے -

وسائل نقل و حمل

وسائل نقل و حمل کو بہتر اور مستحکم کرنے کے لیے آر - سی - ڈی - کے علاقے میں نمایاں ترقی ہوئی ہے -

---

۱ - Regional Cooperation for Development

شپنگ

باہمی جہاز رانی کے لیے اقدامات کیے جا رہے ہیں - آر - سی - ڈی - کی ''شپنگ سروس'' کے وجود میں آنے سے پاکستان اور ترکیہ کے مابین پہلی مرتبہ ایک بحری رابطہ قائم کیا گیا ہے جس سے علاقائی تجارت کے علاوہ دوسرے ممالک سے بھی کئی گنا تجارت بڑھ جائے گی -

آر - سی - ڈی - کی شاہراہ

۲۱ جولائی ۱۹۶۴ع کو پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں ایران ، ترکیہ اور پاکستان کے نمایندوں نے یہ تجویز منظور کی کہ تینوں ملکوں کو ایک شاہراہ کے ذریعے ملا دیا جائے - یہ شاہراہ کراچی سے براستہ کوئٹہ ایران کے شہر کرمان آئے گی - پھر تہران اور تبریز ہوتی ہوئی ترکیہ کے دارالحکومت انقرہ پہنچے گی - اس شاہراہ کی لمبائی تقریباً ۵۲۶۷ کیلومیٹر (۳۲۹۲ میل) ہوگی - اس سلسلے میں ترکیہ ۱۲۵۷ کیلومیٹر ، ایران ۲۷۰۰ کیلومیٹر اور پاکستان ۱۳۱۰ کیلومیٹر شاہراہ تیار کرے گا - شاہراہ کی تعمیر کا کام تسلی بخش طریقے سے جاری ہے -

ریلوے

آر - سی - ڈی - کے ارکان اس بات پر متفق ہیں کہ تینوں ممالک کو بذریعہ ریل ملانے کے سلسلے میں جو خلا ہیں انھیں ریل کی پٹڑی بچھا کر پر کر دیا جائے - ترکیہ اور ایران کے مابین ریل کا رابطہ تقریباً مکمل ہو رہا ہے اور اب حکومت ایران نے پاکستان کی سرحد تک ریل لانے کا کام شروع کر دیا ہے -

ہوائی رابطہ

تینوں ممالک کے مابین ہوائی ٹرانسپورٹ کا کام روبہ ترقی ہے - پی - آئی - اے - اور ایران ایئرویز نے براستہ استنبول اپنی جیٹ سروس ۱۹۶۶ع سے شروع کر دی ہے -

وسائل رسل و رسائل

آر - سی - ڈی - کے علاقے میں ڈاک اور ٹیلی کمیونیکیشن سروس کو

زیادہ بہتر بنانے کے لیے متعدد اقدامات کیے گئے ہیں - نیز ڈاک ، تار اور ٹیلیفون کے مواصلاتی نظام کی شرح کم ہو گئی ہے -

فنی تعاون

فنی تعاون کے لیے بھی ایک معاہدہ ہوا ہے جس کے تحت ایک جامع پروگرام پر ۱۹۶۵ع سے عمل بھی ہو رہا ہے - اس پروگرام کے مطابق ماہرین کا تبادلہ ہوتا ہے اور فنی تربیت کی آسانیاں بہم پہنچائی جاتی ہیں -

سیاحت

اکتوبر ۱۹۶۴ع میں سیاحت کے متعلق ایک معاہدہ ہوا اور تینوں ملکوں کے مابین سیاحت کی غرض سے ویزا کی پابندی ختم کر دی گئی ہے- سیاحوں کو سفر کی رعایات اور آسانیاں بھی بہم پہنچائی جاتی ہیں -

بنکنگ اور انشورنس

انشورنس کے سلسلے میں آر - سی - ڈی - نے کاروباری کمپنیوں کے لیے کراچی میں انشورنس سنٹر کھولا ہے - اس کے تحت تین باہمی شرکت کے ادارے مصروف کار ہیں - متعدد کمپنیاں ان میں شرکت کر رہی ہیں -

ثقافتی تعاون

ثقافتی تعاون کے لیے تینوں ملکوں کے مشترکہ ثقافتی ورثے کا احساس بیدار کرنے کے لیے سرگرمیاں جاری ہیں اور لوگوں کو باہمی تاریخ ، ثقافت اور تہذیب سے متعلق معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں - اس سلسلے میں آر - سی - ڈی - کا ثقافتی ادارہ تہران میں جون ۱۹۶۶ع میں قائم ہوا اور اس کی شاخیں استنبول ، لاہور اور ڈھاکہ میں کھولی گئی ہیں - ادارے کے ذمے تاریخ ، ثقافت ، تہذیب اور معاشرتی رسوم کے متعلق کتابیں طبع کرنے کا کام بھی ہے - بعض کتابیں شائع ہو چکی ہیں - اس کے پروگرام میں پروفیسر ، ادیبوں، آرٹسٹوں ، طلبہ ، بوائے سکاوٹوں اور گرل گائیڈز کے دورے بھی شامل ہیں - آر - سی - ڈی - کے تحت ثقافتی نمائشوں کا اہتمام بھی کیا گیا ہے -

دوسری کانفرنس :

آر ۔ سی ۔ ڈی کی دوسری کانفرنس رامسر میں جولائی ۱۹۶۷ع میں منعقد ہوئی جس میں تینوں ممالک کے سربراہ شریک ہوئے ۔ اس کانفرنس میں مکمل یک جہتی سے تجارت کی غرض سے ذرائع نقل و حمل اور وسائل آمدورفت بہتر بنانے نیز تہذیبی رشتے استوار تر کرنے کی سفارشات کی گئیں اور گزشتہ کارگزاریوں کا جائزہ لیا گیا ۔

تیسری سالانہ کانفرنس :

آر ۔ سی ۔ ڈی کے ممالک کی تیسری کانفرنس کا آغاز ۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ع کو کراچی میں ہوا جو ۲۷ دسمبر ۱۹۶۸ع تک جاری رہا ۔ اس میں بھی تینوں ممالک کے سربراہ شاہنشاہ ہمایوں محمد رضا شاہ آریا مہر ، سلیمان ڈیمریل وزیراعظم ترکیہ اور صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان شریک ہوئے ۔ کانفرنس کے اجلاس میں گزشتہ کانفرنس منعقدہ رامسر کے ورکنگ گروپ کی رپورٹ کی منظوری دے دی گئی ۔ اس کانفرنس میں تینوں سربراہوں کے مابین مکمل مفاہمت اور ہم‌آہنگی موجود تھی ۔ چنانچہ باہمی مفاد کے نہایت اہم فیصلے ہوئے ، جو درج ذیل ہیں :

۱ ۔ ایران ، ترکیہ اور پاکستان کی ایک مشترکہ فضائی کمپنی قائم کی جائے تاکہ تینوں ملکوں کو بین‌الاقوامی راستوں پر جو دوسری فضائی کمپنیوں سے مقابلہ ہے ، اس میں وہ مؤثر کردار ادا کر سکیں ۔

۲ ۔ مشترکہ جہازران کمپنی کے قیام اور تینوں ممالک کے مابین ریل اور سڑک کا رابطہ جلد مکمل کرنے پر زور دیا گیا تاکہ باہمی تجارت کے فروغ میں جو رکاوٹیں ہیں ، انہیں دور کیا جاسکے ۔

اس ضمن میں نہایت اہم اور دور رس فیصلہ یہ بھی کیا گیا کہ تینوں ممالک کو اپنی اقتصادی منصوبہ بندی اس طرح کرنی چاہیے کہ تینوں ملکوں کا پورا علاقہ بحیثیت مجموعی عالمی منڈیوں میں اپنے قدم جما سکے اور ایک ملک کی صنعتیں باقی دو ممالک کی صنعتوں کی حریف نہ بننے پائیں ۔ تینوں ملک پہلے ہی طے کر چکے ہیں کہ وہ اپنے اپنے ملک کی

فاضل پیداوار پورے علاقے کے اندر فروخت کریں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان ملکوں نے عملی طور پر اپنی مشترکہ منڈی قائم کرنے کی طرف قدم اٹھایا ہے۔

۳۔ اس کانفرنس میں تینوں حکومتوں کے سربراہوں نے بین‌الاقوامی صورت حال پر بھی غور کیا۔ میثاق استنبول کی غرض و غایت یہ تھی کہ تینوں ممالک کے مابین اقتصادی اور تہذیبی اتحاد قائم کیا جائے، لیکن اس اتحاد کو سیاست سے الگ بھی نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ اب کی دفعہ سیاسی امور پر پہلی بار غور کیا گیا اور مشترکہ اعلامیہ میں جو یک وقت تہران، انقرہ اور کراچی سے ۲۷ دسمبر ۱۹۶۸ع کو شائع ہوا، اس میں مذکورہ بالا فیصلوں کے علاوہ یہ امور بھی طے پائے کہ

(ا) بقائے باہمی کی غرض سے تخفیف اسلحہ پر زور دیا جائے۔

(ب) مشرق اور مغرب کی کشیدگی دور کرنے کی کوششیں جاری رکھی جائیں۔

(ج) مشرق وسطیٰ کی انتہائی کشیدہ صورت حال پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا، اور متفقہ طور پر یہ قرار پایا کہ دوسروں کے علاقے پر کسی کا غاصبانہ قبضہ کسی صورت میں جائز نہیں - کانفرنس نے اس بات پر زور دیا کہ ۲۲ نومبر ۱۹۶۷ع کی سلامتی کونسل کی منظور شدہ قرار داد کے ذریعے مشرق وسطیٰ کا تنازعہ طے کیا جائے۔

(د) تینوں سربراہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ خلیج فارس سے برطانوی انخلا کے بعد اس علاقے کے امن اور استحکام کی ذمے داری خلیج فارس کی متعلقہ ریاستوں کی ہوگی۔

(ہ) قبرص کے مسئلے کو بین‌الاقوامی قرار داد کے مطابق حل کرنے پر زور دیا گیا جس کی رو سے قبرص ترک باشندوں کو امن و تحفظ کی فضا میں زندہ رہنے کا حق مل سکے۔

(و) نیز یہ بھی طے ہوا کہ پاکستان اور بھارت کے مابین تنازعہ جموں و کشمیر کو اقوام متحدہ کی قرار داد کے مطابق بلا تاخیر طے کیا جائے۔

متذکرہ بالا فیصلوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس علاقے کی اقتصادی اور تہذیبی ہم آہنگی کا خواب رفتہ رفتہ ایک حقیقت کی صورت اختیار کر رہا ہے - میثاق استنبول ایک تنظیم ہی نہیں بلکہ اس نے اب ایک باقاعدہ تحریک کی صورت اختیار کر لی ہے ، جس نے تیرہ لاکھ مربع میل کے اٹھارہ کروڑ مسلمانوں کو وحدت اور تعاون کے نئے رشتوں میں منسلک کر دیا ہے اور فکر و عمل کی ہم آہنگی سے تعمیر و ترقی کی جد و جہد میں شانہ بشانہ آگے بڑھنے لگے ہیں - یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب اس علاقے کے دوسرے اسلامی ممالک بھی مشترکہ مساعی میں شریک ہو کر ایک وسیع تر اور عظیم تر اتحاد معرض وجود میں لائیں گے -

زبان و ادبیات

قاچاری دور میں اگرچہ زبان کو سہل اور رواں بنانے میں ابتدائی کام ہوا تھا لیکن رضا شاہ پہلوی نے اس مسئلہ پر خاص توجہ دی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ محب وطن ادیبوں نے فارسی کو غیر ملکی مشکل اور نامانوس الفاظ سے پاک کرنا چاہا - اس کام کا آغاز اس طرح ہوا کہ غیر ملکی مشکل الفاظ کا بدل تلاش کرنے کے لیے پہلوی اور قدیم فارسی کی طرف رجوع کیا گیا - اس قسم کے الفاظ نے زبان کو کہیں مشکل اور پیچیدہ بنا دیا - چنانچہ آقائے عباس اقبال آشتیانی نے ''فارسی ساختگی'' کے عنوان سے مضمون لکھ کر اس نئی لسانی الجھن کی نشان دہی کی -

فرہنگستان

نئے لسانی رجحانات اور ان کے اشکال کو دور کرنے کے لیے رضا شاہ پہلوی کے حکم سے ۱۹۳۵ع میں ایک ادارہ ''فرہنگستان'' کے نام سے قائم ہوا - اس ادارے کے زیر اہتمام ''مجلہ نامہ فرہنگستان'' شائع ہوا اور فارسی کو ایک خاص نہج دینے کی کوشش کی گئی - پیشہ ورانہ آسان اور عام فہم اصطلاحیں وضع کی گئیں ، علوم جدید کے لیے جدید اصطلاحات و تراکیب اختیار کی گئیں اور حسب ضرورت فرانسیسی اور انگریزی زبانوں کے الفاظ و تراکیب بھی زبان کا جزو بنا دیے گئے اور چند سال کی مسلسل جد و جہد سے زبان اس قابل ہو گئی کہ نئے سیاسی،

علمی اور اقتصادی تقاضوں کو پورا کر سکے - چنانچہ آج ایران میں تمام علوم جدید کا ذریعۂ تعلیم فارسی ہی ہے -

نیا فارسی ادب

پہلوی دور کے علوم و ادبیات پر بحث ہمارا مقصود نہیں البتہ اس دور کے بعض ادبی رجحانات کا مختصراً ذکر کیا جائے گا -

مختصر افسانہ اور ناول

اس دور میں مختصر افسانہ نویسی نے بہت ترقی پائی - بعض قابل قدر ناول بھی لکھے گئے - افسانہ نویسوں اور ناول نگاروں نے معاشرے کے اہم مسائل کے پیش نظر افسانے اور ناول لکھے - بعض نے تاریک پہلوؤں کی نشان دہی کرکے روشن پہلوؤں کی طرف رہنمائی کی - بعض نے ایرانی کردار کی عظمت بیان کرکے حب وطن کے جذبات ابھارے - ان ادیبوں میں جمال زادہ ، صادق ہدایت ، محمد حجازی ، صادق چوبک ، حسین علی مستعان، علی دشتی اور نوری خاص طور پر بہت مشہور ہیں -

تنقید

تنقید میں ڈاکٹر پرویز خانلری ، لطف علی صورتگر ، علی اصغر حکمت اور مجتبیٰ مینوی نے اپنے شاہکاروں کی بدولت ناموری حاصل کی ہے -

تحقیق و تاریخ

اس موضوع پر عالمگیر شہرت رکھنے والے علما علامہ قزوینی علامہ دہخدا ، سعید نفیسی ، بدیع الزمان فروزانفر ، محمد علی فروغی ، حسین کاظم زادہ ایرانشہر ، رضا زادہ شفق ، حسن پیرنیا ، جلال ہمائی ، سید تقی زادہ ، پور داؤد ، عباس اقبال آشتیانی ، رشید یاسمی ، ڈاکٹر محمد معین ، ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا ، علی اصغر حکمت اور ڈاکٹر خانلری ہیں۔

جدید شاعری

اس دور میں وطن پرستی اور ترقی کی امنگوں کی بدولت شاعری میں نئے رجحانات آئے اور شعرا نے وطن پرستی ، قومی برتری ، آزادی افکار ، اجتماعیات ، تمدن ایران ، تعلیم اور آزادی نسواں کو موضوع سخن بنایا -

اس صف میں نمایاں شعرا ادیب پشاوری ، فروغی ، عشقی ، ملک الشعرا بہار ، لطف علی صورتگر ، صادق سرمد ہیں -

تاریخی موضوعات پر سخن سرائی کرنے والوں میں خاص طور سے قابل ذکر ادیب الممالک ، شوریدہ ، بہار ، عشقی ، فرخی یزدی اور وحید دستگردی ہیں -

پہلوی دور میں شعر کی بعض نئی ہیئتوں پر بھی شعرا نے تجربات کیے ہیں - ان میں عارف قزوینی، نیمایوشیج ، شہر یار ، سیمین بہبہانی اور فروغ فرخ زاد بہت نمایاں ہیں -

علم و ادب کی خدمت میں ملکی صحافت بھی بہت ممتاز درجہ رکھتی ہے - اس وقت ایران میں تقریباً دو سو اخبار اور رسالے شائع ہوتے ہیں - رسالوں میں دانشکدۂ ادبیات ، ارمغان ، سخن اور یغما خاص طور سے قابل ذکر ہیں - اخبارات میں سب سے زیادہ اشاعت ''کیہان'' اور ''اطلاعات'' کی ہے -

شاہنشاہ ایران کا قومی خطاب ، آریا مہر

اعلیٰ حضرت شاہنشاہ ہمایوں محمد رضا پہلوی نے ملک کو ترقی دینے اور قوم کا سر بلند کرنے میں جو جد و جہد کی ہے اس کے اعتراف میں ایرانی پارلیمنٹ نے ایک قرار داد منظور کرکے شاہنشاہ کو ''آریا مہر'' کا قومی اعزاز پیش کیا ، جس کا لفظی مطلب ''آریائی خورشید'' ہے -

شاہنشاہ آریا مہر کا جشن تاج پوشی

ایرانی سال ۱۳۴۶ شمسی (۱۹۶۷ع) تاریخ ایران میں خاص اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں ۲۶ سال کی حکومت کے بعد شاہنشاہ محمد رضا شاہ پہلوی 'آریا مہر' کا جشن تاج پوشی منایا گیا -

ایران میں جشن تاج پوشی کی رسم ازمنۂ قدیم سے چلی آتی ہے - اس سلسلے میں ہمیں تاریخی شہادت ملتی ہے کہ آج سے تقریباً ۲۵۰۰ سال پہلے ہخامنشی حکومت (۵۵۰ تا ۳۳۰ ق م) کے مؤسس کوروش اعظم (۵۵۰ تا ۵۲۹ ق م) کا جشن تاج پوشی منایا گیا - اس کے بعد شاہنشاہان ایران کے جشن تاج پوشی کا سلسلہ باقاعدہ جاری رہا -

اہل ایران کا قدیم زمانے ہی سے یہ عقیدہ تھا کہ تخت و تاج کا حق یزداں کی طرف سے برگزیدہ شخص کو ودیعت ہوتا ہے ۔ نیز ملکی استحکام اور آزادی کا انحصار بھی شاہنشاہ پر ہوتا ہے۔ چنانچہ تخت و تاج سے عقیدت و ارادت موجودہ ایران کو آبائے قدیم ہی سے ورثے میں ملی ہے ۔

محب وطن شاہنشاہ آریا مہر نے اپنی سیاسی فراست اور شبانہ روز محنت سے امن و استحکام پیدا کرکے ملک کو شاہراہ ترقی پر گام زن کیا جس سے ملت ایران کا سر افتخار بلند ہوا ۔ اس لیے ایران کے عوام و خواص نے بڑی دھوم دھام سے یہ جشن منا کر تاج شاہی سے والہانہ عقیدت و ارادت کا اظہار کیا ۔ اس جشن کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ اہل پاکستان بھی اس میں برابر کے شریک ہوئے۔ یہاں کے ثقافتی اداروں ، اسلامی انجمنوں ، رسالوں ، اخباروں اور حکومت پاکستان نے اس پر مسرت تقریب کو شایان شان طریقے سے منایا ۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ تاج پوشی کی تقریب میں ۲۶ سال کی غیر معمولی تاخیر کیوں ہوئی ؟ اس کے اسباب پر پچھلے صفحات میں کچھ روشنی ڈالی گئی ہے ۔ بہر حال یہاں بھی مختصر طور پر ان کا ذکر کردینا مناسب ہوگا ۔

شاہنشاہ آریا مہر اس وقت تخت نشیں ہوئے جب ملک شدید دور ابتلا میں تھا ۔ جنگ عظیم دوم کے دوران اعلیٰ حضرت رضا شاہ کبیر نے اپنی غیر جانب داری کا اعلان کیا ۔ اتحادی یعنی انگریز اور روسی اس غیر جانب داری سے آتش زیر پا ہوئے کیوں کہ جرمنوں کے خلاف روس کو ایران ہی کے ذریعے ہر طرح کی امداد بہم پہنچائی جا سکتی تھی۔ اس برہمی کا یہ نتیجہ ہوا کہ روسیوں اور انگریزوں نے جارحانہ اقدام کرکے اپنی افواج سرزمین ایران میں داخل کر دیں اور پھر حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ اعلیٰ حضرت رضا شاہ کبیر کو تخت و تاج سے دست بردار ہو کر جنوبی افریقہ جانا پڑا ۔

شاہنشاہ ہمایوں محمد رضا پہلوی آریا مہر نے عنان حکومت سنبھالی تو انہیں ایران میں اتحادی افواج کی موجودگی کے باعث شدید بحران کا سامنا

کرنا پڑا - ملک میں خوراک کی قلت تھی - اقتصادی حالت پریشان کن تھی - انتہا پسند ملکی جماعتیں غیر ملکی حکومتوں کا آلۂ کار بن کر انتشار پھیلا رہی تھیں جو خراسان اور آذربائیجان کی بغاوت کا سبب بنیں- شاہنشاہ آریا مہر نے لشکر کشی کرکے ان شورشوں کو فرو کیا - پھر ڈاکٹر مصدق کی انتہا پسندانہ پالیسی کی وجہ سے تیل کے مسئلے پر ملک شدید بحران کا شکار ہوا - گویا بارہ سال تک حکومت کو پے در پے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا - قدرتی طور پر شاہنشاہ آریا مہر کی توجہ امن و امان کی بحالی کے سوا اور کسی طرف منعطف نہ ہو سکتی تھی -

۱۳۳۲ تا ۱۳۴۱ شمسی مطابق ۱۹۵۳ تا ۱۹۶۲ع کے دوران شاہنشاہ آریامہر نے اہل ملک کی حالت بہتر بنانے کے لیے ان تھک جد و جہد کی - ملک میں ترقیاتی منصوبوں پر عمل شروع ہوا ، زرعی اصلاحات نافذ ہوئیں - نو نکاتی اصلاحات جو ''انقلاب سفید'' کے نام سے موسوم ہیں ، عمل پذیر ہوئیں - اس طرح ملک میں ترقی اور سلامتی کا دور شروع ہوا جس سے ملک و ملت کے وقار میں اضافہ ہوا - یہ مسلسل جد و جہد تھی جس کے باعث گذشتہ ۲۶ سالوں میں شاہنشاہ آریا مہر جشن تاج پوشی کی طرف توجہ نہ دے سکے -

شاہ بانوے ایران

علیا حضرت فرح دیبا پہلوی شاہ بانوے ایران ملکی بہبود میں بہت فعال حصہ لے رہی ہیں، اس لیے ان کے مختصر سوانح حیات اور ان کی قومی سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنا بھی ضروری ہے -

علیا حضرت فرح دیبا ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۸ع کو تہران میں پیدا ہوئیں - ان کے والد سہراب دیبا قانون کی تعلیم سے فارغ ہو کر ایرانی فوج میں ایک ذمے دار عہدے پر فائز رہے فرح دیبا ابھی تہران کے پرائمری سکول کے دوسرے سال ہی میں تھیں کہ ان کے والد فوت ہوگئے اور ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ان کی والدہ نے سنبھالی -

شاہ بانوے ایران Jeanned' Arc School سے فارغ التحصیل ہو کر اعلیٰ تعلیم کے لیے پیرس گئیں جہاں وہ ایک عام طالبہ کی حیثیت

میں Ecoled' Architecture میں زیر تعلیم رہیں اور آرٹ میں سند حاصل کی۔

شاہ بانو اور شاہنشاہ ایران آریا مہر کی شادی ۲۴ دسمبر ۱۹۵۹ء کو ہوئی۔ اب ان کے تین بچے ہیں۔ شہزادہ ولی‌عہد رضا پہلوی ۳۱ اکتوبر ۱۹۶۰ء، شہزادی فرح ناز پہلوی ۱۱ مارچ ۱۹۶۳ء اور شہزادہ علی رضا پہلوی ۲۸ اپریل ۱۹۶۶ء کو پیدا ہوئے۔

شاہ بانوے ایران نے سماجی بہبود کی بعض اہم تنظیموں کی سرپرستی کر کے حکومت کے تعاون اور عوام کی خدمت کا اہم فریضہ اپنے ذمے لیا ہے۔ آپ کا بیشتر وقت ان تنظیموں کی دیکھ بھال میں گزرتا ہے۔ آپ[1] ''فرح پہلوی ویلفیئر فاؤنڈیشن'' کی سرپرست ہیں۔ اس تنظیم کے زیر اہتمام ملک بھر میں تینتالیس یتیم خانے قائم ہو چکے ہیں۔ ان میں سے نو تہران میں ہیں اور چونتیس مختلف صوبوں میں۔ یہ منصوبہ بھی زیر غور ہے کہ ہر سال ایسے اور یتیم خانے بھی ضرورت کے مطابق قائم کیے جائیں۔''

شاہبانوے ایران سماجی بہبود کے کاموں میں گہری دلچسپی لیتی ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں قزوین میں ایک خوف ناک زلزلے کی وجہ سے تباہی آئی تو آپ موقع پر پہنچ کر دیکھتی رہیں کہ متاثرہ علاقے کو ضروری امداد ملتی ہے یا نہیں۔

شاہ بانو، ٹی۔ بی ایسوسی ایشن، بہبودی کی قومی تنظیم اور بے بصر اطفال کے رضا پہلوی سکول کی صدر ہیں۔ ان کے علاوہ بعض اور سماجی ادارے بھی آپ کی سرپرستی میں چل رہے ہیں۔ تالیف و ترجمہ کی رائل سوسائٹی کی بھی آپ صدر ہیں۔ شاہ بانوے ایران ڈرامہ نویسوں کی بھی بہت حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ اکثر آرٹ گیلریوں میں جاتی ہیں، جس سے فن کاروں کو مزید تشویق ہوتی ہے۔

۱۔ رسالہ ''جام جم'' دولت شاہنشاہی ایران، آبانماہ ۱۳۴۶ شمسی مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۶۷ء، صفحہ ۱۰۔

ریجنٹ کے تقرر کے لیے آئین ایران میں ترمیم

ایران کی دستور ساز اسمبلی نے ۸ ستمبر ۱۹۶۷ء کو آئین میں ایک اہم ترمیم کرکے ریجنسی کا قانون منظور کیا - اس قانون کی رو سے یہ فیصلہ ہوا کہ شاہ بانوے ایران شاہنشاہ کی عدم موجودگی میں شاہزادہ ولی عہد کی ریجنٹ ہوں گی اور انہیں یہ اختیار حاصل ہوگا کہ شاہزادہ ولی عہد کے بالغ ہونے تک بحیثیت ریجنٹ ایک کونسل کے مشورے سے ملکی حکومت چلائیں - یہ کونسل وزیراعظم ، سینٹ اور مجلس قانون ساز دونوں کے صدر ، سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور علیا حضرت ریجنٹ کے نامزد کردہ چار معزز شہریوں پر مشتمل ہوگی -

شاہنشاہ آریا مہر کے غیرملکی دورے

۱۹۴۸ سے ۱۹۶۷ء تک شاہنشاہ ایران نے سرکاری اور نجی حیثیت میں ایشیائی ، یورپی اور اشتراکی ممالک کے دورے کیے اور وہاں کے سربراہوں اور رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور اپنے معقول نظریات ، بیانات اور تقریروں کی وجہ سے دنیا کے عظیم مدبروں کی صف میں جگہ حاصل کی - ان دوروں کی وجہ سے نیز غیرملکی سربراہوں کے ایران کے دوروں کے باعث بہت مفید نتائج برآمد ہوئے - ان کا مختصر سا ذکر درج ذیل ہے -

۱ - ان دوروں کی وجہ سے ایران کی خارجہ پالیسی میں لچک پیدا ہوئی - ایران کے متعلق غیر ملکی رہنماؤں اور سیاست دانوں کے رویے میں خوش گوار تبدیلی آئی اور شاہنشاہ آریا مہر کے سیاسی شعور اور امتیازی شخصیت سے دنیا متعارف ہوئی - اس سے ایران کو سیاسی وقار حاصل ہوا - صدر جانسن اور دوسرے ممالک کے سیاست دانوں نے متعدد بار اعتراف کیا ہے کہ شاہنشاہ کی دانش مندانہ پالیسی نے ایران کو دنیا کے طاقت ور ملکوں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے -

۲ - متعدد ممالک کے رہنما اور سیاست دان ایران کا دورہ کرکے یہاں کی معاشرتی ، تعلیمی ، سیاسی اور اقتصادی ترقی سے آشنا ہوئے اور انہوں نے ایران کے ساتھ سیاسی ثقافتی اور تجارتی روابط کو وسیع ترکرنے کی راہ ہموار کی -

شاہنشاہ آریا مہر کی تصانیف

شاہنشاہ آریا مہر صاحب تدبر حکمران ہونے کے ساتھ اہل قلم بھی ہیں - آپ کی پہلی تصنیف "رضا شاہ کبیر" ہے جو تہران سے شائع ہوئی - اس میں آپ نے اپنے والد کی زندگی کے حالات اور ان کی قومی جد و جہد کا حال بیان کیا ہے - اس کے بعد آپ نے "Mission For My Country" کے نام سے انگریزی میں ایک کتاب تصنیف کی جو ۱۹۶۱ع میں تہران میں اشاعت پذیر ہوئی - اسے ایران کی سیاسی اور معاشرتی تاریخ سمجھنا چاہیے - اس میں مستقبل کے منصوبوں کا بھی ذکر آیا ہے نیز نجی زندگی کے حالات بے لاگ طریقے پر بیان کیے ہیں - یہ کتاب[1] نو غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے - اس کتاب کی تمام تر آمدنی شاہنشاہ آریا مہر نے "پہلوی فاؤنڈیشن برائے تالیف و ترجمہ" کو سونپ دی ہے کہ اسے تعلیمی اور ثقافتی مقاصد پر صرف کیا جائے - آپ کی حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب "انقلاب سفید" ہے - اس میں نو نکاتی اصلاحات بڑی شرح و بسط سے بیان کی گئی ہیں - یہ کتاب بھی ایک دنیا سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے -

ایران اور پاکستان کے ملی روابط

تاریخ ایران کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ہخامنشی دور (۵۵۰ تا ۳۳۰ ق م) میں ایران و پاکستان کے مابین روابط قائم تھے - یہ روابط محض ثقافت تک محدود نہ تھے بلکہ زندگی کے مختلف شعبوں میں مخلصانہ تعاون بھی تھا جس کی بنا پر دونوں ملکوں میں ترقی اور خوش حالی ہوئی - یہی تعاون تھا جس کی بنا پر "۴۰۰ قبل مسیح[2] میں پنجاب اور سندھ کے نوجوان ہخامنشی لشکر کے دوش بدوش قدیم یونانی حملہ آوروں سے لڑے" - ساسانی عہد (۲۲۶ تا ۶۵۲ع) کا مشہور شاہنشاہ بہرام گور (۴۲۰ تا ۴۴۰ع) تو برعظیم پاکستان و ہند سے رقاصوں کے متعدد کنبے لے گیا اور ایران میں انہیں بسایا - نوشیروان عادل (۵۳۱ تا ۵۷۹ع)

---

۱ - جام جم : دولت شاہنشاہی ایران ، ماہ اکتوبر ۱۹۶۷ع ، صفحہ ۹ -

۲ - ایضاً -

کے زمانے میں مشہور کتاب ''کلیلہ و دمنہ'' پاکستان و ہند سے منگوائی گئی اور حکیم بزرجمہر کی رہنمائی میں اس کا ترجمہ پہلوی میں ہوا -

ایران میں جب بھی غیرملکیوں کی یلغاریں ہوئیں ، ایرانی کثیر تعداد میں پاکستان و ہند میں آئے جہاں ان کا پرتپاک خیرمقدم ہوا اور وہ یہیں رس بس گئے - پھر جب اہل ایران اور برعظیم پاکستان و ہند کے لوگوں نے اسلام قبول کیا تو رفتہ رفتہ ایرانی نژاد صوفیا اس برعظیم میں آئے اور اسلام کی ترویج و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا - غزنوی اور سلاطین دہلی کے زمانوں میں ایرانی علما نے ملک و ملت کی جو خدمت کی وہ ہمارے تاریخی اور ثقافتی ورثے کی صورت میں موجود ہے -

بابر تو ایران میں پیدا ہوا تھا ، مزاج بھی اس کا ایرانی تھا ، وہ اس برعظیم میں آیا تو اس کے ساتھ ایرانی جمعیت کے علاوہ ''تین شاعر[۱]، عبدالواحد فارغی ، نادر سمرقندی اور طاہر خواندی بھی تھے'' - اس نے مغلیہ سلطنت قائم کی تو دونوں ملکوں کے تعلقات اور بھی بڑھے - ایران کے صفوی دور (۹۰۷ تا ۱۱۳۵ھ) کے حکمرانوں نے بھی اپنی ہمسایہ اسلامی سلطنت کے ساتھ تعلقات برقرار رکھے - یہاں تک کہ جب شاہنشاہ ہمایوں کو شیر شاہ سوری کی مہم میں وطن چھوڑنا پڑا تو صفوی تاجدار طہماسپ اول نے ۹۵۱ھ مطابق ۱۵۴۴ع میں اس کا شاہانہ استقبال کیا اور ہمایوں کو دوبارہ تخت و تاج حاصل کرنے میں فوجی امداد بھی دی - ہمایوں کے وطن واپس آنے پر ایران کے متعدد علما اور شعرا پاکستان و ہند آئے - ایسے علما کی آمد کے لیے اکبر اعظم ، جہانگیر اور شاہجہان کا دربار خاص طور سے بہت نمایاں ہے - یہ سلسلہ اورنگ زیب عالمگیر بلکہ بعد تک بھی قائم رہا - مغلیہ دور میں فارسی زبان کو جو عروج حاصل ہوا اس میں ایرانی علما کو بھی بہت بڑا دخل ہے - یہ زبان ہمارے ملکی ، قومی اور ثقافتی روابط کی آئینہ دار ہے -

برعظیم میں انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تو دونوں قوموں کا میل جول کم ہو گیا - اس کے باوجود یہاں کے اہل علم کو یہ احساس

---

۱ - رسالہ جام جم : دولت شاہنشاہی ایران ، ماہ اکتوبر ۱۹۶۷ع-

تھا کہ ذہنی اور معنوی ورثہ جس پر ہمیں فخر ہے ، ہمیں ایرانی علما ، شعرا اور صوفیا سے حاصل ہوا۔ چنانچہ علامہ اقبال نے اس حقیقت کا اعتراف ''زبور عجم'' میں کیا ہے :

چون چراغ لالہ سوزم در خیابان شما
ای جوانان عجم جان من و جان شما

غوطہا زد در ضمیر زندگی اندیشہ ام
تا بدست آوردہ‌ام افکار پنہان شما

حلقہ گرد من زنید ای پیکران آب و گل
آتشی در سینہ دارم از نیاگان شما

۱۹۴۷ع میں پاکستان آزاد ملک کی حیثیت میں وجود میں آیا تو سب سے پہلا ملک جس نے پاکستان کو تسلیم کیا، ایران ہی تھا۔ اب اگرچہ جغرافیائی حدود کے لحاظ سے ایران و پاکستان جدا جدا ملک ہیں ، لیکن سیاسی ، مذہبی ، ثقافتی اور نسلی رشتوں کی بنا پر وہ ایک ہی ہیں ۔

آریا مہر شاہنشاہ ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی کو پاکستان اپنے وطن ہی کی طرح عزیز ہے ۔ دونوں ملکوں کے سربراہوں کے باہمی دوروں نے ایران و پاکستان کو استوار تر رشتوں میں منسلک کر دیا ہے ۔

۱۹۴۹ع میں لیاقت خان مرحوم حکومت ایران کی دعوت پر ایران تشریف لے گئے تو ان کا اہل ایران نے پرتپاک خیر مقدم کیا ۔ سپاسنامہ جو انھیں پیش کیا گیا ، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا :

''ہمارے برادرانہ روابط کا سلسلہ دنیا بھر کے اسلامی ممالک کے ساتھ قائم ہے ، لیکن ایران ہم سے ہر لحاظ سے قریب تر ہے......۔''

اس دورے کا یہ نتیجہ ہوا کہ یکم فروری ۱۹۵۰ع کو ایران اور پاکستان کے مابین معاہدۂ دوستی طے پایا ۔ ۲۰ جون ۱۹۵۰ع کو شہری ہوا بازی کا بھی معاہدہ ہوا ۔ نیز کراچی اور تہران کو ریڈیو ٹیلیگراف اور ریڈیو ٹیلیفون کے ذریعے ملا دیا گیا ۔ اسی سال حکومت پاکستان کی دعوت پر اعلیٰ حضرت شاہنشاہ ہمایوں محمد رضا شاہ پہلوی پاکستان

تشریف لائے اور پوری قوم نے نہایت احترام اور گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا - ایک سپاس نامے کے جواب میں آپ نے فرمایا :

''ایران و پاکستان کے مابین جو دوستی کا معاہدہ ہوا ہے وہ گویا سنگ بنیاد ہے جس پر اقتصادی اور سیاسی معاہدوں کی مستحکم عمارت تعمیر ہوگی۔''

دونوں ملکوں کے مابین ۱۹۵۶ع میں ایک ثقافتی معاہدہ ہوا جس کے مقاصد درج ذیل ہیں : ''دونوں ملکوں میں ثقافتی سرگرمیاں بڑھانے کے لیے علمی ادارے قائم کیے جائیں - استادوں ، پروفیسروں اور طلبہ کے تعلیمی دوروں کے لیے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں - یہ بھی طے پایا کہ ایک ملک کے طلبہ کو دوسرے ملک میں علوم و فنون کی تعلیم کے لیے وظائف دیے جائیں - اس ثقافتی معاہدے پر نہایت گرم جوشی سے عمل ہو رہا ہے - حکومت ایران نے کراچی ، لاہور ، راولپنڈی اور کوئٹہ میں خانہ ہائے فرہنگ قائم کیے ہیں - ایسا ہی ادارہ حکومت پاکستان نے تہران میں قائم کیا ہے -

اگست ۱۹۵۹ع میں دونوں ملکوں میں ایک تجارتی معاہدہ بھی ہوا جس کی رو سے باہمی تجارت کا راستہ ہموار ہو گیا -

معاہدہ استنبول بھی جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے ، باہمی اتحاد ہی کا نتیجہ ہے -

۹ نومبر ۱۹۵۹ع کو صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں ایران تشریف لے گئے تو اہل ایران نے اتنی محبت اور خلوص سے ان کا خیرمقدم کیا کہ اس کی نظیر نہیں ملتی - اس دورے میں آپ نے ''معاہدۂ بغداد'' کی سیاسی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ معاہدہ باہمی تعلقات کو استوار کرنے کی جانب اہم قدم ہے - تعلقات کی استواری کا ایک یہ نتیجہ تھا کہ ایران و پاکستان کی باہمی سرحد بھی ایک معاہدے کے تحت معین ہو گئی -

۱۹۶۷ع میں آریا مہر شاہنشاہ ایران پاکستان تشریف لائے تو پوری قوم احترام صمیمانہ کے ساتھ آپ کے استقبال میں شریک ہوئی - باہمی یگانگت ، خلوص و محبت کا یہ ثمرہ ہے کہ دونوں ملکوں کا رشتۂ مؤدت و اخوت استوار تر ہو رہا ہے -

تمت بالخیر

اشاریه

اشخاص

ب

پ

ت

ٹ

ث

ج

چ

ح

ض

ط

ظ

ع

غ

ف

گ

ل

م

و

ہ

ی ، ے

مقامات

الف

ٹ

ج

چ

ح

خ

ص

ط

ع

غ

ف

ق

ک

گ

ل

م

ن

ی

اقوام و مذاہب

آ

الف

کتب و رسائل

ب

پ

ت

ث

ج

ز

س

ش

ص

ل

م

ن

و

ہ

ی ے

مجلس ترقی ادب لاہور کی کلاسیکی مطبوعات

نمبر	کتاب	قیمت
۱	مکارم الاخلاق	۱۱/-
۲	کلیات غالب فارسی (۳ جلدیں)	۳۰/-
۳	اردو کی قدیم منظوم داستانیں	۱۰/-
۴	عود ہندی	۱۰/-
۵	موازنۂ انیس و دبیر	۹/-
۶	بہار دانش	۳/-
۷	رسالۂ گل کرسٹ (قواعد زبان اردو)	۲/-
۸	واسوخت	۲/۷۵
۹	کلیات مومن (دو حصے)	۱۴/-
۱۰	دیوان درد	۳/۵۰
۱۱	مہتاب داغ	۷/۵۰
۱۲	کلیات شیفتہ	۴/۵۰
۱۳	کلیات نظام	۹/-
۱۴	مثنویات حسن (جلد اول)	۶/-
۱۵	دیوان جہاں دار	۴/-
۱۶	کلیات قائم (اول دوم)	۱۸/-
۱۷	کلیات ذوق (۲ جلد)	۱۵/-
۱۸	کلیات قلق	۱۰/-
۱۹	کلیات نسیم	۹/-
۲۰	کلیات سالک	۱۱-
۲۱	بیتال پچیسی	۴/-
۲۲	سکنتلا	۲۲/۵
۲۳	آرایش محفل از حیدر بخش حیدری	۶/۵۰
۲۴	اخلاق ہندی	۳/-
۲۵	جامع الحکایات ہندی	۳/-
۲۶	جوہر اخلاق	۱/۵۰
۲۷	خرد افروز (دو جلدیں)	۹/۵۰
۲۸	نتائج المعانی	۲/۵۰
۲۹	قصہ اگر گل	۳/۵۰
۳۰	سروش سخن	۵/-
۳۱	نو رتن	۶/-
۳۲	اخوان الصفا	۴/۵۰
۳۳	مذہب عشق	۲/-
۳۴	توتا کہانی	۳/۵۰
۳۵	عجائب القصص	۹/-
۳۶	نقلیات	۱/۲۵
۳۷	باغ اردو	۵/-
۳۸	مرقع لیلیٰ مجنوں	۲/۵۰
۳۹	وکرم اروسی	۱/۷۵
۴۰	توبۃ النصوح	۷/۷۵
۴۱	نشتر	۴/-
۴۲	فردوس بریں	۴/-
۴۳	طرح دار لونڈی	۶/-
۴۴	فسانۂ مبتلا	۴/۵۰
۴۵	ابن الوقت (زیر طبع)	
۴۶	امراؤ جان ادا	۵/-
۴۷	بزم آخر	۲/۵۰
۴۸	رسوم ہند	۳/۵۰
۴۹	آرایش محفل، از شیر علی افسوس	۸/-
۵۰	قصص ہند	۲/-
۵۱	گل مغفرت	۳/۵۰
۵۲	تذکرہ بہارستان ناز	۴/۵۰
۵۳	تذکرہ گلستان سخن (۲ جلد)	۲۲/-
۵۴	تذکرہ مخزن نکات	۵/-
۵۵	یادگار غالب	۹/-
۵۶	حیات سعدی	۲/۵۰
۵۷	سوانح مولانا روم	۲/۵۰
۵۸	مسافران لندن	۳/-
۵۹	موعظۂ حسنہ	۴/-
۶۰	مکتوبات سرسید (زیر طبع)	
۶۱	مکاتیب محمد حسین آزاد	۵/-
۶۲	مقالات محمد حسین آزاد	۸/-
۶۳	باقیات شبلی	۲/-
۶۴	مقالات سرسید (حصہ اول تا شانزدہم)	۷۲/-